٤٦

٠٥١ — ٢٣٧

١٩٠٧

مخزن

3 FEB. 18

8 JUNE 1938 75

۰۵۱ ۴۳۷ ۸۹

یہ کتاب اُس تاریخ کو جو سب سے آخیر میں ڈالی گئی ہے
واپس کرنی ہے، ورنہ پانچ پیسے روزانہ کے حساب سے
ہرجانہ ادا کرنا ہوگا

یہ چیک ہے

اپنی دوا کے ساتھ ہم ایک چیک بھی کاٹ دیتے ہیں
جو فائدہ نہ ہونے کی حالت میں ایک روپیہ
بنک سے واپس دلا دے گا

یہ کارخانہ تخمیناً پورے پچاس برس سے ملک میں طبی خدمات کا مرکز
ہے۔ علاوہ ہزارہا قابل قدر سندات کے گورنمنٹ عالیہ نے
میں اس قوم کے ہیڈ شیخ خیرالدین صاحب آنریری مجسٹریٹ
و میونسپل کمشنر کو بصلہ خدمات امراض وبائیہ ایک نہایت شاندار
بیش قیمت طلائی گھڑی مرحمت فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار
کی تھی۔ دواؤں کی خوبی اور انکے اوصاف
کرنے کی بجائے ہم ہر دوا کے ساتھ آپکو ایک چیک

پنجاب کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

کے نام دینگے۔ دوا کے باقاعدہ استعمال
کے بعد اگر آپکو فائدہ نہ ہو تو آپ یقیناً
اس امر کے مجاز ہیں کہ وہی چیک بذریعہ ڈاک
مذکورہ بالا بنک میں بھیج کر ہمارے
کھلے ہوئے حساب میں سے روپیہ
واپس لے لیں۔ پس اس سے زیادہ
آسان اور کھرا طریقہ
ناممکن ہے۔

مشتہر شیخ خیرالدین۔ رحیم بخش دواساز۔ مالک شفاخانہ ... لاہور

بقیہ فہرست کتب ای ایچ اختر اینڈ کو بک سیلرز جنرل سپلائرز لاہور

عیار قلندر
سراغرسانی کی دلچسپ کہانی لاہور کا سچا واقعہ ۸/

پارس کستوری
ایک ہندو راجہ کے سچے حالات درج [illegible]

انگلستان کا سفید غلام
نام ہی سے ظاہر ہے [illegible]
[illegible]
قیمت صرف [illegible]

بدر الدین
[illegible]
قیمت صرف [illegible]

گوکلا کماری
[illegible]
راجہ [illegible]
واقعہ قیمت [illegible]

حسن انجلینا
مولانا شرر کی مشہور تصنیف ہیں سے یہ بھی ایک ہے جس اسلامی جوش اور [illegible] سے پڑھیے۔ قیمت ۔۔ ۱۲/

حرمان نصیب
ایک سچا اور اچھوتا ناول ہے قیمت صرف ۔۔ ۱۰/

فریب محبت
ایک انگریزی ناول کا ترجمہ عمدہ پیرایہ میں عشق و محبت کی دلچسپ داستان ہیں ۔۔ ۱۲/

رضیہ سلطانہ
ہندوستان کی مشہور ملکہ رضیہ سلطانہ اور ملک [illegible] کی محبت کا سچا واقعہ ۔۔ ۶/

خوشحال سنگھ
[illegible]
[illegible] حالات ۔۔ ۸/

شاہ علاؤالدین
[illegible]

شیدہ بولناک
جس میں [illegible]
[illegible]
قیمت صرف ۔۔ ۱۲/

محمود تشکیلا
[illegible] ۔۔ ۸/

راز نہانی عشق نہاں
انگریزوں سے جوراہ علام [illegible] عورت کے فریب کا مرد پر چل جانا نہایت پر لطف ہے ۔۔ ۶/

من موہنی
ایک باعصمت لڑکی کا حیرت انگیز داستان ہے قیمت صرف ۔۔ ۱۲/

کامیاب عاشق
نام ہی نے لکھا ہے عاشق اور پھر کامیاب [illegible]
قیمت صرف ۱۲/

رابعہ حسین علیا
[illegible]
قیمت صرف ۱۰/

چمنستان مالک
[illegible] مشہور [illegible]
[illegible]
قیمت صرف ۔۔ ۸/

نئی دلہن حسین حسن عشق کی
کرشمہ ایک پاکدامن لیڈی کے عجیب و غریب حالات وغیرہ درج ہیں۔ ۸/

نیرنگئ زمانہ
مہاراجہ ہریش چندر کے مصیبت بھرے حالات ناول کے پیرایہ میں درج ہیں ۔۔ ۸/

بستر مرگ
حسن و خوبی عشق کی سچی عاشقی تصویر ۔۔ ۸/

گلستاں ایک سچے
عاشق کا وصل کو محروم ہو کر بے پایاں اختیار کرنا ہزاروں مصیبتوں کے بعد عاشق و معشوق کا ملاپ ۔۔ ۱۰/

علاؤ الدین
[illegible]
موجود ہیں جو عالی قیمت پر بیچے جا سکتے ہیں

نوٹ
معزز احباب کی خدمت [illegible]
[illegible]
[illegible]

ملنے کا پتہ
ای ایچ اختر اینڈ کو بک سیلرز [illegible] لاہور

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل ایگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولائت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا۔ پڑوال۔ غبار۔ پھولا۔ سبل۔ سرخی۔ ابتدائی موتیا بند۔ ناخنہ۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے ۱۲ ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ ۲ (خالص ممیرہ فی ماشہ ۵) مصری سرمہ فی تولہ ۱۲ خرچ ڈاک ذمہ خریدار۔ درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔ المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ ممیرے کا سرمہ مسٹر میا سنگھ اہلووالیہ نے ایجاد کیا ہے بڑی بیش قیمت اور مفید دوا ہے۔ بالخصوص مفصلہ ذیل امراض کے لئے بہتر اکسیر ہے۔ آنکھوں سے پانی کا بہت جانا۔ دھند سوزش ہر قسم جس کو آنکھ آنا کہتے ہیں جلن اور کمزوری نظر ناخنہ۔ باہر اور اندر کی جھلی کا زخم اور ان پر پیپ کا پڑنا چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر کیمیاوی شئے نہیں ہے۔ اس لئے ہر کسی کے لئے اس کا استعمال مفید ہے مفصلات میں جہاں لائق ڈاکٹروں کا ملنا مشکل ہے وہاں ایسی مفید دوا کو ضرور پاس رکھنا چاہئے۔ اس لئے میں بلا تکلف سفارش کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا امراض کیلئے ممیرے کا سرمہ ضروری ہے۔ معائنہ کنندہ راقم ڈاکٹر ایم۔ بی سانگلی صاحب بہادر ایم ڈی ایم۔ ایس سند یافتہ یونیورسٹی ایڈنبرگ انگلینڈ امرتسر۔

(۲) جناب ارشاد صاحب تسلیم میں نے آپکا ممیرے کا سرمہ استعمال کیا میں تصدیق کرتا ہوں کہ بیشک یہ سرمہ کمزوری چشم کیلئے بہت مفید ہے میری آنکھیں بالکل کمزور تھیں لگاتار ایک گھنٹہ کام کرنے سے معذور ہو جاتا تھا۔ اب میری یہ کیفیت ہے کہ صرف ہفتہ روز کے استعمال سے تین تین پہر بلکہ تمام رات اچھی طرح کام کر سکتا ہوں۔ راقم میاں [illegible] محمد عباس خلف نواب یٰسین محمد خاں صاحب بہادر [illegible] ریاست بھوپال

پانچ ہزار روپیہ انعام

اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے تو اسکو مبلغ پانچہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ جو روپیہ کو بنک میں اسی مطلب کیلئے ۶ مارچ سنہ ۱۹ سے جمع کیا گیا ہے۔

علمی لوٹ

معزز خریداران مخزن

کے لئے نادر موقعہ دو آنے میں ایک روپیہ

ناظرین مخزن کی خدمت میں التماس ہے کہ ... اپریل تک ایک غیر معمولی رعایت ... معزز خریداران مخزن کے لیے ... کسی تاجر ... ہمارے ... ممکن ہے اسوقت ... صاحب ذیل میں ...

ایک روپیہ لیا جائیگا ... لائق مصنفوں کے تصنیف شدہ ہیں ... ہماری سچائی کا ثبوت دیں گے

احمد خان

حمید و امینہ

بوالہوس

چھپر کھٹ

افلاطون

عروس

ملنے کا پتہ ... اے ایچ اشرف ...

تاریخی و ادبی کتابیں

یادگار دہلی: دربار ہائے تاجپوشی تخت نشینی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں بیش بہا کتاب تیار ہوئی ہے جس میں اول تو شہنشاہ کی مفصل سوانح عمری اور پھر دربار ہائے لنڈن و ہندوستان کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں اور ساتھ ہی مشاہیر دربار یعنی شہنشاہ ملکہ لارڈ و لیڈی کرزن لارڈ کچنر ڈیوک آف کناٹ امپیریل کیڈٹ کور نظام دکن والیان ریاست ہائے کشمیر اودے پور گوالیار وغیرہ اور معزز مہمانان دربار مثلاً نواب فتح علی خان قزلباش و [illegible] محمود آباد وغیرہ وغیرہ کی عکسی گراف تون تصویریں بھی معہ ان کے حالات کے درج کتاب ہیں۔ کتاب کا حجم سات سو صفحہ اور نقشہ جات ایک سو کی تعداد میں ہیں اس کے علاوہ [illegible] کتاب کی قدردانی میں پنجاب و ہندوستان کی ہائیکورٹ [illegible] والیان ریاست [illegible] نے قابل قدر حصہ لیا ہے اور اسکی خوبی کی اعلیٰ دلیل ہے قیمت [illegible]

یادگار وکٹوریہ: ملکہ وکٹوریہ متوفیہ کی مکمل لائف یوم پیدائش سے وقت آخر تک اس جامعیت کیساتھ لکھی گئی ہے ساتھ ہی ان کے عہد سلطنت کے تاریخی واقعات اور وسعت مقبوضات پر بھی نظر پڑ جاتی ہے۔ ساتھ ہی ملکہ کی مختلف [illegible] کی تین اور ان کے فرزند موجودہ شہنشاہ بیگم کی تصویریں بھی درج کتاب ہیں۔ حجم [illegible] صفحہ قیمت [illegible]

یادگار تاریخ دربار لاہور: سنہ ۱۸۹۴ء میں لارڈ ایلگن نے جو شاندار دربار لاہور میں منعقد کیا تھا اس کے جملہ حالات انتظامات معہ ریاستہائے پنجاب یعنی کشمیر پٹیالہ [illegible] جیند نابھہ کپورتھلہ فریدکوٹ [illegible] سرمور اور [illegible] [illegible] لارڈ ایلگن کی تصویر کے درج ہیں قیمت آٹھ آنہ حجم قریباً ایک سو صفحہ۔

یادگار سعدی: [illegible] اس کتاب میں شیخ سعدی کے اصل حالات زندگی اور ان کے طور [illegible] حکایات [illegible] قابل قدر ترجمہ اور انتخاب [illegible] کیا ہے [illegible] زیادہ تعریف فضول ہے [illegible] ۳۰۰ صفحہ [illegible]

یادگار [illegible]: [illegible] اشتہاروں میں ان کی تعریف بھی بہت پڑھی ہوں گی [illegible] زبانی وجانی کے [illegible] اخلاص مروت کی تصویریں [illegible] کھینچی ہیں [illegible] ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو اسے ضرور دیکھنا چاہئے [illegible] صفحہ قیمت [illegible]

ماہنامہ ہند: یہ فارسی نظم [illegible] امیر تیمور سے آخر [illegible] اصل نسخہ بڑی قیمت پر ایک پرانے کتب خانہ سے خرید کر چھاپہ گیا ہے حجم [illegible] صفحہ قیمت [illegible] روپیہ کا ویلیو کیا جائے گا +

المشتہر: منیجر یادگار آفس لاہور اندرون دہلی دروازہ

آؤ بتلائیں پچاس ہزار مریض کسطرح صحتیاب ہوئے ہیں

طاقت بخش خون افزا روح مرکب

اعصاب میں حواس حرکت اور دماغ میں جو عقل فراست وغیرہ قوتیں خدائی ہیں اور اعصاب رئیسہ میں جو مغز کام کرنی کا ہے وہ ہر ایک قی مادہ خدائی جسم میں پیدا کیا کہ اس سے یہ کل جسم اور کل کے پرزے کام دیتی ہیں جب ہماری ہوتی ہے وہ مادہ [illegible] ہو جاتا ہے تو اندرونی عضو وہ کام کرنا چھوڑ جاتے ہیں۔ کثرت [illegible] عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہو جاتا ہے دل دماغ جگر اور برقی سسٹم و نظام خون وغیرہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ اسطرح چائے دوا افیون بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعصاب میں وہ مادہ دوڑ نہیں سکتا ہے کیونکہ ضعف عروق و اعصاب کی راہ خراب ہو جاتی ہے۔ یہ مرکب گویا روح رواں اعصاب رئیسہ ہے اس کے ہمراہ حیات روح ہو گی [illegible] بیمار جسم کے لئے [illegible] ہوتی ہے یہ مرکب سست اعصاب کا [illegible] علاج ہے۔ اس کی ایک دو شیشی سے [illegible] اور جسم فربہ ہو جاتا ہے جس سے بھوک خوب لگتی ہے۔

قیمت فی شیشی چار روپیہ (للعہ)

[illegible]	سیلان الرحم [illegible] عورتوں کی صحت بحال [illegible] قیمت [illegible]
حب [illegible] [illegible] قیمت فی [illegible]	[illegible] [illegible] گلفام [illegible]
[illegible] خون [illegible]	نور علی نور [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

[illegible]

پتہ — زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی ایڈیٹر رسالہ حفظ الصحت موچی دروازہ لاہور

خاتون

یہ امر اب طے ہو گیا ہے اور ملک کے تمام اہل الرائے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔ کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسواں ہے جب تک کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی۔ اس وقت تک وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی ایشیا کے ترقی نہ کرنے کے سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اہل ایشیا نے اب تک اس راز کو سمجھا نہیں تھا۔ آپ جاپان کو دیکھئے کہ وہاں کی عورتوں میں چونکہ تعلیم رائج ہو گئی ہے۔ اس لئے اس کے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہو رہے ہیں۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے۔ تو پہلے ہی اسکول کا آغوش مادر ہے جہاں اس کی ابتدائی تربیت ہوتی ہے۔ اور تربیت بھی کیسی جس کا اثر مدت العمر زائل نہیں ہو سکتا ہے۔ پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہوں گی تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہوگی۔ عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اسکے اندر راسخ ہونگے اور اسکی تعلیم کی جڑ مضبوط رہے گی۔

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے۔ جو لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اسکے اعلیٰ اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں اور اس کے اندر دیانتداری۔ راستبازی۔ خوش خلقی۔ معاملہ فہمی اور دور اندیشی وغیرہ تمام اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں بجنسہ اسی ہندوستان میں وہی کورس پڑھا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں میں وہ اثرات نہیں پیدا ہوتے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش ہی سے ان اوصاف سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں سے کورے رہتے ہیں۔ آغوش مادر کی اعلیٰ تربیت اول نمبر ہے۔ اور بی۔ اے۔ یا ایل۔ ایل ڈی کی ڈگری دوسرے نمبر پر۔ اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ عورتوں کی جہالت ہے۔ اس قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں کا ادبار نازل ہے۔ اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں +

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کی تلافی کی طرف مائل کرنے کے لئے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسواں کی طرف سے رسالہ خاتون ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسواں کے فوائد اور نتائج سے آگاہ کرنے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلانے اور علم کی طرف ان کی دلچسپی پیدا کرنے اور اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ و عصمت کا زبردست حامی ہے۔ الحمد للہ کہ اس تین سال کی مدت قلیل میں اس رسالہ نے اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اور ملک کے نامور معزز گھرانے اس سے دلچسپی لے رہے ہیں اور تعلیم نسواں کی طرف روز بروز ان کا میلان بڑھ رہا ہے چونکہ یہ قومی رسالہ ہے۔ اس لئے اس میں قوم کے تمام بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء مولانا حالی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ایم۔ اے۔ ایل ایل ڈی۔ پروفیسر ابو الحسن بی۔ اے۔ انعام الحق بی۔ اے۔ اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنؤ کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بیبیوں کے لکھے ہوئے مضامین ہوتے ہیں۔ جو سوائے اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ اس کا کاغذ چھپائی لکھائی سب عمدہ قسم کی ہے۔ حجم ماہوار [illegible] صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ +

المشتہر شیخ عبد اللہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں علیگڈھ

[illegible] علیگڈھ

سرسیّد مرحوم

نے

ہی ہندوستان میں زیادہ تر **ترکی ٹوپی** کو رواج

دیا تھا۔ یہ کہنا چاہئے کہ سرسیّد ہی اس کا موجد تھا۔ اور ان

ٹوپیوں میں بھی اس قسم کی ٹوپیاں سرسیدؒ کے زمانہ میں تھوڑی

سی آئی تھیں جو ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے بعد نہ ویسی

ٹوپیاں آئیں۔ اور نہ کسی نے شوق سے نہیں اوڑھا

ویسے ضرورت پوری کرنیکے لئے

بازار میں جیسی بھی میسر آئیں لوگ اوڑھتے رہے۔ اب ہمارے پاس

خاص طور پر اصل فیشن کے مطابق **سرسید پیٹنٹ** کرسٹی کی ساخت

لنڈن سے آئی ہیں۔ ان میں یہ خوبی ہے کہ دیرپا ہونے کے

علاوہ فیشن کے مطابق اور زیادہ خوبصورت قیمت علاوہ محصول ڈاک للعہ

نوٹ :۔ ان کے علاوہ اور قسم کی ٹوپیاں موجود ہیں۔

عبدالرشید برادرز مرچنٹ و جنرل سپلائیر انارکلی لاہور

اپنی ہستی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

شعرائے اردو کے پیر حضرت میر تقی میر علیہ الرحمۃ کے مندرجہ بالا شعر کو وہ قبول عام نصیب ہوا ہے کہ اسوقت لاکھوں زبانوں پر ہر ندکور ہے سینکڑوں کتابوں میں مسطور پایا جاتا ہے لیکن اگر اسکی زندہ منہ بولتی ہولتی شرح آپ دیکھنی چاہیں۔ تو جناب مرزا محمد سعید صاحب بلوی ایم۔ اے۔ پروفیسر محمڈن کالج کے جدید ناول

خواب ہستی

میں ملاحظہ فرمائیں جسے شائع کر کے مخزن نے اردو

ناول نویسی کی تاریخ میں ایک نیا روشن باب

کھولا ہے۔ اور ہندوستان کی مقبول و مشترک زبان کو فسانہ طرازی کے معاملہ میں اپنے نظریہ کا ہم پلہ بنا دیا ہے کہنے کو تو ناول ہے مگر معنیً ہندی طرز معاشرت کا سچا مرقع۔ ملکی رسم و رواج کا آئینہ اور طلبا کی تعلیمی خانگی اور خلوتی زندگی کا بائسکوپ ہے جس میں۔ روزمرہ کے واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویر نظر آتی ہیں۔ پختہ کاروں میں "یاد ایام" کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ تو نوجوانوں کے معاملات کا ہوبہو نقشہ اتارتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتوں کی زندگی کے اس پوشیدہ مگر ضروری پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جس کے حل کرنے میں ابتک ملک کے سارے مدبرین قاصر رہے ہیں۔ اس کے

ہر صفحہ میں محسوسات و جذبات کا دریا بہہ رہا ہے

اور فقرہ فقرہ تمناؤں کے پکے پھوڑے کو چیرنے کے لئے نشتر بن کر نکلا ہے۔ ملک کی نئی نسل کے حق میں یہ ایک رفیق صادق ہے۔ جو اس کی ایام جوانی کی امنگوں اور

عالم اسباب کے ولولوں سے پوری ہمدردی

کرتا ہے۔ اور صفحہ کاغذ پر انکو ایسے خیالات کا عکس ڈالتا ہے جنہیں وہ خلوت و جلوت میں کہیں بیان سے نکالنے کی جرات نہیں کر سکتے مگر جنکی خلش انہیں ہر لمحہ بے چین رکھتی ہے۔ ڈراما کے فن لطیف پر اسمیں ایک نئے لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے اور تھیٹر کے بہت سے نازو روں پردہ "علیا" ہوتی ہیں۔ المختصر ایسی سوسائٹی کا کوئی طبقہ اور زمانہ حال کی کوئی تحریک ایسی نہیں۔ جو اس کے احاطہ تحریر سے باہر رکھی ہو۔ اور بزرگان معدنی مشرب نوجوانان پاکباز۔ رندان عشق پرست میں کوئی ایسا نہیں جس کی دلچسپی کا سامان اسمیں مہیا نہ کیا گیا ہو۔ اس کی

ہر بات انوکھی اور ہر ادا نرالی

ہے حتی کہ لکھائی۔ چھپائی۔ ترتیب وغیرہ میں بھی بڑی محنت۔ لاگت سے وہ بات پیدا کی گئی ہے۔ جو اب تک کسی ناول کو نصیب نہیں ہوئی جس کا سنہری سرورق بجائے خود ایک تختہ گلشن ہے اور دیباچہ اپنی رنگینی کے اعتبار سے لاجواب ہے۔ ان سب پر طرہ

تین ہاف ٹون عکسی تصاویر

ہیں جنہوں نے اسکے صفحات میں اہل بینش کے لئے ایک جنت نگاہ مہیا کی ہے۔ اور دلآویزی نظر فریبی کی شان بہت کچھ بڑھا دی ہے۔ ہر تصویر گویا منہ سے بول کر صاحبان نظر سے داد طلب کر رہی ہے۔ باایں ہمہ وضع قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے۔ تاکہ اردو کے تمام قدردان اس قابل قدر کوشش سے واقف ہونے کا موقعہ پائیں۔ دفتر مخزن لاہور سے طلب فرمائیے۔

اور مسٹر ارنلڈ کی ولائتی چھپی ہوئی تصویریں ہیں۔ ان انمول کتاب کی قیمت صرف ۱۲؍ ہے۔ لیکن مخزن کے خریداروں سے صرف ۸؍ علاوہ محصول ڈاک

رفیق عروس مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ ایڈیٹر تہذیب النسواں یعنی دلہن کی سہیلی جو خوشی کیوقت ہم عمر ہمجولیوں کی طرح ہنسی خوشی میں شریک اور دکھ درد کیوقت دردمند بہن کیطرح مصیبت کی رفیق ہوتی ہے۔ ناتجربہ کاری میں پیاری کی سی بزرگانہ نصیحتیں اور زمانہ کا اونچ نیچ سکھاتی ہے۔ چوتھی مرتبہ چھپی ہے اور نئی مضمون زیادہ کئے گئے ہیں قیمت ۸؍

نعمت خانہ یعنی ہندوستانی کھانوں کی سب سے اچھی کتاب اس سے پیشتر جس قدر کتابیں اس قسم کی چھپ چکی ہیں۔ ان سب سے اچھی ہے۔ اور ہر گھر میں اس کا موجود رہنا ضروری ہے۔

یہ کتاب لڑکیوں کو امور خانہ داری کیطرف مائل کرنیکے لیے بہت مفید ہے سب قسم کے کھانوں کی ترکیبیں اسمیں درج ہیں۔ حجم دو سو صفحہ قیمت عمر

مصنفین اردو شیخ عبد القادر بی۔ اے نے ہندوستان کے زندہ مصنفین اردو زبان کی سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی ہے۔ اور ہر ایک مصنف کے حالات نہائت تدقیق سے جمع کئے ہیں یعنی مولوی الطاف حسین صاحب حالی۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد مولوی عبد الحلیم صاحب شرر پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار۔ مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی۔ اور ہر ایک صاحب کی تصنیف پر ریویو کیا ہے۔ کتاب بلحاظ اپنی دلچسپی اور خوبی کے نہائت ہی دلچسپ ہے۔ قیمت بجائے ایک روپیہ کے اب بارہ آنہ کر دی ہے۔ ۱۲؍

سب باتوں کا پورا جواب دیا ہے۔ عورتوں کو کہاں تک تعلیم دینی چاہیے قدیم الایام میں پردے کا کیا دستور تھا۔ عورتوں کی لباس میں کیا کیا امور اصلاح طلب ہیں۔ کن کن باتوں سے بیویوں اور خاوندوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان نااتفاقیوں کے دور کرنے کا علاج ہے۔ ان سب باتوں کو پورے طور پر بیان کیا ہے جس شخص کو اپنی والدہ بہنیں بیوی اور عورتوں کے حقوق معلوم کرنے اور ان کے ادا کرنے کا خیال ہو اسے ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت ۱۲؍

طبیب نسواں یہ کتاب ایک بڑے مستند ڈاکٹر کی تصنیف سے اخذ کر کے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب کے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ ہماری بے احتیاطیوں اور ناتجربہ کاریوں سے جو بہتیرے پھول سے بچے مرجھا کر رہ جاتے ہیں۔ یا شیرخوار بچوں کی مائیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ان بچوں کی ماؤں کے ایسے نقصان نہ پہنچیں عورتوں کے تمام امراض کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ اور مستورات خود اپنا علاج کر سکتی ہیں۔ عبارت ایسی آسان ہے۔ کہ ہر عورت پڑھ سکتی ہے۔ ہر مرد اور ہر عورت کیلئے مطالعہ ضروری ہے قیمت ۱؍

ہادی النسا مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ اس کتاب میں دہلی کی مستورات کی خط و کتابت کے اعلےٰ درجے نمونے درج ہیں۔ بظاہر یہ خطوط ہیں۔ مگر اس میں خانہ داری کے کل معاملات رسم و رواج لوریاں گیت غرض زمانہ زندگی کے تمام پہلو دلچسپی کیساتھ دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ۹؍

مجموعہ نظم آزاد شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کی بے مثل مثنویوں۔ اور بعض مشہور نظموں کا مجموعہ جن سے جدید شاعری کا آغاز ہوا اس مجموعے میں بہت سی نظمیں ہیں اور سب دیکھنے کے قابل ہیں۔ مولانا آزاد اور پھر اُن کا کلام زیادہ تعریف کا محتاج نہیں منگوا کر دیکھئے۔ قیمت ۱۰/ ÷

مکاشفات آزاد پروفیسر محمد حسین آزاد کے عالمانہ خیالات کی افسوسناک اُلجھن سمجھئے یا عجائبات جنون ÷

مولانا کے عالم جنون کی تصنیف بھی دلچسپی سے خالی نہیں عجیب رنگ میں یہ کتاب لکھی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ مولانا آزاد کا [illegible] ہے۔ قیمت صرف ۴/ ÷

عذرا [illegible] کے مشہور ناولسٹ کے ناول "شی" کا [illegible] اردو زبان میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے [illegible] سے آپ کی معلومات بہت وسیع ہو جائیں گے۔ اور [illegible] عجیب حالات جو اس سے پہلے آپ کے [illegible] میں نہ آئے ہونگے۔ اس میں آپ کو ملیں گے۔ اور پھر ایسے دلچسپ [illegible] بغیر ختم کئے آپ اُسے نہیں چھوڑ سکتے حجم ۲۹۲ صفحے قیمت [illegible] ÷

حقوق النسواں اس کتاب [illegible] مولوی سید ممتاز علی صاحب کی تصنیف ہے۔ قرآن مجید حدیث فقہ اور [illegible] اور [illegible] سے عورتوں کے حقوق بڑے زور سے [illegible] ہیں۔ اور مردوں میں جو یہ بات مشہور ہے [illegible] اور فضیلت [illegible] اور ناقابل اعتبار ہیں ان

کیا آپ آٹھ سو روپے ماہوار کما سکتے ہیں

آپ ضرور حیران ہونگے۔ کہ یہ کیا بات ہے آپ اس سے یہ نہ سمجھیں کہ آپ ہماری کتاب سے آٹھ سو روپیہ ماہوار کما سکتے ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ایک صاحب نے اپنی آمدنی آٹھ سو روپیہ ماہوار تحریر فرما کر ہماری کتاب کو خرید کیا ہے۔ اسمیں عمدہ روزگار لکھے گئے ہیں مثلاً بال عمر بھر نہ اگنے کی دوائی۔ بال اڑانیکا تیل اور صابون۔ بال اڑانیکا پوڈر۔ کافور بنانا۔ وغیرہ کا گلاس بنانا ربڑ کا پلیس بنانا۔ ربڑ کی مہریں بنانا۔ گھڑی سازی کا کام۔ چھاپہ خانہ کا کام۔ تاربرقی کا کام۔ فوٹوگرافی جادو کی انگوٹھی بنانا۔ سوڈا واٹر بنانا۔ کاغذ بنانے کی ترکیب۔ صابن بنانے کی ترکیبیں۔ صرف دس منٹ میں ایک گلاس شربت تیار کرنا۔ دودھ کا سفوف۔ بسکٹ بنانا۔ گلوبند بننا۔ جسم کا رنگ گورا کرنا۔ انگریزی خضاب۔ چاء کی ... جو ہزاروں بکتی ہیں۔ حجامت کیلئے صابن بنانا۔ وغیرہ وغیرہ آپ اسی سے سمجھیں آپ یاد رکھیں کہ اس قسم کے

پورے پانچسو ہنر درج ہونگے

ہر ایک ہنر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نکلے گا۔ آپ انکو دیکھکر حیران رہ جاوینگے۔ ایک ایک ہنر دس روپے کو بھی سستا ہے۔ پھر تو خوبی یہ کہ ساتویں دفعہ چھپکر کل ہندوستان۔ برہما۔ کوئٹہ۔ افریقہ وغیرہ تک مشہور ہوگئی ہے۔ اسمیں پانچسو ہنر درج ہونے کیوجہ سے کتاب کا نام پانچسو ہنر رکھا گیا ہے۔ باوجود ان سب خوبیوں کے قیمت دو روپیہ۔

دو رعایتیں (۱) جو صاحب ۵ مارچ تک خرید کرینگے۔ ان سے بجائے دو روپے کے ایک روپیہ لیا جاویگا۔ (۲) جلد بندھوا کر دیجاویگی۔

ایک اور انعام ہماری کتاب کے خریداروں کو انعامی ٹکٹ قیمتی بطور تحفہ ارسال کرینگے جنکو آپ بڑی آسانی سے فروخت کر سکتے ہیں۔ فروخت کرنے کا طریقہ ٹکٹوں کے ہمراہ ارسال ہوگا۔

المشتہر بابو غلام احمد تاجر جی۔ پی ... لمیٹڈ لودیانہ

مکتوبات آزاد

اردو زبان کے مربی شمس العلما مولینا آزاد کی تصویر کیا آپ اس قابل نہیں سمجھتے۔ کہ آپ کے کتب خانہ کے لئے زینت نہ ہو مولینا آزاد کی گھر بیٹھے زیارت کیا آپ کو ۶۰ر میں گراں رہیگی۔ اور پھر بھی تصویر ہی نہیں۔ بلکہ ان کے خطوط کا مجموعہ بھی ایک نہایت دلاویز اور خوشنما سرورق میں محفوظ ہو کر اسی قیمت میں آپ کو ملتا ہے۔ تصویریں اب تیار ہو کر آ گئی ہیں۔ آپ جلد طلب فرمائیں کم ازکم مخزن کے ہر خریدار کے پاس اس علمی تبرک کا ہونا ضروری ہے۔ قیمت ۶۰ر علاوہ محصولڈاک۔

کلام نیرنگ

سید غلام بھیک بی۔اے نیرنگ کا تمام کلام جو مخزن میں چھپتا رہا ہے۔ اس کو جمع کر کے نہایت خوشنما ایڈیشن چھاپ دیا ہے۔ اس مجموعے میں مفصلۂ ذیل نظموں کے علاوہ اور بہت سی غزلیات ہیں۔ مرجھایا ہوا پھول۔ خواب یتیم۔ راحت یاس۔ ایک آنسو سے دو دو باتیں۔ خواب ناز۔ حسن و عشق۔ کسی کا دہیان۔ بادل۔ انسان کی فریاد۔ نیرنگ شفق۔ راگ۔ خار محبت۔ کوہستان کا نظارہ۔ سودائے تلاش محبت۔ بھوراجسان شیریں وغیرہ وغیرہ۔ نہایت دلچسپ معنی خیز نظمیں ہیں۔ قیمت ۶ر

سگھڑ بیٹی

مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ کنواری بچیوں کی سہیلی رفیق عروس اور سگھڑ بیٹی دو بہنوں کی جوڑی ہے۔ وہ بیاہی ہوئی لڑکی کے لئے ہے۔ تو یہ کنواری لڑکیوں کے لئے ہے۔ کنواری لڑکیوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے قیمت ۸ر

میں پارس ہوں

میرے نام سے تو سارا جہان آشنا تھا۔ لیکن میری صورت شکل آج تک کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ کہاں میں زمین پر تھا یا آسمان پر یا پہاڑوں میں یا سمندروں میں۔ خیر کہیں تھا۔ لیکن میرا ملنا محال [illegible] خیال تھا۔ میری خاصیت سے ساری دنیا واقف ہے۔ یونہی لوہے سے مس کیا وہ زر دگندن بن گیا۔ میری نسبت یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔ ؎

پارس کہ با آہن آشنا شد + [illegible] بصورت طلا شد

لیکن میں ہاتھ میں بھی آیا تو انہیں لوگوں کے آیا۔ جو میرے جوہر سے واقف [illegible] سے آشنا۔ اور میری خوبی کے قدردان تھے۔ ملک میں مدت سے میری ضرورت تھی۔ لیکن [illegible] یا کہ بہت اہم تھا۔ کسی نے میرا پتہ نہ پایا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میرا پتہ بھی اُس وقت ملا۔ جب ساری دُنیا کو میری ضرورت [illegible] جب دیکھا کہ امراض جسمانی نے لوگوں کو ادھ موا بلکہ خاک سیاہ کر دیا ہے۔ مایوس مریضوں کی [illegible] کی چوٹ [illegible] دوائی بھی چکی۔ اشتہاری حکیموں کی لُوٹ مار نے جہان کو تباہ کر دیا۔ تو مجھے مجبوراً فرشتۂ رحمت نے اپنے مقام [illegible] میری خاص ضرورت تھی۔ او فیض عام کی دراز [illegible] کھل رہا تھا۔

میں کہاں آیا؟

میں فاروقی شفاخانہ فیض عام شہر سیالکوٹ میں آیا۔ جس کا نام [illegible] ایک عالم میں مشہور ہیں۔ اور میں وہیں اسی لئے آیا کہ وہاں پوری دیانتداری اور [illegible] کہ بازی کا وہاں نام و نشان تک نہیں۔ میرا نام **پارس** ہے۔ لیکن میں [illegible] نیا جادو اور نیا طلسم دکھاتا ہوں۔ ہر ایک دوائی ایک جادو کا گنگا یا سحر کا ٹوٹکا بن جاتی ہے۔

میرا کام کیا ہے؟

میری ایک چٹکی دوائی میں ڈالدو کسی قسم کی کمزوری کی شکایت ہو [illegible] کے فضل سے کافور ہو جاتی ہے۔ چند روز کے استعمال سے انسان بوڑھے سے جوان اور جوان سے شہ زور پہلوان ہو جاتا ہے۔ ایک جوہر تمام نفسانی [illegible] کی آتش فوراً افسردہ سمجھو۔ اور پھر کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا [illegible] امراض [illegible] سب قسم کی [illegible] ہمیشہ کے بند ہو جاتی ہے۔ جنبل کی دوائی میں شامل ہو کر [illegible] روغن میں شامل ہو کر مردہ اعضاؤں کو نئے سرے سے زندگی بخشنے والی ہے۔ دق سل میں [illegible] امراض کا علاج سہل آسان کر دیتی ہے۔ میرا ایک جزو شامل ہو کر ضعف جگر۔ بواسیر۔ ذیابیطس۔ اسہال۔ معدہ و دل جگر [illegible] کے لئے حکمی دوائی ہے۔ کیا میرا وجود دُنیا میں ایک کرشمہ یا جادو نہیں۔ تعجب ہو کہ [illegible] دُنیا [illegible] اور اشتہاری حکیموں کا میری آمد [illegible] ہو گیا ہے۔ مجھ میں کسی دھوکے یا غلط بیانی کا لگاؤ تک نہیں [illegible] دوائی تو ایسی بے نظیر ہے۔ کہ اس کے مقابل تمام اشتہاری حکیم مات اور سرنگوں ہیں۔ جو لوگ کبھی [illegible] نہیں [illegible] کہیں [illegible] انکی ذات گلتی محال ہے۔ آپ ایک دفعہ **پارس** کی دوائی [illegible] پھر کبھی اشتہاری حکیموں کی طرف [illegible] نہ کرینگے۔ قیمت حسب ذیل ہے۔ [illegible]

[illegible] طلا [illegible] عہ۔ دق و سل [illegible] دوا [illegible]

ملنے کا پتہ:۔ حکیم محکم الدین مینیجر فاروقی شفاخانہ فیض عام شہر سیالکوٹ

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے — کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی — جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا
سفینۂ برگ گل بنالے گا قافلہ مور ناتواں کا — ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا
جنہوں نے میری زبانِ گویا کو محشرستان صدا کا جانا — مرا دہ دل چھیڑ کر جو دیکھیں تو واں سکوتِ مزار ہوگا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو — یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا
جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کرکے ہمیں دکھایا — یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا
کہا جو قمری سے میں نے اکدن یہاں کے آزاد پا بگل ہیں! — تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے — میں اسکا بندہ بنونگا جسکو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبش نظر بھی — رہیگی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلونگا اپنے درماندہ کارواں کو — شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا — تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثال شرار ہوگا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اسکی — کہیں سر رہگذار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

(اقبال از کیمبرج)

میسر ان سے یہ بیخیالی نہ جانے انکو خیال کیا ہے — کبھی نہ پوچھا ملال کیا ہے کبھی نہ دیکھا کہ حال کیا ہے
مبارک اغیار سے تعلق نئی ہے چاہت نیا تعشق — بلا سے ہم ہوگئے تصدق نہیں ہے اسکا ملال کیا ہے
تجھی کو جانا تجھی کو مانا تجھی پہ دی جان غائبانہ — چھپا نہیں کچھ مرا فسانہ - یہ اب جواب و سوال کیا ہے
وصال ہو یا ہو جدائی حضور کی اسمیں جیسی مرضی — جو اپنی حالت تھی ہے وہ کہدی - اب آگے میری مجال کیا ہے
نظر اٹھائیں جو آرسی سے - تو ان سے پوچھوں یہ میں ہنسی سے — لگائی ہے آنکھ کیا کسی سے کہو تو یہ دیکھ بھال کیا ہے
در محبت کا اک گدا ہوں - پری کا طالب نہ حور کا ہوں — تجھی کو تجھ سے میں چاہتا ہوں بس اور میرا سوال کیا ہے
کہاں تک اے واعظو یہ جھگڑے - مرے اٹھا دو یہ بیخودی کے — جو ہوش میں ہوں تو میں یہ سمجھوں حرام کیا ہے حلال کیا ہے
ادھر جتاؤں پشیمانی ادھر سے دریائے لطف جاری — وہ پیار سے ہائے انکا کہنا چلو بھی اب انفعال کیا ہے
بس اب محبت سے ہاتھ اٹھاؤ بھلی کو کہتی ہیں ہاں جاؤ — نہ آپ کو اسطرح مٹاؤ جلیل دیکھو تو حال کیا ہے

چشم نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

ہے نحو شوق دید اگر دل میں برنگ راز رہ
میدان جستجو میں تو ہر وقت اسپ تاز رہ

ہو منکسر مزاج تو ہر دم شہید ناز رہ
پابند یک صنم نہ ہو ہر وقت تو نیاز رہ

پوجا کو اس روش سے تو پیرہن نماز دے

گر رات نا ایک سامنے ہوویں خفا جو ایک بار
اس کے ستم کو بھول جا اس کے کرم پہ ہو نثار

جتنا بھی تجھ سے ہو سکے نفس دنی کو خوب مار
رفعت ہی عجز میں نہاں یعنی نیاز کر شعار

وہ خو نیاز ہے اگر تو بھی جواب ناز دے

پھر جمال کب تلک پھرتا رہیگا در بدر
تو صورت بید گل [illegible] زندگی یونہی بسر

بلبل صفت فغاں ہے تو پھول دیکھ پھر [illegible]
ہو شوق سیر گل اگر ایسا چمن تلاش کر

غنچہ کی چاک جہاں لطف نوائے راز دے

مے کی ہو [illegible] تلک تجھ کو [illegible]
[illegible] دل جانے ہی سکو دیدہ [illegible]

پردیس میں تو آ [illegible] جام شراب چشم تر
پیر مغاں [illegible] کی مے کا نشاط ہے اثر

اس میں تو کیف غم نہیں مجھ کو تو حشر ساز دے

غزل

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گزر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسینگے
برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خار زار ہوگا

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر مے خانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا

سلام نیاز

مخمس بر پیغام راز

شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے کی جو غزل مخزن بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی تھی اُس کے بعض اشعار کی تخمیس ہمارے مکرم منشی نذر محمد صاحب بی۔اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے کی ہے اور چھاپنے کے لئے ہمیں بھیجی ہے۔ چونکہ بجواب "پیغام راز" ہے اس لئے انہوں نے اس کا نام "سلام نیاز" رکھا ہے:-

ان وسوسوں کو دُور کر تکلیف صبر آزما — میدان و کوہ و بحر و بر سب میں ہے جلوۂ خدا
قدرت خدا کی دیکھ کر کر تو حصول مدعا — قسمت سے ہو گیا ہے تو ذوقِ تپش سے آشنا
پروانہ وار بزم کو تعلیم سوز و ساز دے

جو ہو حبیب سے جُدا کیا زندگی کی آس اُسے — دیتا ہے دہر ہجر میں آزارِ رنج و یاس اُسے
لیکن وفورِ جور سے زیبا نہیں ہراس اُسے — مانند شمع تو کا ملتا نہیں لباس اُسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جاں گداز دے

دیکھ اُس کی چشم سرمگیں حیاتی ہے خود سری — ہے اُس کی آنکھ میں بھرا واللہ سحر سامری
دیوانگی کی قدر کو جانے ہے قیس عامری — یکتا نہیں جہان میں ارزاں متاع کافری
قیمت میں اس کی خرقہ دے تسبیح دے نماز دے

سود و زیاں سے ہو بری بیگانگی سے دل لگا — جو کچھ بھی تیرے پاس ہو سب اُسکی نذر کر ڈالا
جان اور دیں و دل سبھی کر اُسکی آن پہ فدا — غافل تجھے خبر نہیں لذت فراغ میں ہے کیا
دنیا ادا پہ کر فدا عقبےٰ بہائے ناز دے

نور خدا ہے ہر جگہ تیرے کے ہر ورق میں وہ — گلگشتِ بوستاں میں وہ صحرا کی لق و دق میں وہ
پہنائی بحر و بر میں وہ اور چاند و طبق میں وہ — تاریکی قمر میں وہ بجلی میں وہ شفق میں وہ

آفریں ہے تیری اُلفت تیری ہمت کے لئے خانہ ویران ہی تو دوست کی شہرت کے لئے
اِس طرح آپ کو آخر جو مٹاتی ہے تو
سبقِ ایثار کا ناطق کو پڑھاتی ہے تو

قانونِ فنا

آفرینش کیوں ہوئی عالم کا کیا ہے مقتضا فلسفی کہتے ہیں تکوینِ ابدا و ارتقا
بعض کہتے ہیں کہ ہے قانون اِسکا انقلاب پر اصل میں ہے مسلط اِس پہ قانونِ فنا
الحسن اور ڈارون اِس سے کریں گو اختلاف پر ہے قانونِ فنا ہستیٔ عالم کا مضاف
ہیں اندھیرے راستے ہو ارتقا یا انقلاب لا ہی وہ ایک راہ ہے جسکو کہہ سکتے ہیں صاف
جب کہ دی منصور نے پہلے انا الحق کی صدا سب نے اس کو قابلِ نفرین و دیوانہ کہا
دار پر لٹکا دیا جب موت نے عقدہ کو کھول تب یہ جانا سب نے تھا منصور میں پنہاں خدا!
ظاہراً انسان گو خالق سے اپنے دور ہے نور ہے ذاتِ خدا یہ خاک میں مستور ہے
پر متیز یا وہ رہتی نہیں بعدِ فنا روحِ انسانی بھی مثلِ ذاتِ اکبر نور ہے
جب ہوا خالق کا انساں پر عتابِ اولیں جنت الفردوس سے بھیجا گیا سوئے زمیں
زندگانی ہے سزا اور موت راہِ بازگشت تا ازاں راہ بمکانِ خویش باز آمد یکیں

عبدالرحمٰن سہواروی

مسکرانا کسی محبوب کا اک جوبن ہے اور ہنسنا تیرے نزدیک چھچھوراپن ہے
قید غنچہ نے بُری طرح کیا تھا تجھکو
پھول کے دم کو دعا دے کہ چھوڑایا تجھکو

بلبلِ زار کو کیا دیکھ کے شرم آتی ہے کیا تجھے آمدِ عشاق نہیں بھاتی ہے
وقتِ پیری گل کی فنا کا تجھے آتا ہے نظر اس لئے ڈھونڈنے نکلی ہو کوئی دوسرا گھر
آگیا یا کسی دلدار کے جوڑے کا خیال ہمسری زلفِ معنبر کی سمجھتی ہے محال
گل کو اسواسطے ہے چھوڑ کے جانا منظور
آبرو اپنی ہے یوں تجھکو بچانا منظور

تھا جو کھل کھیلنے کا شوق ترے دلمیں بھرا کھلتے ہی پھول کے دنیا کی لگی تجھکو ہوا۔
مشورے دینے لگا کچھ جو تیرا جی تجھکو لے اُڑی جھٹ تیری آوارہ مزاجی تجھکو
اک نئے چاہنے والیکی تجھے چاہت تھی مل گئی اس سے نگہہ ساتھ ہوا کے ہولی
اس سے مل جل کے بہت شاد و فضا ہی ہو تو ہے یہ دم بھر کی ہوا کس کی ہوا ہی ہو تو
ساتھ کم دیگی ہوا باغ سے باہر کر کے
بات بھی تیری نپوچھیگی یہ بے گھر کر کے

ڈھونڈنے میں تیری اطوار کو بھٹکا ہوں نہیں عفو کر عفو کہ بھولا ہوں نہیں چوکا ہوں میں
چھوڑنا گل کو تیری عین وفاداری ہے ٹھیک ہے ٹھیک یہی اس کی ہواداری ہے
تو زلیخا ہے حریفوں کو بھی لاتی ہے تو اپنے یوسف کے خریدار بناتی ہے تو
اس میں تو بو تو دنیا کا جو بہتر دیتی ہے پھول کی قدر زمانے میں بڑھا دیتی ہے
کر دیا ہے جو دماغوں کو معطر تو نے کھول کر پھول کے دکھلائے ہیں جوہر تو نے
مرتبہ اُس کا اسی بات سے بڑھ جاتا ہے پھول کاغذ کا تو یہ قدر نہیں پاتا ہے
تیری برکت سے ہے خودداری و فرحت اسکی واہ کیا پھول کی آنکھوں میں ہے سرسوں پھولی

میں رونے کو طیار رہوں دن رات ہمیشہ گر گریہ و زاری سے میسّر ہو رسائی
ہر چند کہ سر تجھ سے بہت میں نے کھپایا پر تیری سمجھ میں مری کچھ بات نہ آئی
افسوس وہی غل ہے وہی شور و فغاں ہے افسوس نصیحت مری مٹی میں ملائی
کیوں سعدیٔ شیراز کو تو بھول گیا ہے تھی اُس نے روش تجھکو گلستاں میں دکھائی

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

بوئے گل

بوئے گل پھول کو کیوں چھوڑ کے تو جاتی ہے مجھے نخوت کی اس انداز سے بو آتی ہے
چھوڑنا صحبتِ دیرینہ کا بھاتا ہے تجھے کیا ہی غصہ ترے اس ڈھنگ پہ آتا ہے مجھے

ترکِ اُلفت میں بھلائی نظر آتی ہوگی
بیوفا تیری ادا تجھ ہی کو بھاتی ہوگی

ایسے محبوب کو افسوس کہ تو چھوڑ کے جائے گالِ معشوق کا تشبیہ پہ جس کی اترائے
تاج سر باندھ کے جوڑ میں بناتے ہیں جسے دلربا شوق سے محرم میں لگاتے ہیں جسے
رونقِ باغ ہے اور بزم کی زینت کے لئے آج مشہور ہے دنیا میں نزاکت کے لئے

خوبیٔ شکل بھی ہے خوبیٔ معنے بھی ہے
کہ دل آرام بھی ہے اور رعنا بھی ہے

چھوڑ دے ساتھ یہ جو سمجھی ہے بھلائی اس میں کیا تجھے کوئی برائی نظر آئی اس میں
کیا کلی کا تجھے انداز پسند آتا ہے کیوں یہ کھلنا تجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ہے

آ بیٹھ تجھے اپنی سناؤں میں حقیقت
پر یہ نہ سمجھنا کہ میں کرتا ہوں بڑائی

ہاں سوختہ ساماں مجھے کہتا ہے زمانہ
ہاں جان میری شعلۂ الفت نے جلائی

اِس میرے کلیجے میں ہے اک آگ سلگتی
وہ آگ کہ زمزم نے نہ کوثر نے بجھائی

اِس دل میں مرے درد ہے وہ درد کہ جس سے
اک رات بھی بھولے سے مجھے نیند نہ آئی

اے مرغِ سحر مجھ کو وہ آزار ہے جس کو
سب اہلِ خرد عرف میں کہتے ہیں جدائی

دیوانہ ہوں سودائی ہوں یہ حال ہے میرا
ویران نظر آتی ہے خالق کی خدائی۔

بیمار ہوں مست ہوں لایعقل و مدہوش ہوں اتنا
پہچان مجھے دوست سے دشمن کی نہ آئی

گو دل ہے مرا صورتِ آئینہ صدق
پر چرخِ فسوں ساز کو ہے مجھ سے لڑائی

وہ کونسا صدمہ ہے جو میں نے نہیں دیکھا
وہ کون سی آفت ہے کہ مجھ پر نہیں آئی

افسوس کہ کوئی بھی نہ خواہش ہوئی پوری
صد حیف کہ کوئی بھی تمنا نہ بر آئی

وہ شمع کہ جس شمع کا پروانہ بنا ہوں
میں وہ ہوں سیہ بخت نہیں دیتی دکھائی

اک گل کا بنا بلبل ہوں مگر بادِ صبا نے
افسوس کہ اُس کی کبھی خوشبو نہ سنگھائی

القصہ میں غالب ہوں محبت میری جاں ہے
جو بات نہ تھی دیکھنی اپنے بھی دکھائی

کی اس کے لئے میں نے ہزاروں کی خوشامد
طعنے سُنے لوگوں کی مصیبت بھی اٹھائی

گو حال مرا یہ ہے پہ اُف تک نہیں کرتا
یہ دل ہے یہ گردہ ہے یہ ہمت ہے سمائی

گو آتشِ اُلفت نے سراپا ہے جلایا
پر شمع کی مانند زباں تک نہ ہلائی

آ تجھکو سبقِ عشق کا لے یار پڑھاؤں
وہ راہ دکھاؤں جو محبت نے دکھائی

ہاں عشق کے مذہب میں دکھاوا نہیں جائز
سنو بات کی اک بات یہ سن لے میری بھائی

بازارِ محبت میں عجب دید ہے لیکن
جو آئے خریدار یہاں جان گنوائی

یہ قلزمِ الفت ہے کہاں اس کا کنارہ
گر ڈھونڈے تو سو سال نہ دیگا یہ دکھائی

یہ دشتِ محبت ہے سن او قافلہ سالار
آوازِ جرس شور میں کب دیگی سُنائی

صحرا چمکے گھر در چمکے دریا چمکے پتھر چمکے
قسمت کھوکر سونے والو او بیدار نہ ہونے والو
سستی کی سرمستی کب تک اس غفلت کی ہستی کب تک
کب تک میٹھی نیندیں لوگے کیا دن بھر بیدار نہ ہوگے
غفلت کے بیمار بنے ہو گل ہوکر کیوں خار بنے ہو
کچھ بو باس کہیں ہے تم میں کچھ اخلاق نہیں ہے تم میں
اب بھی ہوش میں آؤ یارو سر بالیں سے اٹھاؤ یارو
اٹھو اٹھو یارو اٹھو سستی کے بیمارو اٹھو
نیکی کے کچھ کام تو کرلو دہر میں اپنا نام تو کرلو

ناطق مضطر ہوتا ہے تو
ہائے جگر کیوں روتا ہو تو

مرغ سحر

اے مرغ سحر ہائے یہ کیسی ہے دہائی او عاشق جانباز تجھے شرم نہ آئی
یہ درد کا تیز آب ہے یا نالۂ بسمل اک آگ سی اس نے میری سینہ میں لگائی
یہ نالۂ شبگیر ہے یا برق جہندہ ہاں برش شمشیر کی تھی اس میں صفائی
اے عاشق کج فہم تیری عقل کہاں ہے کیوں تجھ میں نہیں صورت پروانہ سمائی
کیا نالۂ فریاد میں ہے درد کا درماں کیا شیون جاں سوز سے حاصل ہو رسائی
اے عاشق ناکام اگر حوصلہ یہ تھا پھر شاہد الفت سے عبث آنکھ لڑائی

ملا ساز تقدیر سے ساز وصل — بجا پردے ہیں نغمۂ راز وصل
فرح بخش توفیق ہونے لگی — تصور کی تصدیق ہونے لگی
دل آسودگی خوب پیہم رہی — وہی خلوت انس محرم رہی
نہ باقی رہی دل میں کوئی ہوس — عنائت پکاری کہ اللہ و بس

جلوہ صبح

چرخ پہ ہیں انوار نمایاں — صبح کے ہیں آثار نمایاں
سونے والو جاگو جاگو — ہوش سنبھالو جاگو جاگو
دیکھو نور سحر کے جلوے — دیکھو نور سحر کے جلوے
جاگو دیکھو بھالو اُٹھو۔ — اُٹھو سونے والو اُٹھو
صبح کا نکھرا نکھرا منظر۔ — دیکھو پیارا پیارا منظر
کون و مکاں میں دھوم مچی ہے — باغ جہاں میں دھوم مچی ہے
غنچہ و گل کا کھلنا دیکھو۔ — شاخ شجر کا ہلنا دیکھو
وجد میں آکر جھوم رہی ہے — شاخ زمیں کو چوم رہی ہے
نرگس آنکھیں کھول رہی ہے — سوسن کیسی بول رہی ہے
جاری ہے سب کام خدا کا — لیتے ہیں سب نام خدا کا
طائر بازو تول رہے ہیں — اسکی یاد میں بول رہے ہیں
مہر افق میں آکر چمکا۔ — ذروں کو چمکا کر چمکا۔
بزم عالم کیا کیا چمکی — ہر شے چمکی دنیا چمکی

محبت دوئی کو مٹانے لگی / تکلف کا پردا اُٹھانے لگی
بنا بستر عیش حسن قبول / بچھانے لگی شوخی ناز پھول
چمکنے لگا چہرہ امید کا / نگاہوں میں رنگ آگیا دید کا
کلی آرزو کی چٹکنے لگی / وفا پنکھڑی سی مہکنے لگی
تمنائیں ہمدم بنیں شوق کی / مرادوں میں بو آگئی ذوق کی
گلے سے لگی مدعا کی اُمنگ / بندھا رخصت آہ وزاری کا ڈھنگ

غم دل کا چلنا ہوا اژدحام / قلق نے کیا دور ہی سے سلام
خوشی قلب کو گدگدانے لگی / مسرت سی چہرے پہ چھانے لگی
ملی تازہ بو گیسوے یار کی / کٹیں بیڑیاں بند افکار کی
ہوس دل میں پہلو بدلنے لگی / نکلنے کو حسرت مچلنے لگی
سکوں درد دل سے ہوا ہمکنار / تسلی ہوئی مونس جان زار
طرب آکے تشویش کھونے لگی / بغلگیر تسکین ہونے لگی۔
دل و سینہ کے زخم بھرنے لگے / اُمنگوں کے جوبن اُبھرنے لگے
ہوا شوق کا ضبط پر دسترس / بڑھا جوش میں آکے دست ہوس
یقیں نے اُٹھالی گماں کی نقاب / نظر آئی ہر آرزو بے حجاب
شک و ریب رو پوش ہونے لگے / مقاصد ہم آغوش ہونے لگے
نگاہیں لگیں کہنے پیغام شوق / تمنا نے چوسا لب جام شوق
ادب سے بڑھیں آگے گستاخیاں / مرادیں لپٹ کر بنیں وصلیاں
ارادے نئے داؤں چلنے لگے / وہ برسوں کے ارماں نکلنے لگے
بڑھا گرمی شوق سے ساز باز / عرق بنکے ٹپکا جبیں سے نیاز
طبیعت کی شوخی بڑھی دمبدم / رکاوٹ کی باتیں ہوئیں کالعدم

وہ پھول اُجلے اُجلے ہیں جو سامنے / کٹوری سی چاندی کی سر پہ لئے
دکھاتے ہیں اسوقت کیسی بہار / کہ ہوں ٹوٹ کر جن پہ تارے نثار
چمک ریگ پر صحنِ بلور کی / بچھائی ہوئی چاندنی نور کی
یہ عالم جو دیکھا تو مثلِ کتاں / ہوا پارہ پارہ دلِ عاشقاں
شعاعوں سے اڑنے لگی جو شرر / سوے چرخ اڑے کیک پر کھول کر
لگے بو نکنے اُٹھکے کتے کہیں / مچانے لگے شور کوّے کہیں
ہر اک حاسد ایساہی بکتا رہا / مگر بدر تاباں چمکتا رہا
مٹا رفتہ رفتہ وہ شور و شغب / گئی تا کمر زلف لیلائے شب
چمکنے لگا سر پہ بدرِ منیر / نیا قبۂ نور چرخ میز
پئے لطف نظارۂ نور ماہ / چڑھا بام پر وہ شہ عرش جاہ
طبق میں زر جبکے درِّ شاہوار / تھمے جنکے لایا برائے نثار
فلک ٹیکہ چاندیکا باندھے ہوئے / پھر اگرد اس شاہ ذیجاہ کے
وہ بھیگی ہوئی آب رحمت سو رات / کہ تر دامنوں کی ہو جس سو نجات
وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا / وہ اشجار و آبِ رواں کی فضا
وہ شاخوں کا جھکنا لچک کر کہیں / وہ لہروں کا اُٹھنا چمک کر کہیں
وہ میدان میں چاندنی کا سماں / وہ شبنم کا گرد اس کے کچھ کچھ دھواں
نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں / وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں
وہ ہر سمت چھایا ہوا نور بدر / وہ شب لیلۃ القدر کو جسکی قدر
بھری نور سے ڈالی ڈالی تمام / وہ اغیار سے بزم خالی تمام
نہ کوئی مصاحب نہ کوئی مشیر / حضوری میں حاضر فقط بینظیر
ہوا نشہ بیخودی کا یہ جوش / کسی کو نہ باقی رہا اپنا ہوش

ماہ کامل

شب وصل آئی گیا روز ہجر مبدل ہوا ساز سے سوز ہجر
افق پر سر شام ہے ماہتاب وہ چمکا اُٹھا کر بسنتی نقاب
درختوں پہ چاندی سی جھڑنے لگی تجلی بھی اٹھلا کے بڑھنے لگی
رُپہلی کرن آسماں پر تمام اُڑانے لگی ریزۂ سیم و خام
وہ رل مل کے ابرق شعاع قمر چھڑکنے لگی صفحۂ آب پر
برسنے لگا نور افلاک سے تجلی اُبلنے لگی خاک سے
ہوا اس قدر روشنی کا وفور بنی ہر کرن تار باران نور
بنے آئینہ سارے دیوار و در سفیدی پھری ہر در و بام پر
تجلی کثافت کو دھونے لگی مکانوں پہ قلعی سی ہونے لگی
نظر آتے ہیں ٹیکرے جو ادھر وہ کوہ صفا بن گئے سر بسر
بلندی پہ اب بدر آنے لگا ستاروں کو نیچا دکھانے لگا
بہت تل بنے دیدۂ حور میں بہت چھپ گئے چادر نور میں
جو تھے خاص خاص اور معمور نور وہی کچھ جھلکتے رہے دور دور
پکڑ کر ضیا کہکشاں کی کمند گئی تا سر بام بخت بلند
ضیا چمکی داغ جگر کی بہت پڑی لو چراغ قمر کی بہت
اندھیرے کو سایہ ترسنے لگا درختوں پہ جوبن برسنے لگا
ہے اس ناز سے چاندنی جلوہ گر کہ سکتے کے عالم میں ہے ہر شجر
تجلی سے وادی یہ معمور ہے کہ موج ہوا موجۂ نور ہے۔

دست کرم کی طاقت

ایک دن کا ذکر ہے جو خاتم پیغمبر آں
وعظ فرما مسجد نبوی میں تھے باعز و شاں

زیر منبر تھے مہاجر اور انصار حضور
مستفیض ہوتے تھے یکساں سامع نزدیک و دور

آگیا نیکی کا بھی کچھ ذکر جو دوران وعظ
یوں گہر افشاں ہوئے وہ بلبل بستان وعظ

جب خدائے قادر و یکتا نے روز اولیں
مثل فرش ظاہری پانی پہ پھیلائی زمیں

جنبشیں کرنے لگی آیا بناوٹ میں بگاڑ
اس لئے پھر سکوں قایم کئے اس پر پہاڑ

جب فرشتوں نے یہ دیکھا تو کہا لے ذوالجلال
ان پہاڑوں سے سوا بھی ہے کسی طاقت کا حال

یوں ہوا ارشاد ہاں ان سے بڑھکر ہے قوی
کاٹتا ہے میری قدرت سے پہاڑوں کو وہی

عرض کی اس دم ملائک نے کہ لے رب کریم
ہے کوئی شے اور بھی جو اس کو بھی کر دے دو نیم

رب اعلےٰ نے کہا ہاں آگ ہے اس سے سوا
اپنی قوت سے جو ہر لوہے کو دیتی ہے گلا

پھر فرشتوں نے کہا صدقے ترے یارب ودود
آگ سے بڑھکر بھی قوت ہے کسی شے میں نمود

حکم فرمایا جناب کبریا نے پانی ہے
آگ بجھ جاتی ہے فوراً جب ذرا چھینٹا پڑے

وہ یہ بولے پانی کی طاقت ہوئی سب سے زبر
لیکن اس پر بھی کسی کو فوقیت ہے داد گر؟

دی صدا رب نے ہوا آتی ہے اپنی نقل میں
جو اڑا دیتی ہے پانی کو دھوئیں کی شکل میں

یوں ہوا ارشاد اقدس کہ ہاں وہ بات ہے
نیک بندوں میں کرم کا نقطہ جس کے ساتھ ہے

ہے وہی دست کرم سب سے قوی یہ سن رکھو
جو کہ دے اس ہاتھ سے اس ہاتھ کو ثابت نہ ہو

(ماخوذ از سپرٹ آف اسلام)

آغا شاعر قزلباش

شعرا کے مزار

مندرجہ بالا عنوان سے شیخ عبدالقادر صاحب نے اپنی ضروری تمہید لکھکر میری کچھ خطوں کا خلاصہ پچھلی جنوری کے پرچہ ناظرین مخزن کے سامنے پیش کیا ہے۔ اپنی اپنی جگہ اہل مذاق نے اُس کے متعلق خیالات ضرور دوڑائے ہونگے۔ بہت ہی قابل افسوس ہے کہ دہلی میں مقیم دو شاعروں کی قبریں اس وقت زیادہ توجہ کی محتاج ہیں +

مرزا غالب کی عین قبر کے پاس والی احاطہ کی دیوار تھوڑے دن ہوئے گر پڑی ہے۔ اور قبر تمام اس کے نیچے دب گئی ہے۔ لوح مزار کو جسپر مجروح مرحوم کی کہی ہوئی تاریخ کندہ ہے تعجب کی بات ہے کہ کوئی صدمہ نہیں پہنچا ورنہ یہ پتھر سنگ سفید بہت پتلا ہے اگر دیوار کا کوئی بھاری پتھر اس پر آگر پڑتا تو ضرور یہ ٹوٹ جاتا۔ اس قبر کو اوپر سے صاف کروا کے دوبارہ احاطہ کی دیوار کو بنوا دینا بہت ضروری ہے ورنہ رفتہ رفتہ حالت ابتر ہوتی جائیگی +

حکیم مومن خان کی قبر بالکل گمنامی کی حالت میں پڑی ہے پہلے رسول نما میں حکیموں کے خاندان کا مدفن دیکھکر مجھکو خیال ہوا تھا کہ یہیں کہیں مومن خان بھی ہونگے مگر تحقیقات سے غلط ثابت ہوا سوائے انکے خاندان کے لوگوں کے دہلی میں عام طور پر کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مدفون ہیں لکھے پڑھے لوگ کتابوں میں اتنا ہی پتہ تلاش کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ چہند یوں میں جانب غرب پیر دیوار احاطہ مدفون ہیں لیکن موقع پر پہونچکر بھی کچھ پتہ نہیں چلتا کیونکہ قبر بالکل زمین کے برابر ہو گئی ہے اور اُسپر کوئی لوح وغیرہ نہیں ہے چند ماہ ہوئے جبکہ میں نے حضرت خاقانی ہند کی قبر کی مرمت کروائی تھی اور کام ختم ہو جانے پر وہاں ایک مختصر سا جلسہ قوالی بھی کیا تھا۔ تو پیرزادہ محمد حسین صاحب عارف ان دنوں دہلی میں تشریف رکھتے تھے انہوں نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ مومن خان کی قبر کیلئے کتبہ کا پتھر ہم بنوا دینگے۔ مگر انہی دنوں وہ ریاست کشمیر میں جوڈیشل ممبر مقرر ہو کر چلے گئے۔ ورنہ اب تک مومن کی قبر پختہ ہو کر تاریخ کا پتھر بھی اُسپر لگ چکا ہوتا۔ اس قبر کا بن جانا بھی ضروریات سے ہے کیونکہ ابھی تو مومن خان کے دیکھنے والے اور وہ لوگ موجود ہیں جو انکی قبر کا ٹھیک نشان بتا سکتے ہیں۔ اگر ہماری غفلت کا چند سال یہی حال رہا تو مشکل پڑیگی۔ انگریزی شاعر گرے نے اپنی قبر کے پاس گذرنیوالوں سے ٹریبوٹ آف سائی "خراج آہ" چاہا ہے۔ مگر وہ اس حالت میں کہ اُسکی قبر پر کوئی کتبہ موجود ہے۔ بیچارے حکیم مومن خان تو یہ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ آنیجانیوالوں کو معلوم ہی نہیں کہ یہاں کون سوتا ہے۔ میرے خیال میں تو حکیم مومن خان زبان حال سے گویا جناب پیرزادہ صاحب کو مخاطب کر کے اپنا یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

سُنو ذکر ہے کئی ماہ[1] کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

کیا ہماری بعض اہل دل حضرات اس طرف توجہ دینے کی ضرورت کو محسوس نہ کرینگے؟ +

جہانگیر

[1] اصل شعر ماہ کی جگہ سال ہے (ج)

دیار عدم کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ۔ اور وہاں جاکر اپنی آنکھیں بند کرنا نہیں چاہتے ۔" برہما نے کہا ۔ "پھر اب تم کیا چاہتے ہو" **وشنو** نے جواب دیا" **دیار عدم** کی دلفریبی اور خوشنمائی کو کم کر دیا جائے ورنہ ایک جوڑا جو باقی رہ گیا ہے جب اس کے آتش محبت سرد پڑ جائیگی تو بھی وہاں ہی چلا جائیگا۔ برہما نے کہا" ہم **دیار عدم** کی خوبصورتیوں اور راحتوں کو گھٹانا نہیں چاہتے ۔ وہاں ہر ایک کو جانا ضرور ہے لیکن اب قبل از وقت کوئی نہیں جا سکیگا " یہ کہکر ایک سیاہ بادل کا پردہ **سرزمین ہستی** کی طرف ندی کے کنارے پر حائل کر دیا اور دو فرشتے پیدا کئے ۔ ایک کا نام **خوف** رکھا اور دوسرے کا **عذاب** اور اُن کو حکم دیا ۔ "یہ پردہ اس راہ کے آگے تان کر کھڑے رہو" **وشنو** کی سرزمین پھر آباد ہونے لگی ۔ اگرچہ **دیار عدم** ویسی ہی دلکش اور پیاری تھی ۔ مگر پھر کسی کو ہمت نہ تھی ۔ کہ اُس ظلمت میں سے گذرنے کی جرأت کرے جو اس کو چھپائے ہوئے تھا ۔

(ترجمہ از سنسکرت)

اثر کو ساتھ لئے کامیاب ہو کے پھری　　فلک سے میری دُعا مستجاب ہو کے پھری
صبا نے غنچوں کے بند نقاب کھولدے　　چمن میں نکہت گل بیحجاب ہو کے پھری
اُڑا کے نکہت گیسوئے عنبریں لائی　　تیر گلی سے صبا مشکناب ہو کے پھری
جلا لیا جو مجھے آکے اُس مسیحا نے　　اجل فریب سے ناکامیاب ہو کے پھری
بھر آئی آنکھ جو نرگس کی اشک شبنم سے　　میری نگاہ میں چشم پُر آب ہو کے پھری
وہ میگسار تھی ساقی نگاہ مست تری　　کہ ساری بزم میں جام شراب ہو کے پھری
خزاں میں چھوٹ کے آئی قفس سے سوئے چمن　　خراب بلبل خانہ خراب ہو کے پھری

ہے لاجواب شفق مصرع جناب وحید ۔
پھری جو اُن سے طبیعت خراب ہو کے پھری

شفق عماد پوری

آگے سے ہٹ گیا اور خود بخود رستہ بن گیا۔
جو پیچھے رہ گئے تھے اُن کو جانے والوں کی مفارقت نہایت شاق اور ناگوار گذری۔ وہ اُن کو واپس بلانے لگے لیکن جانے والوں میں کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم اُٹھائے چلے گئے گویا اُس دلفریب روشن طبقے کے نظارہ کی کشش اُن کو کھینچے لئے جاتی ہے۔ جب وہ ندی کے دوسرے کنارے پہنچے تو وہ بھی درختوں اور چاندوں کی طرح روشن وتاباں نظر آنے لگے۔ وہ وہاں لیٹ گئے اور اُن کی طرف گل ہائے درخشاں کی بوئے تسکین افزا کی لپٹیں آنے لگیں۔ جن سے اُن کے دل ودماغ معطر ہو گئے۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ مگر اُن کے چہروں سے راحت وآرام کے آثار نمایاں تھے۔ جو کہ سرزمین ہستی میں محبت سے بھی اُن کو کبھی نصیب نہ ہوئے تھے۔ یہ دیکھکر جو پیچھے رہ گئے بول اُٹھے۔ بیشک عدم آباد کشور ہستی سے اچھا ہے۔ یہ کہکر وہ بھی ندی میں اُتر پڑے ضعیف بوڑھوں اور رنگیلے سجیلے جوانوں کی قطاریں لگ گئیں۔ شوہر اپنی بیبیوں کو پہلوں میں لئے۔ مائیں اپنے پیارے بچوں کو سینے سے لگائے عاشقاں ناز ایک ہاتھ سے اپنے حسرت بھرے دلوں کو تھامے اور دوسرے میں اپنے محبوباں ناکتخدا کا ہاتھ پکڑے ہوئے چل پڑے۔ سرزمین ہستی سونی اور ویران نظر آنے لگی۔
وشنو نہایت متاسف ہوئے کہ کیوں غصہ کی حالت میں اپنی مخلوق کو جانے کی اجازت دیدی۔ اور برہما سے جاکر التجا کی کہ میری مدد کیجئے آپ نے دیار عدم کو ایسا دلکش اور پیارا بنا دیا ہے۔ کہ میرے ملک کو چھوڑ کر سب وہاں چلے گئے ہیں برہما نے پوچھا "کیا کوئی بھی باقی نہیں رہا" وشنو نے جواب دیا "ہاں ایک جوان مرد اور ایک حسین لڑکی رہ گئی ہے۔ اُن کے دلوں میں اسقدر محبت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتے۔ وہ

ہم کو دائمی خواب عنایت ہو۔"

وشنو اُن کے سوالوں سے دِق ہو کر خفا ہوئے۔ اور کہا "بس اس سے زیادہ ہم تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کے تم متمنی ہو وہ ندی کے اس پار تم کو ملے گی" یہ سن کر وہ سب کے سب اُس چمکتی ہوئی ندی کی طرف دوڑے کنارے پر پہونچکر کھڑے ہو گئے اور **سیوا کی دیار عدم** کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہاں نہ سورج نکلتا تھا۔ نہ ڈوبتا تھا۔ نہ وہاں دن تھا نہ رات لیکن تمام طبقہ منور تھا۔ کسی چیز کا وہاں سایہ نہ تھا۔ ہر ایک چیز روشن نظر آتی تھی۔ سرسبز وادیوں میں ہرے ہرے درخت آنکھوں کو طراوت دیتے تھے۔ درختوں پر بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ چٹانیں عشق پیچاں اور انگور سے لدی ہوئی تھیں۔ درختوں اور بیلوں کے پتے ہلکے دھانی رنگ کے تھے۔ سب درخت چٹانیں اور پھولوں سے لدے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودے درخشاں تھے۔ وہاں بالکل سکوت اور خموشی کا عالم تھا۔ ہر ایک چیز ایک ایسا اطمانیت افزا حسن لئے ہوئے تھی۔ جو سرزمین ہستی میں نایاب تھا۔ اس نورانی طبقے میں ایسی خواب غفلت کا سماں چھایا ہوا تھا جس سے کبھی سیری نہیں ہوتی نہ ہوا چلتی تھی۔ نہ پھول جھومتے تھے۔ نہ کوئی پتا ہلتا تھا۔ آدمیوں کا وہ گروہ جو کہ ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ اس طبقے کی سکوت اور تسکین زا نورانی روشنی دیکھکر سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ آخر ایک اُن میں سے بولا" اہا وہاں کیسی خاموشی اور دل لبھانے والی روشنی ہے"

دوسرے نے کہا" ہاں یہی خواب دوری اور آرام جاودانی کی جگہ ہے"

ان میں سے جو غموں اور محنت سے چور تھے۔ کہنے لگے" آؤ اس ندی کو عبور کریں اور وہاں ہی چلکر رہیں۔ جہاں ان غموں اور مصیبتوں سے نجات ہو۔ اور ایسے سوئیں کہ پھر نہ جاگیں" یہ کہکر وہ پانی میں کود پڑے سطح آب اور بھی روشن ہو گئی پانی

لیکن محبت چونکہ زندگی کی ماں ہے - اگرچہ سرزمین ہستی نہایت وسیع و فراخ تھی - آبادی کی اس قدر کثرت ہوئی کہ جنگلوں کے پھل پھول میوے اور شہد کا قدرتی ذخیرہ ان کے لئے کافی نہ ہو سکا - اور جانوں کے لالے پڑ گئے جو ان میں دانا دوراندیش تھے انہوں نے صلاح دی کہ جنگلوں کو کاٹ کر صاف کر دیا جائے اور ان میں ہل جوت کر اناج بو دیا جائے اور غلہ جمع کر کے رکھا جائے جو وقت ضرورت کام آئے - اس طرح محنت و مشقت کا آغاز ہوا اور تمام خلقت پیٹ کے دھندے میں مبتلا ہو گئی - مگر محنت و مشقت سے چونکہ تکان اور ماندگی پیدا ہوتی ہے تمام خلقت زندگی کی کوفتوں سے تنگ آ کر پھر **وشنو** کے پاس گئی - اور شکایت کی "کہ کام و کاج سے ہم اس قدر مضمحل و خستہ ہو جاتے ہیں کہ ہم کو آرام و آسائش کی ضرورت ہوتی ہے" **وشنو** نے مسکرا کر کہا "تمہاری طرز زندگی میں سوائے اس کے اور کچھ تغیر نہیں ہو سکتا کہ تمہاری محنت اور کام کاج میں ایک وقفہ پیدا کر دیا جائے" اور ان کو آرام و آسائش کے لیے **نیند** دی -

وہ اس عطیہ سے نہایت خوش ہوئے کیونکہ نیند میں وہ اپنی مایوسیوں - غموں تکلیفوں اور مصیبتوں کو بھول جاتے تھے - نیند سے ان کے جسم و جان میں تازگی آ جاتی تھی - خواب مادر مشفق کی طرح ان کی چہروں سے اشک رنج و محن کے نشان آب فراموشی کے چھینٹے دیکر دھو ڈالتی تھی - اور رعنائے لطافت کے تازگی بخشتی تھی -

لیکن نیند صرف رات کی مہمان ہوتی - صبح پھر بیداری ان کو آ جگاتی جو افکار و مصائب زندگی اپنے ساتھ لاتی - پھر تمام آدمی جمع ہو کر **وشنو** کی خدمت میں گئے - اور عرض کی "ہمارے پیارے دیوتا ہم کو وہ چیز عطا ہوئی ہے جو نہایت شیریں و خوشگوار ہے - لیکن ہم اس سے سیر نہیں ہوتے کیونکہ وہ تمام و کمال نہیں ہے

لگی۔ آفتاب کے طلوع و غروب سے لیل و نہار کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ندی میں کبھی طغیانی آتی۔ اور کبھی چپ چاپ بہتی۔ آسمان پر مینہ سے لدے ہوئے بادل آتے اور برس کر سرزمین ہستی کو سیراب کرتے ہوئے چلے جاتے۔ سرزمین ہستی گھنے اور گنجان جنگلوں سے ڈھپ گئی۔ **وشنو** نے انسانوں کے پھولنے پھلنے اور آبادی کے بڑھانے کی غرض سے اُن کے دلوں میں محبت کا جوش موجزن کر دیا جسکا دوسرا نام اُس نے حظ زندگی رکھا۔

برہما سرزمین ہستی کو دیکھکر نہایت محظوظ ہوئے۔ اور خوشنودی ظاہر کی۔ **وشنو** سے مخاطب ہوکر کہا "ہم تم سے نہایت خوش ہیں۔ تم نے جو کچھ کیا نہایت اچھا کیا۔ اب تم ہمارے ساتھ سورگ میں چلکر رہو اور مخلوق کو اُس کے حال پر چھوڑ دو" **وشنو** نے **برہما** کے حکم کی تعمیل کی۔ اور تمام مخلوق اپنی مرضی کے مطابق بستے بستے لگی۔

لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ بعض کاموں سے انکے دلوں کو راحت اور خوشی ہوتی ہے اور بعض سے رنج و غم حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے معلوم کرلیا کہ زندگی کی خوشیاں پائدار اور ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں۔ اور جس کو رشتہ زندگی کہتے ہیں اُس کو دو بہنوں نے مل کر کاتا ہے۔ جن میں سے ایک کے لب تو ہمیشہ مسرت بخش انداز سے متبسم نظر آتے ہیں اور دوسری کی آنکھوں میں رنج و غم کے آنسو امڈے چلے آتے ہیں۔ اس لئے وہ سب اکٹھے ہوکر **وشنو** کے پاس گئے۔ اور کہا "اے دیوتا زندگی رنج و غم کی وجہ سے ہم پر بھاری اور کٹھن ہو رہی ہے اور اس کے غم والم ہماری خوشیوں کے لئے سم قاتل ہیں" **وشنو** نے جواب دیا "تم کو ہم نے تریاق محبت دے رکھا ہے۔ جاؤ اور اپنا مداوا آپ کرو" وہ سمجھ گئے کہ جو خوشیاں ان کو محبت سے حاصل ہوسکتی ہیں اُن کے سامنے رنج و محن کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

دو طبقے

پہلے پہل برہما نے دو طبقے پیدا کیے اور اُن کے درمیان ایک گہری اور شفاف ندی جاری کی۔ ایک مقام پر اس ندی کے کنارے ڈھلوان تھے۔ جہاں شفاف اور خاموش پانی پایاب تھا۔

ندی کی چمکیلی ریگ زرین سے کنول کی نازک اور پتلی شاخیں اُگی ہوئی تھیں۔ پیازی اور سفید رنگ کے پھولوں کا حسن شفاف پانی کے آئینہ بلورین میں منعکس ہوتا تھا۔ بھونرے اور چمکیلے پروں والی سون مکھیاں روشن سطح آب پر اُڑتی پھرتی تھیں تیتریاں جو کہ پھولوں سے بھی زیادہ خوشنما و خوبصورت تھیں رنگ برنگ کے پھولوں پر چکر لگاتی تھیں۔ کرۂ ہوا میں سے سورج کی سنہری شعاعیں چھن چھن کر آتی تھیں اور شفاف پانی کی سطح پر رقص کرتی پھرتی تھیں۔ ندی کے کنارے کھجور کے درختوں پر پرندے اپنی سریلی سُروں اور میٹھے راگوں سے وجد کا سماں طاری کرتے تھے۔ دلکش سماں اس ندی پر چھا رہا تھا۔ جو کہ ان دو طبقوں کو آپس میں جدا کرتی تھی جن میں ایک کا نام **سرزمین ہستی** اور دوسرے کا نام **ملک عدم** تھا۔

برہما نے **اقلیم ہستی** کی بادشاہت تو رحمدل **وشنو** کو دی اور **ملک عدم** کی حکومت انصاف پسند **سوا** کی سپرد کی۔ اور اپنے دونوں نائبوں کو مخاطب کر کے کہا "ان دونوں طبقوں کے انتظام کا تمکو اختیار رہے جو دل میں آئے وہ کرو"

کشور ہستی جو **وشنو** کے زیر فرمان تھی نہایت سرعت سے آباد ہونے

کے لئے وبالِ جان بن گئی ہے۔ اور یہی ایک ایسا فریب آمود مرض یورپ میں پھیل گیا ہے جو اُن کو مکاری - فریب و دغا دینے و ظلم و ستم کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے بلکہ مجبور کرتا ہے اور روپیہ کی مانگ بڑھتی جاتی ہے - باوجود خطہ کے خطہ غصب کرتے چلے جاتے ہیں لیکن انکا جی نہیں آسودہ ہوتا سیکڑوں پولیٹیکل چالیں چلی جاتی ہیں ہزاروں صلحنامہ اور اتحاد نامہ ہوتے ہیں کہ کسی طرح سے ایشیا (بغض نورانی) کی زیارت حاصل ہو لیکن اب مشرقی اقوام بھی چونکتی جاتی ہیں اور وہ زمانہ زیادہ دور نہیں معلوم ہوتا جب ایشائی یا یورپی میدانوں میں گذشتہ صدیوں کا سین کھنچنے لگیگا یا اگر یورپ ہی کے میگزین میں آگ لگ گئی تو سب کو خاکستر کر ڈالے گا کیونکہ بارود بھی خوب خشک ہو گئی ہے اور تلواریں بھی نہائت دھاردار اگر ہوئی تو خوب ہو گی خدا وہ دن نہ دکھا دے! +

عزیز

اختلاف اللسان نامی ایک مختصر مگر کارآمد رسالہ شائع کر کے منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت صدیقی جھنجھانوی تلمیذ جناب نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ مغفور نے ہندوستان کی مشترکہ و ہر دلعزیز زبان اُردو کی ایک شدید ضرورت پوری کر دی چاہی ہے اور اُن اصحاب کے لئے طمانیت خاطر کا سامان ہم پہنچایا ہے جو کسی خاص محاورے یا لفظ کی نسبت زبان کے دونوں مسلمہ مرکزوں دہلی و لکھنؤ میں ترکیب یا جنسیت کا فرق پاتے ہیں اور خرخشے میں پڑ جاتے ہیں کہ خود اسے کس طرح استعمال کریں اور دونوں صورتوں میں سے کس کو ترجیح دیں۔ اختلاف اللسان کا مبحث جس قدر ضروری و دلچسپ ہے اتنا ہی وسیع و تنقید طلب بھی ہے جس کے لئے عرصہ دراز کی محنت اور سیکڑوں صفحات کی ضخامت درکار ہو گی۔ مگر منشی وجاہت حسین صاحب نے روزمرہ کے استعمال کی چیزوں اور اُن کے متعلقہ محاوروں میں اکثر کو لیا ہے۔ اور حتی الامکان مستند ذرائع سے انکی تحقیقات کر کے اختلاف کو واضح کر دیا ہے اور معتبر اسناد سے اپنے قول کی تصدیق کی ہے جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی سب سے بڑھکر اُن کی یہ نیک نیتی قابل تحسین ہے کہ انہوں نے کسی مقام کی بیجا طرفداری سے سروکار نہیں رکھا اور اپنا فرض صرف دونوں شہروں کا رواج دکھا دینے پر محدود سمجھا جس کے لحاظ سے وہ اپنی کوشش میں بخوبی کامیاب ہوئے ہیں۔ لکھائی چھپائی صاف۔ حجم ۱۰۰ صفحے قیمت مع محصول ۸/ مولف خود محلہ قاضی خانہ لاہور سے روانہ کرینگے +

سر میں سمایا ہی قومی روپیہ سنگریزوں کی طرح بہایا جا رہا ہے - جہاز بھی ہر روز ایک نہ ایک نئی ساخت کے نکل ہی آتے ہیں جسکی خبر مشتہر ہوتے ہی دیگر سلطنتوں کو بھی طرز جدید کے جہاز بنوانے ضروری ہو جاتے ہیں جنپر کروڑہا روپیہ صرف ہو جاتا ہے اور مقابلہ ہوتے ہی آن واحد میں جلکر یا ٹکرا کر غرق آب ہو جاتے ہیں اور کروڑوں روپیہ دیکھتے ہی دیکھتے دریا برد ہو جاتا ہے اور ہزاروں قیمتی جانوں کا نقصان ہوتا ہے - ہوائی جہاز پر بھی وہ دور زمانہ نہیں ہے کہ اوپر ہی اوپر معرکہ آرائیاں ہوا کریں گی اور ایک تیسری بساط بھی بچھنی شروع ہو جاویگی کیمیکل آزمائیشوں نے سیکڑوں ایسے زہریلی اور مار ڈالنے والی چیزیں دنیا میں مروج کر دی ہیں. جو بات کرتے کرتے میں اپنا کام کر جاتی ہیں - بہت سے ایسے آلات چوروں اور راہزنوں کے لئے ان موجدوں نے نکالدئے ہیں جو اپنا کام کا کام کر جاتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی - نقب زنی کے آلات اور دیگر سمیات جب سے ان کے ہاتھ لگے ہیں چوروں کی بن آئی ہے اور جو بھی کون ہیں مہذب و تعلیمیافتہ لباس غضب ڈھا دیتے ہیں جب سے روزن ریز دریافت ہوئی ہیں گویا ان کو طلسمی سرمہ لگیا ہے جو گھر کا فوٹو آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے - اور جہاں جہاں ان چیزیں رکھی ہوتی ہیں انپہ ہاتھ صاف کرنے اور کامیاب واپس آنے کا گویا بیمہ ہے - ملکی مصلحتوں اور پولیٹکل ضرورتوں نے لوگوں کو بھیس بدلنے اور اوزار وغیرہ کی مصنوعیت کو مباح کر دیا ہے اور لوگ نہایت ہی بے باکی کے ساتھ دوسرے لوگوں کو فریب دیتے اور سالہا سال پاس رہ کر حلیہ دیگر حیلے کرتے ہیں جسمیں ان کی بڑی شہرت ہوتی ہے - ان کو خاصت دلتہ دے جاتے ہیں - سیگار بنوں میں تصویریں نکلتی ہیں - سامان عیاشی کے مہیا کرنے میں بھی سائنس والوں نے بہت کچھ حصہ لیا ہے - غیر ضروری چیزیں اسقدر موجود کر دی ہیں جن سے زندگی نہایت گراں ہو گئی ہے بلکہ ہر کس و ناکس

کچھ ایسا ان لوگوں کو اندھا کر رکھا ہے کہ کبھی سچے واقعات کے کہنے اور بے غرضانہ وغیر جنبہ داری کی رائے دینے کا ان کو خیال نہیں ہوتا - یہاں بھی حضرت زر نے اپنی قوت کا ثبوت دے ہی دیا - یہ اخبار مختلف فرقوں کے یا سوسائٹیوں کے نکلتے ہیں جنکی پالیسی اس فرقہ کی رائے کے مطابق ہونی ضروری ہوتی ہے جس کے وہ آلہ ہوتے ہیں - اور ہمیشہ اختلاف پیدا کرتے ومباحث کے طول دینے میں کوشاں رہتے ہیں لیکن اسکا اثر تمام ملکی پالیسی پر پڑتا ہے - کیونکہ یہ سوسائٹیاں کل ملکی شیرازہ کی ایک جزو ہوتی ہیں -

دنیا میں زیادہ حصہ اوسط عقل والوں کا ہے جو اپنی کج فہمیوں اور غلط رایوں کی وجہ سے تغیر پیدا کر دیتے ہیں اور تمام عالم میں بادشاہ سے لے باشندوں تک پر اس کا اثر پڑتا ہے ظاہر ہے جسمیں اسکا فائدہ ہوتا ہے وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اسمیں دغا ہو یا فریب - اور یہ ہی ایک کمزوری دماغی ہے جو آجکل اس قدر خرابی ڈالے ہوئی ہے اور آنے والی صدیوں میں بھی اسی کا رونا رہے گا +

سائنس کی تحقیقاتوں پر بھی مادیت کا پرتو خوب ہی پڑا ہے اور یورپ کے سائنس دان حکما دن رات - ہلاک کن آلات کی اختراع میں لگے رہتے ہیں نئی نئی توپیں - جلد فیر کرنے والی بندوقیں اور زہر آلود سنگینوں کے طیار کرنے میں یورپی کارخانے رات دن مصروف رہتے ہیں مثل - بے دود کی بارود اور گیس کے گولے جب سے یورپ میں رائج ہوئے ہیں لکھو کھا روپیہ اس پر صرف ہو چکا ہے اور ہوتا رہتا ہے - بری فوجی اخراجات روز بروز بڑھے جاتے ہیں اور جوں جوں دنیا مہذب ہوتی جاتی ہے فوجوں میں لا تعداد زیادتی ہی ہوتی جاتی ہے - چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی اس خبط سے نہیں بچتیں اور وہ بھی حیثیت سے زیادہ جنگی اخراجات پر ضائع کرتی ہیں - بحری لڑائی کا جب سے جنون یورپ کے

خاص اخبار و رسالے چھپتے ہیں جو اوسط درجہ کے آدمیوں اور کم استعداد لوگوں کے بھڑکانے کا کام دیتے ہیں جس سے امن عام میں خلل پڑتا ہے۔ انکو نہ تو اپنے مرنے کا ڈر ہے اور نہ قید ہونے کا ہراس۔ لکھوکھا روپیہ کے اسلحہ و گولہ بارود خرید کرتے اور بنی نوع کی آزاری کے درپے ہوتے ہیں اسی طریقہ سے پولیٹیکل دایروں میں اور ملکی انتظامی حلقوں بھی فرقہ بندیاں ہوتی جاتی ہیں ہر ہر فرقہ اور ہر ہر پیشہ ور اپنے اپنے قایم مقام بڑہانے میں کوشاں رہتے ہیں جس سے لڑائی دنگا فساد روز کھڑا رہتا ہے۔ اور جو چالبازیاں اور مصلحت آمیز دروغگوئیاں رائیوں کے حاصل کرنے میں برتی جاتی ہیں اس سے سچائی اور راست گوئی قلوب سے کافور ہو جاتی ہے اور مدبران یورپ ان مکاریوں دغابازیوں اور فریبوں کے کچھ ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر فریب سے کام نکالنے میں عار نہیں ہوتا۔ پارلیامنٹ کے ہالوں اور پبلک جگہوں میں سفید جھوٹ بولنے میں مطلق دریغ نہیں ہوتا۔ بیان کچھ کرتے ہیں ادا کرتے کچھ ہیں اور دکھاتے کچھ ہیں۔ ظاہر میں تو نہایت ہی دوست اور ہمدم و رفیق نظر آتے ہیں لیکن اگر کہیں پا لیں تو کچا کھا جانے میں بھی بند منہ ہیں مختلف سلطنتوں کے مدبران اور بادشاہ و پریسیڈنٹ ایک ہی میز پر کھاتے ایک دوسرے کا جام صحت پیتے ہیں اور ظاہری رابطہ اتحاد کو بہت کچھ مضبوط کر جاتے ہیں لیکن علیحدہ ہوتے ہی پولیٹیکل مصلحتوں کی وجہ سے بالکل بیگانہ بنجاتے ہیں جس سے ان کے افعال و دلی خیالات میں کوئی تعلق سوا مکاری کے نہیں پایا جاتا۔ آجکل سارا دارومدار اخبار و نیر ہے اور جس بے احتیاطی اور بھدے پن سے آزادی کا استعمال اخباری دنیا میں ہوتا ہے وہ روز کے واقعات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ خودغرضی اور ذاتی فوایدُ و ملکی ترقی کے خیال نے

اداؤں اور دلربا کرشموں میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیا ہے جسمیں بے ساختہ پن نام کو نہیں ہوتا اور اپنی ترچھی چتونوں سے گھائل کرنے کے عوض انکو اب شمشیر بکف ہونا پڑتا ہے جو لطف پیدا کرنے کی بجائے بھونڈے پن سے مبدل ہو جاتا ہے ۔ اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بجائے وہ پولیٹیکل معاملات میں نہ صرف دلچسپی ہی لیتی ہیں بلکہ اسمیں بہت بڑا حصہ انہیں لوگوں کا ہوتا ہے جس سے ان کے رقیق القلب مزاجوں اور رحم اور طبیعتوں میں متضاد اوصاف بھرتے چلے جاتے ہیں ۔ اب ان کو امور خانہ داری میں مطلق لطف نہیں آتا تنہائی کو نہایت عزیز رکھنے لگی ہیں اور آزاد زندگی بسر کرنے اور غیر پابندی کے ساتھ اپنی عمر گذارنے کی از حد خواہش مند رہتی ہیں جس سے دنیا کو ایک عظیم نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے ۔ یہی حال طبقہ ذکور کا ہے ۔ انمیں بھی بے عنانیت ایک خطرناک حد تک پہونچتی جاتی ہے گو اب شخصی سلطنت کا نام تک یورپ میں باقی نہیں ہے ۔ ہر جگہ آزادی رائے اور انتخاب کا طریقہ رائج ہے لیکن اس سے لوگ اب متنفر ہوتے جاتے ہیں اور اس کو بھی غیر کافی تصور کرتے ہیں سوشل ازم Socialism کا پریشان کن خواب جب سے یورپ نے دیکھنا شروع کیا ہے سیکڑوں مہذب ڈاکو اور راہزن بلکہ سینہ زور یورپ میں پیدا ہو گئے ہیں جو کسی کو برسر حکومت یا ذی اختیار دیکھنا گوارا نہیں کرتے ۔ بادشاہ کا قتل کرنا عین ثواب ہے کسی مالدار کو تہ تیغ کر ڈالنا عین موجب راحت ہے ۔ یہ مہذب ڈاکو کہیں تو اپنے کو سوشلسٹ سے تعبیر کرتے ہیں کہیں انارکسٹ اور کہیں نہلسٹ سے نامزد کرتے ہیں ۔ اپنی اپنی سوسائٹیاں ہیں جو ان کو ہر طرح کی مدد کرتی رہتی ہیں اور ان کے حق بجانب ہونے کی تائید کرتی ہیں ۔ ان کے خاص

اور ارسطاطالیس، زینو، دیوجانس، نہ نیوٹن ہیں جو آج یورپ میں پھیلتی جا رہی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یورپ نے یونانی لٹریچر کے ترجمہ کرنے میں اول ہی سے غلطی کھائی ہے۔ کیمیاوی تحقیقاتوں میں البتہ بہت کچھ مدد ملی۔ لیکن اخلاقی و مذہبی عقائدی مسائل میں جسطرح سے کہ یونانی حکما اپنی پروازوں میں چکر کاٹتے رہے اور منزل مقصود کو پہنچ سکے اسی طرح آج یورپ کے فلسفی بھی تخالف آرا مسائل و لاینحل تحقیقاتوں میں مصروف ہیں جو آئے دن مختلف خیالات کے لباس سے آراستہ ہوا کرتے ہیں آج ایک فلاسفر کچھ کہتا ہے اور کل وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرکے ایک نیا راستہ علمی دنیا کے روبرو پیش کرتا کرتا ہے کل کوئی کچھ اور۔ غرضیکہ ہر شخص اپنی اپنی ہانک دئے جاتا ہے لیکن حقیقت کو کوئی نہیں پہونچتا" افراط تفریط بھی انسانی کیرکٹر میں ایک عجیب مہلک عارضہ ہے جس سے بہت کم لوگ مبری ہوتے ہیں، اور یہی ایک ایسی کمزوری انسان میں ہوتی جاتی ہے جس سے دنیا کو بہت بڑا نقصان پہونچ جاتا ہے۔ حریت نے یورپ کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا لیکن اس کا بیجا استعمال جب سے شروع ہوا ہے کچھ اچھے نتایج نہیں ظاہر ہوتے۔ طبقہ نسوان کو جب سے آزادی کا سبق دیا گیا عجیب ادھم اٹھا رکھا ہے۔ حقوق پر حقوق ان کو ملتے جاتے ہیں لیکن انکی شکم پری نہیں ہوتی۔ حریت نے ان کو مساوی حقوق لینے پر آمادہ کردیا ہے اور وہ اپنے فرائض کو بھول کر مردوں کے کاموں میں دست اندازی کرنے پر کمربستہ ہوگئی ہیں۔ جو کام کہ مرد کرنے سے ڈرتے ہیں ان کو دریغ نہیں ہوتا۔ ہم برابر دیکھتے ہیں کہ اب عورتیں اسٹرائکس (ہرتال) میں مردوں سے دو قدم آگے بڑھی رہتی ہیں۔ لڑنے جھگڑنے بندوقیں چلانے اور تلوار زنی کرنے میں ان کو باک نہیں ہوتا۔ رجالیت کے غلبہ نے انکی نیچرل

کے مسئلے نے گویا یورپ کو ظلم کرنے اور ملک کے ملک ہڑپ کر جانے کیلئے
عام اجازت دیدی ہے اگر دیکھا جاوے تو پرانے مسئلہ یا ہندی مثل جسکی لاٹھی
اُس کی بھینس کو صرف ایک دوسرے قالب میں لاکر دنیا کے سامنے پیش کردیا
ہے اس صدی کے سب سے زبردست اور قابل ناز دریافت مسئلہ ارتقا
ہے جسپر آج یورپ کے فلسفی کو اس قدر فخر و مباہات ہے لیکن اس کو بھی
کچھ ایسا ناموزوں لباس پہنایا ہے جس سے نتائج اچھے متصور نہیں ہوتے
ایک دوسرا فرقہ فلسفیوں کا ہے جو اوپٹمیسٹ (optemist) کے نام سے
پکارے جاتے ہیں جنکا مذہب دنیا کی ہر چیز کو اچھے معنوں میں لینا ہے لیکن
یہ لوگ حد اعتدال سے تجاوز کر گئے ہیں اور مادیت کے خیال کو اور راسخ بنادیا
ہے۔ انکا ماحصل زندگی صرف دنیا میں آرام کے ساتھ بسر کرنا۔ کھانا۔ پہننا۔
کھیلنا کودنا۔ ناچنا۔ گانا۔ بجانا بس جو کچھ ہے وہ یہی ہے چاہے اسمیں کسی کی
حق تلفی ہو انکو کوئی پروا نہیں۔ اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے انکی بلا سے۔ دوسرے
کا مال غصب ہوتا ہے۔ اور اپنے ملک کی جیبیں بھری جاتی ہیں تو عین
راحت ہے۔ زیادہ اگر کیا تو اپنے ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹانے کو تیار ہو گئے
اور دوسری اقوام کو الٹی چھری سے ذبح کرنے کے ساعی ایک اور گروہ
پازیٹیوسٹ کا ہے۔ خیر ان بیچاروں تک غنیمت تھا کہ خدا کو صرف ایک
عضو معطل یا یوں کہئے کہ طاق نسیان میں بٹھا رکھا ہے لیکن اگناسٹکس
(دہریہ) تو سب بازی لے گئے اور سارا جھگڑا ہی مٹا دیا۔ یہ
سب شاخیں ہیں یورپ کے مختلف خیالات کی جنہوں نے
ارتقائی قوتوں کے زور سے اس درجہ تک ترقی حاصل کی ہے لیکن یورپ اس
شاخ میں کوئی نئی تحقیقات نہیں کرسکا یہ سب یونانی فلسفیوں کا تتبع ہے

خیالات کا مانع، تعصب کی جڑ، اور کم بینی، وکوتاہ اندیشی کا موید اور کشت و خون کا باعث ٹھہر لیتے ہیں - مذہبی پیروی کی غیر موجودگی سے انکے افعال میں بے عنایت - اُنکے حرکات میں آوارگی انکے طبیعتوں میں بیجا جوش اور طینتوں میں کثافت کی آمیزش پائی جاتی ہے - خودبینی اور اپنے کو اشرف و بالاپن کا خیال بچہ بچہ کے دل نشین ہوجاتا ہے - ایک قوی تر قوت کے نہ ماننے سے اُن کے دل بیرحم و شقی ہوجاتے ہیں - سزا و جزا، عاقبت کے نہ قائل ہونے سے جانوریت اور بیموقعہ کی بے باکی پیدا ہوجاتی ہے جو بنی نوع انسان کے لئے مضر و مہلک ثابت ہوتی ہے - ایک قوت کو حاضر و ناظر نہ ماننے سے انکے قلوب شقی ہوجاتے ہیں انکے اوراق و تہم میں حس انسانی باقی نہیں رہتی - تمام اوصاف حسنہ گو بالکل ہی زائل نہیں ہوجاتے تاہم محبت بنی نوعی، اور مخلصانہ اخوت، وبرادرانہ برتاؤ خاندانی خصوصیات نام و نشان کو نہیں باقی رہتے - اسی خیال نے یورپ کو شروع سے دیگر ممالک کے غصب کرنے - کالے چمڑے والی اقوام کی تذلیل کرنے اور انکے ساتھ بعید از انسانی سلوک کرنے میں بے باک کر دیا ہے بلکہ اس کو انکے ہضم کرنے اور صفحہ ہستی سے ناپید کر ڈالنے کا گویا ایک پروانہ دے رکھا ہے - مہذب یورپ آج جو کچھ افریقی باشندوں کے ساتھ کر رہا ہے کون نہیں جانتا - مشرقی نیم مہذب اقوام کی جو کچھ ذلت یورپی اقوام کے روبرو کیجاتی ہے کس سے پوشیدہ ہے - اسٹریلیا و امریکہ کے قدیمی باشندوں کے جگر چھیدے جارہے ہیں - انکو زندہ جلایا جاتا ہے لیکن مہذب یورپ کے تیور تک نہیں بدلتے اور اُن مشہران تہذیب و دعیاں حب انسان کی ان شرمناک واقعات سے آنکھ تک نہیں نیچی ہوتی - سروالول آف دی نٹسٹ

اُنیسویں صدی کا آغاز اسی پولٹیکل جد وجہد سے ہوا جس کا فیصلہ واٹرلو کے میدان میں ہمیشہ کے واسطے ہوگیا۔ نپولین کے مقید ہونے کے بعد یورپ میں امن و امان کا دور شروع ہوا لوگوں کو اس بلائے ہرجائی سے چھٹکارا ہوا۔ لڑائی جھگڑے۔ فساد کا خاتمہ ہوگیا۔ لوگوں کو چین سے بیٹھ کر کام کرنے اور دل جمعی کے ساتھ مصروفیت کا موقعہ ملا۔ امن کے قایم ہوتے ہی علم کا چرچا ابتک بہت ہی چھوٹے دائرہ میں محدود تھا ملکوں ملکوں اور شہروں شہروں ہونے لگا۔ تعلیم سائینٹیفک طریقہ پر دی جانے لگی۔ سائنس کی تحقیقاتوں اور کیماوی دسترسوں اور ٹکنیکل آزمائشوں کو جلا دینے اور عملی لباس سے تراش وخراش کے ساتھ پہنانے کا خوب ہی موقعہ ہاتھ آیا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کو بھی ترقی ہوتی گئی جو ابتک معکوس نہیں ہوئی۔ اسمیں کلام نہیں کہ علم کی عمومیت نے ایک عظیم تغیر دنیا میں پیدا کر دیا ہے۔ سائنٹفک اور کیمیاوی تحقیقاتوں نے اور ایجادوں نے سفر کی راحتیں۔ نام وپیام کی آسانیاں۔ تجارتی کاروبار کی سہولتیں بہت کچھ بڑھا دی ہیں۔ ڈاکٹری و طب کی تحقیقاتوں نے بہبودی خلائق و آسائش عامہ میں بہت کچھ حصہ لیا حریت کے سبق نے انسان کو اپنی حقیقت پہچاننے۔ اپنے مساوی حقوق قایم کرنے میں بہت کچھ مدد دی عصبیت کو اپنے اصلی معنوں میں لوگوں نے سمجھا۔ بہت سی برائیاں جو شخصی سلطنتوں میں پائی جاتی تھیں رفع ہوگئیں۔ لیکن علم کا حقیقی مقصد جو ہے اس سے لوگ عموماً بے بہرہ ہیں مادیت نے کچھ ایسی سنگین چادر اہل یورپ کی آنکھوں پر ڈال رکھی ہے کہ روحانیت سے بالکل منحرف ہوگئے ہیں اور مذہب سے گریزاں بلکہ مذہب کے نام سے ایسے خوفزدہ ہوتے ہیں جیسے چھوٹے بچے ہوّا سے۔ اُس کو سدِ راہ ترقی و وسعتِ

لوگوں کے دلوں میں آزادی کی اُمنگیں پیدا کر دیں اور والٹیر و روسو جیسے
اہل قلم پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنی تصنیفات سے تمام ملک میں ایک شور
برپا کر دیا اور تمام کلب گھروں میں آزادی آزادی کی صدائیں گونج اٹھیں
یہ لوگ اپنے استادوں سے بھی بڑھ گئے اور تخت، ہی کو ضرورت کو فضول و
عبث خیال کرنے لگے ایسے زمانہ میں اُن اشخاص کو جو زمانہ کا رنگ دیکھکر
جدوجہد میں لڑکر نام کر جاتے ہیں اچھا موقع اپنا نام چمکانے کا مل جاتا ہے چنانچہ
کارسیکا میں بھی ایک ایسا شخص پیدا ہو گیا جس نے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے
دیا اور اپنی خداداد قوتوں کا استعمال شروع کیا - اس نے لیتے ملکی بھائیوں کو جو
آپس میں پھٹے ہوئے تھے اکٹھا کر کے غیر ممالک کے مقابل صف آرا کیا - اور
اس طلاطم کو جو فرانس میں برپا تھا فرو کر کے دیگر یورپی ممالک کی طرف جنگی
دریا کے بہاؤ کا رخ پھیر دیا - جو اثر ان نپولیونک لڑائیوں کا یورپ پر پڑا وہ
تاریخ دیکھنے کے متعلق ہے - البتہ اتنا بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یورپ
کو آپس میں مل جلکر کام کرنے اور ایک عام دشمن کے مقابل اکٹھا ہو کر لڑنے
کے فوائد کما حقہ معلوم ہو گئے - یوں تو دو صدی قبل ہی سے لوگوں کے دلوں میں
دنیاوی جدوجہد کی خواہش پیدا ہو گئی تھی لیکن عملی فوائد اس کے ان ہی لڑائیوں
سے یورپ کو حاصل ہوئے کشمکش زمانہ سے فائدہ اُٹھانے، ناسازگاری
روزگار کا مقابلہ کرنے - ظاہری مصائب و بیرونی مشکلات پر غلبہ پانے اور
قسمت کے پر ہیبت طلسم کے توڑنے کی اصلی کنجی جب ہی ہاتھ لگی -

آخری حصہ اٹھارویں صدی کا علمی تحقیقاتوں اور سائنٹفک آزمائشات
کیمیاوی انکشافات کے لحاظ سے بہت ہی کامیاب رہا اور یورپی فلسفی
کے اقوال عملیات سے مبدل ہوتے رہے +

سہرا اوّل اوّل انگلینڈ ہی کے سر بندھا۔ اسی ملک میں رعایا کے حقوق کی مساوات انسانی فرائض۔ گورنمنٹ کے حقیقی معانی اہل ملک کی ذمہ واریوں آزادی رائے دیگانگت کے راز کو افشا کیا گیا۔ نیوٹن کی تحقیقاتوں بیکن کے فلسفہ اور شیکسپیر کے ڈراموں نے ایک عجیب معجزنما اثر کیا۔ ملک کے ہر بچہ کی رگ و پے میں آزادی کا خون موجزن ہونے لگا اور جزیرہ کے کل باشندے شخصی حکومت کے قطعی دشمن ہو گئے۔ کراموَل نے بالآخر شخصی سلطنت کی زیادتیوں سے تمام اہل جزیرہ کو نجات دلائی۔ اور پارلےمنٹ کے ہاتھ میں قوم کی باگ دیدی گئی لیکن یہ زمانہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا۔ بحری سفر کے شوق نے بہت سی انجانی زمینیں اور نامعلوم جزیروں و براعظموں کو پوشیدگی سے نکال کر جاتی ہوئی دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور آئے دن کوئی نہ کوئی نئی زمین دریافت ہی ہوتی رہتی تھی جس کے قبضہ کرنے پر خوب کشت و خون ہوتا تھا ماسوا اس کے یورپ میں بھی مثل ایشیا کے شخصی شاہنشاہیت کئی جگہ قایم تھی جس کی ماتحت مختلف بادشاہ و حکمران اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں ہوتی تھیں زمانہ وسطی بلکہ دو صدی قبل تک آپس ہی میں یہ تاجدار لڑا کرتے تھے یا عناد و کینہ و حسد کی وجہ سے دور دراز ممالک و مقبوضات میں لڑا جھگڑا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی اکھاڑ پچھاڑ میں لگے رہتے تھے۔ آپسمیں ملکر کام کرنے اور غیر یوروپی اقوام کے مقابل متفق ہوکر سینہ سپر ہونے کا نایاب نسخہ ابھی اُنکے ہاتھ نہیں لگا تھا جسکی اہمیت نپولین نے اٹھارویں صدی کے آخر میں یورپ کو سکھلائی +

'پہلی چیز ہر کسی کو اچھی معلوم ہوتی ہے'، انگلینڈ کی دیکھا دیکھی اس کے جنوبی دوسرے ہاتھ والے پڑوسی نے بھی پلٹا کھایا اور وہاں بھی انگلش لٹریچر نے

عرب تو اپنی فتح کے زعم میں ایسے مدہوش ہوئے کہ بالکل ملیامیٹ ہو گئے اور جو کچھ آتا تھا وہ بھی کھو بیٹھے وہ بھی بھولے مہرباں جو کچھ کہ پہلے یاد تھا۔ اس کے برخلاف یورپین لوگوں نے جو سبق اپنی شکستوں سے حاصل کیا اُس کو ایسا ذہن نشین کر لیا کہ بچہ بچہ دنیاوی ترقی کی فکر میں مصروف ہو گیا۔ اپنی شخصیت کے قایم کرنے اور اپنی شکستوں کا عوض لینے کا خیال سمی ہوا کی طرح جگہ جگہ پھیل گیا لوتھر و ناکنس جیسے رفارمروں کی دھواد ھار سپیچوں کی آوازیں سوئٹزرلینڈ کے پہاڑی سلسلوں سے ٹکرا ٹکرا کر آواز بازگشت کی طرح تمام صحرا میں گونج اُٹھیں اور عیسائی دنیا میں ایک ہلچل پڑ گئی۔ اوہام پرستی اور جھوٹی عبادت کی زنجیروں کے توڑنے میں جن سے تمام یورپ جکڑا ہوا تھا انکو معجزنما کامیابی ہوئی سیکڑوں اہل قلم ان کے ہمخیال پیدا ہو گئے اور دنیا کو دارالمحن ومحل صعوبت تصور کرنے کی بجائے اُس کو دارالراحت وجاد قیام پذیر خیال کرنے لگے یہی مذہبی آزادی ہے۔ نے اُن کو سائنٹیفک تحقیقاتوں اور تاریخی چھان بین و تمدنی دریافتوں میں مصروف کیا۔ یہ زمانہ اصطلاحی معنوں میں "ریبنے ساںس" سے تعبیر ہوتا ہے +

سب سے اوّل ترقی کا دور انگلینڈ میں شروع ہوا گو علمی حیثیت سے کہنا چاہیے کہ عنوان اٹلی ہی سے ہوا اور پولیٹیکل دور اسپین و پرتگال میں سب سے قبل شروع ہوا جنہوں نے یورپ کو آزادی کا سبق دیا۔ لیکن اُنکی آزادی نری پولیٹیکل تھی اور اپنے ملک کو غیر قوم سے آزاد کرنا صرف مقصود تھا۔ اس سے یہ لوگ آگے نہ بڑھ سکے۔ حریت کا حقیقی سبق اگر سچ پوچھو تو انگلینڈ ہی میں دیا گیا۔ ذاتی نفاق شخصی کج بحثیوں اور خاندانی مناقشات و مذہبی وملی اختلافات کو ملکی بہبودی و قومی فلاح پر نثار کرنے و شخصی سلطنت کو بیخ سے اکھاڑ ڈالنے کا

زیادتیوں کی وجہ سے بت پرستی تک نوبت پہونچ گئی تھی بلکہ دھڑلے سے کلیساؤں اور گرجاؤں میں تصویر پرستی ہو رہی تھی۔ شمالی اقوام تو نری وحشی ہی تھیں جنکو ٹیوٹانک (   ) اقوام سے منسوب کرتے تھے انکا مذہب اوہام پرستی اور نجس ارواحوں کی پرستش پر مبنی تھا۔ آڈن و تھار کی ہر قبیلہ میں پرستش ہوتی تھی۔ جہالت کی وجہ سے آپس کے مناقشات اور گھریلو جھگڑوں کی آگ ہر جگہ بھڑک رہی تھی۔ طریقہ مدنیت بھی غیر مذہب اقوام سے ملتا جلتا تھا۔ اسلامی تمدن کو جب وسعت حاصل ہوئی اور مور لوگ سمندر پار کر کے جبرالٹر کے اس کنارہ ہو گے اور مشرق کی طرح سے روس وغیرہ میں اسلامی تمدن کی اشاعت ہوئی تو ان تاریک گھروں میں بھی روشنی نے جھانکنا شروع کیا۔ اور گال (فرانس) اٹلی (روما) وجرمنی کے علما نے جوق در جوق علم کی تلاش میں قرطبہ و غرناطہ دمشق و دیگر شاہی یونیورسٹیوں میں آنا شروع کیا۔ یہاں انکو ایک نرالا عالم نظر آیا۔ مور جیسی متمدن قوم کو دیکھکر انکی آنکھیں کھل گئیں اپنی قوم کی جہالت و ذلالت پر کف افسوس ملنے لگے اور اپنے زخم خوردہ دلوں کا علاج صرف اپنی قوم کی اصلاح ہی کو سمجھنے لگے۔ اپنی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور انکو زمانہ کا ساتھ دینے کے سمجھانے میں وہ ملعون بھی ہوئے سنگسار بھی کیے گئے اور زندہ جلائے بھی گئے لیکن حب وطنی اور قومی ہمدردی کا تخم انکے دلوں میں جڑ پکڑ چکا تھا اور وہ بغیر بار آور ہوئے رکتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

علم کے شوق نے علمائے نصاریٰ کو اپنے پرانے لٹریچر یونانی و لاطینی کے احیاء کا خیال دلایا اور سیکڑوں طالبعلم اس میں معروف ہو گئے اور دوسرے دور میں تمام لٹریچر کو اپنی اپنی ملکی زبانوں میں ترجمہ کر ڈالا +

ادھر کروسیڈس (صلیبی لڑائیوں) نے انکی اپنی فوجی کمزوریوں پر متنبہ کر دیا۔ ان لڑائیوں نے واقعی عجیب الٹا اثر دکھایا۔ یعنی فاتح خسارہ میں رہے اور مفتوح فاتح بنگئے

مغربی تہذیب

قوانین قدرت کا طرز عمل بھی عجیب واقع ہوا ہے اور زمانہ کی نیرنگیاں و موجودات عالم کے اختلافات بھی آئے دن عجیب کرشمہ دکھایا کرتے ہیں۔ کبھی ایک قوم کا دورہ ہی جسکو تھوڑے ہی عرصہ کے قیام کے بعد کسی نئی آنے والی قوم کے لئے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے گو زمانہ قیام کے بعد میں زیادتی یا کمی ہوجایا کرتی ہے لیکن انجام سبکا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کی برقی قوت ایسی طاقتور ہوتی ہے کہ باوجود کثیر برائیوں اور متعدد قباحتوں کے اُس کی نرالی ادائیں اور انوکھی بندشیں اپنی طرف کھینچ ہی لیتی ہیں۔ گو اسمیں ہمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے لیکن اہل دنیا کچھ ایسے بہالوٹ ہوجاتے ہیں کہ کچھ سوجھ نہیں پڑتا اور اندھوں کی طرح تقلید پر آمادہ ہوجاتے ہیں چنانچہ ابتداء دنیا سے سیکڑوں قوموں نے اپنا تمدن قایم کیا جسمیں سے چینی۔ ہندی مغربی۔ بابلی۔ کلدانی۔ رومن وغیرہ کے تمدن کی شہادت تاریخ میں موجود ہے۔ جو وقتاً فوقتاً دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئیں اور جب تک زمانہ نے مہلت دی اپنے اپنے پارٹ کرکے راہی عدم ہوگئیں یا افلاس و نکبت کے شکار ہوگئیں اور ہمیشہ کے واسطے اپنی سطوت حشمت وغیرہ کو خیرباد کہکر طوق غلامی گردنوں میں پہن لیا۔ یا زبردستی محکومیت کی بیڑیاں پاؤں میں ڈالدی گئیں اس سلسلہ میں آخری کڑی عربوں کی تھی جسمیں موجودہ مغربی تمدن کی کنڈی جوڑی گئی ہے عربی تمدن کا دور بھی حسب معمول کچھ عرصہ کے قیام کے بعد من کل علیہا فان کا مصداق بنا۔ یہ زمانہ یورپ کی جاہلیت کا زمانہ تھا۔ نیم وحشیانہ حصوں میں عیسائیت کی برائے نام پیروی ہوتی تھی لیکن نہایت بھونڈے طریقہ سے اور رومن کیتھلک پادریوں کی

رگ و پے میں رعشہ تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے کنجی قفل میں ڈالی۔ کنجی کا قفل میں پڑنا تھا کہ ایک دہشت ناک توپ کی سی آواز آئی۔ "موہوم" بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ نہ وہ پہاڑ ہیں نہ وہ گھاٹی۔ نہ وہ پتھر کا دروازہ ہے نہ وہ قفل۔ ایک لق و دق میدان ہے اور وہ ہے۔ چاروں طرف تمسخر قہقہوں کی آواز آ رہی ہے۔ "موہوم" کی تحیر و خوف سے عجیب حالت تھی۔ اتنے میں آسمان پر سے ایک براق سے زیادہ سفید پروں والی پری اڑتی ہوئی اس کے پاس آ آتری یہ پری **فردا** کی بہن **امروز** تھی۔ اس کی تیوڑی چڑھی تھی۔ گال غصے سے تمتما رہے تھے مگر فوراً اس کا غصہ مبدل بہ رحم ہو گیا۔ اور بڈھے سے کہا کہ اے نادان جس چیز کی تجھکو تلاش تھی وہ تو اصل میں میرے پاس تھی۔ تو نے اسے جہاں سمجھا تھا وہاں گیا تھا وہاں تو محض دھوکا اور دل لگی تھی۔ افسوس تو نے اپنی عمر گرانمایہ ایک بے سود تلاش میں صرف کی اور اس سعی بے حاصل میں اپنی تمام قدرتی قوتوں کو زائل کر دیا کاش کہ تو میرا غلام ہو جاتا کاش کہ تو "فردا" کی بجائے "امروز" کا خیال کرتا۔۔۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

"امروز" اپنے جوش میں نصیحت آمیز الفاظ کہے چلی گئی مگر آنکھ اٹھا کر جو دیکھا تو بڈھے کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں جسم اکڑ کر تختہ ہو گیا تھا اور "امید موہوم" بے جان ایک مردار زمین پر پڑا تھا۔ "امروز" نے مڑ کر دیکھا تو "دیروز" بھی آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی تھی۔ "امروز" نے تاسف کے لہجے میں "دیروز" سے کہا آہ یہ امید دل بھرا۔ پرجوش نوجوان گمراہ ہونے سے آخر کس درجے کو پہنچا۔ اب یہ بڈھا ہے۔ بے جان مردا ہے اور سرد ہو چکا ہے لے اب یہ تیرے سپرد ہے +

دیروز نے ایک ماتمی چادر سے اس بڈھے مرحوم "امید موہوم" کو ڈھانپ دیا اور یاس کے دریائے قعر گمنامی میں ڈال دیا +

مشتاق دہلوی۔

ایک عمر ہوگئی تھی - اب وہ ضعیف اور بڈھا ہوگیا تھا - اس کو ایک قدم بھی بڑھانا مصیبت تھا - مگر "فردا" رحم کے نام سے ناآشنا تھی اس نے سختی کی آواز سے کہا کہ دیکھو جلدی کرو ورنہ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے تیری عمر تجھکو جواب دیدیگی "موہوم" کو بڑھاپے نے آگھیرا تھا - اس کی آنکھوں کی روشنی کم ہوگئی تھی - اسی جنگل میں سے ایک لکڑی ٹٹولی اور اس پر سہارا دیکر گھسٹنا شروع ہوگیا -

سورج غروب ہوچکا - رستہ پیچدار تھا - چمگادڑوں نے آسمان پر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر اڑ اڑ کر شفق کی روشنی کو دھندلا کر دیا تھا - زمین پر سانپ اور اژدہے پھنکارے مار رہے تھے اور ہر طرف طرح طرح کے زہریلے کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے - "موہوم" دہشت سے ڈگمگایا - اس نے اپنی دھندلی آنکھیں منزل مقصود کی طرف اٹھائیں اور مایوسی سے آہ سرد بھر کر چلایا - افسوس میں بڈھا ہوگیا - اندھا ہوگیا "**کامرانی**" اب ملی بھی تو کیا مزا -

"فردا" نے جرات دینے والے الفاظ میں کہا چلو بڑھے چلو کام مار لیا ہے - اب دیر کرنے کا وقت نہیں "موہوم" کا دم چڑھ گیا تھا - ایک ایک قدم ہزار ہزار من کا ہوگیا تھا - اس میں اتنی قوت کہاں تھی کہ سفر برابر کئے جاتا مگر خیر اب وہ منزل مقصود پر پہنچ چکا تھا +

یہاں پہونچکر دیکھا کہ پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایک پر خوف غار ہے اسمیں ایک طرف کو ایک گھاٹی ہے جسمیں یہ دونوں اترے وہاں ایک تنگ و تاریک گھر پر ایک پتھر کا کواڑ لگا ہے جو مضبوط زنجیر و قفل سے جکڑا ہوا ہے - "موہوم" نے خوشی اور انبساط سے "فردا" کی طرف دیکھا - اور کنجی کے لئے ہاتھ بڑھایا - "فردا" نے تبسم کیا اور کنجی اس کے حوالے کی +

"موہوم" کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا - وہ ضعیف اور ناتواں ہوگیا تھا - بڑھاپے کی

ہوتے تھے۔ ان باغوں میں فوارے چل رہے تھے اور بجائے پانی کے گوہر والماس برسا رہے تھے۔ ہزاروں میں سے سونے اور چاندی کی مچھلیاں تھیں سرو و شمشاد کی قطاریں تھیں زمرد کے تختے تھے اور لعل و یاقوت کی روشیں تھیں۔

"موہوم" یہاں ذرا ٹھٹکا۔ "فردا" برابر آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ "موہوم" کو مڑ کر دیکھا کہ ٹھہرنا چاہتا ہے ذرا دھمکی اور للچانے کے لہجے میں کہا کہ ٹھہیر نہیں۔ چلا چل۔ پھر دیکھو کیا کیا سبز باغ نظر آئینگے۔

"موہوم" نے اپنا سفر جاری کیا۔ راستہ رفتہ رفتہ پتھریلا اور خاردار ہو تا گیا چاروں طرف سپاٹ چٹانیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں مگر فردا نے ایک اونچی چٹان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "کہ گھبراتا کیوں ہے دیکھ وہ جگہ تیری منزل مقصود ہے"۔ یہ کہا اور آگے بڑہی چلی گئی۔ "موہوم" پیچھے پیچھے تھا مگر اس کے پاؤں تھک گئے تلووں میں چھالے پڑ گئے راستہ ڈھلوان اور پر خطر تھا۔ ہر موڑ پر خاردار جھاڑیاں تھیں۔ مگر ہوا کریں منزل مقصود بھی تو دہی تھی۔ راستے میں ایک بچے کے گر کر چوٹ لگ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو جاتے دیکھکر چیخا للہ ذرا مجھے اٹھاتا "فردا" بیلائی خبردار جو کسی کی سنی۔

"موہوم" سر جھکائے چلتا رہا۔ دن غروب ہو گیا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے دل دہلتا تھا جنگل کے درندوں کی آواز سے جی کانپا جاتا تھا۔ اس خوفناک سماں میں دور سے ایک عورت کی درد بھری آواز آئی کہ ہائے کوئی مجھے اس موذی کے جنگل سے چھڑائے۔ "موہوم" نے ادھر کان لگائے مگر "فردا" نے غضبناک شکل سے اس کی طرف دیکھا اور وہ سیدھا ہو لیا۔

"فردا" آگے تھی۔ "موہوم" پیچھے تھا۔ منزل مقصود سامنے تھی۔ اتنے میں بجلی زور سے کڑکی۔ بادل گرجا اور موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ "موہوم" کو چلتے چلتے

پردہ نشیں مہ جبیں تک رسائی کرادیجئے - بڈھے بابا نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ "کامرانی ایک تنگ و تاریک غار میں مقفل ہے اور اس کی کنجی ان لڑکیوں میں سے کسی کے پاس ہے اور انہیں کو اس کا راستہ بھی معلوم ہے - اس سے زیادہ میں نہ بتاؤنگا - اب تو ان سے اپنا مطلب حاصل کر" نوجوان "موہوم" انکی طرف مخاطب ہوا اس نے دیکھا کہ "امروز" تو غائب ہی ہو چکی ہے - "دی روز" نے آہ سرد بھری اور اس کی طرف سے منہ موڑ لیا - اُس کی یہ ادا "موہوم" کو بہت بھائی اور اس کے نقاب پوش ہونے سے اسے خیال ہوا کہ شاید یہ سب سے زیادہ حسین ہو اور اسی سے مطلب نکلے مگر جب "فردا" کیطرف دیکھا تو اس کے ملک فریب حسن پر لٹو ہو گیا اُدھر فردا نے آنکھیں مارنی شروع کی پھر کیا تھا "سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا" یہ اُدھر کو بڑھے - وہ مسکرائی - امید کو یقین کامل ہو گیا کہ ہو نہ ہو اُس قید خانے کی کنجی اسی کے پاس ہے - فردا نے ایک دلربایانہ ادا سے اس کی طرف دیکھکر کہا کہ "آپ کامرانی" کی تلاش میں سرگرداں ہیں اگر آپ کو کوئی اس کا پتہ لگا دے تو آپ کیا دلوائیں -

"موہوم" "وہ جو کچھ طلب کرے - دل - جان - مال - عزت"

دیروز نے ایک نگاہ پھر کر دیکھا اور مایوسی سے پرواز کرتی ہوئی آنکھوں سے غائب ہو گئی موہوم نے مضطربانہ طور سے پھر کہا کہ ہاں ہاں جو کچھ مرے پاس ہے دونگا "

"فردا" "تو چل میرے پیچھے پیچھے چلا آ" یہ کہہ فردا آگے آگے ہولی

یہ دونوں سرسبز و شاداب مرغزاروں میں سے گذرے - خوشبودار درختوں کے جنگل طے کئے -

ایسے خوشنما باغوں میں سے گذرے جو جادو کے زور سے بنائے ہوئے معلوم

نہائیت باریک اور ڈھلوان تھے۔ یہ راستے "طرق الشعاع" کہلاتے تھے۔ ہر شخص کی مجال نہ تھی کہ ان کو طے کرے +

جوان "**امید موہوم**" نے جونہی یہ بات اپنے والدین سے سنی سیدھا گھر سے نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے دوسرے روز جونہی دن نکلا فوراً "طریق الشعاع" کی راہ سے "دار الشمس" میں داخل ہوا۔ وہاں پہونچکر کیا دیکھتا ہے کہ ایک تخت زرین پر چمکدار تاج پہنے ہوئے ایک بڈھا شخص ہاتھ میں ایک تیز تلوار لئے بیٹھا ہے اور اس کا تلوار والا ہاتھ برابر چلے جا رہا ہے گویا کسی چیز کو قطع کر رہا ہے اس کے برابر تین بیبیاں بیٹھی ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی کا نام "**دی روز**" تھا اس سے چھوٹی کا نام "**امروز**" اور سب سے چھوٹی کا نام "**فردا**" تھا یہ تینوں اسی بڈھے "بابا وقت" کی بیٹیاں تھیں جنکی ملک دار الفنا پر حکومت تھی۔ جوان "موہوم" کو خیال ہوا کہ شائید انہی میں میری محبوبہ بھی ہو غور سے ان کو تاکنے لگا۔ "**دی روز**" چپ چاپ ایک سفید چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی تھی "**امروز**" کی شکل معمولی تھی۔ شرمیلی آنکھوں سے زمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر ایک قسم کی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ "فردا" نہائیت حسین اور شوخ و چنچل تھی اس کے دلربایانہ عشوہ و ناز نہایت فریب تھے۔ اس کی ہر ادا معشوقانہ تھی اور خواہ مخواہ ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی +

"**جوان موہوم**" بڈھے "**بابا وقت**" کے قدموں میں گر پڑا۔ "بابا وقت" نے بغیر سر اٹھانیکے پوچھا کیوں بیٹا تو یہاں کیونکر آیا۔ اور تیرا مطلب کیا ہے۔۔

"امید موہوم" نے دست بستہ عرض کی کہ قبلہ عالم میں "**کامرانی**" کی تلاش میں سرگرداں و پریشان کوہ و بیابان میں مارا مارا پھرا۔ اب یہ معلوم ہوا کہ حضور کو اس کا پتہ معلوم ہے برائے خدا میری عرض قبول کیجیئے اور میری اس عفت مآب

دی روزِ امروز و فردا کا قصّہ

"دار البقا" کی مغرب کی جانب شاہ راہِ ہستی پر ایک ملک آباد ہے جس کا نام "دار الفنا" ہے اس ملک میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام "اِستقلال" تھا "اِستقلال" کے والدین کچھ بہت امیر نہ تھے مگر انہوں نے اُس کی شادی ایک مالدار عورت "محنت" سے کر دی تھی جس کی بدولت رفتہ رفتہ استقلال اپنے ملک میں ایک بڑا مالدار آدمی ہو گیا۔ "اِستقلال" کے بہت اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکا تھا جس کا نام "امیدِ موہوم" تھا یہ لڑکا جب سن بلوغ کو پہنچا تو ایک حسین خاتون "کامرانی" پر غائبانہ عاشق ہو گیا اور شب و روز اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اس کا پتہ لگائے اور اس تک پہنچ سکے۔ اس کی حالت تعشق دن بدن بڑھتی گئی اور بسا اوقات "از گفتار خیرد" کے چکر میں ایسے آئے کہ رفتہ رفتہ اسکی اس وارفتگی کا حال اس کے والدین تک پہنچ گیا۔ جب انہوں نے اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو آپس میں میاں بیوی نے صلاح کی کہ اس کا کیا علاج کرنا چاہیے بعد بحث و مباحثہ کے یہ فیصلہ قرار پایا کہ لڑکے کو اُس کی معشوقہ کے پتہ لگنے کا بھید جس سے وہ واقف تھے بتا دینا چاہیے۔ چنانچہ اس سے ایک دن علیحدگی میں کہا "اگر تو "کامرانی" پر ایسا ہی شیدا ہوا ہے تو اُس کا پتہ لگنے کی صورت یہ ہے کہ یہ بڑے "باباوقت" کی خدمت میں حاضر ہو اور اُن سے اس کے مکان کا راستہ دریافت کرے" "باباوقت" ملک "ابدالآباد" کا بادشاہ تھا اور ان دنوں اپنے محل "دار الشمس" میں رہتا تھا یہ مکان نہایت بلند تھا جو "فوق السما" کوہ کی چوٹی پر واقع تھا۔ اس مکان کے بہت راستے تھے مگر

اس اولوالعزم دیوی کے یہ الفاظ مشکل سے ختم ہوئے ہونگے کہ اوریَنؔ[۵] اور سراپیس آسمان پر ستارے بنگئے۔ اور ڈائنا نے اپنے عاشق کو دائمی قربت بخشی۔ کیونکہ یہ وہ ستارہ ہے جو چاند کے انتظار میں کبھی اس سے پہلے اور کبھی اُس کے بعد فوراً نکل آتا ہے۔

شیدا (از کیمبرج)

ہجوم گریہ میں یاں دل میں اب لہو ہی نہیں ۔۔۔ وہاں اجازتِ تشریحِ آرزو ہی نہیں
یہ کہہ کے آئے ہیں وہ بے سبب قتل کرنے کو ۔۔۔ کہ آج تیغ نہیں بارِ گلو ہی نہیں
عبث ہے دیر و حرم تک دوادوش اسکی ۔۔۔ جسے سلیقۂ اظہارِ آرزو ہی نہیں
مبارک اس کو ہو محرومیٔ ستمگاری ۔۔۔ جسے محبتِ معشوقِ تندخو ہی نہیں
بزورِ دستِ اجل اپنا خلعتِ ہستی ۔۔۔ ہوا یہ چاک کہ گنجائشِ رفو ہی نہیں
حیاتِ رفتہ نہیں دوست جسکو پا نہ سکیں ۔۔۔ مگر بحدِ کمال اپنی جستجو ہی نہیں
نظارۂ در و دیوارِ کعبہ کیسے کیجے ۔۔۔ ہزار جلوے ہیں پیشِ نگاہ تو ہی نہیں
جہانِ شوق کبھی دل کے ساتھ تھا محشر ۔۔۔ وہ جب سے مر گیا اب کوئی آرزو ہی نہیں

---

[۵] اورین ایک ستارے کا نام ہے۔ اس کی تصویر یونانیوں نے بنائی ہے کہ جیسے ایک نوجوان آدمی ایک پیٹی سے کمر کسے ہوئے اور ہاتھ میں ایک ڈنڈا لئے ہوئے ہو۔ اورین ستارہ خود گویا تین ستاروں کا مجموعہ ہے ایک تو یہ خود دوسرے اُس کی پیٹی تیسرے اس کا ڈنڈا۔ ان ستاروں کا موسم گرما کے بعد غائب ہو جانا طوفان کی علامت اور بارش کا پیش خیمہ ہے۔ عربی میں بھی اسے جبار کہتے تھے۔ اور توریت میں اس کا نام کِسِیل یعنی سید ہے یا بیوقوف کے ہے اُس کی وفات کے متعلق بہت سی روایتیں تھیں بعضے کہتے تھے کہ فجر کی دیوی اسپر عاشق تھی اور سارے دیوتا اس سے ناراض تھے اس لئے ملکر اسے مار ڈالا گیا۔ مگر سب سے زیادہ مقبول یہ روایت ہے جو اس کہانی میں ہے۔ شیدا۔

اس پر عاشق تھے مگر اس کی تیز مزاجی اور جلیل القدری کی وجہ سے کسی کو اس کے قریب آنے یا بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

بعض وقت یہ اپنے بھائی اپالو کے ساتھ سمندر کے کنارے جا بیٹھا کرتی تھی ایک دن اپالو نے ایک کالی سی چیز کی طرف جو پانی میں بہہ رہی تھی اشارہ کر کے ڈائنا سے کہا کہ بھلا جب جانیں کہ اس گیند پر تیر لگاؤ۔

اپالو کو معلوم تھا کہ یہ کالی گیند سی چیز کیا تھی۔ ایک جلیل القدر دیو کا سر تھا جس سے اپالو ناراض تھا کیونکہ وہ اس کی بہن ڈائنا پر عاشق تھا اور چونکہ اس کے باپ نیپچون نے اسے پانی میں چلنے کی طاقت بخشی تھی اس لئے وہ اکثر پانی کی راہ سے آکر ڈائنا کے نظارہ سے اپنا دل بہلایا کرتا تھا۔ گو ڈائنا کو عشق اور عاشقی سے چڑ تھی مگر چونکہ یہ نہایت خوبصورت شہزادہ اور نیک دیو تھا وہ بھی اسے بہت پسند کرتی تھی۔ اسوقت ڈائنا اس کو پہچان نہ سکی کیونکہ وہ بہت دور تھا اور اپنے بھائی کے اس کہنے پر اپنی تیر اندازی کا کمال دکھانے جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور ساری قوت سے ایسا تیر مارا کہ غریب اورائن (یہ اس دیو کا نام تھا) کے سر کے بالکل پار ہوگیا اور وہ بیچارا تڑپ کر وہیں جان بحق تسلیم ہوگیا۔

تھوڑی دیر میں اس کا بے جان جسم لہروں نے بہا کر ڈائنا کے قدموں پر ڈال دیا اس جانباز عاشق کی دونوں مرادیں یعنی معشوقہ کے ہاتھ سے مرنا اور بعد مرنے اس کی قدمبوسی کرنا وہیں پوری ہوگئیں۔ سنتے ہی سیریس نامی اورائن کا وفادار کتا آیا اور اپنے بیکس آقا کے پیر چاٹنے لگا۔ ڈائنا بھی اس نادانستہ غلطی سے بہت گھبرائی اور ایک آہ سرد بھر کر کتے سے کہنے لگی کہ افسوس۔ سیریس یہاں تو اب تجھے اپنے مالک سے ملاقات نصیب نہیں ہو سکتی اس کا کام تمام ہوگیا۔ مگر تو اسکے ساتھ ہمیشہ آسمان پر رہے گا۔

کھڑی کھیل رہی تھی اور دوسروں پر پانی پھینک رہی تھی وہ ڈائنا تھی جو اپنی سہیلیوں کو ساتھ لیے ایک متبرک اور خاص[۵] چشمے پر نہانے یا دل بہلانے آئی تھی۔ پتوں کی آواز سے یہ سب چونک پڑیں۔ اس انسانی گستاخی نے خواہ وہ کیسی ہی معصوم تھی چاند کی دیوی کو تھوڑی دیر کے لیے آگ کی دیوی بنا دیا غصے سے آگ بگولا ہو گئی ایک چلو پانی لیکر ایکٹیون کی طرف پھینکا اور جھلا کر بولی کہ اے کمبخت دور ہو۔ ایکٹیون درخت پر سے اتر کر بھاگا۔ دو چار ہی قدم چلا ہوگا کہ اس کے سارے جسم پر رونگٹے اور بال آگئے لگے اور ذرا دیر کے بعد سر میں سینگ نکل آئے۔ تھوڑی دور اور چلا کہ دھم سے گر پڑا پھر ایسا معلوم ہونے لگا کہ چاروں ہاتھ پیروں پر اچھی طرح چل سکتا ہے قصہ مختصر جنگل سے تھوڑی دور نکل کر ایک جھیل پر آیا۔ اسوقت اپنا عکس پانی میں دیکھکر اُسے معلوم ہوا کہ ڈائنا نے اوسے بارہ سنگھے کی شکل میں مسخ کر دیا۔ یہ بیچارا کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں اسی کے کتوں نے جنہیں یہ اپنی اصلیت نہ بتا سکا تھوڑی سی دیر میں اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد سے یونانیوں کو جب کبھی ایسے مقام کے آس پاس جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور کسی قسم کی پانی اچھالنے یا ہنسنے وغیرہ کی آواز انہیں سنائی دیتی تھی تو وہ اس بات کا بہت ہی خیال رکھتے تھے کہ کہیں بھولے سے بھی نظر اوسطرف نہ جا پڑے۔

یونانی ڈائنا کو سب سے زیادہ حسین دیوی سمجھتے تھے بہت سے دیو

---

[۵] گو پہلے بھی ڈائنا کے لیے مخصوص تھا اور ایکٹیون انجان پنے سے چلا گیا تھا مگر اس کے بعد تو یہ مقام خاص طور سے ڈائنا کا مانا گیا تھا اور یہ خیال تھا کہ اور مقاموں سے یہ خود ڈائنا کو زیادہ پسند ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ واقعی اسوقت یونان میں بہترین مقام تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک یونانی اگیمن نامی نے اس کے معبدانوں میں ایک ہرن مار لیا۔ ڈائنا تیز مزاج تو تھی ہی اس بے ادبی پر بہت بگڑی اور اگیمن کو طرح طرح کے نقصان اور تکلیفیں پہونچانے لگی۔ فال کھولنے والوں نے اگیمن سے کہا کہ دیوی کا غصہ تیری لڑکی کا خون ہی اتار سکتا ہے۔ یہ بیچارا تھوڑے دنوں تک تو ادہر ادہر کی ترکیبوں سے دیوی کو منانے کی کوشش کرتا رہا آخر ہار کر اپنی اکلوتی اور چاہتی بیٹی (انیجینیا) کو دیوی کے نذر چڑھانے لے گیا اس حسین اور نوجوان لڑکی کو بیکس بندھا ہوا دیکھکر ڈائنا کو رحم آگیا اور جیسے ہی چھری اس غریب کا کام تمام کرنے کو تھی ڈائنا اوسے بادلوں میں اڑا کر لیگئی اور اس کی جگہ ایک ہرن ذبح ہونے کے لئے بھیجدیا۔

ڈائنا میں حسن بلا کا تھا اور اپنی سہیلی دیویوں اور پریوں سے دو ایک انگل لانبی تھی۔ یہ پری دیویاں کچھ اس کی محبت کی خاطر اور کچھ اپنے دل بہلانے کے لئے اکثر اس کے ساتھ یا تو شکار کھیلنے یا یونہی پر فضا مقاموں میں کھیلنے کودنے اور ناچنے گانے کو چلی جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ کیا ہوا کہ اکٹیون [۵] شکار کھیلتا ہوا ایک چشمہ کے قریب جو چاروں طرف گنجان درختوں سے گھرا ہوا تھا جا نکلا۔ یہ پرفضا مقام دیکھکر وہ دم لینے کو رک گیا۔ اس کے شکاری کتے پیچھے رہ گئے تھے اس لئے وہ درندوں کے ڈر کے مارے ایک گھنے درخت پر چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتنے ہی میں کچھ پانی اچھالنے کی سی آواز اسکے کانوں میں آئی۔ پتوں کو ہٹا کر جو دیکھا تو چند نہایت حسین عورتیں اس شفاف پانی میں نہا رہی ہیں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ سب خوبصورت عورت ہو   پیچ ہیں

---

[۵] ایک نوجوان ہر دلعزیز یونانی تھا۔ اور اکثر شکار کھیلنے جایا کرتا تھا۔

ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں جڑوے ہوئے پیدا ہوئے تھے کیونکہ ان دونوں کی طبیعتوں میں بہت سی باتیں اسقدر ملتی جلتی تھیں کہ عام بھائی بہنوں میں ہونی غیر ممکن ہے۔ مگر زیادہ اصرار اسپر ہے کہ ڈائنا ایک روز پہلے پیدا ہوئی تھیں کیونکہ ان کے لئے ہر مہینہ کی چھٹی لیکن اپالو کے لئے ساتویں متبرک مانی جاتی تھی اسکے علاوہ ڈائنا کی پیدائش کی جگہ آرٹیجیا سمجھی جاتی تھی اور اپالو کی ڈلوس۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں جڑوے ہوئے پیدا ہوتے تو درکنار ایک جگہ بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

لاطینیوں کی طرح یونانیوں نے بھی ڈائنا کو جسے وہ اکثر آرٹیمس[1] کہا کرتے تھے صرف چاند ہی کی دیوی نہ سمجھا بلکہ اونہوں نے اس میں اور بھی زیادہ صفتیں خیال کیں۔ بچوں کی حفاظت۔ مسافروں کی رہنمائی۔ رقص و سرود کا شوق اور کمال۔ انسانوں کے دل و دماغ اور طبیعتوں پر اختیار[2] وغیرہ اس کی خاص صفتیں تھیں۔

یہ شکار کی بھی دیوی تھی۔ اس حیثیت میں اس کی ایک بہت مشہور تصویر پیرس کے عجائب خانہ میں ہے جس میں وہ ایک گھٹنوں تک کی کفنی پہنے ہوئے اور کاندھے پر ایک ترکش اور ہاتھ میں ایک چاندی کی کمان لئے ہوئے ہے۔

چوپائے جانور خصوصاً ہرن اس کو بہت پسند تھے اور چونکہ یہ خود شکار کی بڑی شوقین تھی اور ہر وقت تیر و کمان لئے پھرا کرتی تھی کسی اور کو اپنے خاص شکار گاہوں میں شکار کھیلنے کی اجازت نہ تھی۔

---

[1] تفصیل کے لئے انسائکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۶۴۳ ملاحظہ فرمائیے۔

[2] لاطینی میں چاند کو لونا اور مجنوں یا دیوانہ کو لونٹیکس کہتے ہیں۔ کیونکہ خیال تھا کہ انسان چاند کے اثر سے دیوانہ ہوتا ہے۔ انگریزی میں بھی لونیٹک دیوانہ کو کہتے ہیں یہ لفظ لاطینی زبان سے لیا گیا ہے۔

گریوں اس کو بہت سی چیزوں پر قدرت حاصل تھی۔ جنگلوں میدانوں جھیلوں اور دریاؤں کے قریب مقامات پر اس کا سایہ (یا قبضہ) تھا۔ اس لئے اسکو شکار اور نیز لڑائی کی دیوی مانا جاتا تھا اور اسی لئے زیادہ تر ایسے ہی مقامات پر اس کے نام کے مندر وغیرہ بنائے جاتے تھے جنکی ٹھیک تعداد معلوم نہیں انہیں سب سے زیادہ مشہور دریائے ایونٹائن پر ایک عالیشان مندر تھا مختلف مقامات پر اس کی مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے عبادت ہوتی تھی[۵۱]۔

بلحاظ چاند کی دیوی کے اس کا بہت کچھ اختیار انسانوں اور خاص طور پر عورتوں کی طبیعتوں پر سمجھا جاتا تھا۔ وضع حمل کے وقت عورتیں اس سے سہولیت اور آسانی کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ انلی بھر کے مفرور غلام اس کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ اس کا سالانہ میلہ اگست میں پورے چاند کے دن ہوتا تھا جسمیں طرح طرح کی چیزیں اس کی نیاز کے لیے چڑھائی جاتی تھیں[۵۲]۔

سنہ قبل مسیح کے بعد سے یونانیوں نے اس کی اور آرٹیمس کی عبادت ایک کر دی۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے یونانی کسی چاند کی دیوی کی پرستش کرتے بھی تھے یا نہیں مگر کم از کم اب یہ دونوں ایک ہی دیوی کے نام سمجھے جاتے ہیں اور ڈائنا یا آرٹیمس سے ایک ہی مفہوم یعنی چاند کی دیوی ہوتا ہے۔ یونانی عقائد میں جن کا میں آگے ذکر کرونگا کسی طرح اس دیوی کی صفت کم نہیں ہوئی بلکہ بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ اصل دونوں میں ایک ہی ہے۔

ڈائنا اپالو سورج کے دیوتا کی بہن تھی۔ اس کی پیدائش کے متعلق دو روایتیں

---

[۵۱] تفصیل کے لئے انسائکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۸ صفحہ ۱۶۷ ملاحظہ کیجئے۔

[۵۲] تازہ تحقیقات میں بہت سی چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔

بنائی جاتی ہیں۔ یورپ میں جو مقبولیت ان کہانیوں کو حاصل ہے وہ الف لیلہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

میں نے یونانی جذبات میں کوئی کمی بیشی نہیں کی تاکہ ناظرین کو قدیم شاعرانہ خیالات کا بھی صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس نمبر میں میں نے بہترین کتب کے نام مع نمبران صفحات حوالہ کے لیے دیدیئے ہیں۔ تاکہ شائقین کو مزید مطالعہ میں مدد ملے۔ افسوس ہے کہ اس کے متعلق ابھی تک کوئی کتاب ہماری زبان میں نہیں اور صرف انگریزی دان حضرات ہی مزید مطالعہ کر سکتے ہیں۔ شیدا۔

ڈائنا یا آرٹمیس چاند کی دیوی

لفظ ڈائنا یونانی زبان میں (جینیا) جینس[ف] کا مونث ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ڈائنا اور آرٹمیس دونوں نام شروع ہی سے ایک ہی دیوی کے تھے لیکن اسمیں شک نہیں کہ جانسو برس پیشتر مسیح سے پہلے ڈائنا ایک علیحدہ دیوی تھی۔ اس سے پہلے کا حال یونانی تواریخ کچھ نہیں بتا سکتیں مگر یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس زمانے میں لاطینی ضرور اس نام کی دیوی کی پوجا کرتے تھے۔ چونکہ اس لاطینی دیوی کی صفات اور یونانی آرٹمیس کی صفات بہت کچھ ملتی جلتی ہیں اس لئے یہ خیال ہوتا ہے کہ اسی دیوی کو یونانیوں نے اپنی پرستش میں آرٹمیس کے نام سے شامل کر لیا۔ گو میرے سلسلہ کی پیشانی کسی لاطینی توہم کے تذکرے کی اجازت نہیں دیتی مگر ان دونوں دیویوں کا (اگر یہ دو جدا جدا نہیں) بہت کچھ یکسان ہونا اسامر کا متقاضی ہے کہ میں لاطینی عقائد کا بھی کچھ حال بیان کردوں۔

لاطینیوں کے نزدیک گو خاص طور پر ڈائنا کو چاند کی دیوی کا خطاب تھا

ف۔ جینس لاطینی سورج کے دیوتا کا نام ہے جسکے نام پر جنوری کا مہینہ نامزد کیا گیا تھا۔ اس دیوتا کے نام پر جینی کولم پہاڑ ہے جو دریا کے شمال میں واقع ہے۔ مزید حالات کے لئے انسائکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۱۳ صفحہ ۵۶۸ ملاحظہ کیجئے۔

قدیم یونانی توہمات اور اُن کی دلچسپ کہانیاں

۲

(سلسلے کے لئے دسمبر ۱۹۰۶ء کا مخزن ملاحظہ فرمائیے)

"۔۔۔۔آپکا مضمون پہنچا - مجھے بہت پسند آیا - اور اگر میری رائے سے ناظرین مخزن کی عام رائے کا اندازہ ہو سکتا ہے تو یقیناً وہ بھی اسے پسند کرینگے - یہ کہانیاں علاوہ دلچسپ ہونے کے اس اعتبار سے اُردو میں لکھی جانی ضروری ہیں ،، کہ انگریزی علم ادب انکی ان یونانی استعارات اشارات سے بھرا پڑا ہے - اور اکثر ترجمہ کے وقت جب یونانی نام عبارت میں آجاتے ہیں تو وہ لوگ جو انگریزی کتابوں کے ذریعہ ان سے آشنا نہیں ہو چکے مُنہ تکنے لگتے ہیں کہ اپالو کون تھا اور کیوپڈ کیا ہے آپ اس سلسلے کو ضرور پُورا کیجئے ۔۔۔۔۔۔ ان کہانیوں کو ایسی زبان میں لکھنا جو اس پہلے نمبر میں آپنے لکھی آسان نہ تھا ۔۔۔۔۔" (شیخ عبد القادر - لندن)

اس خط نے اوس مفصل تمہید کی (جو ایسے سلسلے کے لئے ضروری تھی) جو میں لکھنا چاہتا تھا ضرورت مٹا دی - اب میں صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کہانیاں اس مشہور عالم خطہ کے توہمات بلکہ یوں کہنا چاہیئے عقاید ہیں جس کے عاقلوں کے نام زمانے کے بیرحم ہاتھ ابتک مٹا نہیں سکے اور جنکی تدبیروں اور حکمتوں نے یورپ کیا تمام دنیا میں اپنی روشنی ڈالی - یہ وہ عقائد ہیں جنکا اثر یورپ کی تمدنی - مذہبی حتیٰ کہ ملکی حالت پر ہو چکا ہے[۱] - ان دیوتاؤں کی تصویریں انہیں توہمات کے مطابق بڑے بڑے اسٹیچوں اور بڑی بڑی عمارتوں کی دیواروں اور چھتوں پر اتبک

[۱] انسائکلوپیڈیا برٹینکا - جلد ۲ صفحہ ۶۳ - (Mahaffy) تفصیل کے لئے ڈاکٹر صاحب کی کتاب یونانیوں کی صنعت پر ملاحظہ فرمائیے +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت معمار نے اسے تعمیر کیا تھا۔ اس مینار کے اوپر ریاست کی طرف سے اب بھی روزانہ چراغ جلایا جاتا ہے اور اس شخص کو جس کے سپرد یہ خدمت ہے مع تیل کی قیمت کے ۸ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ مینار کے پاس شکستہ عمارت کے نشان موجود ہیں جو سادر کی دو درجوں کی مسجد معلوم ہوتی ہے دروازہ موجود ہے جس کے طاقوں پر اللہ۔ اللہ کندہ ہے۔

مسجد سے تھوڑے فاصلے پر بلند چھوٹے سے چبوترہ پر ایک سنگ سرخ کی لاٹ قلعہ کی قدامت کے ثبوت میں نصب ہے۔ اس پر کسی قدیم ہندی زبان میں کتبہ موجود ہے جو مشہور ہے کہ اب تک نہیں پڑھا گیا اب اس کے فوٹو لیکر کلکتہ بھیجے گئے ہیں۔ قلعہ کے شمال و مغربی گوشے میں کئی شکستہ محل موجود ہیں جن کا صرف ایک دروازہ کسی قدر اچھی حالت میں ہے اور اس پر کسی قدر چینی کا کام بھی باقی ہے۔

سکندرہ دروازہ کے آگے وسیع احاطہ ہے جو غالباً چوک معلوم ہوتا ہے اس میں اب گنجان کریل وغیرہ کا جنگل کھڑا ہے۔ کئی سنگیں کنوئیں اور پہاڑ کے دامن میں ایک عالیشان شکستہ مسجد موجود ہے۔ یہ مسجد گنبد دار ہے تین بڑے اور آٹھ چھوٹے گنبد تھے جن میں سے کچھ گر گئے۔ مسجد اندر سے کئی درجوں میں منقسم ہے۔ محرابیں نہایت خوبصورت ہیں جن کے اوپر خوشخط آیات قرآنی کے متبرک کتبے کندہ ہیں۔ نیچے تہ خانہ ہے طرز تعمیر سے لودیوں کے عہد کی تعمیر معلوم ہوتی ہے۔ غالباً سکندر لودی نے تعمیر کرائی ہوگی +

سعید احمد ماہروی

میں جبکہ ہمایوں بنگالہ میں مقیم تھا مرزا ہندال نے جو آگرہ کا حاکم اور ہمایوں کا بھائی تھا بغاوت کا ارادہ کیا جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا شیخ پھول رح کو بھائی کے سمجھانے کے واسطے آگرہ روانہ کیا - مرزا نے اول تو شیخ کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز واکرام سے اپنے محل میں ٹھہرایا آخر میں اُمرائے فساد پیشہ کے اغوا سے جو شیخ کے آنے کی وجہ سے بددل ہو رہے تھے بیچارے کو قتل کرا دیا - شیخ محمد غوث رح نے فقد مات شہیدا (۹۴۵) - شہادت کی تاریخ کہی - محمد بخشی حاکم بیانہ کو شیخ سے حسن عقیدت تھی اس نے آپ کی نعش کو آگرہ سے لاکر اس مقام پر دفن کیا -

جنوب ومغربی گوشہ میں پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر ایک دو منزلی بارہ دری سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے - یہ نہایت پرفضا اور ہموار مقام ہے - سامنے کوسوں تک کا منظر پیش نظر رہتا ہے - اسے جہانگیر کے عہد میں محمد بخشی حاکم بیانہ نے تعمیر کرایا تھا - قلعہ کے مغربی حصّہ میں ایک مینار جو اصل میں مسجد کا ماذنہ ہے شاہان صدیقی کی یادگار سے باقی ہے - یہ اس سمت میں دُور سے دکھائی دیتا ہے - اس کی اب دو منزلیں باقی ہیں - پہلی منزل ۲۴ ½ فٹ اور دوسری ۳۰ فٹ بلند ہے تیسری منزل مشہور ہے کہ میگزین کی بارود میں آگ لگنے سے گر گئی - اس مینار کے اوپر نہایت خوشخط اور بڑے بڑے حروف میں آیات قرانی کے کتبے لکھے ہوئے ہیں اور دروازہ پر یہ کتبہ کندہ ہے " انشا بناء ہذہ المنارۃ المبارک المسند العالی والمحی المعالی اعظم ہمایوں داؤد خان بن مسند عالی محمد خان بن مسند عالی معین خان صدیقی المعروف بادھری خلد اللہ ملکہ فی سنۃ احدی وستین وثمان مائۃ " اس سے ظاہر ہے کہ یہ مینار ۸۶۱ھ میں سلطان داؤد خان صدیقی نے تعمیر کرایا تھا - دروازہ کی چوکھٹ پر جو کتبہ ہے

اس سے واضح ہے کہ ۱۰۲۲ھ میں جہانگیر کی ماں مریم الزمانی کے حکم سے یہ باولی معہ باغ کے تعمیر کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ۱۳ سنہ جلوس میں اس کو دیکھ کر بہت پسند کیا تھا لکھا ہے کہ ۲۰ ہزار روپیہ کے صرف سے یہ عمارت تیار ہوئی ہے۔

قلعہ بیانہ

بیانہ کا قلعہ ہندوستان کے نہایت قدیم اور عظیم الشان قلعوں میں ہے جن کا فتح کرنا گذشتہ زمانہ میں نہائت دشوار بلکہ ناممکن خیال کیا جاتا تھا یہ بیانہ کی موجودہ آبادی سے ڈیڑھ کوس جنوب کی جانب پہاڑ کی سب سے بلند چٹان پر واقع ہے۔ پہاڑ کے اوپر نہائت مضبوط دوہری فصیل ہے۔ شمالی جانب باول گڈھ۔ مشرق میں سکندرہ دروازہ۔ جنوب میں گھٹیا علاپوری اور مغرب میں تلیٹی گھاٹی یہ چار قدیم دروازے ہیں۔ اب یہ قلعہ بالکل ویران پڑا ہے۔ اس کے اندر لنگور بہت کثرت سے ہیں۔ جگہ جگہ پختہ سنگین قبریں موجود ہیں۔ ہم سکندرہ دروازہ سے اوپر داخل ہوئے دوسری فصیل کے دروازہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے ایک حجرہ ملتا ہے جس کے اندر حضرت شیخ پھول رحہ کا مزار ہے اس کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ برابر میں ایک اور مزار ہے حجرہ کے آگے صحن ہے اس میں بھی ایک قبر ہے جنوبی جانب شاندار سنگین دروازہ لگا ہے۔ شیخ پھول رحہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری کے بڑے بھائی اور حضرت شیخ فرید الدین عطار کی اولاد سے تھے آپ شاہ قمیص ساڈھوروی رحہ کے مرید اور ہندوستان کے مشائخ عظام سے تھے اس زمانہ میں آپکی برابر کوئی عامل نہ تھا۔ ہمایوں کو آپ سے بہت عقیدت تھی اور مرید بھی ہو گیا تھا ۹۴۵ھ

اکثر مقاموں پر چینی کا کام اب تک موجود ہے - ایک مسجد تین در کی اس کے قریب اور ایک مسجد تین گنبدوں کی آبادی کے قریب مغربی جانب واقع ہے۔ اس میں بھی کسیقدر چینی کا کام باقی ہے۔ بیرونی جانب درمیانی در پر کتبہ تھا جسکے حروف مٹ گئے صرف لفظ پڑھے جاتے ہیں " بنا کردہ ایں مسجد ـــ بن مجاہد خان رستم " +

مسجد برہم باد

موضع برہم باد بیانہ سے ایک کوس کے فاصلے پر فتحپور سیکری کی سڑک پر واقع ہے یہ اصل میں ابراہیم آباد تھا جسے ابراہیم لودی نے آباد کیا تھا - سڑک کے کنارے پر ایک عالیشان مسجد بنی ہوئی ہے جس کی ساخت بالکل سکندرہ کی بڑی مسجد کے مطابق ہے - یہ سات در کی اور دو درجہ کی مسجد ہے جس کا اندرونی رقبہ ۶۱ × ۲۰ فٹ ۷ - پخ ہے - صحن نہایت وسیع اور دروازہ شاندار ہے - جس کے آگے دو گنبددار نشستگاہیں بنی ہیں - چینی کا کام اس پر بھی موجود ہے -

باولی برہم باد

مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ایک عظیم الشان سنگین باؤلی بنی ہوئی ہے جس کا عالیشان سہ منزلہ دروازہ اور نشستگاہ مشرق کی طرف واقع ہے جس کے اوپر نہایت خوشخط نستعلیق حروف میں یہ کتبہ کندہ ہے ؎

بعہد شاہ نورالدین جہانگیر — جہان شد گلشن از مہ تا بماہی
بحکم مادرش مریم مکانی — کزو تابندہ شد نور الٰہی
مرتب گشت باغ و بائی دلکش — ز شرمش خلد را شد چہرہ کاہی
خرد گفتت از پئے تاریخ ہجری — سنہ ہفت جلوس بادشاہی

باؤلی نولکھا

بیانہ کی آبادی سے ایک کوس کے فاصلے پر یہ باولی واقع ہے۔ اس کا قطر ۱۶ فیٹ ۴۔انچ ہے۔جنوبی جانب ۴۲ سیڑھیوں کے بعد پانی ہے۔نیچے سے اوپر تک چار در اور جنوبی جانب ایک نشستگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ باولی اُس وسیع باغ کے درمیان میں تھی جس میں نولاکھ درخت تھے۔ باولی کے اندر کتبہ لگا ہوا تھا مگر اُس کے بہت سے حروف خراب ہو گئے موجودہ کتبہ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ باغ اور باؤلی کو سلطان ابراہیم لودی کے عہد میں نظام خان ابن مجاہد خان حاکم بیانہ نے تعمیر کیا تھا۔قرب وجوار میں کئی پختہ کنوئیں موجود ہیں اور ایک مقام پر ۲۰-۲۲ درخت بھی ہیں۔

سکندرہ اور اُسکی مسجدیں

بیانہ کی آبادی سے ڈیڑہ کوس کے فاصلے پر بیانہ کے قلعہ کے نیچے موضع سکندرہ آباد ہے جسے سکندر لودی نے آباد کیا تھا۔ تاریخ فرشتہ سے واضح ہے کہ سنہ ۹۲۲ھ میں سکندر لودی نے چار ماہ نواح بیانہ میں بسر کئے۔غالباً یہ موضع اسی وقت آباد ہوا ہوگا اور اسی جگہ بادشاہ کا قیام رہا ہوگا۔آبادی کے قریب ایک عالیشان سنگین دروازہ اب تک موجود ہے ایک عالیشان مسجد آبادی کے جنوبی جانب واقع ہے۔ یہ ستادرکی دوہرے درجہ کی مسجد ہے۔چھت پتھر کی پٹیوں سی پٹی ہے۔ درمیانی محراب پر کلمہ طیبہ اور آیات قرآنی کے کتبے کندہ ہیں طاق نہایت عمدہ طرز کے ترشے ہوئے ہیں۔آگے وسیع صحن ہے۔ دروازہ شاندار ہے جس کے آگے دو گنبد دار نشستگاہیں بنی ہیں۔ مسجد اور گنبدوں کے

سے پڑھا نہیں جاتا۔ یہ خانقاہ اکبر کے عہد میں ۹۶۳ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ مشرقی دالانوں کے دروں پر یہ کتبہ موجود ہے ؎

بدوران جلال الدین محمد اکبر غازی — کہ او باعدل و احساں در ولایت آمدہ والی
بنا کردہ چو کعبہ خانقاہے شیخ سعد اللہ — کہ قصر عالیٔ او از قصور افراختہ خالی
چو تاریخ بنائے خانقاہش از خرد جستم — خرد گفتا کہ تاریخش چو کعبہ خانقاہ عالی

دیگر

در زمان شہ اکبر غازی — کو بملک شاہنشہ آمد
کرد شیخ سعد اللہ ہر گہ — خانقاہ چوں کعبہ آمد
چوں شمرد تاریخ بنایش — خانقاہ سعد اللہ آمد

شیخ سعد اللہ رح کی نسبت صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ وہ بیانہ کے رہنے والے تھے لڑکپن سے شیخ محمد غوث رح کی صحبت میں رہے اور بہت سے چلے کھینچے اور عمل سیکھے آخر کار اس فن میں کمال کے درجہ پر پہنچ گئے۔ بیانہ میں انہوں نے ایک خانقاہ بنائی تھی برسوں وہیں مقیم رہتے تھے اور طلبا اور اہل سلوک کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ علم نحو میں بے نظیر تھے۔ ۶۰ برس تک تھوڑا دودھ اور جنگل کی گھاس ان کی غذا رہی۔ سخاوت مزاج میں بہت تھی میں سلیم شاہ کے زمانہ میں اپنے نانا کے ساتھ ان کی ملازمت میں حاضر ہوا تھا اور کئی سبق کافیہ کے ان سے پڑھے تھے۔ آخر زمانہ میں حیرت ان پر غالب آگئی تھی بالکل ساکت رہتے تھے اور اپنے بیٹوں کو بھی حجرے میں نہ آنے دیتے تھے ۹۸۹ھ میں ان کا انتقال ہوا اور اسی اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے جس دن ان کا انتقال ہوا ایک چڑیا اڑتے اڑتے ان کی نعش پر آگری یہ دیکھ کر حاضرین کو بہت تعجب ہوا۔

گیندوڑیہ کنواں

یہ کنواں بیانہ کی آبادی کے اندر واقع ہے اسی کا ابوالفضل نے آئین اکبری میں ذکر کیا ہے۔ اس کی شکل مربع ہے جس کا ہر ضلع چار گز کا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے ہر گھاٹ کے پانی کی تاثیر جداگانہ ہے۔ اسے ۸۲۳ھ میں سلطان محمد خان صدیقی اوحدی والئے بیانہ نے تعمیر کیا تھا۔ تاریخ تعمیر یہ ہے ؎

به عهد دولتِ خانِ کبیر اوحد خان | پناهِ جملہ جہاں سرورِ زمین و زمان
ملک معظمِ تیمور خانی از سرِ صدق | بنا کرد چنیں جائے طاعتِ رحمان
بنز داد چه زمزم صفت زخالص مال | قبول باد بدرگاه خالق منّان
زہجری نبوی سال بود ہشتصد و بست | دگر سہ سال بماهِ معظم رمضان

خانقاہ شیخ سعد اللہ نحوی

بیانہ میں بہت سی خانقاہیں تھیں مگر اب کسی کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف شیخ سعد اللہ رح کی خانقاہ شکستہ حالت میں اب موجود ہے جو ایک بنئے کے قبضہ میں ہے اور اس نے کرایہ پر گاؤں کے کاشتکاروں کو اس میں آباد کر رکھا ہے جن کے بیل خانقاہ کے دالانوں میں بندھے ہیں افسوس ہے کہ ریاست کے آثار قدیمہ کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے۔ یہ خانقاہ آبادی کے باہر سکندرہ کی سڑک پر واقع اور خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے چاروں طرف دوہرے دالان ہیں۔ نیچے بڑے بڑے تہ خانے ہیں جن میں ہو کر خانقاہ کے کنوئے کو جو خانقاہ سے ملا ہوا مغربی جانب واقع ہے راستہ جاتا ہے کنواں بھی بہت اچھا باؤلی نما بنا ہوا ہے جس کے اندر کتبہ موجود ہے مگر دور ہونے کی وجہ

۹-۹ در کے دو منزلہ والان بنے ہیں۔ دروازہ بہت شاندار ہے جس کے اندر کے ستون اور محرابیں قدیم جینی مندر کی معلوم ہوتی ہیں۔ دروازی کے بیرونی جانب خوشنما لٹّودار محراب ہے اس کے اوپر کتبہ خط طغرا میں کندہ ہے جو بوجہ دور ہونیکے پڑھا نہیں گیا۔ افسوس کر بیانہ کی دوسری مسجدوں کی طرح یہ مسجد بھی ویران ہے اور اس کے صحن میں دریاں بنی جاتی ہیں۔ مسجد کا دوسرا نصف حصہ جواب اوکھا مندر ہے شمالی جانب ہے اور یہ نہائیت دلچسپ بات ہے کہ اس کے دروازے پر اب تک نہائیت بڑے بڑے حروف میں کلمہ طیبہ منقوش ہے۔ اندر بھی قدیم محرابوں پر آیات قرآنی کے کتبے موجود ہیں جنپر چونا پھیر دیا گیا ہے۔ صحن میں قدیم زمانہ کا ایک ہندی کتبہ لگا ہے۔ مندر کے باہر شمالی جانب ابراہیم لودی کا بنایا ہوا منارہ ہے جس کا صرف ایک درجہ باقی رہ گیا ہے جو ۴۰ فٹ سے زیادہ بلند ہے قطر ۵ فٹ ۵ انچ اور محیط ۷۰ فیٹ ہے۔ نیچے سے اوپر تک ۶۶ سیڑھیاں ہیں دروازہ کے اوپر حدیث شریف اور کلمہ طیبہ کے نیچے یہ تاریخ کندہ ہے ؎

در زمانِ دولت ..... دوران او | دادِ جمشید عصر و خسرو رستم نشاں
آنکہ از رائے منیرش روے عالم راضیاست | وانکہ از خلق لطیفش ہست ....
شاہ ابراہیم بن اسکندر بہلول شاہ | کش .... عالی از خاقان و ہم نوشیرواں
او شود اجرا خیرے جستہ للہ زاں | باد راضی حق تعالیٰ باد خیرش جاوداں
او بنا کردہ منارہ از .. - اعلا دصت | از برائے گفتن بانگِ نمازی بر زباں
شد بامر مامور ظل اللہ دہر | مسند عالی نظام خان مجاہد خاں یلان
در شہور سنہ دعشرین نہصد بفزون | بالیقین از ہجرتِ پیغامبر آخر زماں
چو نبشتہ چندے بہر آں تاریخ .... | حامدِ مسکیں ز دانش شد رواں زیں ...
با فتورِ طبع کردہ است .... این ترجمہ | پور فاروقی است مسکیں بنگر اے شاہجہاں

آگے باغ کے نشان ہیں جس کا سنگین دروازہ موجود ہے - بیانہ کے قلعہ کے سکندرہ دروازہ کے قریب سڑک کے کنارے ایک چبوترہ پر دس بارہ سنگین قبریں ہیں ان میں ایک قبر کے تعویذ پر کتبہ ہے جو بوجہ کہنگی کے پورا نہیں پڑھا گیا لیکن صاحب قبر کا نام اور عہد معلوم ہوگیا - صاحب قبر کا نام فولاد محمد خراسانی ہے یہ سلطان تاج الدین یلدوز (غلام شہاب الدین غوری جو بعد اس کے غزنی کے تخت پر بیٹھا) کے دوستوں میں تھا اور عالم نوجوانی میں (غالباً محاصرہ قلعہ بیانہ کے وقت) شہید ہوا -

مبارک مسجد

یہ غالباً وہی مسجد ہے جس کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے - یہ بیانہ کی آبادی کے اندر محلہ بہتر واڑی میں واقع ہے اسلامی عملداری کے قبل بیانہ میں جینیوں کے مندر بڑی کثرت سے تھے چنانچہ اس مقام پر سب سے بڑا مندر جینیوں کا تھا جو اُوکھا مندر کے نام سے موسوم تھا - مبارک شاہ خلجی نے اپنے عہد ۷۱۷ھ ۱۳۱۷ء لغایت ۷۲۱ھ ۱۳۲۱ء میں اس کی جگہ مسجد تعمیر کرائی - سلطان ابراہیم لودی نے ۹۲۶ھ میں ایک عظیم الشان منارہ اذان دینے کے واسطے بنوایا - جاٹوں کے عہد میں نصف عمارت میں سرکاری جیل خانہ قائم ہوا اور نصف عمارت کو خفیف تغیر کے ساتھ پھر مندر بنالیا گیا جو اب اُوکھا مندر کے نام سے مشہور ہے اب جنوبی جانب کی نصف عمارت جس میں جیل خانہ تھا مسجد ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے -

اس میں نہایت بلند ۱۰۰ ستون ہیں جو اس ترتیب سے نصب ہیں کہ مسجد چار درجوں میں منقسم ہوگئی ہے - چھت پتھر کی پٹیوں سے پٹی ہے اندر کا رقبہ ۵۷ فیٹ x ۲۹ فیٹ ہے - آگے بہت وسیع صحن ہے جس کے دونوں کنارو نپر

یہ مزار شیخ موصوف اور اُن کی بی بی صاحبہ کے ہیں۔ مہدوی طریقے کے پیرو ریاست سچے پور اور حیدر آباد دکن میں اب بھی موجود ہیں اور برابر یہاں زیارت کے واسطے آتے رہتے ہیں۔ اکثر اُمرا کی نعشیں بھی دفن ہونے کے واسطے یہاں آتی ہیں۔ کئی سنگین دالان دو پختہ کنوئے اِس مقام پر اِن لوگوں نے بنوا دی ہیں ایک باغ بھی موجود ہے چند روز پیشتر تک ایک ملازم بھی رہتا تھا جس کا اب انتقال ہوگیا۔

آبادی کے قریب جنوبی جانب ایک کنُواں خواجہ کنواں کے نام سے مشہور ہے وہاں راستہ کے قریب ایک چھتری بنی ہے جس کے اندر اب کوئی قبر نہیں ہے چھتری کے سُتون پر اکبری عہد کے مشہور کتبہ نویس آمیر کے ہاتھ کا یہ کتبہ کندہ ہے" بتاریخ ۱۰۰۹ھ حضرت شاہنشاہ خلافت پناہ اکبر بادشاہ بعد از فتح دکن و خاندیس ازین جا عبور فرمودند۔ العبد محمد معصوم نامی الاکبریؒ چھتری کے قریب ایک ٹیلہ پر کئی قبریں ہیں اِن میں ایک قبر حضرت عبدالحق شیرازی رح نام ایک بزرگ کی بتائی جاتی ہے۔ راستہ کے دوسری طرف ایک تعویذ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

بسال نہصد و ہفتاد از ہجرت ۔۔۔ بہ سیزدہ ز جمادی نخست شد نقصاں
شد ار میر جہادے شہید مرزا بیگ ۔۔۔ مُقیم جنّت ماوائے روضۂ رضواں

اس کے قریب دو گنبد اور ہیں دونوں کی عمارت اچھی ہے ایک کالیخاں کا گنبد کہلاتا ہے۔ دوسرا جھجریوں کے نام سے موسوم ہے یہ جہانگیری عہد کی تعمیر کا نمونہ ہے چاروں طرف تین تین در ہیں جو سنگ سُرخ کی نفیس جالیوں سے بند ہیں جنوبی جانب کا درمیانی در کھلا ہے۔ اندر ۶ قبریں ہیں جن میں دو کے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں ایک پر ۱۰۲۱ھ اور دوسرے پر ۱۰۲۶ھ کندہ ہے۔

یہ لوح بعد کی نصب کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ احاطے سے ملا ہوا ایک گنبد ہے جو غالباً مشائخین کے قیام کے واسطے بنایا گیا تھا کیونکہ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ اندر دیواروں پر چاروں طرف متفرق اشعار۔ عبارتیں دو ایک غزلیں جو حضرت میراں صاحب کی منقبت میں ہیں۔ فارسی اور ہندی میں لوگوں نے لکھدی ہیں۔ ان میں سب سے پرانی تحریر ۱۰۱۱ھ کی یہ ہے ؎

کار نہ این گنبد گرداں کند		ہر چہ کند ہمتِ مرداں کند

خاکسار ذرۂ بمقدار مصطفیٰ شیخ سعد اللہ ۱۰۱۱ھ

ایک جگہ یہ شعر لکھا ہے ؎

عجب شہریست در عالم بیابانہ		مرا دیدن ازین فرحت نمایاں

حررہٗ بندہ نامراد احمد اللہ۔ از اجمیر مصحوب عسکر شاہی

اس گنبد کے قریب ایک عالیشان منہدمہ یا دلی کے نشان ہیں۔ ایک تعویذ پر ابن حسین بن سید قاسم۔ ایک پر نذر شاہ بدخشی کندہ ہے۔ آبادی سے تھوڑے فاصلے پر گوشۂ شمال و مغرب میں ایک قبرستان پہاڑ کے نیچے پیر مصطفیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک چار دیواری کے اندر دو احاطے ہیں ایک میں پیر مصطفیٰ اور دوسرے میں اُن کی بی بی صاحبہ کا مزار ہے دونوں کے تعویذ اور ارد گرد کے کٹہرے سنگ سرخ کے نہائت خوبصورت ہیں۔ پیر مصطفیٰ کی شہادت کی نسبت جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ قریب قریب شیخ علائی مہدوی رح کی شہادت کی تاریخی روایت سے ہے جو ۹۵۶ھ میں سلیم شاہ سور کے عہد میں ہوئی تھی جس کا مفصل حال فارسی میں منتخب التواریخ بدایونی اور مآثر الامرا اور اردو میں دربار اکبری میں مندرج ہے لیکن شیخ مذکور کے مزار کا حال کسی تاریخ میں تحریر نہیں ہے پس جہاں تک خیال کیا جاتا ہے

طرح کے خیالات پیش نظر تھے کبھی خیال آتا تھا کاش کوئی بزرگ زندہ ہو کر میری رہنمائی کریں۔ کبھی دل میں گذرتا تھا کہ خدا ایسی نگاہ دے جس سے میں زیر زمین کی سیر کر کے وہاں کے بے پروا باشندوں کی ملاقات سے محظوظ ہوں اور سب کی زندگی کے کارنامے اور عجیب و غریب افسانے اُنہی کی زبان سے سُنکر زندوں کو سُناؤں اور خدا کی وسیع قدرت پر اہل دنیا کو محو حیرت بناؤں۔ پھر خیال آیا کہ یہ سب خیالی باتیں ناممکنات سے ہیں یہ البتہ ممکن تھا کہ ہمارے صوفی صافی حسن نظامی صاحب ساتھ ہوتے اور عالم ارواح کی سیر کر کے ہمیں یہ سب کچھ بتا دیتے۔ اِسی قسم کے خیالات میں محو تھا کہ ایک بچے کے چھوٹے سے سنگین اور خوبصورت تعویذ نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نہ معلوم یہ کس کا پیارا لعل اور کس کے جگر کا ٹکڑا تھا جو اِس چھوٹی عمر میں آغوش مادر سے چھین کر آغوش لحد میں سُلا یا گیا۔ غمزدہ لیکن صابر باپ نے تعویذ کے اوپر ترتیب کے ساتھ سات مرتبہ صرف اللہ۔ اللہ کندہ کرا کر اس بات کو ظاہر کیا ہے کہ اللہ کی امانت کو اللہ کے سپرد کیا۔ یہاں کے قابل بیان مزارات میں سب سے زیادہ مشہور مزار جس کا اعتقاد بہت زیادہ دلوں کو گرویدہ کئے ہوئے ہے ابو بکر قندھاری رح کا مزار ہے۔ اِن کا تاریخی حال ہماری لاعلمی کے پردہ میں ہے صرف وہ ہندی دوہرہ مشہور ہے جو اوپر نقل ہو چکا ہے۔ آبادی کے قریب شمالی جانب ایک چار دیواری کے اندر آپ کا مزار ہے ہر جمعرات کو وہاں میلا ہوتا ہے اور لوگ آن کر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ دوسرا مزار میران سید معین الدین شاہ ولائت کا ہے یہ اسی کے قریب ایک دوسرے احاطے میں قناتی مسجد کے درمیان میں واقع ہے۔ مزار سادہ ہے۔ قریب میں ایک لوح نصب ہے جس پر آیت الکرسی وغیرہ کے علاوہ یہ عبارت کندہ ہے جس کے اکثر حروف مٹ گئے ہیں بسعی و اہتمام ۔۔۔۔ ابن امیر ابراہیم ۔۔۔۔ عزیز الدین ۹۳۷ھ

کوئی مقام سنگین تعویذوں سے خالی نہیں۔ سب سے زیادہ قبرستان آبادی کی شمالی جانب ہیں۔ ہزاروں چھوٹے بڑے گنبدوں کے سایہ میں جن میں سے بعض اُس زمانہ کی صنعت کا نہایت خوشنما اور اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہیں۔ اسلام کے ابتدائی عہد کے بڑے بڑے سرتاج مشایخ۔ شاعر۔ ادیب فقیہہ۔ محدّث۔ اور وہ فخر روزگار بہادر جنہوں نے اپنا خون پانی کی طرح بہا کر ہندوستان میں اسلامی نشان کو قایم کیا نہایت آزادی اور بے فکری کے ساتھ خواب راحت میں مصروف ہیں۔ تعویذوں اور گنبدوں کی نفاست۔ سنگہائے مزار کی پائیداری اور نقاشی آیات قرآنی کے کتبوں کی گلکاری صاف کہہ رہی ہے کہ ہم ذی مرتبہ لوگوں کی آخری اور دوامی آرام گاہ ہیں۔ مگر حالات معلوم ہونے بہت مشکل ہیں بیچاروں کے نام بھی ان کے ساتھ ہی دُنیا سے مٹ گئے۔ یہاں کے زندہ مُردوں سے بدتر ہیں۔ پہلا بزرگوں کی موجودگی تو اس کثرت سے بیان کرتے ہیں کہ صرف دو چار پیروں کی کسر رہ گئی ورنہ مکّہ اور مدینہ یہیں ہو جاتا۔ مگر نام پوچھو تو خاموش کسی مشہور بزرگ کا نشان دریافت کرو تو چپ۔ میں نے دو دن صرف کئے نہایت شوق اور اشتیاق سے ایک ایک قبرستان میں گیا۔ ہر ایک قبر کو پاس جا کر دیکھا سوائے ایت الکرسی اور دیگر آیات قرآنی کے متبرک کتبوں کے جو فیصدی پچاس قبروں پر موجود ہیں نام اور تاریخ کا کتبہ سوائے دو ایک مقام کے کہیں نظر نہ آیا البتہ تعویذوں کے بعض ایسے عمدہ نمونے دیکھنے میں آئے جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اکثر گنبدوں کے کناروں اور مسجدوں کی محرابوں پر چینی کا کام دکھائی دیا جس سے ظاہر ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں اس شہر میں یہ صنعت عام تھی۔ عصر و مغرب کے درمیان ہیکیہ میں قبرستانوں میں فاتحہ پڑھتا ہوا گمناموں کے نام و نشان کے دریافت کرنیکے شوق میں اِدھر اُدھر مایوس پھر رہا تھا۔ عجیب حسرت ناک منظر معلوم ہوتا تھا طرح

آم اچھا ہوتا ہے۔ بعض آم وزن میں ایک سیر (اڑھائی پاؤ) سے زیادہ ہوتا ہے۔ شکر بھی بہت سفید بنتی ہے۔ اس شہر میں ایک کنواں ایسا ہے جس کے پانی کی یہ تاثیر ہے کہ شکر کے لڈو وزن میں سیر سیر سے زیادہ باندھ لیتے ہیں اُن کو گینڈورے کہتے ہیں۔ اور جگہہ کے پانی میں یہ تاثیر نہیں۔ نیل اور چنا بہت پیدا ہوتا ہے اور مہندی بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس شہر میں قبرستان بھی بہت ہیں۔

سلاطین مغلیہ کے اخیر عہد میں بیانہ پر جاٹوں کا قبضہ ہوا۔ چنانچہ اب یہ ریاست بھرت پور میں شامل اور تحصیل کا صدر مقام ہے آبادی پانچ چھ ہزار کے قریب ہے شاہی زمانہ میں آبادی دو حصوں پر منقسم تھی۔ ایک اندرون حصار یعنی شہر پناہ کے اندر دوسرا بیرون حصار یعنی فصیل کے باہر۔ حصار کا اب کچھ نشان باقی نہیں لیکن کئی سنگین دروازے اب تک موجود ہیں۔ موجودہ آبادی اور قرب و جوار میں سیکڑوں چھوٹی بڑی سنگین مسجدیں جو طرز عمارت سے اسلام کے ابتدائی عہد کی تعمیر شدہ معلوم ہوتی ہیں شکستہ اور ویران پڑی ہیں۔ بہت سی مسجدوں پر نہایت خوش خط خط نسخ میں آیت الکرسی۔ کلمۂ طیبہ اور دیگر آیات قرآنی کے کتبے کندہ ہیں۔ اکثر مسجدیں ہندوؤں کے قبضے میں ہیں اور ان میں بیل بندھتے ہیں۔ افسوس۔

شہر خموشاں

خشک گل افسردہ سبزہ شمع جیب بالیں دھواں   جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھکر

بیانہ اب اگرچہ بالکل تباہ و برباد ہے لیکن اُس کی گذشتہ عظمت و شان کی یادگاروں میں سب سے زیادہ قابل ذکر اُس کے وسیع قبرستان ہیں جن کی وجہہ سے اگر اس شہر کو عظیم الشان شہر خموشان کا خطاب دیا جائے تو نہایت بجا ہے۔ آبادی اور اُس کے اطراف میں دو دو کوس تک قبرستان کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ کوئی جگہ

عز الدین ملتانی المشہور بہ اعظم الملک کے مکان پر ہوئی تھی"

امیر تیمور کے حملہ کے وقت جبکہ سلطنت دہلی کا ضعف حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا شمس خان اوحدی یہاں کا صوبہ دار تھا وہ امیر تیمور کے واپس جانے کے بعد ۸۰۲ھ میں خود مختار ہوگیا - اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بھائی کریم الملک اُس کے بعد امیر خان بن داؤد خان بن شمس خان اس کے بعد اس کا بھائی محمد خان اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا داؤد خان تخت نشین ہوا - اس خاندان کی جو زیادہ تر خود مختار رہتا اور کبھی کبھی برائے نام سلاطین دہلی یا مالوہ کا ماتحت ہو جاتا تھا کوئی خاص تاریخ نظر سے نہیں گذری البتہ کتبے جو قلو کے منارہ پر ہے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ بادشاہ اپنے آپ کو صدیقی لکھتے تھے اور اوحدی کے لقب سے مشہور تھے ۸۹۷ھ میں سکندر لودی نے سلطان شرف سے بیانہ کو فتح کر لیا اور ۹۱۱ھ میں آگرہ کو جو اس زمانہ میں ایک گاؤں بیانہ کے متعلق تھا اپنا دار السلطنت مقرر کیا اس وقت سے بیانہ کی آبادی اور رونق کا تنزل شروع ہوا - جب بابر نے ہندوستان کو فتح کیا اُس وقت بیانہ کا حاکم نظام خان تھا جب اُس نے کچھ ہاتھ پاؤں چلانا چاہے تو بابر نے اپنے ہاتھ سے اس کو فرمان لکھا جس میں یہ شعر درج تھے ؎

باترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ | چالاکی و مردانگی ترک عیان است
ورزود نیائی و نصیحت نکنی گوش | ہر جا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیانست

اس فرمان کے دیکھتے ہی نظام خان کے ہوش اُڑ گئے اور وہ بہت جلد دربار بابری میں حاضر ہو گیا - اکبر کے عہد میں بیانہ ایک سرکار (ضلع) کی حیثیت میں صوبہ آگرہ کے متعلق تھا ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں " بیانہ قدیم زمانہ میں مشہور شہر تھا - ایک قلعہ بھی ہے - پرانے محلات اور تہخانے بے شمار ہیں - اب تک تہیا اور تانبے کے برتن کھنڈرات میں سے نکلتے ہیں - اس شہر میں ایک بڑا منارہ بھی ہے"

سلطان شہاب الدین غوری نے دوبارہ ہندوستان میں تشریف لاکر بیانہ کو فتح کیا
لیکن مقامی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیانہ کا قلعہ ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی
سنہ ۵۱۲ھ میں سید سالار مسعود غازی کے ہاتھ سے فتح ہو چکا تھا اس وقت وہاں
کا فرمانروا راجہ بجے سنگھ تھا۔ سالار مسعود غازی کی بنائی ہوئی کنوئیاں (چاہ خورد)
اب تک بیانہ میں موجود اور اسی نام سے مشہور ہیں۔ اس ہندی دوہرہ سے
جو اب تک عوام کی زبانوں پر جاری ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیانہ کا قلعہ ابوبکر قندھاری نام
ایک افسر کی جانبازی سے فتح ہوا تھا ؎

اگارہ سو تہتر پھاگن تیج زنی وار بجے مندر گڈھ توڑا ابوبکر قندھار

یعنی ۳ پھاگن سمت ۱۱۷۳ کو ابوبکر قندھاری نے بیانہ کے قلعہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ
سنہ ۵۱۲ھ کے مطابق ہوتا ہے جو سلطان بہرام بن مسعود غزنوی کے جلوس کا سال
تھا تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کے شروع عہد میں اسلامی لشکر فتوحات
کے واسطے ہندوستان میں آیا تھا اور اس کو بہت سی جدید فتوحات حاصل ہوئیں
تھیں۔ ممکن ہے کہ اس فتح کے بعد دوبارہ ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا ہو بہرحال سلطان
شہاب الدین نے ولایت بیانہ کی حکومت پر اپنے ایک ترک غلام بہاء الدین طغرل
کو سرفراز کیا اس کے مرنے کے بعد یہ ملک بھی سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا۔ محمد شاہ
تغلق کے عہد سلطنت (۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء لغایت ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء) میں مشہور مسلمان سیاح ابن
بطوطہ نے اس شہر کو دیکھا تھا وہ لکھتا ہے "بیانہ ایک بہت بڑا اور خوشنما شہر
ہے اس کے بازار بہت خوبصورت ہیں اور جامع مسجد بھی نادر بنی ہوئی ہے۔
اس کی دیواریں اور چھت پتھر کی ہے اور مظفر بادشاہ کی دایہ کا بیٹا یہاں کا حاکم ہے
اس شہر کے عالموں میں سے امام عز الدین زبیری تھے جو حضرت زبیر بن العوام
صحابی رسول خدا کی اولاد میں سے تھے میری ملاقات ان سے گوالیار میں ملک

بیانہ (ریاست بھرت پور) کی سیر

جب سے ہوش سنبھالا تاریخ کا شوق پیدا ہوا۔ تاریخوں کی ورق گردانی سے آثار قدیمہ سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء سے آگرہ میں قیام ہوا۔ منشی معین الدین صاحب مؤلف معین الآثار اس زمانہ میں تاریخ آگرہ کے واسطے آگرہ کے قرب وجوار کی عمارات کی تلاش اور تحقیق میں سرگرداں تھے۔ برسوں ان کے ساتھ پھرنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی مطبوعہ اور قلمی تاریخوں کی زیارت نصیب ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آثار قدیمہ سے دلچسپی برابر بڑھتی گئی اور اس شوق نے دہلی۔ گوالیار۔ فتحپور سیکری وغیرہ کے پرعظمت کھنڈرات تک پہنچا دیا۔ برسوں سے بیانہ کی دید اور وہاں کے آثار قدیمہ کی سیر کا اشتیاق تھا۔ کئی مرتبہ قصد کیا۔ کبھی راستہ کی دشوار گذاری مانع ہوئی۔ کبھی عین وقت پر کوئی ایسی مجبوری پیدا ہو گئی کہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ بالاخر ۶ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور میں آگرہ سے روانہ ہو کر ۱۰ر دسمبر کو بیانہ پہنچ گیا۔

بیانہ کی باقی ماندہ تاریخی یادگاروں کا لفظی مرقع جو ناظرین مخزن کی خاطر سجایا گیا ہے مع اس کی مختصر تاریخ کے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

بیانہ دہلی سے ۱۰۰ میل جنوب کی جانب اور بھرت پور سے ۲۶-۲۷ میل گوشہ جنوب و مغرب میں آگرہ اور بمبئی کی سڑک پر واقع ہے۔ یہ ہندوستان کے نہایت قدیم شہروں میں ہے جس کے قلعہ کو بقول مؤلف تاریخ فرشتہ راجہ مہاراج ولد کشن کی عہد حکومت میں اس کے سپہ سالار بانچند نے جس کے نام سے بانوہ نامزد ہے تعمیر کیا تھا۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ ۵۹۲ھ میں

اسے دانستہ اس مارچ کے مہینے کے لئے محفوظ رکھا تھا - کیونکہ ان دنوں میں اس کا شائع ہونا زیادہ موزون ہے - جب ہر طرف اُن کی چند در چند خدمات کا اعتراف ہو رہا ہوگا - تاکہ لوگ علیگڈھ کالج کے بانی - کانفرس کے دبیر - اور مصلح قوم کو یاد کرتے ہوئے یہ نہ بھول جائیں کہ سرسید ان سب اوصاف کے سوا اعلےٰ درجے کے ادیب بھی تھے اور اُردو نثر ہمیشہ اُن کی تحریرات پر ناز کرے گی -

عبدالقادر

غمزہ اش تازہ کند رسم جفا کوشی را	جلوہ یاد دہد از خویش فراموشی را
مے بہ اندازہ زدن گرچہ در رسمے ست قدیم	طرح نو در فکن آئین قدح نوشی را
چشم مستش بجہاں قاعدۂ تازہ نہاد	شوخی و عربدہ و مستی و مدہوشی را
من فدائے بت شوخے کہ بہ ہنگام وصال	بمن آموخت خود آئین ہم آغوشی را
بنگر دست گہ حسن کہ آں نرگس مست	بہم آمیختہ ہشیاری و مدہوشی را
شبلیؔ نامہ سیہ گرچہ سراپا گنہ است	بس بود دامن عفو تو گنہ پوشی را

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے	ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز	کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے
سپاہ و میر سپاہ باغ باغ ہیں لیکن	بھیڑ روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے
کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب	کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے -
قلق اُنہیں نہیں گر دوستوں سے چھٹنے کا	طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے
بہت سے کھو دیے خلجان بے نوائی نے	ضرورت ایک کے بعد ایک آتی جاتی ہے
ہوئے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز	زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے
اُڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار	فقیہ و شیخ میں جوتی اُچھلتی جاتی ہے
نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب ہے کچھ حالیؔ	کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

کی اطاعت مسلمانوں کا فرض مذہبی ہے۔ ان حد سے بڑھے ہوئے راستوں کے بین بین کوئی مسلک امن ایجاد کرے۔ جسے تعلیم یافتہ معقول پسند اور آزاد منش اشخاص عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور جس پر چلنے میں ہر شخص کا ضمیر مطمئن ہو۔ ایک طرف مسلمانوں کے منہہ پر سیاسیات کے متعلق جو مہر سکوت آج تک لگی رہی ہے اس کا طلسم توڑے اور دوسری طرف انہیں اُس دریدہ دہنی اور ہزیان سے بچائے جس میں سیاسی اصلاح کے بعض مدعی مبتلا ہیں +

ایک اور نہایت ضروری کام ہے جو سرسید مدت العمر بہت خوبی سے انجام دیتے رہے اور جس کے جاری رکھنے کے لئے اب اُس پایہ کا کوئی آدمی موجود نہیں ہے۔ ہمارا مطلب اُردو علم ادب کی خدمت سے ہے اُردو نثر پر اُن کا بڑا احسان ہے۔ اُن سے پہلے مرزا غالب کے رقعات کے سوا کوئی مثال ایسی سلیس اور پر لطف اُردو نثر کی موجود نہیں۔ جو مغربی زبانوں کی ترقی یافتہ نثر سے لگا کھا سکے سید احمد خان جیسے اور کئی چیزوں کے بانی اور موجد تھے۔ اسی طرح نثر کی اس طرز جدید کے بھی پیشرو تھے۔ اُنہوں نے نہ صرف خود عمدہ نثر کے نمونوں سے ہمارے علم ادب کو رونق دی۔ بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعے سے اس شوق کو پھیلایا اور ایک معقول گروہ مضمون نویسوں کا پیدا کر دیا۔ جن کی قابلیت سے ملک پہلے آگاہ نہ تھا۔ اور جو بعد کو ہماری علمی دنیا کے روشن ستارے بنے۔ گو قافلۂ سالار اب تک باقی ہے اور اُن اصحاب کی قلمی خدمات سے ہم آج تک مستفید ہو رہے ہیں۔ گذشتہ سال میں مخزن میں کئی نامور مصنفین اردو کی تصویریں شایع ہو چکی ہیں۔ مگر سرسید مرحوم کی تصویر آج تک شایع نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے

---

۵ مشہور مدبرین و مقررین انگلستان (صفحہ ۵)

بعد ان کے سیاسی پیرووں نے اُن کا ایک اصول تو مضبوطی کے ساتھ لے لیا اور دوسرے سے عموماً غافل ہو گئے - اب بھی اُن کے پیرووں کی جماعت میں چند آدمی ایسے ہیں - جو آزادی کی تعریف سمجھتے ہیں اور کبھی کبھی صاف گوئی سے کام لینا چاہتے ہیں - مگر وہ ہمت - وہ آزادہ روی اور ادائے فرض میں خوف ضرر سے وہ بے پروائی کہاں سے لائیں - اس وقت ہندوستان کے سیاسی معاملات ایسے پیچیدہ ہو رہے ہیں کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے اور دن بدن زیادہ نازک ہوتے جاتے ہیں - آج اگر سید مرحوم ہوتے تو میرا عقیدہ ہے کہ وہ ضرور کسی نئی پالیسی کی بنیاد رکھتے جو اُس پالیسی سے بالکل جدا ہوتی جو اُنہوں نے آج سے بیس تیس برس پہلے مسلمانوں کے لئے تجویز کی تھی - اُس وقت مسلمانوں کی حالت اور تھی اب اور ہے - اُس وقت ہمارے ہم وطنوں کے خیالات کچھ تھے اب کچھ ہیں - اُس زمانے میں حکام کا رویہ اور تھا - اب اور ہے - ضرورت ہے تو سید مرحوم کے دل و دماغ کے ایک شخص کی جو ان سب تغیرات کو مدنظر رکھ کر اپنی قوم کے لئے ایک نیا دستور العمل قایم کرے تاکہ مسلمانوں کی ترقی بھی جاری رہے اور اُن پر بیجا خوشامد اور حد سے بڑھی ہوئی اطاعت کا الزام بھی نہ رہے - حکام سے بھی اُن کی رسم بنی رہے اور ہمسایوں سے بھی نہ بگڑے - یہ کام ان سب شرائط کے ساتھ پورا ہونا بظاہر بہت ناممکن معلوم ہوتا ہے - مگر بڑے آدمیوں کی ایسے ہی موقعوں کے لئے تو ضرورت ہوتی ہے کہ ناممکنات کو ممکن کر دکھائیں - مسلمانوں میں سرسید کے سیاسی کام کا اصلی جانشین وہی شخص ہو سکتا ہے جو تقلید کی بند سے آزاد ہو کر ہر وقت کے حالات کے مناسب سیاسی رائے قایم کر سکے - نہ برک اور شریڈن اور کابڈن کی تقریروں کو رٹ کر ہندوستانیوں کے کان ان تقریروں سے بھرے اور نہ ہر جگہ یہ ثابت کرتا پھرے کہ حدیث و قرآن کے رو سے حکومت انگلستان

سرسید مرحوم کا سیاسی کام بھی اُن کے ساتھ ختم ہوگیا - جہاں دردِ قوم کے لئے قدرت نے انہیں دل دیا تھا - وہیں امورِ دنیا کی اُلجھی ہوئی گھتیاں سلجھانے کے لئے انہیں دماغ بھی ایسا عطا ہوا تھا - جو حسن تدبیر کے لئے قدرتی طور پر موزوں تھا - سیاسیات میں اُن کی طبیعت خوب لگتی تھی اور باوجود مغربی علوم اور السنہ کی ناواقفیت کے وہ مغربی اصول سیاسی کو اچھی طرح سمجھتے تھے ہاں اُن کے سمجھنے اور عام نوتعلیم یافتہ اصحاب کے سمجھنے میں یہ فرق تھا - کہ نئی تعلیم کے لوگ مغرب کے سیاسی قواعد کو بالتمام والکمال ہندوستان میں مروج دیکھنا چاہتے تھے اور سرسید کا معاملہ فہم اور تجربہ کار دماغ انہیں مناسب تغیرات کے ساتھ ہندوستان میں رواج دینا چاہتا تھا - وہ چاہتے تھے کہ سرد آب وہوا کا درخت گرم آب وہوا اور خشک سرزمین میں جمے اور پھلے پھولے - یہ کہتا تھا کہ نہیں اُس درخت کا پیوند کسی دیسی درخت سے جو اُسی جنس کا ہو لگاؤ - اور دیکھو کہ کیسا پھل لاتا ہے - اسی پر اس خیال کے لوگوں سے سرسید کا پہلے اختلاف ہوا اور پھر جدائی - مسلمان تو لکیر کے فقیر ہیں ہی - ان کے ہاں یہ اختلاف اور جدائی ایک آیت حدیث بن گئی جس میں نہ تغیر ہو سکے نہ تبدل - سرسید نے اس جدائی کے زمانے میں حکمران گروہ کی رفاقت کی کیونکہ اُس وقت قوم کے لئے چند فوائد اس تدبیر میں مضمر تھے - لیکن اکثر مسلمانوں نے اُس کے بعد یہ شیوہ کر لیا - کہ جا و بیجا ہر کام کی مدح سرائی کرنی چاہئے - سرسید کا مزاج آزادی اور اطاعت کا ایک مرکب مجموعہ تھا جس میں دونوں چیزیں مناسب مقدار سے موجود تھیں اور اپنے اپنے وقت پر دونو ظاہر ہوتی تھیں - جہاں صاف گوئی کی ضرورت ہوتی تھی وہاں وہ حکام کو بے دھڑک کھری کھری سُناتے تھے اور جہاں اطاعت واجب اور مناسب ہوتی تھی - وہاں خود سر تسلیم خم کرتے تھے اور دوسروں کو مشورہ دیتے تھے کہ یہ بات ماننے کی ہے - اُن کے

شک نہیں کہ اُن کی تفسیر نے بہت لوگوں کو اُن سے برگشتہ کر دیا تھا اور اب تک بعض اطراف میں سخت تعصب اُن کے نام کے ساتھ باقی ہے لیکن سید احمد خان بغیر اُس تفسیر کے ایک نامکمل سید احمد خاں ہوتا - ہم اُس تفسیر کو درست سمجھیں یا غلط - اس کے جزو سے اختلاف کریں یا کُل سے لیکن اس کے متعلق دو واقعات سے انکار نہیں بن پڑتا ایک تو یہ کہ انگریزی علوم کے نئے نئے رواج سے جو اثر نوجوان طبائع پر پڑتا تھا - اس کی وجہ سے وہ اپنے دین کے بالکل منحرف ہونے کو تھیں اور اسے خلاف عقل و فکر سمجھتی تھیں - سید مرحوم نے اسلام کو موافق عقل و فطرت ثابت کرنے کی کوشش کی - اس کوشش میں بعض جگہ وہ کامیاب ہوئے اور بعض جگہ صاف نظر آرہا ہے کہ کھینچ تان کر معانی کو اپنے مطلب کے موافق ڈھالا ہے - اور وہ معانی مستند نظر نہیں آتے مگر اُن کی اس کوشش نے اُس سیل لامذہبی کو جو ابتدا میں نو تعلیم یافتہ گروہ کو غرقاب کرتا نظر آتا تھا - روک دیا - اور وہ لوگ دائرہ اسلام میں رہ گئے - دوسرا بڑا اثر جو اُن کی تفسیر کا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کے متعلق فرداً فرداً غور و فکر کرنے کی عادت اور قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق قریب قریب مفقود ہو چلا تھا لوگ اُن شرائط ایمان پر قناعت کرتے تھے - جو اُن کو بچپن میں طوطے کی طرح سکھائی جاتی تھیں اس تفسیر نے بعض دلوں میں جو خود غور و خوض کی اہلیت رکھتے تھے اس شوق کو تازہ کیا - اور یہ ایک بڑی خدمت ہے - کیونکہ اس بیداری کے زمانے میں جب تمام دنیا کے مذاہب میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے جد و جہد ہو رہی ہے - اور ہر پڑھے لکھے آدمی کو کسی نہ کسی وقت دوسرے مذہب کے علما سے مقابلہ آپڑتا ہے - لازم ہے کہ خود اس کے دل میں اپنے مذہب کی بنیاد تحقیق پر مبنی ہو ورنہ وہ ہر وقت اس خطر میں رہے گا کہ دوسرے مذہب کا کوئی ہوشیار حریف اس کے عقیدے کی کچی بنیاد کو ہلا دے +

ہر نئی مذمت اُن کے جوش اور ہمت میں ترقی کا باعث تھی اور ہر نئی تعریف اُن کو بتاتی تھی کہ اُن پر جو اعتماد قوم اور ملک کے چیدہ اشخاص کو ہے اُس کا بوجھ کتنا بھاری اور اُس کی ذمہ واری کیسی سخت ہے۔ مرحوم کی صداقت اُن کی ترقی اور اُن کی کامیابی کا راز تھا اور یہی وہ جوہر ہے جس کے پیدا کرنے کی کوشش اُن کے مداحوں پر واجب ہے اور جو اِن مجالس کا جو ہر سال منعقد ہوتی ہیں مقصد اعلےٰ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مرحوم جب زندگی میں مدح و ذم سے مستغنی رہے تو اب پس مرگ یہ چیزیں اُن کے کس کام کی ہیں۔ ہاں ایک چیز ہے جس سے اُن کی روح بیشک خوش ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ جن جن خدمات قومی کے لئے اُنہوں نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اُن کے دوست۔ شاگرد اور پیرو اُن کاموں کی تکمیل میں دل و جان سے کوشاں ہوں۔ جن متعدد کاموں کو اُس پیر مرد جواں ہمت نے تن تنہا سنبھالا ہوا تھا انہیں اُن کے جانشین متفقہ کوششوں سے سرانجام دیں اُن کی تعلیمی خدمات سب سے اہم تھیں اور اب بھی بیشتر توجہ ان کی طرف رہنی چاہئے یہ مقام شکر ہے کہ اُن کا تعلیمی کام اُن کے بعد روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ کالج کی رونق۔ شہرت اور عزت دن بدن زیادہ ہو رہی ہے اور اُن کی بنا کردہ تعلیمی مجلس (کانفرنس) شمالی ہندوستان کی حدود سے نکل کر شرق و غرب و جنوب تک اپنا اثر پھیلا چکی ہے۔ مگر اِن دو بڑے کاموں کے سوا اور بھی کئی کام تھے۔ جو مرحوم نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ مثلاً وہ اصلاح رسوم و تمدن میں ہمیشہ کوشاں تھے۔ اب علیگڈھ کے ایک ممتاز تعلیم یافتہ نے اس خدمت کو اپنے ذمے لیا ہے مگر اُن کا مذہبی کام اُن کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اُنہوں نے قرآن مجید کی تفسیر نہایت آزادانہ لکھی اور اس پر اُن کی سخت مخالفت ہوئی۔ اکثر اصحاب کا یہ خیال ہے کہ اگر انہوں نے تفسیر میں مسلمانوں کے معتقدات عامہ کے خلاف خیالات ظاہر نہ کئے ہوتے تو علیگڈھ کالج کو مسلمان بہت زیادہ مدد دیتے اور وہ تمام غلط فہمیاں جو اُن کی زندگی میں کالج کے متعلق تھیں پیدا نہ ہوتیں اس میں

مخزن

سرسیّد کی برسی

یہ مہینہ سرسیّد مرحوم کی برسی کا ہے۔ یا بجا جلسے ہوں گے جن میں مرحوم کے مدّاح جمع ہو کر ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ پڑہیں گے۔ اُن کے کارناموں اور ان کی قومی اور ملکی خدمات کا ذکر کریں گے۔ اور موجودہ نسل کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی تاکید کریں گے۔ یہ رسم ایک مبارک رسم ہے۔ اور جس قدر عام ہو مفید ہے۔ اس سے قوم میں زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم حق شناس ہیں اور احسان فراموش نہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صرف مرحوم کی تعریف کر کے یا اس سالانہ جلسے میں شریک ہو کر ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ سرسید کے اوصاف میں یہ بہت بڑا وصف تھا کہ وہ نہ تعریف کی پروا کرتے تھے نہ مذمت سے ترساں۔ لوگوں نے انہیں بُرا بھلا کہا اور وہ مسکرا کر چپ ہو رہے۔ یا "بدم گفتی و خورسندم" پڑھ دیا۔ لوگوں نے اُن کی تعریف کی اور انہوں نے شرما کر سر جھکا لیا۔ مجھے یاد ہے جب ایک دفعہ ایک بزرگ نے میری موجودگی میں چند اشعار اُن کے روبرو پڑہے۔ جن میں اُن کی مدح کی تھی۔ میں دیکھتا تھا کہ ان پر ایک رقت کا عالم تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اور آنکھیں دل کا راز کہہ رہی تھیں۔ وہ الفاظ مدح سنتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش میں ان کا مستحق ثابت ہوں۔

۔ اگر ... دیا ... رہتا ہے ۔۔۔۔۔۔ دیا ... لیے

۔ ... اگر ... رہتا ہے ۔۔۔۔۔۔ معلوم ہو جائیگا

۔ ... یا ... کی بیماری ہو ۔۔۔۔۔۔

۔ ... رہتی ہے ۔۔۔۔۔۔

۔ ... گئی ہے ۔۔۔۔۔۔

۔ ماہواری خون اگر درد سے آتا ہے یا بند ہے ۔۔۔۔۔۔

۔ پیشاب اور گرمی کا گرم جلتا ہے ۔۔۔۔۔۔

۔ اگر اولاد نہیں رحم ... یا بانجھ ہو، عمر ۴۰ سال سے زیادہ ہو ۔۔۔۔۔۔

۔ ... عورت اگر ... ہے ۔۔۔۔۔۔

۔ ماہواری ... قاعدہ ... آتے ہیں ۔۔۔

... عورتوں کی خاص بیماریوں کا علاج ...

مارچ ۱۹۰۷ع

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بی اے

مخزن

اُردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

تصویر
آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں
بہادر کے سی ایس آئی ایل ایل ڈی

دس کروڑ ہندوستانی اُردو بولتے ہیں اور اسی قدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

ان شہروں میں اردو کے رسالے نکلتے ہیں ⬜ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا
قیمت سالانہ محصول ڈاک ملا کر ... فی پرچہ ۴ ...

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا [illegible] مشہوروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور دولت کی [illegible]
[illegible] ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ [illegible]
[illegible] تاریکی چشم - دھند - جالا - پڑوال - غبار - پھولا - سبل - سرخی - [illegible]
[illegible] خارش وغیرہ - معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس [illegible]
[illegible] چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی حاجت نہیں [illegible]
[illegible] بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے - قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ خاص و عام اس سرمہ
[illegible] اٹھا سکیں - قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے ۴ ہیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم [illegible]
[illegible] (خالص ہیرہ فی ماشہ ۵) مصری سرمہ فی تولہ ۲ خرچ ڈاک ذمہ خریدار - درخواست کے وقت
[illegible] کا حوالہ ضرور دیں - المشتہر

پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

[illegible]ن سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

[illegible] خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ ہیرے کا سرمہ جو
[illegible] میا سنگھ اہلووالیہ نے ایجاد کیا ہے - بڑی بیش قیمت [illegible]
[illegible] ہے - بالخصوص مفصلہ ذیل امراض کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے
[illegible] پانی کا بہت جانا - دھند - سوزش - سبز قسم جسکو آنکھ آنا
[illegible] نظر - ناخنہ - ابرا وسا ضد کی جھلی کا زخم
[illegible] چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر [illegible]
[illegible] کے لئے اسکا استعمال مفید ہے منفعت [illegible]
[illegible] مکمل ہے - [illegible] مفید [illegible]

[illegible] کہنا چاہتا ہوں - اس میں بلا شبہ شہادت دیتا ہوں کہ مذکورہ بالا امراض [illegible]
سرمہ ضروری ہی مفید ہے - راقم ڈاکٹر - ایم - ایچ - سانگل [illegible]
[illegible] ہیرے [illegible] امرت سر -
۲ - جناب [illegible] تسلیم - میں نے آپکا ہیرے کا سرمہ استعمال کیا [illegible]
[illegible] بیشک ہیرہ سرمہ [illegible] کرنے بہت مفید ہے - میری [illegible]
[illegible] لگاتار ایک پہر کام کرنے سے [illegible] ہو جاتا تھا - اب میری [illegible]
[illegible] صرف ۴ روز کے استعمال سے [illegible] ہیں بلکہ [illegible] کام کر سکتا
[illegible] راقم [illegible] خورشید [illegible] نواب [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

تہذیب النسوان

ملک کے تمام روشن خیال اہل الرائے اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ عورتوں کو تعلیم دینا ضروری ہے بشرطیکہ طرز تعلیم حتی الوسع شریفانہ اصول پر ہو چنانچہ اسی خیال کو مدِ نظر رکھکر ۱۸۹۸ء سے اخبار تہذیب النسوان اہلیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام کی ایڈیٹری میں لاہور سے جاری کیا گیا۔ جو بفضلہ تعالےٰ اس وقت تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ یہ اخبار کیسا ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے شریف مستورات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس کا اندازہ پرچہ دیکھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ عام رائے اس اخبار کی نسبت یہ ہے۔ کہ مرد اس کو بلا تامل اپنے زنان خانے میں بھیج سکتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں شریف مستورات کے لئے اس سے بہتر کوئی پرچہ نہیں۔ ہر مضمون نہائت احتیاط اور غور و تامل کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ اس کی نامہ نگار عموماً معزز گھروں کی تعلیم یافتہ بہو بیٹیاں ہیں۔ جو لوگ تعلیم النسوان کے حامی ہیں، انہیں اس پرچے سے ضرور کام لینا چاہئے۔ زبان نہائت سلیس۔ لکھائی چھپائی۔ نہائت نفیس۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۲ صفحے ہفتہ وار قیمت (ع۳ روپیہ) سالانہ نمونے کا پرچہ مفت مل سکتا ہے۔

المشتہر منیجر رفاہ عام پریس لاہور

زندہ کون ہے

صرف وُہ جو زندگی زندہ دلی سے گذارتا ہے

راگ اور ساز کی میٹھی سریں روح کی غذا ہیں اور جن لوگوں کی روح تر و تازہ رہتی ہے

دُنیا میں سب سے زیادہ خوش ہیں

گرامُوفُون

سائنس کی دُنیا میں سب سے اچھی اور سب سے آخری ایجاد ہے کیونکہ یہ نہ صرف عجائبات سے ہے بلکہ

رُوح کی پرورش کرنیوالی ہے

ہمارے ہاں گرامون کا بڑا ذخیرہ ہر وقت جمع رہتا ہے۔ اچھے اچھے گانوں کے ریکارڈ وں کی معقول تعداد ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کاریگروں کی مختلف گانے کی مشینیں اور گانے اور دیگر سامان متعلقہ بھی ہر وقت مل سکتا ہے۔ مقررہ قیمتوں پر پانچ روپیہ فی سیکڑہ کمیشن بھی دیجاتی ہے یہ ہماری ایک ایسی بڑی عادت ہے جو کوئی دوسرا کارخانہ نہیں دیتا۔ فہرست منگا کر ملاحظہ کیجئے۔

فونوگراف

یہ سائنس دانوں کا پہلا کرشمہ ہے۔ اور انکی کافی تعداد ہر وقت برائے فروخت موجود رہتی ہے۔ اس سے متعلق گانے دیسی انگریزی۔ بینڈ باجے۔ خالی گلاس جنپر آپ خود گانا بھر سکتے ہیں۔ اور دیگر ضروری چیزیں بھی ہمارے ہاں مل سکتی ہیں۔ درخواست پر فہرست روانہ کیجائیگی۔

پنجاب میں ہارمونیم کا سب سے بڑا۔ اور سب سے پہلا کارخانہ ہمارا ہے۔ چونکہ ہم پنجاب میں ہارمونیم کے بانی ہیں۔ اس لئے ہمارے باجے سب سے اچھے ہیں۔ ہندوستان بھر میں قریباً ہر ایک بڑے شہر میں ہمارے ایجنٹ موجود ہیں۔ بذریعہ پارسل بھی بھیجے جاتے ہیں۔ فہرست مفت ✻ **نوٹ** ہر ایک قسم کے باجوں کی مرمت بھی ہمارے ہاں ہو سکتی ہے۔

شیٹنکر داس اینڈ کمپنی نیلا گنبد۔ لاہور (انارکلی)

آزمودہ ہیں پچاس ہزار مریض شرطیہ صحتیاب ہوئے ہیں

طاقت بخش خون افزا روح نما مرکب

اعصاب میں جو اس حرکت اور دماغ میں جو عقل و فراست وغیرہ قوتیں خدائی ہیں اور اعضاء رئیسہ میں جو مغز کام کرنیکا ہے وہ ہر ایک برقی مادہ خدائی جسم میں پیدا کیا ہے۔ اسی سے کل (جسم) اور عقل کے بڑے بڑے کام دیکھتی ہیں جب ہماری بد قوتی سے وہ مادہ درہم برہم ہوجاتا ہے تو اندرونی عضو وہ کام کرنا چھوڑ جاتی ہے۔ کثرت شراب اور عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہوجاتا ہے دل دماغ جگر اور برقی سلسلہ نظام خون وغیرہ تباہ ہوجاتے ہیں اسی طرح چانڈو۔ افیون بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعصاب میں وہ مادہ دوڑ نہیں سکتا کیونکہ منقبض عروق و اعصاب کی اصل خراب ہوجاتی ہے۔ یہ مرکب گویا روح رواں اعضائے رئیسہ ہے۔ اس کے وجود سے حیات روح ہوگی۔ ورنہ روح بیمار جسم کیلئے وبال جان ہوتی ہے۔ یہ مرکب سستی اعضا کا شرطیہ علاج ہے اس کی ایک دو شیشی سے چہرہ سرخ اور جسم فربہ ہوجاتا ہے جس سے بھوک خوب لگتی ہے

قیمت فی شیشی چار روپئے (للعہ)

سرمہ حکیم کراماتی دافع ضعف بصارت۔ نزول الماء۔ دھند غبار۔ آب رواں سرخی وغیرہ فی تولہ دو روپے (عہ)	سیلان الرحم کو رفع کر کے صحت بحال و درد کمر کافور قیمت دو ہفتہ دو روپے (عہ)
حب ہاضم نفخ امراض معدہ کو ایک گولی کھانے سے قبض دور ہوجاتی ہے ۲ درجن (عہ)	سیر خرچ۔ بعد از غسل چہرہ پر دو قطرے ملنے سے چھائیاں وغیرہ دور چہرہ گلفام فی شیشی عہ
جوہر عشبہ مصفی خون ہر پھوڑے پھنسیاں سنگندر ناسور خنازیر بھدہ چنبل وغیرہ فی شیشی خورد عہ کلاں ۔	نورا علی نور اکو لگانے سے چند منٹ میں بال دور ہوجاتے ہیں جلد کو ہرگز ضرر نہیں ہوتا۔ ۲ تولہ قیمت عہ

مقویات خاص شباب کی حفاظت وغیرہ ... دو روپیہ (عہ)

حب مطالعہ سستی بہ دور ... قیمت دو روپے

روغن اعضا ... ناسور ... قیمت دو روپے

تریاق السعال کھانسی ... قیمت (عہ)

سنون ... مضبوط ... (عہ)

رعنا ... قیمت (عہ)

حب ... قیمت (عہ)

دوائی مقوی ... (عہ)

حب قاطع ... (عہ)

دافع ... گولی ایک ... دو درجن (عہ)

حب درد ... قیمت (عہ)

دوائی ... (عہ)

اکسیر شفا ... (عہ)

پتہ زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی ایڈیٹر رسالہ ... موچی دروازہ لاہور

خاتون

یہ امر اب طے ہو گیا ہے۔ اور ملک کے تمام اہل الرائے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسواں ہے۔ جب تک کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی اسوقت تک وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔ ایشیا کی ترقی نہ کر سکنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے ابتک اس راز کو سمجھا نہیں تھا۔ آپ جاپان کو دیکھیے کہ وہاں کی عورتوں میں چونکہ تعلیم رائج ہو گئی ہے اس لئے اسکے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں +

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے تو پہلے ہی اسکو ماں کا آغوش ملتا ہے۔ جہاں اس کی ابتدائی تربیت ہوتی ہے۔ اور تربیت بھی کیسی جسکا اثر مدت العمر زائل نہیں ہو سکتا ہے۔ پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہوں گی۔ تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہوگی۔ عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اس کے اندر راسخ ہوں گے۔ اور اس کی تعلیم کی جڑ مضبوط رہے گی +

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے جو لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اس کے اعلیٰ اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اندر دیانتداری۔ راستبازی، خوش خلقی، معاملہ فہمی اور قوانین شناسی وغیرہ تمام اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں وہی کورس پڑھایا جاتا ہے لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں میں وہ اثرات نہیں پیدا ہوتے اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش ہی سے ان اوصاف سے ننگے ہوتے ہیں اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں سے کورے رہتے ہیں۔ آغوش مادر کی اعلیٰ تربیت اول نمبر ہے اور بی۔ اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری دوم نمبر پر

اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ عورتوں کی جہالت ہے اسی قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں پر ادبار نازل ہے اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کے تلافی کی طرف مائل کرنے کیلئے ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسواں کی طرف سے رسالہ خاتون ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے جس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسواں کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرنے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلانے اور علم کی طرف ان کی سچی رہبری کرنے اور اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ عصمت کا زبردست حامی ہے۔

الحمد للہ کہ اس تین سال کے قلیل عرصہ میں اس رسالے نے اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اور ملک کے تمام معزز گھرانے اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں اور تعلیم نسواں کی طرف کیسا طبیعتوں کا میلان بڑھ رہا ہے۔

چونکہ یہ قومی رسالہ ہے۔ اس لئے اس میں قوم کے تمام بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلما مولانا حالی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ایل ایل ڈی۔ پروفیسر ابو الحسن بی اے انعام الحق بی اے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالے کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنؤ کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بیبیوں کے نفیس مضامین ہوتے ہیں جو سوائے اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ اس کا کاغذ۔ چھپائی، لکھائی سب اعلیٰ قسم کی ہے۔ حجم ماہوار ۴۸ صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ +

المشتہر شیخ عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں

وایڈیٹر خاتون علیگڑھ

میں کیمیا گر ہوں } اس لئے کہ میں سینکڑوں روپے ایک دوائی کی بدولت کماتا ہوں۔ جس کی کثرت فروخت نے مجھکو مالامال کر دیا ہے۔ جس کی جادو بھری تاثیر نے ملک میں دھوم مچا دی ہے۔ ہندوستان بھر کے باشندے بچے سے لیکر بوڑھا تک جسکے نام سے واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی کمزوری کو دفعیہ کیلئے ہندوستان میں ایک ہی بےضرر اور بےخطا دوائی ہے جس کا نام مع ذوق روح حیات ھی اور خصوصیت کیساتھ جس کا نام مشہور ہے +

میں } جادوگر ہوں۔ اس لئے کہ کمزوروں کو وہ قوت دیسکتا ہے۔ کہ پہلوانی کریں۔ اور جن کے جسم پر گوشت نہ آیا ہو۔ یا اُن لوگوں میں وہ طاقت کم ہو جس کی وجہ سے مرد کو مرد لکھہ سکتے ہیں جن کے دل و دماغ اور اعصاب ضعیف ہوں انکے لئے میرے پاس جادو اثر دوائی موجود ہے۔ جس کا نام اسم بامسمےٰ **رُوح حیات ھی**۔

رُوح حیات کی مُصدّقہ خواص } ضعیف مثانہ۔ ضعف اعصاب۔ ضعف دماغ۔ قلب ضعیف جگر ضعیف معدہ۔ ذیابطیس اور اختلاج قلب کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ دو یوم میں ہی کمزوری اور قبل از وقت علامات پیری کے لئے بےنظیر ہو جاتی ہیں۔ ان سب سے کامل نجات ہو جاتی ہے۔

رُوح حیات } کے مفید ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی کثرت فروخت سے میں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کی جائداد پیدا کر لی ہے۔ جس میں مکانات۔ کوٹھیاں اور اراضی شامل ہے۔ روح حیات کی تیاری اور حساب کتاب رکھنے کے لئے میرے دفتر میں کلرکوں کی خاص جماعت کام کرتی ہے۔ جس میں ہندو مسلمان اور عیسائی مذہب کے لوگ ملازم ہیں۔ اور کارخانہ روح حیات پنجاب بھر کے اشتہاری طبیبوں اور ڈاکٹروں سے زیادہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔

میری آمدنی کی نسبت ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دریافت کیا تھا جس پر صاحب موصوف کی خدمت میں تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر جو ڈاکخانہ سے بنک میں وصول ہوئی۔ بمعہ چٹھیات بھیجی گئی۔ جس کی نقل بالاختصار بغرض اطمینان خلائق درج ہیں۔

اس چٹھی پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لاہور نے تحریر فرمایا ہیں
"میں آپ کی چٹھیات اور دیگر کاغذات متعلقہ دیکھنے کے بعد واپس کرتا ہوں"۔ (دستخط)
سی ایچ - اٹکنس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور
۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء

میری تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر

۲ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء		۱۰۷	روپے	۱۳	آنے	
"	"	"	۷۸	"	۷	"
۳	"	"	۱۶۷	"	۴	"
"	"	"	۵۵	"	۱۵	"
۴	"	"	۳۲۸	"	۵	"
"	"	"	۱۵۲	"	۲	"
میزان		۸۸۳	روپے	۱۴	آنے	

ناظرین اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ روح حیات کی قدردانی ملک میں کسقدر ہو رہی ہے محتاج بیان نہیں۔ اس لئے اب کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی فائدہ میں آپکو ذرا بھی شک ہو اور اس زندگی بخش گرانمایہ سستی دوائی کے خریدنے میں تامل کریں قیمت فی شیشی روح حیات

پتہ } حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر کیمیا گر پروپرائٹر شفاخانہ عام چوک نواب صاحب لاہور

رفیق عروس

مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ ایڈیٹر تہذیب نسوان یعنی دلہن کی سہیلی جو خوشی کے وقت ہمجولیوں کی طرح ہنسی خوشی میں شریک اور دکھ درد کے وقت دردمند بہن کی طرح مصیبت کی رفیق ہوتی ہے ناتجربہ کاری میں پیاری پیاری بزرگانہ نصیحتیں اور زمانہ کا اونچ نیچ سکھاتی ہے چوتھی مرتبہ چھپی ہے اور کئی مضمون اضافہ کئے گئے ہیں + قیمت ۱۱ر

نعمت خانہ

نعمت خانہ - یعنی ہندوستانی کھانوں کی سب سے اچھی کتاب - اس سے پیشتر جس قدر کتابیں اس قسم کی چھپ چکی ہیں ان سب سے اچھی ہے اور ہر گھر میں اس کا موجود رہنا ضروری ہے +

یہ کتاب لڑکیوں کو امور خانہ داری کی طرف مائل کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ ہر قسم کے کھانوں کی ترکیبیں اس میں درج ہیں۔ حجم دوسو صفحہ

قیمت - - - - - - - - - - - - - - - عمر

الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ

یعنی وہ دلچسپ کتاب جس میں مرحوم سر سید احمد خان صاحب علیہ الرحمۃ نے تاریخ عرب اور پاک اسلام کی مذہبی تاریخ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور عیسائی مورخوں کے بیجا اعتراضات کے جواب جو بانی اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن کریم پر کئے تھے۔ ایسے تسلی بخش اور سچے دندان شکن دیئے ہیں کہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ درحقیقت اس مرحوم نے اس کتاب کی تصنیف سے مذہب پاک اسلام کی وہ خدمت کی ہے - جو ہر طرح قابل تعریف وتحسین ہے +

اس کتاب کے شروع میں سر سید کی رنگین تصویر بھی ہے - یہ کتاب نہایت خوشخط اور اعلے درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔

بلا جلد ۵ے مجلد ۸ے +

علم الاقتصاد

(یعنی سیاست مدن)

مصنفہ شیخ محمد اقبال ایم۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

یہ قابل قدر کتاب شیخ صاحب نے جس عرق ریزی سے لکھی ہے اور جس محنت سے انہوں نے علم الاقتصاد کے دقیق اصول کو واضح کیا ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنکو علمی کتابوں کے پڑھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے توضیح اصول کیساتھ مصنف نے ہندوستان کے موجودہ تمدنی اخلاقی اور اقتصادی حالات کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں جن سے پڑھنے والے کی نظر وسیع ہوتی ہے اور اس کو مسائل اقتصادیہ پر آزادانہ طور پر غور و فکر کرنے کی تحریک ہوتی ہے زر نقد کی ماہیت پر جو کچھ لکھا ہے ایک خاص منطقیانہ دلچسپی رکھتا ہے جس سے ایک عقلی مسرت حاصل ہونیکے علاوہ بعض اہم مسائل پر عجیب قسم کی روشنی پڑتی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ اُردو لٹریچر کا یہ قابل قدر اضافہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس کے مسائل پر کماحقہ غور کیا جائیگا کیونکہ ہندوستان کی آئندہ قسمت کا دارمدار زیادہ تر اس ملک کی موجودہ اقتصادی حالات پر منحصر ہے اب وقت اس بات کا مقتضی ہے کہ بیکار کم وزنی لٹریچر سے دست بردار ہو کر ان کتابوں کی طرف توجہ کرے جن کا موضوع انسان کی عملی زندگی اور اس کے تمدنی حالات پر غور کرنا ہے اس کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) ہے علاوہ محصولڈاک

انتخاب مخزن یعنی **مخزن** کی گذشتہ نو جلدوں میں سے تمام چوٹی کے مضامین اور نظموں کے انتخاب کا مجموعہ جن شائقین کو مخزن کے پہلے نمبر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ان کیلئے یہ کتاب بہت ضروری ہے مختصر اً یہ نادر کتاب بعض یگانہ روزگار مشہور اہل قلم اور شعرا اور اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی و مشرقی خیالات کا لب لباب ہے اس مجموعے کے ساتھ انجمن اُردو کے اراکین عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد شمس العلماء مولینا شبلی مولنا حالی نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور مسٹر آرنلڈ کی ولایتی چھپی ہوئی تصویریں ہیں ان انمول کتاب کی قیمت صرف ۱۲ ہے لیکن مخزن کے خریداروں سے صرف ۸ علاوہ محصولڈاک

عورتوں کے لباس میں کیا کیا امور اصلاح طلب ہیں کن کن باتوں سے بیویوں اور خاوندوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہوتی ہے اور ان نااتفاقیوں کے دور کرنے کا علاج ہے۔ ان سب باتوں کو پورے طور پر بیان کیا ہے جس شخص کو اپنی والدہ بہنیں بیوی اور عورتوں کے حقوق معلوم کرنے اور ان کے ادا کرنے کا خیال ہوا سے ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت ۱۲/

طبیب نسواں یہ کتاب ایک بڑے مستند ڈاکٹر کی تصنیف سے اخذ کر کے مرتب کیگئی ہے اس کتاب کے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ ہماری بے احتیاطیوں اور ناتجربہ کاریوں سے جو بہت سے پھول سے بچے مرجھا کر رہ جاتے ہیں یا شیرخوار بچوں کی مائیں ہلاک ہو جاتی ہیں اس کے مطالعہ سے ان بچوں کی ماؤں کو ایسے نقصان نہ پہنچیں عورتوں کے تمام امراض کا ذکر اس کتاب میں ہے اور مستورات خود اپنا علاج کر سکتی ہیں عبارت ایسی آسان ہے کہ ہر عورت پڑھ سکتی ہے ہر مرد اور ہر عورت کے لئے مطالعہ ضروری ہے۔

قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

ہادی النسا مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ اس کتاب میں دہلی کی مستورات کی خط و کتابت کے اعلیٰ درجے کے نمونے درج ہیں بظاہر یہ خطوط ہیں مگر اس میں خانہ داری کے کل معاملات رسم و رواج گوریاں گیت غرض زمانہ زندگی کے تمام پہلو دلچسپی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ۹/

	بہت سی نظمیں مستقل طور پر قدر کے قابل ہیں۔
مجموعہ نظم آزاد	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد کی بے مثل مثنویوں اور بعض مشہور نظموں کا مجموعہ جن سے جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ اس مجموعے میں بہت سی نظمیں ہیں اور سب دیکھنے کے قابل ہیں مولینا آزاد اور پھر ان کا کلام زیادہ تعریف کا محتاج نہیں منگوا کر دیکھئے۔ قیمت ۱۰/ +
مکاشفات آزاد	پروفیسر محمد حسین آزاد کے عالمانہ خیالات کی افسوسناک الجھن سمجھئے یا عجائبات جنون + مولینا کے عالم جنوں کی تصنیف بھی دلچسپی سے خالی نہیں عجیب رنگ میں یہ کتاب لکھی ہے کیونکہ ہو مولینا آزاد کا کلام ہے قیمت صرف ۴/
عذرا	رائیڈر ہیگرڈ انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے ناول "شی" کا ترجمہ نہایت سلیس اُردو میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے آپ کے معلومات بہت وسیع ہو جائینگے اور مصر کے عجیب و غریب حالات جو اس سے پہلے آپ کے ملاحظے سے نہیں گزرے اس میں آپ کو ملیں گے اور پھر ایسا دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کئے آپ اسے نہیں چھوڑ سکتے حجم ۲۶۲ صفحہ قیمت عہ/ +
حقوق نسواں	اس کتاب میں جو مولوی سید ممتاز علی صاحب کی تصنیف ہے قرآن مجید حدیث فقہ اور دین کی اور کتابیں سندین و دیگر عورتوں کے حقوق بڑے زور شور سے ثابت کئے ہیں۔ اور مردوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الدین اور ناقابل اعتبار ہیں ان سب باتوں کا پورا جواب دیا ہے۔ عورتوں کو کہاں تک تعلیم دینی چاہئے قدیم الایام میں پردے کا کیا دستور تھا۔

لڑکی کے لئے ہے تو یہ کنواری لڑکیوں کے لیے ہے کنواری لڑکیوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے علاوہ ازیں کپڑے سلتے ان کے استعمال چیٹی پتر کھیل کود پڑھنے لکھنے کے متعلق سبق آموز باتیں لکھی ہیں۔ یہ ایسی تصنیف ہے کہ ہر لڑکی کو پڑھنی چاہیئے۔ قیمت ؎

مُصنفین اردو - شیخ عبدالقادر بی اے نے ہندوستان کے زندہ مصنفین اردو زبان کی سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی ہے اور ہر ایک مصنف کے حالات نہائیت تدقیق سے جمع کئے ہیں یعنی مولوی الطاف حسین صاحب حالی مولوی محمد حسین صاحب آزاد مولوی عبدالحلیم صاحب شرر پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی اور ہر ایک صاحب کی تصنیف پر ریویو کیا ہے۔ کتاب بلحاظ اپنی دلچسپی اور خوبی کے نہائت ہی دلچسپ ہے۔ قیمت بجائے ایک روپے کے اب بارہ آنہ کر دی ہے +

دربار نمبر کی قیمت میں اب اور تخفیف کر دی ہے۔ یعنی اب بجائے ۱ر کے صرف ۴ر علاوہ محصول ڈاک قابل قدر اور دلچسپ نمبر دسمبر ۱۹۰۲ء میں شایع ہوا تھا۔ اور اس کے مضامین بجائے ۶۷ صفحے کے ۹۶ صفحے پر آئے تھے۔ اسکی کچھ زائد کاپیاں رہگئی ہیں جن حضرات کو شوق ہو طلب فرمائیں۔ اس میں علاوہ نثر کے مضامین کے

اپنی ہستی حباب کی سی ہے
یہ نمایش سراب کی سی ہے

شعرائے اردو کے پیر حضرت میر تقی میر علیہ الرحمتہ کے مندرجہ بالا شعر کو وہ قبول عام نصیب ہوا ہے کہ اسوقت لاکھوں زبانوں پر مذکور اور سینکڑوں کتابوں میں مسطور پایا جاتا ہے لیکن اگر اس کی زندہ منہ سے بولتی ہوئی شرح آپ دیکھنی چاہیں تو جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلوی ایم اے پروفیسر محمڈن کالج کے جدید ناول

خواب ہستی

میں ملاحظہ فرمائیں۔ جسے شایع کرکے مخزن نے اردو

ناول نویسی کی تاریخ میں ایک نیا روشن باب

کھولا ہے اور ہندوستان کی مقبول و مشترکہ زبان کو فسانہ طرازی کے معاملہ میں السنہ مغربیہ کا ہم پلہ بنا دیا ہے کہنے کو تو ناول ہے مگر معنیاً ہندی طرز معاشرت کا سچا مرقع۔ ملکی رسم و رواج کا آئینہ اور طلباء کی تعلیمی خانگی اور خلوتی زندگی کا بائسکوپ ہے جسمیں روزمرہ کی واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں پختہ کاروں میں ایام کے جذبات کو ابھارتا ہے تو نوجوانوں کے معاملات کا ہو بہو نقشہ اوتارتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتوں کی زندگی کے اس پوشیدہ مگر ضروری پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جس کے حل کرنے میں ابتک ملک کے سارے مدبرین قاصر رہے ہیں۔ اس کے

ہر صفحہ میں محسوسات و جذبات کا دریا بہہ رہا ہے

اور فقرہ فقرہ تمناؤں کے پکے پھوڑے کو چیرنے کے لئے نشتر بنکر نکلا ہے سلک کی ننی نسل کے جو ہیں۔ یہ لیکن یقین صادق ہے جو اس کی ایام جوانی کی امنگوں اور

عالم اسباب کے دلولوں سے پوری ہمدردی

کرتا ہے اور صفحہ کاغذ پر انکو ایسے خیالات کا عکس ڈالتا ہے جنہیں وہ خلوت و جلوت میں کہیں زبان سے نکالنے کی جرات نہیں کر سکتے مگر جنکی خلش انہیں ہر لحظہ بے چین رکھتی ہے۔ ڈراما کی فن لطیف پر اسمیں ایک نئے لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے اور تہذیب کے بہت سے نازوروں پر پردہ عیاں ہوئے ہیں۔ المختصر دیسی سوسائٹی کا کوئی طبقہ اور زمانہ حال کی کوئی تحریک ایسی نہیں جو اس کی احاطہ تحریر سے باہر رہ گئی ہو اور بزرگان صوفی مشرب۔ نوجوانان پاکباز۔ رندان عیش پرست میں کوئی ایسا نہیں جس کی دلچسپی کا سامان اسمیں مہیا نہ کیا گیا ہو۔ اس کی

ہر بات انوکھی اور ہر ادا نرالی

ہے۔ جیسے کہ لکھائی چھپائی۔ ترتیب وغیرہ میں بھی بڑی محنت و لاگت سے وہ بات پیدا کی گئی ہے جو ابتک کسی ناول کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا سنہری سرورق بجائے خود ایک تختہ گلشن ہے اور دیباچہ اپنی رنگینی کے اعتبار سے صحن چمن۔ ان سب پر طرہ

تین ہاف ٹون عکسی تصاویر

ہیں جنہوں نے اس کے صفحات میں اہل بینش کے لئے ایک جنت نگاہ مہیا کی ہے اور دلاویزی نظر فریبی کی شان بہت کچھ بڑھا دی ہے۔ ہر تصویر گویا منہ سے بولتی ہے اور صاحبان نظر سے داد طلب ہے! باایں ہمہ اوصاف قیمت صرف عمر رکھی گئی ہے۔ تاکہ اردو کے تمام قدردان اس قابل قدر کوشش سے واقف ہونیکا موقعہ پائیں۔ دفتر مخزن لاہور سے طلب فرمائیے +

تیغ تیری ہو تو ہو تو ہے اپنا قاتل — سر پہ کیا میں نے کسی غیر کا احسان لیا
جب قیامت کی کڑی دھوپ سے عاجز ہوئے ہم — سائیاں دامنِ رحمت کا ترے تان لیا
زہر کیا چیز ہے اک تلخ دوا ہے ناصح — میں نے جس بات کو اب ٹھان لیا ٹھان لیا
رکھ کے پشتارہ گناہوں کا چلے سوئے عدم — اس سفر میں نہ زیادہ کوئی سامان لیا
خون کی چھینٹیں جو اُڑیں حلقِ بریدہ سے مرے — اُس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا
میں خدا العزیز رفتار پہ اپنی اے شاد — دُور سے دیکھ کے اُس نے مجھے پہچان لیا

رنگ پر گل تھا ابھی لالۂ گلشن کیسا — بے چراغ آج ہے ہر ایک نشیمن کیسا
دل پُر داغ جو ہوتا ہے لحد میں بیتاب — جھلملاتا ہے چراغ سرِ مدفن کیسا
میں کہیں کا نہ رہا بادِ خزاں کے چلتے — اُڑ گیا میرے مقدر سے نشیمن کیسا
اب خدا جانے بہار آتی ہو اسمیں کہ نہیں — میرے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا
چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا
مال ہاتھوں نے لیا ہونٹھوں نے افشاں چُن لی — آ کے قابو میں لُٹا آپ کا جوبن کیسا
ہم نے دیکھے ہیں مقاماتِ تجلّی اُنکے — طور کہتے ہیں کسے وادیٔ ایمن کیسا
ہے ابھی میرے بڑھاپے میں جوانی کیسی — ہے ابھی اُنکی جوانی میں لڑکپن کیسا
ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو — دے اُٹھا خون دمِ حشر یہ دامن کیسا
تو دھری جائیگی اُس گھر سے جو نکلی کوئی بات — نگہِ شوق یہ دیوار میں روزن کیسا
میری سبحہ نو کوئی عشقِ بتاں میں دیکھے — ساتھ قشقے کے ہے زُنّارِ برہمن کیسا
آئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھ کو پسِ مرگ — آج پھیلا ہے اُجالا سرِ مدفن کیسا
مستی مالیدہ لبِ یار کی سُنکر تعریف — منہ پھُلائے ہوئے ہر غنچۂ سوسن کیسا
باغباں کام ہمیں کیا ہو وہ اجڑے کہ رہے — جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا
یار سا بچہ پہ چھن کے ہیں میخانے میں — آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

زن و فرزند کو ماں باپ کو خویش و برادر کو

وُہ بھائی جو بچھڑتے تھے گھڑی بھر کو نہ بھائی سے — وُہ ہمدم دم چھڑکتے تھے جو ہر دم باوفائی سے
وُہ ولدادہ جو مرتے تھے کسی کی دل رُبائی سے — پرے بیٹھے ہیں بعد مرگ ہٹ کر چارپائی سے

مریں بھی ساتھ مرنے کے تو باہم رہ نہیں سکتے
کچھ اُنکی سُن نہیں سکتے کچھ اپنی کہہ نہیں سکتے

چھپے ہیں خاک میں وُہ لعل جو نازوں کے پالے تھے — پڑے ہیں گور میں جو گودیوں کے رہنے والے تھے
بسے ہیں جا کے یُوں سنسان میں جو بھولے بھالے تھے — اندھیرے میں ہیں وُہ جو خود کسی گھر کے اُجالے تھے

نہ ہیں وہ چاہنے والے نہ وُہ آغوش مادر ہے
نیا دانہ نیا پانی نئی بستی نیا گھر ہے

فنا جس کو نہ ہو دنیا وہ مسکن ہو نہیں سکتا — خزاں جس کو نہ ہو ایسا یہ گلشن ہو نہیں سکتا
کوئی پیدا دوبارا بعد مُردن ہو نہیں سکتا — چراغ عمر ٹھنڈا ہو کے روشن ہو نہیں سکتا

فنا ہے سبکو دنیا میں ہیگا اور کیا باقی
جو باقی ہو وہ باقی ہے نہیں اسکے سوا باقی

[illegible]

تازہ غزلیں

کیا تعجب ہے اِن آنکھوں نے اگر مان لیا — دِل نے دیکھا نہیں اُس پر تجھے پہچان لیا
دُرد دیتا ہے جو ساقی تو تردد کیا ہے — جام پر دامنِ تر رکھ کے ذرا چھان لیا
ہجر میں اب سے پئیں گے نہ شراب اے زاہد — جانِ و دل سے ترے فرمانے کو لے مان لیا
وادیٔ غم سے کہیں بھاگ چلا تھا کیا میں — دست وحشت نے مرا مُفت گریبان لیا
نہیں سنتا کسی واعظ کی پھر اَے پیرِ مغاں — جب کسی دل نے تجھے مان لیا مان لیا

نہ نکلیں گے نکالے سے کسی کے حوصلے دل کے
ملینگے خاک میں ارمان سب کے خاک میں مل کے

نہیں آتا تھا جنکو چین ہرگز چین بستر پر جنہیں سایہ بھی اک بار او ر وبالِ جان تھا سر پر
رُخ و عارض کو جنکے فوق حاصل تھا گُلِ تر پر نہ رکھا گردشِ دَوراں نے انکو ایک محور پر
ہَوا جب خاتمہ تھا خاتمہ ناز و نزاکت کا
نتیجہ ملگیا مٹی میں مل کے عیش و عشرت کا

نہ چھو سکتی تھی گردِ راہ بھی جنکو ہوا ہوکر ملے ہیں خاک میں وہ کشتۂ تیغ قضا ہوکر
عزیزوں سے الگ احباب سے ناآشنا ہوکر پڑے ہیں کنج تنہائی میں اب سب سے جدا ہوکر
پیا ہے جامِ رحلت بادۂ انگور کے بدلے
ہم آغوشِ لحد میں ہائے رشکِ حور کے بدلے

جہاں سے جا رہا ہے کوئی سب مہجور بیٹھے ہیں عزیز و اقربا کچھ پاس ہیں کچھ دُور بیٹھے ہیں
کچھ ایسی لگ رہی ہر دل کو جو رنجور بیٹھے ہیں کسی کی چل نہیں سکتی ہو سب مجبور بیٹھے ہیں
نہاں نظروں سے پیاری پیاری صورت ہونیوالی ہو
گھڑی ساعت ہی میں برپا قیامت ہونیوالی ہو

بٹھاتے تھے جو پہلو میں وہ آپہنچے اُٹھانیکو کہانی کہنے والے جمع ہیں یٰسین سُنانے کو
کھڑے ہیں چاہنے والے ہی مٹی میں ملانیکو ہُوئے ہیں مستعد ناپید کرنے کو مٹانے کو
بدل جاتی ہو جب قسمت تو سب آنکھیں بدلتے ہیں
جو ارماں دل کے ہیں وُہ گور میں جاکے نکلتے ہیں

اُٹھانے تھے جو ناز آئے وُہی تجہیز بھی کرنے کیا اولاد کو خود دفن جاکے باپ مضطر نے
ملایا خاک میں آخر برادر کو برادر نے دبایا بہن کو بھائی نے اور بیوی کو شوہر نے
چلے آتے ہیں تنہا ڈال کے دلبر سے دلبر کو

بھول جاتی قیصر و فغفور کو دنیا تمام — تم جو اُنکی یاد کو تازہ نہ کرتیں بار ہا
حال تم اسلاف کا ہم سے نہ بتلاتیں اگر — کون اُنکے واقعاتِ زندگی کو جانتا

الغرض ہیں تم سے کیا کیا فائدے مدّ نظر
اے کتابو! تم ہو بیشک مظہرِ شانِ خدا

(سید محمد عارف)

خواب و خیال

بہارِ زندگی اک خوابِ غفلت کا زمانہ ہے — خیالی پیچھے ہیں اور ہوائے آشیانہ ہے
صدائے کوسِ رحلت نغمہ سنجوں کا ترانہ ہے — جسے کہتے ہیں دُنیا وُہ کہانی ہے فسانہ ہے

جو لائیں کام میں چشمِ بصیرت۔ دیکھنے والے
بنیں محوِ تماشا اُسکی قدرت دیکھنے والے

یہاں سے جو گیا ساتھ اُس نے چھوڑا یار و ہمدم کا — ہوا ساتھی نہ وہ رنج و الم کا شادی و غم کا
کسی کا کیا بھروسا جب بھروسہ کچھ نہیں دم کا — کوئی کیا بھید سمجھیگا تماشا گاہِ عالم کا

خدا کے کام میں کیا دخل ہم اُف کر نہیں سکتے
مرے جاتے ہیں یا در زندگاں ہیں مر نہیں سکتے

مٹے وُہ تاجور نامی تھے جو کشورستانی میں — گئے وُہ پہلتن بے مثل تھے جو پہلوانی میں
سدھارے وہ حسیں شہرے تھے جنکی داستانی میں — نہ چھوڑا موت نے باقی کسی کو دارِ فانی میں

یہاں دعویٰ کسی کا اور پیری چل نہیں سکتی
گھڑی وعدے کی جس دم آن پہنچی ٹل نہیں سکتی

کوئی ہو ذرّہ ناچیز یا ماہِ منوّر ہو — کوئی محتاج ہو یا بادشاہِ ہفت کشور ہو
کوئی بے مہر ہو بیدرد ہو یا بندہ پرور ہو — نہیں ممکن کہ جز گور و کفن کچھ بھی میسر ہو

دوستی کرتے ہیں ذاتی منفعت کے واسطے　　اور رکھتے ہیں وفاداری کے دعوے ظاہرا

آجکل کے دوست ہیں گندم نما اور جَو فروش　　کیا بھروسہ ہو کسی کمبخت کو ان پر بھلا

دشمنی سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اُنکی دوستی　　اُنکے بارے میں کسی شاعر نے ہی یہ سچ کہا

دوستوں سے ہم نے وہ صدمے اُٹھائے جان پر　　دل سے دشمن کی عداوت کا گلا جاتا رہا

مجھکو لازم ہے کروں شکرِ خدائے دو جہاں　　دوست میرے سب کے سب ہیں ذی مروّت باوفا

کون؟ راہِ دوستی میں جن کا ثابت ہے قدم　　کون؟ سب کہتے ہیں جنکو دوستانِ باصفا

کون وہ؟ جو ہیں صداقت اور وفاداری میں فرد　　کون؟ مکر و کید سے واقف نہیں ہیں جو ذرا

کون؟ کام آتے ہیں جو وقتِ مصیبت بیگماں　　کون؟ وہ جو کُنجِ تنہائی کے مونس ہیں سدا

کون؟ جنکا نام سب لوگوں نے رکھا ہے کتاب　　ہیں یہ سچے دوست کچھ اس میں نہیں ہے شک کی جا

اے کتابو! تم نہیں ہو خود غرض اور مطلبی　　تم سے حاصل ہے سبھوں کو منفعت بے انتہا

ہے تمہارے فیض سے دنیا کی دنیا فیضیاب　　ہے تمہاری ذات سے وابستہ سب کا فائدا

اے کتابو! ختم تم پر دوستی کی شان ہے　　دوستی کے جو فرائض ہیں وہ لاتی ہو بجا

تم ہو آڑے وقت کی ساتھی مصیبت کی رفیق　　تم سے بڑھکر کوئی عالم میں نہ ہوگا باوفا

مفلسی کی تمکو پروا ہے نہ کچھ دولت کی فکر　　تم غریبوں پر امیروں کی طرح سے ہو فدا

نقش تم سے باقی ہے اولادِ آدم سربسر　　اس عنایت کا عوض ہوگا کسی سے کیا ادا

صفحۂ قرطاس پر گو لاکھ سر مارے قلم　　ہو نہیں سکتا تمہارے وصف سے عُہدہ برآ

اے کتابو! تم سے خالی یہ جہاں ہوتا اگر　　زندگی کا اک قلم مفقود ہو جاتا مزا

دیتی ہو اہلِ قلم کو تم حیاتِ جاوداں　　صاحبِ تصنیف کو رکھتی ہو تم زندہ سدا

شاعروں کا نام باقی ہے تمہاری وجہ سے　　ہے تمہیں سے فلسفہ والوں کا سکہ چل رہا

کوئی اُن کے کارناموں سے نہ تھا واقف یہاں　　روشناسِ اہلِ عالم تم نے شاہوں کو کیا

تم سے شہرہ سعدیؒ و جامیؒ نے یہ پایا ہے سب　　خلعتِ نام آوری بیکن کو تم نے ہی دیا

ترے کرم سے ہیں محروم اک ہمیں ساقی ہمیں ہیں اک تری محفل میں تشنہ کامِ نشاط
نگاہِ مہر تری اک فقط ہمیں پہ نہیں وگرنہ کس پہ نہیں تیرا لطفِ عامِ نشاط
تمام سال پیا ہو جنہوں نے خونِ جگر وہ غم نصیب پئیں بھر کے خاک جامِ نشاط
نصیب میں ہو غمِ قحط جن غریبوں کے اُڑائیں چاپ و مٹن کیا وہ تلخ کامِ نشاط
ازل سے تھا جو مقدّر میں آہ! جرعۂ غم ہمارا خون تھا شُربِ مے دوامِ نشاط
ہوائے گُل کا قفس میں دماغ ہے کس کو سُنائے ہم کو نسیمِ سحر پیامِ نشاط
جلا رہا ہے زمانہ وہ غم نصیب ہیں ہم ہمارے خونِ جگر سے چراغِ شامِ نشاط
دکھائے ہم کو تمنّا نے سبز باغِ بہشت لئے فلک نے بہت ہم سے انتقامِ نشاط
تری اُمید پہ مر مر کے آہ! ہم رنجور جئے تو خاک جئے او؟ خیالِ خامِ نشاط
الم نصیب ہی تو قوم! یہ کہاں اُمید ترا انتظامِ معیشت ہے نے نظامِ نشاط
وہ دن بھی ہونگے کہ خورشیدِ ضیا ورِ نورِ پھر قوم پہ چمکیگا بنکے جامِ نشاط

سرور جہان آبادی

”سچّے دوست“

لوگ اپنے دوستوں کا کرتے ہیں اکثر گلا خود غرض اور بے وفا کہتے ہیں اُن کو برملا
جسکو دیکھو دوستوں کے ہاتھ سے نالاں ہے وہ جسکو دیکھو دوستوں کے نام سے ہے وہ خفا
جسکو دیکھو دوستوں کی شکل سے بیزار ہے جسکو دیکھو دوستوں کو اپنے کہتا ہے بُرا
آجکل کے دوستوں کا بھی عجب اسلوب ہے آشنا کہنے کو ہیں اور اصل میں نا آشنا
آجکل کے دوست ظاہر میں تو کہلانے ہیں دوست ہتھکنڈے ہوتے ہیں لیکن اُنکے دشمن سے سوا
مطلبی ہیں اپنے مطلب سے سدا رکھتے ہیں کام کرتے رہتے ہیں خوشامد رات دن صبح و مسا
یوں تو دم بھرتے ہیں الفت کا دکھانیکو مگر ہر گھڑی پیشِ نظر رکھتے ہیں اپنا فائدا

جس کے دل پر نقش ہی اندازِ تمکیں شاہ کا ۔۔۔ دائما جس کو رہیگا یاد تیرا بانکپن

زینتِ تاریخ ہی یہ واقعہ ہوگا نہیں
خوبیاں تیری رہینگی اپنے دائم دلنشیں

[illegible]

نوروز

نسیم لائی ہے نوروز کا پیامِ نشاط ۔۔۔ چمن میں پھر نئے سر سے ہی اہتمامِ نشاط
ترانہ ریز ہیں شاخوں پہ طائرانِ چمن ۔۔۔ چٹک کے دیتے ہیں غنچے صلائے عامِ نشاط
شرابِ ذوقِ ترنم سے مست ہے قمری ۔۔۔ چمن میں سرو ہے مینائے سبز فامِ نشاط
نگاہِ شوق کو بیخود بنا رہی ہے بہار ۔۔۔ گلوں کے بادہ شبنم سے بھر کے جامِ نشاط
کنارِ جو نہیں ابرِ بہار کا دامن ۔۔۔ ہوا کے دوش پہ پھیلا ہوا ہے دامِ نشاط
نسیم پھرتی ہی صحنِ چمن میں اترائی ۔۔۔ شمیمِ گل سے ہے مہکا ہوا مشامِ نشاط
سوار نکہتِ گل ہی ہوا کے گھوڑے پر ۔۔۔ کدا رہی ہے سمندِ سبک خرامِ نشاط
بیاضِ روئے سمن ہی کہ جوشِ صبحِ بہار ۔۔۔ سوادِ گیسوئے سنبل ہی یا ہی شامِ نشاط
بھری ہوئی ہی ہوا میں شراب کی تاثیر ۔۔۔ عجب نہیں کہ رگِ گل ہو خطِ جامِ نشاط
فلک پہ کہتا ہی بادہ کشوں سے یہ خورشید ۔۔۔ شرابِ نابِ صبوحی سے بھر کے جامِ نشاط
پپیہا! پپیہا! کہ کہاں پھر ترانۂ نوروز ۔۔۔ صدائے عیش کہاں پھر کہاں پیامِ نشاط
پپیہا! پپیہا! کہ کہاں پھر فضائے موسمِ گل ۔۔۔ بہارِ عمر کہاں - پھر کہاں قیامِ نشاط
ٹپک رہی ہی نگاہوں سے مستیٔ نوروز ۔۔۔ مسوں کی آنکھ کی گردش ہی دورِ جامِ نشاط
ہر اک چمن ہی طلسمِ نگار خانۂ عیش ۔۔۔ ہر ایک گل میں ہے رنگِ مئے دوامِ نشاط
فلک پہ شاہدِ خورشید ہی صبوحی کش ۔۔۔ زمیں پہ پیکرِ رعنائے گل ہی جامِ نشاط
انڈیلتا رہا ہی خمِ عیش ساقیٔ گردوں ۔۔۔ خوشا نویدِ مسرت! خوشا پیامِ نشاط

اس نے دو باتوں میں اپنا کر لیا ہر ایک کو ہو گئے سب شاہ کے لطفِ تکلم کے غلام

رعب و تمکیں وہ کہ ہے شاہانِ مشرق کا نشان

اس پہ پھر وہ سادگی جو خاص ہے مغرب کی شان

اے شہِ کابل نہیں تو صرف امیرالمومنین بلکہ اپنے ہندوؤں کا بھی ہے تو حامی و معین

عدل اور الطاف پر تیرے ہیں سو جاں سے نثار جس سے ہند [illegible] ہے بہشت زیرِ نگیں

ہندوؤں پر اور مسلمانوں پہ یکساں ہے کرم امتیاز اور فرق تو نے انہیں کچھ رکھا نہیں

تو نے دہلی میں جو فرمایا زراہِ لطف و داد اُس سے بھارت ورش کو یہ ہو گیا پختہ یقیں

گاتے ہیں کابل کے ہندو جو تری مدحت کے راگ نام کو اُن میں بناوٹ اور غلو کی بو نہیں

ہے شہا مسلک ترا بیشک یہ خواجہ کا کلام

با مسلماں اللہ اللہ - با برہمن رام رام

خیر مقدم مرحبا اے خسروِ عالی حشم ہند را بنواختی - نازم ترا سرتا قدم

صورتِ جاہ و جلال و مقصدِ اہلِ کمال مظہرِ انوارِ رحمت مصدرِ حسنِ شیم

منبعِ فیض و مروت معدنِ صدق و صفا جوہرِ عدل و سیاست عنصرِ لطف و کرم

آستانت موضعِ دولت نہ اکنوں ست و بس دارد ایں قصرِ معلے نقشِ تاریخِ قدم

شرحِ احوالِ تو الحق بو العجائب دفتریست بندۂ یارب کے تواند کرد شکر ایں نعم

اے حبیب اللہ محبِ قیصرِ عالی مقام

تو ہے محبوبِ خلائق اور ممدوحِ انام

ہے یقیں جب آپ واپس جائینگے سوئے وطن ختم کر کے یہ سفر باتفضلِ ربِّ ذوالمنن

تو رہیگی یاد اس سیر و سیاحت کی مدام جاگزیں جب خاطرِ والا رہیگا یہ چمن

لطفِ قیصر نے بنا رکھا ہے جس کو بے خزاں امن و آزادی سے ہے چھوٹا بڑا جس میں مگن

اپنا مہماں جس نے سمجھا قیصری مہمان کو شاہی مہماں کے رکھے جس نے سر آنکھوں پہ چرن

گر نہ دیتا تو قزلباشوں کو ہندستاں میں دخل فتح نادر شاہ کب پاتا محمد شاہ پر
نام رکھتا کون؟ پانی پت کی جنگ سویں لشکر ابدالی کا پاتا گر نہ خیبر سے گذر
ہند کی تاریخ کے دفتر سے یہ پاتے ہیں ہم تو رہا سیلِ حوادث کا سدا سے رہگذر

آج اے خیبر مگر تیری نرالی شان ہے
تو گذرگاہِ حبیب شاہِ ہندستان ہے

آج تک خیبر سے ہندستاں میں جو آتا رہا اس کا مقصد اور تھا اور مدعا تھا دوسرا
لیکن اے سلطاں سوا تیرے کسی کو تھا شرف آ رہا ہے تو جو مہماں بن کے ہندستان کا
والدِ ماجد بھی تیرے آئے کب اس شان سے جس تجمل سے ہوا ہے آج یاں آنا ترا
میزبانی میں لگے ہیں سب اراکین ہند کے ہر کہیں ہیں جشن اور جلسے تری خاطر بپا
کوئی بتلائے کبھی ایسا ہوا ہے ہند میں شاہ کابل کے لئے جو کچھ ہے اب یاں ہو رہا

واقعاتِ ہند کا تو نے بھلایا ہے سبق
تو الٹتا ہے یہ تاریخِ قدیمہ کا ورق

مژدہ اے دل آج یاں وہ شہریار آنے کو ہو وادیوں میں جس کے قدموں سے بہار آنے کو ہے
جس کا شہرہ روس اور انگلینڈ تک تھا ہو رہا آج ملکِ ہند میں وہ تاجدار آنے کو ہے
یوسفِ مصرِ خلافت جس کا ہے سالار آج کارواں وہ ہند میں عالی وقار آنے کو ہے
خیر مقدم کے لئے کس کی ہیں توپیں برق ریز کون میدانِ جلادت کا سوار آنے کو ہے
ہاں ادب کا وقت ہے۔ دم لے ذرا اے شوقِ دید جس کا تھا اے آنکھ تجھ کو انتظار آنے کو ہے

رعد توپوں کا افق سے جا کے واصل ہو گیا
شاہِ کابل حدِ ہندوستاں میں داخل ہو گیا

دیکھتے ہی برق دم اسپ شہِ عالی مقام میکموہن سب سے آگے بڑھ کے کرتا ہے سلام
خیر مقدم کرتا ہے شاہِ حبیب اللہ کا قیصرِ ہندوستاں کا اس کو دیتا ہے پیام
لاکھ تمکیں اور مودت جس پہ ہو جائے نثار وہ جواب اس کا ہے دیتا خسروِ ذی احتشام
تمکنت کے ساتھ اخلاق اور شاہی مکرمت اس پہ ہی شائستہ موزوں کس قدر شہ کا کلام

اے درۂ خیبر کے ہم تجھکو بھلا سکتے نہیں | یاد دیریں ہم تری دل سے مٹا سکتے نہیں
تو ازل سے ہے ہمارے گھر کے پھاٹک کی کلید | مثل دورِ چرخ جس کی چال پا سکتے نہیں
آریوں کو مدتیں گذریں دیا تو نے گذر | جن کی آمد کا مورخ دن بتا سکتے نہیں
تو نہ اُن کو راہ دیتا تو زمانے کو کبھی | علم و حکمت کے وہ معدن ہاتھ آ سکتے نہیں
گر ممانی کو نہ گندھاری[1] کے تو دیتا گذر | تو خبر ہستنا پور فتح دریودھن پہ پا سکتے نہیں

تو نہ گھر کی بلکہ قسمت کی ہے بھارت کی کلید
تو نے ہی ہم کو دکھائے روز سعد و نا سعید

حملۂ گشتاسپ[2] کی ہم نے سنی ہے داستاں | اور سکندر[3] کی بھی آمد کا پڑھا ہے سب بیاں
ہم نے مینانڈر[4] کے دھاوے کی سنی ہے سرگذشت | فتح پہنچی جس کی متھرا اور کچھ پٹنہ تک بیگماں
ہے وہ ستھیا[5] کی چڑھائی کی حقیقت ہم کو یاد | جس کا لہرایا تھا گنگا کے کناروں تک نشاں
بھاگنا جیپال[8] کے دل کا ہے سب پیش نظر | اور ہے محمود[7] کے حملوں کا آنکھوں میں سماں
تیغ غوری[9] کی چمک بھولی نہ ہوگی چشم ہند | جس نے پرتھی راج کے سر پر گرائیں بجلیاں

تجھکو لیکن اے درِ خیبر۔ محافظ ہند کے
حملہ آور آریا مسلم تھے دونوں ایک سے

تو نہ تیمور[10] اور مغلوں[11] کو اگر دیتا گذر | کس طرح محمود تغلق چھوڑتا دہلی سا گھر
کس طرح وہ قتل کرتا آکے ابراہیم[12] کو | سُم نہیں تو چومتا بابر[13] کے گھوڑے کا اگر

---

۱ کوروں کی ماں گندھاری کو ہند و راجہ کی بیٹی تھی + ۲ مہاتما بدھ کی زندگی میں فارس کے بادشاہ دارا گشتاسپ نے ہندوستان پر حملہ کیا + ۳ مسیح سے ۳۲۷ برس پیشتر مقدونیہ کے بادشاہ سکندر نے ہند پر حملہ کیا + ۴ یونان کے سوتیر خاندان کا بادشاہ تھا ۱۵۵ قبل مسیح پر ہند پر حملہ ہوا + ۵ یہ لوگ کوہ قاف کے قریب رہتے تھے۔ انکے نہایت مشہور بادشاہ کا نام کنشکا ہے۔ ان لوگوں نے ہند پر مسلسل حملے کئے جو مسیح سے سو برس پہلے شروع ہوئے تھے + ۷ ۸ ۹ تاریخ ہند کے مشہور خاص و عام واقعات ہیں + ۱۰ ۱۳۹۸ء میں تیمور نے ہند پر دوسرا حملہ کیے محمود تغلق کو گجرات بھگا دیا
۱۱ خاندان غلامان خلجی اور لودھی کے عہد میں مغل وقتاً فوقتاً پنجاب پر حملہ کرتے اور دھاڑے مارتے رہے کبھی دہلی کی فصیل تک پہنچ جاتے تھے + ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ تاریخ ہند کے مشہور واقع ہیں +

اب پوچھنا اگر سے کا کیا ہے — یوں کس کا رخلیل مرتبا ہے
کس کے لئے آج یوں سجا ہے — جو دور ہے وہ بھی کہہ رہا ہے

خوش آمدی اے امیر کابل

قطعہ تاریخ

ساقی ہے موسم گل - اچھا نہیں تغافل — لا جلد شیشۂ مُل - لا جلد شیشۂ مُل
شاداب ہے چمن کیا سبزی کی ہے پھبن کیا — ہر گل ہے خندہ زن کیا کیا نغمہ زن ہیں بلبل
گلشن مہک رہے ہیں غنچے چٹک رہے ہیں — بلبل چہک رہے ہیں رقصاں ہے نکہت گل
جوبن پہ نسترن ہے رونق پہ نارون ہے — زینت پہ یاسمن ہے - ہے لوٹ اُس پہ سنبل
جو برگ ہے بکھر کر وہ تخت سے ہے بہتر — رونق فزا ہے اُس پر سر وقت خسرو گل
اُس کی یہ ہے وجاہت چھائی ہے دل پہ حسرت — صدقے ہے شان و شوکت قربان ہے تجمل

مصرع خلیل تیرا اچھا یہ ایک نکلا

غل ہر طرف مچا ہے آئے امیر کابل

سنہ ۱۹۰۷ء

خیر مقدم ہز مجسٹی امیر کابل

کیوں لگی ہیں سب کی آنکھیں آج خیبر کی طرف؟ — گوش صایم جیسے ہو اللہ اکبر کی طرف
یا مہادٹ کی جھڑی کے بعد جیسے ناتواں — دیکھتے ہیں مطلع سلطان خاور کی طرف
کونسا مہماں قدم رنجہ ہے فرمانے کو یاں — دیکھتے ہیں ہم کبھی گھر اور کبھی در کی طرف
ہے گذرنے کو یہاں سے کون شاہی قافلہ — سب کی نظریں کیوں اُٹھیں سرحد کے منظر کی طرف
شوق سے جاتا ہے یوں یک نظر سرحد کے رخ — کبک لپکے جس طرح ماہِ منور کی طرف

خیر مقدم کس کا کرنے کو کھڑے ہیں ہر طرف
شاہِ قیصر کے عمائد اور ارا کیں صف بہ صف

آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گذارے اُس کو بھلا جز کیا یہ قید کیا بلا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

تہنیت دربار آگرہ

کس لُطف کا دِن یہ آج کل ہے دلبستگی حد سے بھی سوا ہے
جو ہیں جہاں ہے خوشنما ہے غل شور یہی مچا ہُوا ہے
خوش آمدی اے امیر کابل

غم دل کا خوشی بھلا رہی ہے بڑھ بڑھ کے تمام چھا رہی ہے
لطف آنکھ بڑا اُٹھا رہی ہے ہر سُو سے صدا یہ آ رہی ہے
خوش آمدی اے امیر کابل

آگے ہے وہ دلفریب منظر آتی نہیں پھر نگاہ جا کر
جو شخص ہے دیکھ کر ہے ششدر مصرع یہی سب کی ہے زباں پر
خوش آمدی اے امیر کابل

چھائی ہوئی ہر طرف خوشی ہے دھوم آج گلی گلی مچی ہے
ہر شے سوئے تہنیت جھکی ہے یہ جوش کے ساتھ کہہ رہی ہے
خوش آمدی اے امیر کابل

ہے اک جگہ جمع خلق ساری حیرت ہے دلو نپہ سب کے طاری
ہر سمت عیاں ہے شان باری ہے سب کے یہی زباں پہ جاری
خوش آمدی اے امیر کابل

ہر چیز ہے آج دل لبھاتی دل میں نہیں اب خوشی سماتی
چڑیاں ہیں جو اڑ کے آتی جاتی وہ بھی ہیں یہی مزے میں گاتی
خوش آمدی اے امیر کابل

ایک پرندے کی فریاد[۱]

آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ ۔ وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
وہ ساتھ سب کے اڑنا وہ سیر آسمان کی ۔ وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا ملکے گانا
پتوں کا ٹہنیوں پر وہ جھومنا خوشی میں ۔ ٹھنڈی ہوا کے پیچھے وہ تالیاں بجانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی ۔ اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم ۔ شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت ۔ آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ
تڑپا رہی ہے مجھکو رہ رہ کر یاد اسکی ۔ تقدیر میں لکھا تھا پنجرے کا آب ودانا

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں ۔ ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں ۔ میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
باغوں میں بسنے والے خوشیاں منا رہے ہیں ۔ میں دلجلا اکیلا دکھ میں کراہتا ہوں

آتی نہیں صدائیں انکی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

ارمان ہے یہ جی میں اڑ کر چمن کو جاؤں ۔ ٹہنی پہ گل کی بیٹھوں آزاد ہو کے گاؤں
بیری کی شاخ پر ہو ویسا ہی پھر بسیرا ۔ اس اجڑے گھونسلے کو پھر جا کے میں بساؤں
چگتا پھروں چمن میں دانے ذرا ذرا سے ۔ ساتھی جو ہیں پرانے انسے ملوں ملاؤں

پھر دن پھریں ہمارے پھر سیر ہو وطن کی
اڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا چمن کی

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے ۔ دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھکر خوش ہوں نہ سننے والے ۔ دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے

[۱] بہ اجازت ٹکسٹ بک کمیٹی

چل سوئے گورِ غریباں اے حریصِ مال و زر دیکھ کتنی آرزوئیں نذرِ مدفن ہو گئیں
جامۂ ہستی ہوا صد چاک جب مثلِ سحاب زینتیں دنیا کی گرد اگرد دامن ہو گئیں
اوتنی ہی خلعت ملینگی موتیوں کی خلد میں جتنی بوندیں آنسوؤں کی زیبِ دامن ہو گئیں
جب سیا حوروں نے خلعت عید کا بہرِ حسینؑ پلکیں سب تارِ نگاہِ چشمِ سوزن ہو گئیں
ہو سکے عون و محمدؑ سے نہ سر پر درعہ پوش حق میں بیٹوں کی دعائیں ماں کی جوشن ہو گئیں
توڑ کر نکلا علیؑ کا شیر گو میدان میں نیزہ داروں کی صفیں دیوارِ آہن ہو گئیں
جب چلا رنگو عقابِ اکبرؑ کا مانکی حسرتن رفتہ رفتہ گرد جولانگاہِ توسن ہو گئیں
جب ہوا تیار بانو کے پیارا ما نکا مزار سر پٹک کر آرزوئیں لوحِ مدفن ہو گئیں
آگئی بے پردگی جب آلِ زہرہ کی نظر پلکیں بھر مرد ماں چشم چلمن ہو گئیں
جگمگا اُٹھے در و دیوار جب بھیجے اسیر شمعیں ظلمت خانۂ زنداں میں روشن ہو گئیں
تھی سکینہؑ کو جو دیدارِ پدر کی آرزو آنکھیں وا رہ کر درِ زنداں کا روزن ہو گئیں
آٹھ دن کربلا میں چلکے پوچھیں آج سے انکو پوری حسرتیں اے مشفقِ من ہو گئیں

رُباعیات

بیم شبِ حشر نیند کھونے آئی پلکوں میں دُرِ اشک پرونے آئی
چونکا تو پتہ اب تک اوج سوتے سوتے دن ڈھلگیا اور رات ہونے آئی

دل کی راحت پہ جان کھوتا ہی رہا ہنس ہنس کے تمام عمر روتا ہی رہا
ہوشیار ہوئے سفید موہائے سیاہ دن ڈھلگیا سایہ میں تو سوتا ہی رہا

اے ذوقِ سخن پیام کہدینا تو ہے آخری یہ سلام کہدینا تو
مل جائے کہیں اگر شبابِ رفتہ ٹھہرا کے مرا سلام کہدینا تو.

وہ نہیں چھوڑتا تھا اور ـــــ

جہنم میں جائیں آپ، اور بھاڑ میں جائے میری سوانح عمری! وہ سامنے سے اک بدیعۂ خلقت، ایک آئینۂ حسن و جاذبیت، ایک مجسمۂ شوخی و نزاکت سمند ناز پر سوار، مجھے شکار کرنے کیلئے آرہی ہے اور اب نہ مجھ میں اتنی طاقت، اور نہ اسکی خواہش ہے کہ میں اپنے حالات بیان کروں آ، آ، کہ میں تری پرستش کروں +

نوٹ از پرائیوٹ سکوٹری حضرت دل:- حضرت دل بھلے چنگے تھے، اور اپنے حالات لکھا رہے تھے، کہ یکایک از خود رفتہ ہوگئے، اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگے. افسوس ہے کہ یہ سوانح عمری ناتمام رہگئی، تمام قارئین سے استدعا ہے کہ اُن کی صحت کے لئے دعا کریں + سجاد حیدر از بغداد

۱۷- دسمبر ۱۹۰۶ء

سلام

خواہشیں دنیا کی یار دوش و گردن ہوگئیں
رفتہ رفتہ منزل عقبیٰ کی رہزن ہوگئیں

نور معنی سے سلامی آنکھیں روشن ہوگئیں
مجلسیں رنگ سخن سے رشک گلشن ہوگئیں

یہ ہوا کیسی چلی اس تنگ نائے دہر میں
شہر جنگل ہو گئے آبادیاں بن ہوگئیں

کھل نہیں سکتی کبھی کیفیت بغض و حسد
میری آہیں پردۂ ناموس دشمن ہوگئیں

میرے نغموں نے جو پائی قلب گلشن میں جگہ
شاخ گل پر بلبلیں بار نشیمن ہوگئیں

کیسی رنگا رنگ شکلیں ہونگی اپنی نوجوان
ٹپکے جو گلگونہ رخسار گلشن ہوگئیں

جب میرے نالے ہوئے قد صنوبر سے بلند
بلبلیں ساکت سر دیوار گلشن ہوگئیں

بعد مردن بھی ہوئی سوز جگر سے روشنی
جلکے ساری آرزوئیں شمع مدفن ہوگئیں

کربلا و کاظمین و یثرب و طوس و نجف
جی گیا یہ سرزمیں جسکا مدفن ہوگئیں

نہیں مارا" پہلے تو میں اسے بناوٹ سمجھا؛ ملتجی نظروں سے انکی طرف دیکھا اور عرض کیا: "میں آپ کو جھوٹا نہیں بنانا چاہتا لیکن میں نے دیکھا کہ آپنے تیر مارے" میری ملتجی آنکھوں کا اُن آنکھوں سے ملنا تھا، کہ سیکڑوں ہزاروں تیروں کی پے درپے بوچھاڑ پڑنے لگی، مگر اُنکو اسوقت عین اس بوچھاڑ کے وقت بھی اپنی بے تقصیری پر اصرار تھا "یہ ہم پر بہتان ہے، تیر و یر کیسا؟ (اور آنکھوں میں آنسو بھر لا کے) ہم کچھ نہیں جانتے" اور ہزاروں تیر برسا دئے +

"تم اس قدر زخمی کیوں نظر آتے ہو، کس نے گھائل کیا؟"
اور ایک نظر- ایک ترحم انگیز اور ہوش رُبا نظر- ڈالی اور ایک لاکھ برچھیوں نے مجھے چھلنی کر دیا۔
"ہے ہے، اس قدر نہ تڑپو، کس بیرحم نے تمہیں خون میں شرابور کر دیا" مگر بجریا کی کٹریاسے اور کچوکے لگا دئے:۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت میں انہیں اپنے ظلموں کی خبر نہیں، تیروں کی بوچھاڑ عمداً نہیں کی جاتی؛ بلکہ اپنے آپ ہوتی رہتی ہے۔ اُف! اُف! خدا، ان تیر اندازوں سے پالا نہ ڈالے کھلے بند قزاق، زخم لگا کے بھاگ جانیوالے قزاق، یا ٹھگ؛ ان سب سے میں سینہ سپر ہو سکتا ہوں اور ہوا ہوں، لیکن اس تیسری صنف سے تاب مقاومت نہیں، نہیں، بالکل نہیں +

مغرب کیا ساری دُنیا میں، میں قدیم اہل یونان سے بہت خوش ہوں اُنہیں تعقل اور خدا اس لفظ کو دنیا سے اُٹھا دے حکمت پر بہت توجہ تھی لیکن میری غذا حسن- پر وہ اُس سے زیادہ متوجہ تھے +

"وینس" وہیں نکلی اور وہ اندھا، نگر نٹ کھٹ، شریر لڑکا "کیوپڈ" جو ہاتھ میں تیر کمان لئے، اور کندھوں میں پر لگائے اُڑتا پھرتا تھا، دہمیں پیدا ہوا۔ وہ مجھے زخمی کرتا تھا، لیکن میں بہت خوش ہوتا تھا کیونکہ میرے مدمقابل قزاقوں کو بھی

جاتی تھی کہ "ہم تیر برساتی ہیں بچ سکتے ہو تو بچو، بھاگو یا سینہ سپر ہو یہاں تیرانداز، تیر چھوڑ کے غائب نہیں ہو جاتی تھے، بلکہ اگر میں پوچھتا کہ کسنے تیر مارا ہے تو جواب کڑک کے ملتا: "ہمنے"

"کیوں"

"ہمارا کام یہی ہے، ہم اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور ابھی تو مشق تیراندازی ہے"

"ابھی صرف مشق ہی ہو رہی ہے؟"

"بیشک ابھی صرف مشق ہی ہو رہی ہے، جب قادرانداز ہو جاتے ہیں تو وہ تیر مارتے ہیں کہ کسی کو اتنی قوت نہیں رہتی کہ ہمسے سوال کر سکے، اور ہم کبھی آڑ کے پیچھے ہو کر تیر نہیں مارتے یہ بزدلی ہے اور ہماری اصول جنگ کے خلاف ہے۔ زیادہ سے زیادہ آڑ اگر ہم کبھی کرتے ہیں تو صرف دستی پنکھے کی کرتے ہیں، اور بس۔ اور یہ بھی لڑائی کی شان بڑہانیکے لئے، ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے"

"تو آپ اس بات سے شرماتے نہیں، کہ آپ تیرانداز ہیں، قزاق ہیں؟"

"پھر وہی کج بحثی، کہہ تو دیا کہ ہمارا کام یہی ہے، قدرت نے ہمکو اسی لئے پیدا کیا ہے، کیا آفتاب کا کام ضیاپاشی نہیں ہے؟ اب اگر چمکیگا دیکھو کہ تو نہ نکل، میں تاب نہیں لا سکتی، شبنم کہے کہ شرر فشاں نہو میں فنا ہو جاؤں گی، تو وہ مظہر شان کبریائی منبع نور و روشنائی یعنی عظمت و جلالت والا، شوکت و حشمت والا آفتاب انکی نہیں سنیگا یہی نہیں، بلکہ نہ سننے پہ مجبور ہے۔ قانون قدرت کا تابع ہے"

مگر گستاخی معاف، وہ بھی تو آپ کے ہی ہم جنس ہیں جو مشرق میں چھپ چھپ کر ڈر ڈر کے، ادہر ادہر دیکھ کر کہ کوئی دیکھتا نہو، تیر مارتے ہیں۔ یہ کیوں؟"

"دیکھا، تیر مارنے سے وہ بھی نہیں چوکتیں! آپ اپنی اس خصلت سے نادم کیوں نظر آتے ہیں، یہ ہم نہیں جانتے: وہ جانیں، اور ان کے تیر کھانیوالے جانیں"

مگر مغرب میں سب سے زیادہ ظالم (فریاد، فریاد ان کے ستموں سے)، وہ تھے جو تیر مارتے تھے، برچھیاں کھبوتے تھے، لیکن جب میں شکایت کرتا تھا تو صاف مکر جاتے تھے: "ہمنے

تو معلوم ہوا کہ میں ظلمات گیسو میں پھنس گیا تھا+ اس رہائی پر خدا کا شکر کر رہا تھا۔ اندھیرے سے نکل کے روشنی میں آیا تھا، مگر یہاں قدم قدم پر میرا پاؤں پھسل جاتا، (زمین نہایت چکنی تھی)، کہ یکایک اٹرا اٹرا دھم۔

- -

میں ایک کنوئیں میں تھا+ یہاں بھی ظلمات گیسو کی طرح اور بہت سے دل تھے+ اب چونکہ مجھے ان حضرات کا تجربہ ہو گیا تھا، میں نے پہلے کی طرح اُن کو سمجھانے کی غلطی نہیں کی، بلکہ اُنسے معذرت چاہی اور کہا کہ: میں مخل ہوا+ مگر میں عمداً نہیں آیا، امید ہے کہ معاف فرمایا جاؤنگا" نیز یہ کہ "میں یہاں سے نکلنے کی جتنی جلد ممکن ہو گا، کوشش کرونگا" یہاں اس قدر روشنی تھی کہ میری آنکھ خیرہ ہوئی جاتی تھی۔ اور اُسپر ستم یہ کہ کنوئیں کے اوپر برابر بجلی چمکتی تھی، لیکن بجلی کے چمک کے ساتھ گرج نہ تھی، بلکہ نہایت لطیف لوچدار نغمہ ساں آواز جسے ہنسی کہہ سکتے ہیں آتی تھی+

یہاں سے معلوم نہیں میں نے کس طرح نجات پائی، میں تو سمجھتا ہوں محض تائید غیبی تھی+ نکلا تو معلوم ہوا کہ میں خوش قسمتوں میں سے ہوں ورنہ چاہ ذقن میں (قارئین سمجھ ہی گئے ہونگے کہ میں رخسا روں پر سے پھسل کر چاہ ذقن میں گر پڑا تھا) گر کے نکلنا دشوار ہے+ برق تبسم اور نغمہ خندہ پاگل کر دیتے ہیں+

مشرق میں میں نے اس قدر ٹھوکریں کھائی تھیں کہ میں یہاں سے بھاگا+ مغرب میں گیا+ سوچا یہاں آرام و سکون نصیب ہوگا+ مگر آرام اور سکون کیسا+ یہاں بھی وہی بدنظمی، وہی لوٹ+

بدنظمی سہی، لوٹ سہی، پھر بھی مشرق کے برابر مجھے مغرب سے شکایت نہیں یہاں لوٹ ہے، قزاقی ہے، ٹھگی نہیں۔ یہاں لٹیرے ڈنکے کی چوٹ ڈاکا ڈالتے ہیں+

یہاں میں جہاں جاتا تھا، تیروں کی بوچھاڑ مجھپر ہوتی تھی، لیکن مجھے خبر بھی نہ ہوتی

تحصیل لاحاصل کی کوشش چھوڑ دی۔ اندھیرا زیادہ تھا، پہلے تو مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا جب نظر اس اندھیرے کی عادی ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک میں ہی اکیلا یہاں نہیں ہوں، بلکہ اس جال میں اور بہت سے دل پھنسے ہوئے ہیں، اس سے کچھ خاطر جمع ہوئی، اور خیال کیا کہ ان لوگوں سے مل کے کوئی تدبیر نکلنے کی کریں گے + اس لئے میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "بھائیو! جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں، اسمیں تم مجھسے پہلے پھنسے ہو، بہر حال اس سے خلاصی پانے کی کوشش کرنی چاہیے + شاعر نے

دو دل یک شود بشکند کوہ را   پراگندگی آرد انبوہ را۔

کہا ہے، اور ہم تو دو دل نہیں، اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو سیکڑوں دل ہیں، اور یہ پہاڑ نہیں، نہایت باریک جال ہے + یا اللہ کہہ کے سب ایک ساتھ جست کریں تو کیا عجب کہ اس جال کو توڑ دیں اور رہائی پائیں!"

عشق اسیری میں نرالا ہی دیکھا + میری اس معقول تجویز کو سننا اور اُس پر عمل کرنا کیسا سب نے مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ "تمسے کس نے کہا تھا کہ تم یہاں آؤ اور آئے تھے تو ناصح بنکے تو نہ آئے ہوتے، اس دھوکہ میں ہم نہ آئینگے۔ بڑے آئے باتیں بنانے والے ہم بھی تاڑ گئے، کیا ترکیب سوچی ہے، ہمیں باہر نکال کے خود اکیلے یہاں رہنا چاہتے ہیں ماشاء اللہ ماشاء اللہ! مگر

بروایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

مجھے نہایت غصہ آیا، مگر چپ ہو رہا، اکیلا تھا، کیا کرتا +

لیکن تعجب کی بات سنئے، کچھ عرصہ یہاں رہتا تھا کہ اِنجانب بھی اس اسارت سے محبت کرنے لگے، جتنے جال کے بند کھنچے جائیں، اتنے ہی ہم خوش ہوتے جائیں، خدا سے دعا مانگیں کہ الٰہی یہ بند کبھی ڈھیلے نہ ہوں، بلکہ اور تنگ ہوں۔ تاہم کبھی کبھی اپنی حالت پر افسوس بھی آتا تھا، اور چھٹکارا پانے کی خواہش ہوتی تھی +

ایک دن عزم بالجزم کر کے، اور نہایت زور سے پھڑپھڑا کے میں وہاں سے نکل آیا، یا سر آیا

(۵) میں نے مشرق اور مغرب میں جو سفر کئے ہیں اور جو تجربے اور واقعات نظر سے گذرے ہیں وہ بھی نہایت حیرت خیز ہیں۔

سب سے پہلے مجھے یہ کہنا ہے کہ مشرق ہو یا مغرب، یورپ ہو یا ایشیا، میں نے ہر جگہ، ہر جگہ بدنظمی، ہر جگہ لٹیروں، قزاقوں کو در پئے آزار دیکھا۔ مشرق بالخصوص ہندوستان سے مجھے بہت شکایت ہے۔ مجھ پر چاروں طرف سے حملے ہوتے ہیں، لیکن کس طرح؟ دلیرانہ سامنے آکر حملے نہیں کئے جاتے بلکہ گاڑی کی جھلملیوں میں سے، جھروکوں میں سے، کھڑکیوں میں سے گھونگٹوں میں سے، آنچلوں میں سے مجھ پر تیر برسائے جاتے ہیں اور میں جواب نہیں دے سکتا۔ بارہا حملہ آوروں کے نرغے میں پھنس گیا ہوں، مگر نظر اُٹھا کے دیکھتا ہوں ــ مدافعہ کی غرض سے نہیں، کیونکہ اس کی طاقت نہیں، بلکہ استرحام، التجا کی نیت سے ــ تو حملہ آوروں کا پتہ نہیں چشم زدن میں غائب۔ غرفہ بند، گھونگٹ کھنچا ہوا، نقاب پڑا ہوا ہے، گویا کبھی حملہ ہوا ہی نہ تھا۔ یہ انصاف ہے؟ مانا کہ "الحرب خدعۃ" لیکن بہادر للکار کے خبردار کر کے حملہ کرتے ہیں۔

پھر مشرق جیسا وسیع ملک، اور ہر جگہ مجھے پھانسنے کے لئے جال پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک دن میں خیال میں مستغرق، دنیا و مافیہا سے بیخبر، اپنی طرف سے اور کل عالم سے مطمئن اور شاد جا رہا تھا کہ یکایک ایک اندھیرے گھپ میں داخل ہو گیا۔ اس اندھیرے گھپ میں جال، اور وہ بھی کالا، پھیلا ہوا ہے؛ اب جتنی نکلنے کی کوشش کرتا ہوں، اتنا ہی اور پھنستا جاتا ہوں، جتنا تڑپ کے باہر آنا چاہتا ہوں، اتنے ہی جال کے بند مجھے گھیرے لیتے ہیں۔ یا اللہ میں کس بلا میں پھنس گیا! جب میں تھک گیا، تو رضا بقضا، میں نے

بیشمار اشخاص سے پالا پڑا، کسی کو دوست پایا، کسی کو دشمن، کسی کو میری طرف سے بے پروا +

انہیں، جنہوں نے اپنی طرف کھینچا، میں کبھی بھولوں گا تھوڑا ہی + بخد میں مجھے لیلا نے بہت پریشان کیا، ایران میں شریں کے ہاتھوں میں بہت بھٹکا مگر آہ! شکنتلا! شکنتلا! وہ مجھ پر مہربان تھی لیکن آہیلن! تو بے پروا تھی اور کیسی بے پروا کہ لاکھوں خلق خدا کا خون کرا گئی +

سوانح عمری میں حقیقت سے گریز نہ کرنی چاہیئے +حقیقت یہ ہے کہ بعض کو میں نے بھی تباہ کر دیا، جو ناچ چاہا انہیں نچایا۔ قیس عامر کا جب خیال آتا ہے تو میں بہت ہی کڑہتا ہوں + فرہاد کی زندگی تلخ کر دی + ہند کے بادشاہ جہانگیر کو بھی میں نے بہت ستایا +

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں + ظلم اور سختی سے (جو معنوی بدصورتی ہے) میری ازلی دشمنی ہے، اور حد سے زیادہ تعقل سے مجھے نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ بیکن، بوعلی سینا ابن رشد، اقلیدس نیپولین، تیمور اور چنگیز کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ لیکن جہاں یہ میرے دشمن تھے، وہاں میرے مداح میرے رفیق میرے دوست بھی ہوئے ہیں + شیکسپیر کو میں نہ بھولونگا۔ کالیداس حافظ، اکبر کبیر کی یاد مجھ میں ہمیشہ تازہ رہیگی - یہ میرے دائمی دوست تھے اور سچے دوست تھے۔ ؎[1]

؎ یہ نہ خیال کیجیئے کہ میرے دوست یا دشمن اگلے زمانے ہی میں ہوئے اب نہیں ہیں۔ اب بھی ہیں مگر میں نام نہیں لیتا۔ مثال کے طور پر دو ایک نام گنا دیتا ہوں۔ دشمنوں میں میرے دشمن لارڈ کچنر بہادر ہیں اور ایڈیٹر عصر جدید۔ دوستوں میں دوست میرے پیارے دوست اقبال ہیں جنکا ایک شعر مجھے بہت بھاتا ہے اور اسکے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں + (اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل + لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے)

بھی تھیں، مٹی کے گھروندے بنا رہے تھے، میرے پاس ایک حسین شاطر لڑکی بیٹھی تھی + ہم گھروندے بھی بناتے جاتے تھے، اور آپسمیں باتیں بھی کرتے جاتے تھے؛ معلوم اُس نے کونسی ایسی بات کہی کہ مجھے بہت ہی بھلی معلوم ہوئی، اور میں نے اُس سے بے اختیار ہوکر ایک بوسہ مانگا + یا تو وہ ابھی مجھ سے ایسی گھُل مِل کے باتیں کر رہی تھی، یا اس سوال سے ایسا مزاج برہم ہوا، اور اُس نے مجھے ایسے زور سے جھڑکا، اس شدت سے ڈانٹا کہ میں کانپ اُٹھا، اور اب بھی جب خیال آتا ہے تو وحشت زدہ ہوجاتا ہوں + اللہ رے حُسن، تیرا غرور! لیکن نہیں، صنعت خالق میں عورت کے سوا سب سے زیادہ پیاری صنعت - پھول - سے مجھے شکایت نہیں + اُس نے مجھ سے اجتناب نہیں کیا: بلکہ میری ہی طرف سے اُسپر زیادتی ہوئی + بجائے اس کے کہ وہ مجھے توڑنے میں اُسے توڑتا تھا + پھول کبھی دلشکن نہیں ہوا، میں اکثر کلچیں بنا +

کہا جاتا ہے کہ میں رئیس اعضا ہوں - خاک بھی نہیں + اگر میں رئیس اعضا ہوں تو مثلاً میں جب اُس حُسن کی دیوی کو دیکھکر غش ہوجاتا ہوں اور حکم کرتا ہوں: "چلو اُس کی پرستش کریں، اُسکے قدموں پر اپنے تئیں ڈالدیں" کیا ہوتا ہے؟ میری ریاست دھری رہ جاتی ہے + رئیس اعضا کی کوئی نہیں سُنتا - دماغ (وہ مشیر با تدبیر جنسے خدا سمجھے جنہیں "مصلحت نہیں" "بری بات ہے" کے سوا اور کچھ آتا ہی نہیں) فرمانے لگتے ہیں: "بری بات ہے، عیب کی بات ہے، لوگ کیا کہیں گے، مانا کہ تم بُرے خیالات سے پاک ہو لیکن دنیا پر کیسے ثابت کروگے" پاؤں زمین میں گڑجاتے ہیں میں وہیں بیبس سے کر اور غصہ میں خون ہو کے رہجاتا ہوں -

(یہ) [illegible] سے [illegible] انقلاب [illegible] لے گئے اور

سب کہتے تھے دیکھو دیکھو، کیسا ٹکٹکی باندہے دیکھ رہا ہے، آنکھ بھی نہیں جھپکتی" میں اُسے دیکھ دیکھ کے کِھل کِھلا کر ہنس پڑتا تھا، کیونکہ میں اپنی طرف مائل پاتا تھا، اور پھر اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑہاتا تھا۔ مگر آہ! چاند دور تھا حُسن دہوکا بھی دیتا ہے ⁂

بس یہ زمانہ میری خوشی کا زمانہ تھا۔ میں حسینوں سے گہرا رہتا تھا۔ ہوا میں پریاں میرے پاس آیا کرتی تھیں، اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھیں، اور لطیفے کہہ کہہ کے مجھے ہنساتی تھیں۔ فرشتے ایک زرین سیڑھی پر آسمان سے اُتر کے میرے پاس آتے تھے، مجھسے سرگوشیاں کرتے تھے اور مجھے گدگدا کے بھاگ جاتے تھے۔ سیڑہی پر سے چڑہنے اور اترنے کا تانتا بندہا رہتا تھا، اور میں اُنہیں دیکھا کرتا تھا۔ گھر میں حسین، پاکیزہ، اور باعصمت عورتیں مجھے گھیرے رکھتی تھیں۔ میں جسکی گود میں چاہتا جاتا، اور خوشی خوشی قبول کیا جاتا تھا جس کے گالوں پر چاہتا ہاتھ پھیرتا اور سب ہنستے تھے؛ جسکا چاہتا بوسہ لیتا، اور سب مجھے چومتے تھے ⁂

(۳)۔ اس پہنائے زندگی میں، میں نے چند قدم اور ڈالے۔

اب رنگ برنگ کی تیتریاں مجھے اپنی طرف کھینچتی تھیں، میں اُنکی طرف دوڑتا تھا، اور وہ اُڑجاتی تھیں حُسن کی بے اعتنائی دیکھی؟

ایک دن ایک پاک، سفید و بُرّاق کبوتر میرے ہاتھ میں آگیا؛ میں فرط محبت سے اُسے بھینچتا تھا، اُسے چومتا تھا، لیکن وہ پھڑ پھڑا کے اور میرے ہاتھوں سے اپنے تئیں چھڑا کے اُڑ گیا۔ حُسن قدر ناشناس ہے۔

ابھی میں کم عمر ہی تھا کہ مجھے ایک اور خوفناک حقیقت معلوم ہوئی۔ ہم چند نوعمر دل زمین پر بیٹھے ہوئے کھیل رہے تھے؛ لڑکے بھی تھے، لڑکیاں

میں بس اس کے دیکھنے گھنٹوں اس فرحت بخش، طمانیت بخش، محبت پاش، الفت انگیز چہرے کو۔ اس چہرے کو جو مجھے عالم لاہوتی کی صورتوں کی جنہیں میں ابھی چھوڑ کے آیا تھا، یاد دلاتا تھا۔ دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ کبھی میں اس حسین شے کی سینے سے لپٹنے کی خواہش کرتا تھا۔ لیکن نہیں سکتا تھا، فرق سمجھتا تھا۔ اور وہ حسن کی دیوی، وہ شفقت و روحانیت کی پری، خدا ہی جانتا ہے میری خواہش کو کس طرح سمجھ لیتی تھی اور مجھے سینے سے لگا لیتی تھی اور میں اس وقت وہ خوشی محسوس کرتا تھا جو دنیا کی تمام خوشیوں سے بالاتر ہے۔ میں جب اس کے سینے سے لگتا تھا تو مجھے معلوم ہوتا تھا اور یہ معلوم ہو کے مجھے کیسی خوشی ہوتی تھی کہ میں اس کے سینے سے ہیں بھی دھڑک رہا ہوں، وہاں بھی تڑپ رہا ہوں۔

دوسری حسین اور خوبصورت چیز جس نے مجھے اپنی طرف کھینچا وہ شمع تھی یہ نور عریاں مجھے گھنٹوں محو حیرت رکھتا تھا۔ اور کہیں قریب ہوا تو میں اس سے ملنے کے لئے اس سے لپٹنے کے لئے بے اختیار اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔

لیکن یہ کیا؟ مجھے روکتے تھے۔ کیوں؟ کیوں مجھے اس حسین شے سے ملنے نہیں دیتے تھے؟ اس لئے کہ پہلی کی طرح ہر حسین شے شفیق نہیں۔ یہ حقیقت، یہ دلشکن حقیقت مجھے بعد میں معلوم ہوئی۔ اچھا ہوتا جب ہی معلوم ہو جاتی۔

چاند ۔۔۔ وہ بیجان مخلوق میں سب سے زیادہ طرب انگیز جبینہ (یعنی) چودھویں رات کا چاند۔ تو مجھے بالکل بیتاب کر دیتا تھا۔ اسے بھی پکڑنے، اس سے بھی ملنے کی خواہش ہوتی تھی۔ میں اسے اپنے پاس، اپنی طرف متوجہ کرتا تھا

خراباتی ہیں، عالم وادیب کے چوغے میں، یا سپاہی اور محارب کی وردی میں، کسان کے کُرتے میں، یا رئیس کے زرو وزلیاوے میں، غرض میں کہیں چھپا ہوں وہ چیز جسے حُسن کہتے ہیں میرے سامنے ہوئی اور میں ازخود رفتہ ہو گیا۔

ایک اور بات ہے جس سے میں اپنے حالات لکھتے ہوئے ہچکچاتا ہوں میں نے اُس دنیا میں آرام نہ دیکھا + تکلیف اور درد میری قسمت میں تھا + گھلنا گھُٹ کر ہو ہو جانا خون ہو ہو جانا میرے نصیب میں تھا۔ اس وسیع دنیا میں، ہر شئے عیش میں ہے اور نہیں ہوں تو میں۔ وجہ اس کی کیا ہے؟ یہی کہ اور جتنی چیزیں ہیں وہ اُس چیز سے (اُسے لعنت کہوں یا مصیبت ؟) بری ہیں جس سے میرے رگ و ریشہ کی ساخت ہے + یعنی میں متجسس ہوں + وہ نہیں ہیں ۔

(۲) ۔ سب سے پہلی حسین چیز جو مجھے یاد ہے، اور جس کا خیال اب تک مجھ پر اثر کرتا ہے وہ شفقت اور رقت، روحانیت و انسانیت کی دیوی ہے جسے ماں ۔۔ معاف کیجئے میں اب کچھ نہیں لکھ سکتا ۔ اس لفظ کے آتے ہی میں دھڑکنے لگا! دھڑک لوں تو لکھوں ۔ ۔ ۔ ۔ کہتے ہیں + حُسن میں نے سیکڑوں طرح کے دیکھے اور سب میں کشش پائی، لیکن جتنی کشش اس حسین اور نرم شے، میں دیکھی کسی میں نہ دیکھی +

قدرت کی یہ سب سے نرم اور شفیق چیز مجھے بہت ہی پیاری معلوم ہوتی تھی ، اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ میں اُس کے پیارے چہرے کو دیکھنے کے لئے رویا ہوں اور مجھے گود میں اُٹھا لیا گیا ہے ، اور یہ خیال کر کے کہ میں بھوکا ہوں مجھے دودھ پلایا گیا ہے + حالانکہ اس کی بالکل ضرورت نہ تھی +

حضرتِ دِل کی سوانح عمری

(جو انہوں نے اپنے کاتب خصوصی (پرائیویٹ سکرٹری) سید سجاد حیدر سے لکھوائی اور مخزن میں شائع کرائی)

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں اپنی سوانح عمری لکھوں اس میں شک نہیں کہ میرے حالات فائدے سے خالی نہ ہونگے، لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے سوانح میری کیفیات، میری زندگی کی صعوبات لوگوں کو یا تو یقین نہ آئینگی یا سمجھ میں نہ آئینگی۔ مثلاً ایک چھوٹی سی بات لیجئے: میں اثر پذیر بہت ہوں، خدا نے بیشمار مخلوق پیدا کی ہے، اور اس بیشمار مخلوق میں ایک ناچیز مختصر چھوٹی سی شے ہوں، لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں (اور یہ حکایت امر واقعی ہے، کچھ فخر نہیں) کہ اس تمام مخلوق میں کوئی مخلوق نہیں جو میری برابر متاثر ہوتی ہو + اسے کون یقین کریگا؟

پھر میں چھوٹی بڑی شئے سے متاثر ہوتا ہوں۔ نئی پرانی، قدرتی، مصنوعی، ظاہری، باطنی، صوری، معنوی، جاندار، بیجان، غرضیکہ کوئی چیز ہو مجھپر اثر کرنے کے لئے کافی ہے + لیکن آپ سے سچ کہوں ــــ اور سچ ہی کہوں گا۔ یا تو سوانح عمری لکھونگا نہیں یا لکھونگا تو سچائی سے منحرف نہ ہونگا ــ کوئی چیز مجھپر اتنا اثر نہیں کرتی جتنا .... میں کیسے کہوں آپ شبہ کرینگے .... جتنا .... جتنا .... نا .... حسن +

میری بساط مٹھی بھر کی بھی تو نہیں، لیکن حسین چیز دیکھی اور بیتاب ہوگیا + بانسوں اچھلنے لگتا ہوں + دھڑکنے لگتا ہوں + میں کسی سینے میں ہوں، اور وہ سینہ کسی لباس میں ہو۔ عبائے تقوی اور زہد میں جامۂ رندی و

مجبور تھا ؎

لطیف بود حکایت دراز تر گفتم۔
چنانکہ حرف عصا گفت موسٰی اندر طور

اب آگرہ میں چاروں طرف سناٹا ہے۔ نہ کہیں طلسماتی پرستان کا منظر نظر آتا ہے۔ نہ کسی جگہ سبزہ زار کشمیر کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ روشنی کی جگہ اندھیرا اور کیمپوں کے مقامات پر جہاں میلا لگا رہتا تھا ہُو کا عالم ہے قلعہ معلٰے شاہانہ زیب و زینت سے خالی ہو کر اپنے اصلی سکوت کا اظہار کر رہا ہے غرضیکہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا۔

سعید احمدؐ مارہروی آگرہ

اخبار ہندوستان لاہور نے جس سرعت کے ساتھ اشاعت میں ترقی کی ہے واقعی حیرت انگیز ہے اس قدر وسیع (۵۰۰۰) ہفتہ وار اشاعت کسی اور اُردو اخبار کو دو ڈھائی سال کے قلیل عرصے میں نصیب نہیں ہوئی۔ اب حال ہی میں دفتر اخبار ہندوستان سے ایک اور پولیٹیکل رسالہ ہمالہ شایع ہوا ہے۔ اس میں پولیٹیکل اور سوشل مضامین شایع ہوا کریں گے چندہ سالانہ عہ لکھائی چھپائی معقول ہم اپنے نئے ہمعصر کا خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں +

بڑے بڑے سرداروں کی گاڑیاں اور اسباب بھی آرہا ہے - دو اسپیشل ٹرینیں تیار ہیں - مگر سب حاضرین ملول و مغموم نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہوں معزز اور با اخلاق مہمان کی جدائی سب کو شاق ہے ؎

جُدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

لیجئے وہ امیر صاحب کی سواری آئی - آخری شان کا نظارہ بخوبی کر لیجئے - پھر یہ وقت ملنا ناممکن ہے - گاڑی اسٹیشن پر آکر کھڑی ہوئی - امیر صاحب وہ اُترے - بینڈ بجنا شروع ہوا - فوٹو گرافر نے سیاہ چادر میں مُنہ چھپایا امیر صاحب نے پلٹن کی صفوں کا ملاحظہ کیا اور لوگوں کا سلام لیتے ہوئے پلیٹ فارم کی طرف بڑھے - ہم نے خوب نگاہ بھر کر دیکھا - درازئ عمر و اقبال کی دعائیں مانگیں برٹش گورنمنٹ کی آزادی اور فیاضی کا دل میں شکریہ ادا کیا - ۸ - بجے کے بعد اسپیشل نے کھسکنا شروع کیا - یہ چلا ... وہ گیا ... منشی عابد علی صاحب دیکھنا امیر صاحب گاڑی میں کھڑے ہوئے اکبر آباد کا آخری منظر دیکھ رہے ہیں - وہ ریل کے پُل کے اندر گاڑی جا پہنچی اور نظروں سے غائب ہو گئی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

ناظرین جو کچھ آنکھوں سے دیکھا یا جو قابل اعتبار ذریعہ سے کانوں نے سُنا اُسے نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے واسطے قلمبند کر لیا لیکن دو ایک جگہ پھر بھی طول کلامی کا قصوروار ہوں اور اڈیٹر صاحب مخزن کا ڈر لگا ہے کہ طول کلامی سے آزردہ ہو کر مضمون کو ردی میں نہ پھینکدیں لیکن کیا کروں

۱۲ کوس تک برابر چھڑکاؤ کا انتظام تھا۔ اس سے امیر صاحب بہت خوش ہوئے۔ سجادہ نشین درگاہ اور حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے خاندان کے دوسرے ممبروں نے درگاہ کے بلند دروازہ پر آپ کا استقبال کیا۔ ہزارہا خلقت کا ہجوم تھا لیکن کسی کو درگاہ شریف کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ امیر صاحب نے شیخ غلام محی الدین صاحب پیرزادہ کی معرفت عام اعلان کرا دیا کہ جس کسی کو بادشاہ کے ساتھ نماز پڑھنا ہو وہ مسجد میں چلا آوے۔ یہ مژدہ سنکر ہزارہا مسلمان مسجد میں جمع ہو گئے سب سے پہلے امیر صاحب نے مسجد میں جاکر ظہر کی نماز پڑھائی پھر وہاں سے فارغ ہوکر روضہ میں تشریف لے گئے۔ اور مزار پر فاتحہ پڑھکر روضہ اور مسجد کا فوٹو اپنے ہاتھ سے اتارا۔ سجادہ نشین دربار نے تسبیح اور تبرک پیش کیا جسے آپ نے قبول فرمایا ۱۵۔ اشرفی ضرب بخارا بطور نذر درگاہ سجادہ نشین کو اور ۱۴۔ اشرفی خدام درگاہ کو مرحمت فرمائیں۔ اس کے بعد سنگ تراشوں کی مسجد کا ملاحظہ فرماتے ہوئے محلات شاہی کو تشریف لے گئے اور وہاں کی سیر سے فارغ ہوکر مراجعت فرمائی۔ درگاہ میں امیر صاحب نے کسی کی نسبت دریافت نہیں فرمایا کہ یہ نیا ہے یا پرانا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے فارسی میں یہ جواب دیا "ایں نیا است"۔ اس پر امیر صاحب نے فرمایا کہ میں اردو بھی جانتا ہوں ایسی فارسی بولنے سے کیا حاصل ہے۔

۱۶ جنوری ۱۹۰۷ء ۷ بجے صبح سے آگرہ کی ہزارہا خلقت امیر صاحب کی آخری زیارت کے واسطے رستوں پر اور اسٹیشن کے سامنے موجود ہے سول اور فوجی معزز افسروں کے علاوہ کچھ فوج بھی صف لیتہ ہے۔ ایک فوٹوگرافر بھی اپنا ساز و سامان لئے ہوئے منتظر کھڑے ہیں۔ امیر صاحب کے

کسی سے موتی یاقوت اور لیلیٰ مجنوں کے درخت پیدا ہوئے۔ پھر ایک گولے سے بادل گھر آیا اور بجلی چمکنے لگی اور فارسی "خوش آمدید" نظر آیا کچھ گولوں سے شہنشاہ ہند اور ملکہ محترمہ حضور وائیسرائے لیڈی منٹو۔ اور ہز مجسٹی امیر کے بڑے بڑے مرقعے دکھائی دئے۔ مختصر یہ کہ ایک گھنٹہ تک پرستان کا عالم پیش نظر رہا اور ایسا سماں دیکھنے میں آیا جس کے دیکھنے کی آیندہ کوئی امید نہیں۔ شب کو سرجان ہیوٹ صاحب لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ نے امیر صاحب کے اعزاز میں شاندار ڈنر پارٹی دی جس میں معزز یورپین حکام شریک تھے۔ ڈنر نہایت عمدگی سے ختم ہوا آخر میں سرجان ہیوٹ نے حضور ملک معظم اور امیر صاحب کا جام صحت تجویز کیا امیر صاحب کے جام صحت نوش ہونے کے وقت بینڈ افغانی قومی گیت گا رہا تھا۔ تمام کیمپ چینی لالٹینوں اور دیگر نفیس روشنی سے روشن تھا ایک مصنوعی جھیل کے اردگرد خوب روشنی کی گئی تھی اور روشنی کے حروف میں یہ مصرع لکھا ہوا تھا۔ ع اے آمدنت باعث آبادی ما۔ امیر صاحب اس شاندار منظر کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔

۱۵ - جنوری سنہ ۱۹۰۷ء آج صبح کے وقت خلاف پروگرام کے امیر صاحب حضور وائیسرائے اور لیڈی منٹو کے پاس تشریف لائے اور دونوں کو اپنے وہ فوٹو دکھائے جو افغانستان کے مختلف مقامات پر تیار کئے گئے تھے۔ تھوڑی دیر گفتگو کرنے اور چاء وغیرہ پینے کے بعد واپس ہوئے۔ ۲ - بجے دن کے حضور وائیسرائے آگرہ سے روانہ ہو گئے۔

ایک بجے امیر صاحب موٹر کار پر سوار ہو کر فتحپور سیکری کو روانہ ہوئے

جن سے آپ نے نہایت دلچسپی ظاہر کی اور مختلف امور پر لارڈ کچنر سے استفسار فرماتے رہتے۔ سپاہیوں نے بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ توپیں دنا دن چلتی تھیں اور مقابل صفیں ایک دوسرے پر نہایت بہادری سے حملہ آور ہوتی تھیں۔ اختتام جنگ پر امیر صاحب نے لارڈ کچنر سے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد فوجی خیمے دیکھنے کو تشریف لے گئے اور پانچ گھنٹہ تک برابر گھوڑے پر سوار لارڈ کچنر کے ساتھ فوجی کیمپوں میں پھرا کئے۔ اخیر میں لارڈ کچنر کا اس تمام کارروائی پر شکریہ ادا کیا۔

۶۔ بجے شام کو امیر صاحب کے اعزاز میں آگرہ فورٹ سے حضور تا گنج تک تین میل کے قریب روشنی کی گئی۔ اسٹیشن سے پرتاب پورہ تک قریب ایک میل قمقمے اور قندیلیں روشن تھیں اور وہاں سے حضور وائسرائے کے کیمپ تک شیشے کے گلاسوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ جگہ جگہ درختوں میں خوبصورت چینی قندیلیں آویزاں تھیں۔ قلعہ کی فصیل اور برجوں پر نہایت کثرت سے چراغ روشن تھے۔ غرضیکہ قلعہ سے لیکر تا جگنج تک تمام راستہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اور آگرہ والوں نے کبھی اس قدر روشنی کا تماشہ نہ دیکھا تھا۔ اسی وقت امیر صاحب کو قلعہ پر سے ولایتی آتشبازی کا تماشہ دکھایا گیا چونکہ آپ نے اس سے پیشتر کبھی ولایتی آتشبازی نہ دیکھی تھی لہذا آپ کو اسے دیکھکر بہت حیرت آمیز مسرت ہوئی۔ شہر کی لاکھوں مخلوق نے بھی اس آتشبازی کا لطف اٹھایا۔ سب سے پہلے سلامی کے ۳۱۔ گولوں نے آسمان سے ہیرے اور زمردوں کا مینہ برسایا۔ اس کے بعد طرح طرح کے گولے اور بان چھوڑے گئے۔ کسی سے ستارے اور کسی سے چنبیلی کے پھول۔ کسی سے سانپ۔ مچھلیاں۔ کسی سے پھولوں کی کیاریاں

منظر دیکھا - مسجد تسبیح خانہ - حوض - نہریں - باغ - خوش رنگ پھول پتوں - گرم گھر - سرد گھر غرضیکہ ہر چیز کو نہایت غور اور حیرت سے ملاحظہ کیا - اندر باہر کے کئی فوٹو اپنے ہاتھ سے اُتارے - جب سیر سے خوب دل بھر گیا - حکم دیا کہ اب کسی کو مت روکو سب کو آنے دو - جب کچھ یورپین اندر آ گئے تو ایک دلچسپ واقع پیش آیا - ایک معمولی درجہ کا انگریز اسکول ماسٹر معہ اپنی میم اور تین برس کے لڑکے کے تاجگنج کی سیر کر رہا تھا جب امیر صاحب نورانی گنبد سے باہر نکلے میم نے لڑکے کو سمجھا کر آگے بڑھایا - اُس نے نہایت ادب سے جھک کر سلام کیا - امیر صاحب کو یہ ادا بہت پسند آئی - جینی کی مورت کو فوراً گود میں اُٹھا لیا اور آدھ گھنٹہ پیار کرتے رہے - اسی عرصہ میں امیر صاحب کے حکم سے ایک افغان سردار گاڑی پر سوار ہو کر کیمپ گیا اور وہاں سے ایک بکس لایا امیر صاحب نے اس بکس میں سے ایک طلائی ہار نکال کر اُس لڑکے کو پہنا دیا - اس کے بعد رخصت ہوئے -

۴ - بجے موٹر کار پر سوار ہو کر سکندرہ تشریف لے گئے اور شہنشاہ اکبر کے مقبرہ کی جو فن تعمیر کا نہائت اعلےٰ اور خوشنما نمونہ ہے زیارت کی ۸ بجے شب کو لارڈ کچنر کے یہاں دعوت تھی - تمام کیمپ نہائت اعلےٰ درجہ کی فوجی روشنی سے جگمگا رہا تھا - درمیان میں ایک بلند منارہ بنایا گیا تھا جس پر نیچے سے اوپر تک مختلف رنگ کی لالٹینیں روشن تھیں جنکی روشنی دور سے بہت اچھی معلوم ہوتی تھی -

۱۴ - جنوری ۱۹۰۷ء آج پروگرام کے خلاف لارڈ کچنر نے مصنوعی جنگ کا انتظام کیا اور امیر صاحب کو جنگ زرگری کے کرتب دکھائے گئے

وائسرائے کی اجازت سے حضور ملک معظم کا وہ فرمان پڑھ کر سُنایا جس میں امیر صاحب کو خطاب جی۔سی۔بی سے معزز فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد امیر صاحب کو اس خطاب کا مرصع نشان پہنایا گیا جس کا امیر صاحب نے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد عطائے خطابات کی باقی کارروائی عمل میں آئی اور مستحقین کو تمغاجات کے مرصع نشان عطا ہو کر دیوان عام سے جلسہ برخاست ہُوا۔ ۹ ½ بجے محل خاص میں حضور وائسرائے نے ایوننگ پارٹی دی جس میں بعض نئے مہمان بھی شامل تھے جو پہلے جلسہ میں موجود نہ تھے۔ ان جلسوں میں سول اور فوجی حکام نہایت اعلےٰ درجہ کی وردیوں اور معزز یورپین لیڈیاں ایسی ایسی نفیس اور زرین پوشاکوں سے آراستہ تھیں۔ جو اس سے پہلے ہمارے دیکھنے میں کبھی نہیں آئیں۔

۱۴-جنوری ۱۹۰۷ء آج اتوار کی وجہ سے کسی قسم کا خاص جلسہ نہیں ہوا ۱۰- بجے امیر صاحب نہ صرف ایشیا بلکہ دُنیا کی لاثانی عمارتوں کے تاج بلکہ سرتاج عمارت روضۂ ممتاز محل کے دوبارہ اور اطمینان سے دیکھنے کے واسطے تشریف لے گئے۔ چونکہ امیر صاحب کی تشریف آوری کا حال پہلے سے معلوم ہو چکا تھا لہذا کسی شخص کو روضہ کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی اس وجہ سے خلقت کا دروازہ پر بجید ہجوم تھا۔ امیر صاحب نے دو ڈھائی گھنٹہ اس نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی موہنی مورت کی بے نظیر صناعیوں اور حُسن کے نظارہ سے خاص لطف اُٹھایا۔ شاہجہان اور ممتاز محل کے خاص خلوت گاہ میں قدم رنجہ فرما کر اُن سے دیر تک رازونیاز کی باتیں کیں اور نہایت ادب سے فاتحہ کا تبرک اور بیش بہا تحفہ پیشکش کر کے اوپر آئے اور گوشہ شمال ومشرقی کے مینار پر چڑھ کر شہر اور جمنا کا

سب سے بڑھا ہُوا تھا اور امیر صاحب کو اپنی بقیہ سیاحت میں اس سے زیادہ شاندار جلسہ دیکھنے کا کہیں موقع نہیں ملے گا۔ دو مہینے سے اس جلسہ کی قلعہ میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ قلعہ کی تمام نفیس شاہی عمارتوں میں اس صنعت اور کثرت سے برقی روشنی کا انتظام تھا کہ تمام عمارتیں بقعۂ نور ہو رہی تھیں لیکن کسی جگہ کوئی شمع یا قمقمہ نظر نہ آتا تھا۔ شیشے کے نلوں کے اندر بجلی کا تار رکھکر نلوں کو لکڑی کی کانسوہ سے چھپا دیا تھا اور لکڑی پر سفید رنگ پھیر کر سنگ مرمر بنا دیا تھا۔ حوض میں بھی پانی کے اندر اسی قسم کی روشنی موجود تھی۔ ثمن برج اور محل خاص کے حوضوں کے فوّارے جو سینکڑوں برس سے خراب پڑے تھے از سر نو درست کئے گئے تھے۔ دیوان عام وخاص اور محل خاص نہائت اعلےٰ درجہ کے فرش اور آرائشی ساز و سامان سے آراستہ کیا گیا تھا۔ وسیع انگوری باغ میں چاندی کے ستونوں پر خوبصورت شامیانہ تنا ہوا تھا۔ غرضیکہ قلعہ ایسا سجایا گیا تھا کہ شاہی زمانہ کے بعد سے ایسی سجاوٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے والیان ریاست اور دیگر معزز اشخاص جو اس موقع پر مدعو کئے گئے تھے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد امیر صاحب معہ اپنے سرداروں کے نہائت شان شوکت سے تشریف فرما ہوئے۔ پھر حضور وائسرائے رونق افروز ہوئے۔ دیوان عام کو پردوں سے روک کر کئی کمروں پر منقسم کر دیا گیا تھا۔ جب سب لوگ ترتیب سے بیٹھ گئے تو تمام جلوس ایک عام کمرہ میں جو نہایت تکلف سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا داخل ہُوا اور حضور وائسرائے تشریف لاکر ایک تخت پر بیٹھ گئے۔ ہندوستانی خطابات عطا کرنے کی کارروائی شروع ہونے سے بیشتر فارن سکرٹری

آگرہ میں جمع کی گئی تھیں جو صبح سے کھیریا کے میدان میں صف بستہ تھیں ۳
اگرچہ یہ تعداد دربار دہلی کی افواج کی تعداد سے نصف کے قریب تھی مگر
امیر صاحب کی موجودگی کی وجہ سے یہ فوجی نظارہ وہاں سے زیادہ بارعب
اور شاندار تھا۔ اعلیٰ حکام اور معزز مہمانوں کے علاوہ لاکھ سے زیادہ عام
تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ ۱۰ بجے کے بعد امیر صاحب اور حضور والیسرائے
تشریف لائے۔ سب سے آگے امپیریل کیڈٹ کور کا رسالہ تھا۔ امیر صاحب ۱
کا ہمرکاب حضور والیسرائے کے باڈی گارڈ کا رسالہ بھی ساتھ تھا۔ مہمان و
میزبان فوجی لباسوں میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ امیر صاحب کی ٹوپی میں ایک
خاص قسم کا خوبصورت طرّہ لگا ہوا تھا۔ استقبال اور سلامی کے بعد فوج
کا مارچ پاسٹ شروع ہوا۔ رسالے توپ خانے پلٹنیں مختلف قسم کی رنگارنگ
اور فوق البھڑک وردیوں میں باقاعدہ قواعد کرتے ہوئے ایسے بھلے معلوم ہوتے
تھے کہ جس کا فوٹو کھینچنا مشکل ہے۔ میدان میں ایک غبارہ معلق تھا جس
میں ایک فوجی مخبر بیٹھا ہوا فوجوں کی نقل و حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ امیر صاحب
نے دو گھنٹہ تک نہایت غور سے اس شاندار منظر کا ملاحظہ کیا اور اختتام پر
اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور سپہ سالار فوج سر ایلفرڈ گیسلی کو ریویو کی عمدگی
پر مبارکباد دی۔ امیر صاحب نے توپخانہ سے بہت دلچسپی ظاہر کی اور
ہر قسم کی توپوں کو دیر تک بغور ملاحظہ فرماتے رہے۔ آخر میں سب لوگ
اسی شان و شوکت سے جیسے کہ تشریف لائے تھے واپس ہوئے۔ دو تین
گھنٹہ تک گاڑیوں اور موٹر کاروں کا سلسلہ جاری رہا۔

۹ بجے رات کو اکبر آباد کے قلعہ کے دیوان عام میں عطائے خطابات
کا وہ عالیشان جلسہ منعقد ہوا جو اپنی شان و شوکت اور عظمت کے لحاظ سے

کا ترانہ گایا - اس کے بعد معزز مہمان کو اپنے عزیب خانے کی سیر کرا کر نہایت حسرت بھرے الفاظ میں اپنی بیکسی اور بے بسی کا اظہار کیا - آخر میں یہ شعر پڑھکر رخصت کیا ؎

چلے ہو لیکے دل ہمراہ تم آنا یہاں پھر بھی کرم کرنا ہمارے حال پر اے مہرباں پھر بھی

یہاں سے رخصت ہو کر امیر صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ متحدہ کے کیمپ میں پہنچے - جہاں پر ہاکی گراونڈ میں گھڑ دوڑ اور دیگر کھیلوں کا سامان ہو رہا تھا - حضور وائسرائے معہ لیڈی منٹو کے پہلے سے موجود تھے - استقبال کے بعد ایک چھوٹے سے شامیانے سے آپ کو گھڑ دوڑ دکھائی گئی جسے دیکھ کر آپ بہت محظوظ ہوئے -

شام کو حضور وائسرائے نے امیر صاحب کے اعزاز میں عظیم الشان اسٹیٹ ڈنر دیا جس میں یورپین اعلےٰ حکام والیان ریاست - افغانی سردار سب ملکر ۱۲۰ آدمی شریک تھے - حضور ملک معظم کا جام صحت نوش کرنے کے بعد جناب وائسرائے بہادر نے امیر صاحب کا جام صحت تجویز کیا اور مناسب موقع ایک مختصر تقریر کی جس سے امیر صاحب بہت خوش ہوئے اور شکریہ ادا کرکے حضور وائسرائے کا جام صحت تجویز کیا جس کا ہز اکسیلنسی نے شکریہ ادا کیا - اس موقعہ پر امیر صاحب نے منجملہ دیگر اصحاب کے جاپانی فوج کے ایک جنرل مسمی ایگا ناکی سے بھی گفتگو کی - اختتام جلسہ تک باہر بینڈ برابر افغانی گیت گاتا رہا -

۱۲ - جنوری ۱۹۰۷ء آج کا دن اعلحضرت ملک معظم ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہندوستان کی فوجی شان و شوکت کے دکھانے کے واسطے مخصوص تھا - ہندوستان کے مختلف مقامات سے ۳۰ ہزار چیدہ اور منتخب فوجیں

باعث ایں خیر و برکت یعنی قدوم میمنت لزوم شدہ انداز سابق روز افزوں وازاندازہ بیروں اند - لہذا از کمال اخلاص دریں بقعۂ کرامت واجابت اختصاص ودریں آستانۂ فیض کاشانہ دستِ دعا ودامن مُدعا دراز کردہ مخلصان سرکار والا التجا میکنند کہ بادوود ہمچنیں اتحادے مابین سرکاریں مدام دائم وبرقرار دارد وآنرا باعث سرسبزی وبہبودی ہردو ملک کناد -

ایام اقبال مستدام باد -

امیر صاحب کے جواب کا ایک افغانی سردار نے یہ ترجمہ سنایا -

"میں اسلامیہ کمیٹی کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آج میں نے اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے ساتھ اس مسجد میں نماز ادا کی جو ہمارے بزرگوں اور شاہان سلف کی تعمیر کی ہوئی ہے - میں گورنمنٹ ہند کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے آج کے دن اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقعہ دیا - میں آپ لوگوں کی اس بات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے خطبہ پڑھنے اور نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھایا"
اس کے بعد امیر صاحب بلند آواز سے سلام کرتے اور لوگوں کے سلاموں کا دونوں ہاتھوں سے جواب دیتے ہوئے واپس تشریف لیگئے۔

سہ پہر کے وقت امیر صاحب ہندوستان کی سب سے زیادہ خوبصورت اور دلکش عمارت روضہ ممتاز محل (تاجگنج) کی سیر کے واسطے تشریف لے گئے جہاں شاہجہان اور ممتاز محل کی پاک روحوں نے نہایت الفت اور دلی جوش سے استقبال اور خیر مقدم کیا - سب سے پہلے شاہجہان کی رُوح نے ؎

گر بر سرو چشم من نشینی تازت بکشم کہ نازنینی

والے چوبدار وغیرہ ہوتے ہیں "

نماز کے بعد اسلامیہ کمیٹی کی طرف سے ایک نقرئی تھالی میں ایڈریس پیش کیا گیا جو نہائیت عمدہ مطلا کاغذ پر سُنہرے حرفوں سے لکھا ہوا اور ایک خوبصورت ریشمی کامدار کتاب بین رکھا ہوا تھا۔ اسے منشی امیرالدین صاحب ممبر نے اجازت کے بعد پڑھکر سُنایا جو حسب ذیل ہے۔

سپاسنامہ از جانب مُسلمانان آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

بخدمت سرکار رفعت آثار عظمت مدار سراج الملت والدین ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان صاحب والئے دولت خداداد افغانستان

اے آمدنت باعث آبادیٔ ما
ذکر تو بود زمزمہ شادیٔ ما

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ از مرور صدہا سال ایں موقع مبارک رو نمود کہ دریں ماہ متبرک یوم مسعود فرمانروائے اہل اسلام بمسجد ہذا نماز جمعہ ادا نمودہ مخلصان سرکار والا را عزت افزائی فرمودند ۔ ؎

ز قدر شوکت سلطاں نگشت چیزے کم
کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید

بناءً علیہ ایں روز سعادت افروز منجملہ واقعات تاریخی اکبرآباد دوام یادگار ست و در خلاف تا صدہا سال زبان زد ہر خاص و عام خواہد بود۔ از ہمہ بالاتریں امر موجب مسرت و فرحت بے اندازہ ہست کہ دریں ولائی مابین دو لتیں یعنی ہندوستان و افغانستان روابط اتحاد و ضوابط وداد کہ

ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں نمازیوں کے سجدے آدمیوں کی پشت پر ہوئے۔

ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں اورنگ زیب کے جامع مسجد میں جانے کا جو حال تحریر کیا ہے وہ بھی قریب قریب اسی طریقے کے ہے جو اس موقع پر دیکھنے میں آیا چنانچہ وہ لکھتا ہے "بادشاہ ہر جمعہ کو جو مسلمان ملکوں میں ہمارے اتوار کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے مسجد میں نماز پڑھنے کو جاتا ہے جس رستہ سے اُس کا گذر ہوتا ہے اُس پر گرمی اور گرد و غبار کے فرو ہو جانے کے لئے خوب چھڑکاؤ کر دیا جاتا ہے اور قلعہ کے دروازے سے لیکر مسجد تک تین یا چار سو سپاہی دو رویہ صف باندھکر کھڑے ہوتے ہیں جن کے پاس چھوٹی چھوٹی مگر بہت خوبصورت بندوقیں ہوتی ہیں جن پر سُرخ بانات کا غلاف ہوتا ہے اور اُس کے سرے پر ایک چھوٹا سا پھریرا۔ اور پانچ یا چھ عمدہ سوار قلعہ کے دروازہ پر اس غرض سے موجود رہتے ہیں کہ سواری کے وقت رستہ کھلا اور صاف رکھیں اور وہ اتنے فاصلے پر آگے آگے چلتے ہیں کہ ان کی گرد سے بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچے جب یہ سب تیاری ہو جاتی ہے تو بادشاہ قلعہ سے کبھی تو ہاتھی پر جو خوب سجایا ہوا اور جس پر سنہری اور منقش کام کی عماری کسی ہوئی ہوتی ہے سوار ہو کر نکلتا ہے اور کبھی سنہرے اور لاجوردی کام کے تخت رواں پر جو کمخواب یا ارغوانی رنگ کی مخمل سے منڈھے ہوئے ڈنڈوں پر بندھا ہوا ہوتا ہے اور جس کو آٹھ چیدہ اور زرق برق وردیوں والے کہار کندھے پر اُٹھاتے ہیں سوار ہوتا ہے پیچھے پیچھے بہت سے امرا ہوتے ہیں جو بعض تو گھوڑوں پر اور بعض پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں اور انہی میں ملے ہوئے بہت سے منصب دار اور چاندی کی چھڑیوں

اور دوسری رکعت میں سورہ قریش نہایت عمدہ قرارت سے پڑھی جن کو سامعین نے بڑی دلچسپی اور مفاخرت سے سنا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا یا گذشتہ جمعہ کی پشاور کی جماعت کے لحاظ سے دوسرا موقع تھا کہ کسی بادشاہ نے خود نماز پڑھائی ہو خلفائے راشدین اور اُن کے بعد اکثر دوسرے ملکوں کے سلاطین مثل امیر تیمور اور مرزا الغ بیگ گورگان بر سر منبر جمعہ و جماعت میں خطبہ پڑھا کرتے تھے لیکن ہندوستان کے کسی مسلمان بادشاہ کا خود نماز پڑھانا کہیں تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔ ایک مرتبہ ماہ رجب ۹۸۷ھ میں جمعہ کے دن فتحپور سیکری کی جامع مسجد میں اکبر نے البتہ نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تھا لیکن عجب اتفاق ہوا کہ منبر پر چڑھتے ہی تھر تھر کانپنے لگے اور زبان سے کچھ نہ نکلا۔ آخر شیخ فیضی کے یہ تین شعر ایک دوسرے امیر کی مدد سے پڑھکر اُتر آئے اور محمد امین خطیب نے نماز پڑھائی ؎

خداوندا کہ مارا خسروی داد ۔۔۔ دلِ دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد ۔۔۔ بجز عدل از خیال ما بروں کرد
بود وصفش ز حدِ فہم برتر ۔۔۔ تعالیٰ شانہ اللہ اکبر۔

۱۰۵۸ھ میں شاہجہان کی بڑی بیٹی جہان آرا بیگم نے اکبر آباد کی اس وسیع اور خوبصورت جامع مسجد کو تعمیر کرایا تھا اُس وقت سے شاہجہان اور اورنگزیب صرف دو بادشاہوں کو اس مسجد میں شہنشاہ حقیقی کے سامنے سر جھکانے کا شرف حاصل ہوا تھا اب رجب ۱۰۶۲ھ کے بعد سے آج ۲۵ ذیقعد ۱۳۲۴ھ کو تیسرے بادشاہ سراج الملت والدین نے یہ فخر حاصل کیا۔ نمازیوں کی تعداد کا تخمینہ ستر اسی ہزار سے زاید کیا جاتا ہے۔

۱۲ ½ بجے امیر صاحب کے ہمرکاب رسالے اور پلٹن کے شاندار جوان معہ چند افسروں کے زرق برق وردیاں پہنے ہوئے آگئے تھے۔ پلٹن کے سپاہی تو بندوقیں لئے ہوئے دروازہ مسجد سے درمیانی در تک دو رویہ صفیں باندھکر کھڑے ہوگئے۔ در کے اندر ہمرکاب رسالے کے خوش رونگی تلواریں اور تمنچے لئے ہوئے بیضوی شکل میں ایستادہ ہوئے کچھ معزز سردار بھی پہلے سے آگئے تھے۔ یہ نظارہ ایسا دلچسپ اور شاندار تھا کہ جنکی آنکھوں نے دیکھا وہی اس کی کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں لفظوں کے ذریعہ صفحہ قرطاس پر دکھانا ناممکن ہے۔ افسوس کہ اُس وقت مسجد کے اندر کوئی فوٹوگرافر موجود نہ تھا جو اس دلچسپ منظر کو بقائے دوام کے مرتبہ پر پہنچاتا۔ مسجد کے صدر دروازہ کے آگے جہاں غدر سے پہلے مسجد کا عالیشان شاہی دروازہ تھا ایک پھولوں کا دروازہ سجایا گیا تھا جب امیر صاحب کی سواری اس دروازہ تک پہنچی تو ممبران اسلامیہ کمیٹی نے خیر مقدم کیا۔ امیر صاحب گاڑی سے اُتر کر فوجی گیلری کے رستہ سے منبر تک پہنچے اور وہاں نشست فرمائی۔ اس موقعہ پر امیر صاحب کی زیارت کے عام جوش نے مسلمانوں میں ہلچل ڈال دی جو ایک پشاوری واعظ کے مختصر وعظ سے رفع ہوگئی۔ اوّل امیر صاحب نے اپنے ایک سردار کے ذریعہ سے امام مسجد اور ممبران سے خود نماز پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔ اس کے بعد سُنتیں پڑھکر ایک مختصر خطبہ جو ایک سفید کاغذ پر لکھا ہوا تھا خوش الحانی اور بلند آواز سے پڑھا۔ اس وقت تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ جب خطبہ ختم ہوا تلوار ہاتھ سے رکھکر نماز پڑھائی۔ دائیں بائیں کسی قدر پیچھے دو افغانی سردار کھڑے ہوئے۔ پہلی رکعت میں سورہ فیل

شام کو لارڈ منٹو نے امیر صاحب کے اعزاز میں نہایت شاندار گارڈن پارٹی دی جس میں حکام - والیان ریاست اور معزز مہمان سب ملا کر ایک ہزار سے زیادہ اصحاب شریک تھے - اس موقع پر حضور وائسرائے نے لیڈی منٹو کا ہز مجسٹی سے تعارف کرایا - دیر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں اکثر والیان ریاست سے بھی امیر صاحب نے گفتگو فرمائی - اور ہر والی ریاست کے خاندانی حالات اور پولیٹکل تاریخ سے ایک غیر معمولی واقفیت کا اظہار کیا۔ جملہ حاضرین پر آپ کے بے نظیر شاہانہ اخلاق کا خاص اثر پڑا +

۱۱ - جنوری ۱۹۰۷ء آج مطلع صاف ہو گیا اور خوب دھوپ نکلی -

۱۰ - جنوری کی شام کو کمیٹی اسلامیہ کی جانب سے تمام شہر میں اعلان ہوا تھا کہ اعلیٰحضرت سراج الملت والدین امیر حبیب اللہ خان بہادر خلد اللہ ملکہ شہنشاہ حقیقی کے سامنے اظہار عبودیت کے واسطے جامع مسجد میں تشریف لاوینگے جس مسلمان کو نماز پڑھنا ہو ۱۱ - بجے تک پہنچ جائے ورنہ پھر جگہ کا ملنا مشکل ہے - مسلمان مہینوں سے اس متبرک دن کا انتظا کر رہے تھے - سیکڑوں آدمی تو رات ہی سے مسجد میں جا پہنچے اور فجر کی نماز وہیں ادا کر کے اپنی اپنی جگہ قبضہ کر کے بیٹھ گئے - آٹھ نو بجے تک تمام مسجد نمازیوں سے بھر گئی - ۱۱ بجے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تمام صحن - دالان چھت اور برجوں پر آدمی ہی آدمی نظر آنے لگے ایک پر ایک گرا پڑتا تھا - جنہوں نے تمام عمر مسجد کی صورت نہ دیکھی تھی وہ بھی نہایت شوق ذوق سے چلے آتے تھے - مسجد کا درمیانی وسیع در امیر صاحب اور اُن کے ہمراہیان کے واسطے خالی رکھا گیا تھا - امیر صاحب کیمپ سے چل کر قلعہ کی سرسری طور سے سیر کرتے ہوئے ایک بجکر بیس منٹ پر خانہ خدا میں داخل ہوئے

امیر صاحب - میری بھی - یہی خواہش ہے -

اس کے بعد کلکتہ کے سفر کا ذکر ہوا اور حضور وائسرائے نے امیر صاحب سے کہا کہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم آپ کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوئے تھوڑی دیر بعد چاء حاضر کی گئی اور حضور وائسرائے نے بالائی کا ظرف خود اپنے ہاتھ سے امیر صاحب کے سامنے پیش کیا امیر صاحب نے چاء نوشی سے قبل کچھ بالائی وائسرائے کی پیالی میں ڈال دی اور متبسم ہو کر فرمایا " لیجئے میں آپکو دودھ دیتا ہوں " اس کے بعد مہمان و میزبان ہاتھ ملا کر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ۳۱ توپیں پھر سر ہوئیں - اس دوران ملاقات میں امیر صاحب نہایت بے تکلف گفتگو کرتے اور ہر بات کا فوراً جواب دیتے تھے اُن کی سادگی اور اخلاق کا حاضرین پر خاص اثر ہوا -

۳ بجے حضور وائسرائے مع لارڈ کچنر اور دیگر اعلے حکام اور اپنے پرسنل اسٹاف کے ملاقات بازدید کے واسطے افغان سرداروں کے ساتھ جو استقبال کے واسطے پہلے سے موجود تھے امیر صاحب کے کیمپ میں تشریف لائے امیر صاحب نے نہایت تپاک سے استقبال اور خیر مقدم کیا افغانی فوج نے سلامی دی - میاں مولا بخش صاحب اتاچی فارن آفس کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی - سب سے پہلے امیر صاحب نے فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں انگریزی اچھی طرح نہیں بول سکتا - ۱۶ برس ہوئے کہ میں نے صرف چار مہینے انگریزی پڑھی تھی - اس دوران سیاحت میں اُمید ہے کہ انگریزی اچھی طرح بولنے لگونگا لیکن دوستی بہ دل است نہ بہ زبان " اس کے بعد حضور وائسرائے نے اپنے ہمراہیوں میں سے خاص خاص اصحاب کا امیر صاحب سے تعارف کرایا - اور تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد رخصت ہوئے -

اس کے بعد امیر صاحب نے مسکرا کر کہا کہ میں اچھی طرح انگریزی نہیں بول سکتا آپ کو وقت ہوگی لہذا مجھے اپنا ترجمان بلا لینے دیجئے۔

حضور وائسرائے - آپ کا ارشاد بسر وچشم - مگر آپ نے جو الفاظ فرمائے ان سے معلوم ہوا کہ آپ اچھی انگریزی بولتے ہیں مجھے آپ کی انگریزی سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہے -

(افغان سردار نے آگے بڑھکر سلام کیا اور اُس کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی)

حضور وائسرائے - میں اُمید کرتا ہوں کہ اس طول طویل سفر میں آپ نے ریل کو آرام دہ پایا ہوگا -

امیر صاحب - سفر بڑے آرام اور دلچسپی سے گذرا -

حضور وائسرائے - میں یہ بھی اُمید کرتا ہوں کہ رستہ میں انتظام ہر جگہ خاطر خواہ ہوگا -

امیر صاحب - مقامی افسروں نے ہر جگہ میری آسائش کا بہت لحاظ رکھا -

حضور وائسرائے - میں یہاں آپ کا خیر مقدم کر کے بہت مسرور ہوا -

امیر صاحب - علیٰ ہذا میں بھی -

حضور وائسرائے - میں آپ کی تشریف آوری کا عرصہ سے منتظر تھا

امیر صاحب - مجھے بھی آپ کی ملاقات کا ازحد اشتیاق تھا -

حضور وائسرائے - مجھے اُمید ہے کہ آپ کے ساتھ تخلیہ کی گفتگو کے مجھے بہت سے موقعے ملینگے -

سرلویس ڈین اور اپنے پرسنل اسٹاف کے چند ممبروں کو ہز مجسٹی کے استقبال کے واسطے پہلے سے روانہ کر دیا تھا جب یہ لوگ ہز مجسٹی کی خدمت میں پہنچے تو انہیں تیار پایا اور سب ملکر سرکٹ ہوس روانہ ہوئے - جس رستہ سے سواری گذرنے والی تھی اس پر دو رویہ تماشائی صف بستہ کھڑے تھے - ہز مجسٹی جھک جھک کر سب کے سلام لیتے جاتے تھے - درباری خیمہ کے دروازہ پر لارڈ منٹو نے استقبال کیا اور نہایت تپاک سے ہاتھ ملاکر اندر لے گئے - ۳۱ توپوں کی سلامی سر ہوئی - اور بینڈ نے افغانی گیت گانا شروع کیا - درباری خیمہ ۱۵۰ فٹ لمبا اور ہر قسم کے سامان آرائش سے آراستہ تھا - درمیان میں ایک چتر کے نیچے دو چاندی کی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں مہمان و میزبان اُن پر جاکر بیٹھے چوبدار ہاتھ میں مورچھل لئے کھڑے تھے - گورنران صوبجات کمانڈر انچیف معہ ممبران کونسل اور دیگر اعلیٰ یوروپین حکام اور حضور وائسرائے کے معزز مہمان موجود تھے - ایک طرف پردہ کے پیچھے لیڈی منٹو - لیڈی الیٹ اور دوسری معزز لیڈیاں بیٹھی ہوئی تھیں - امیر صاحب اور لارڈ منٹو دونوں جنرل کے لباس میں تھے - امیر صاحب کے سینے پر بہت سے تمغے (آرڈر) لٹک رہے تھے اور اسطراخانی ٹوپی میں ہیرے کا ستارہ چمک رہا تھا - اس موقعہ پر امیر صاحب نے اپنے شاہانہ وقار کو برابر قائم رکھا اور خیمہ کی آرائش و زیبائش اور حاضرین کی جماعت سے متاثر نہ ہوکر صرف معزز میزبان ہی کی جانب متوجہ رہے - سب سے پہلے آپ نے انگریزی میں ارشاد فرمایا "کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص خاص سرداروں کا آپ سے تعارف کراؤں" اور پھر باری باری سب کو پیش کیا - اعلیٰ افغان سرداروں سے حضور وائسرائے نے مصافحہ کیا باقیوں کے سلام سر کے اشارہ سے لئے

توپیں اُس سے بچنے کی کوشش کرنا کسی طرح مناسب نہیں اس کے بعد سرجان ہیوٹ سے فرمایا کہ افغانستان میں بارش کا ہونا نیک فال سمجھا جاتا ہے اور یہ بارش جلد نہیں تھمیگی۔ جب جلوس کیمپ میں پہنچا تو پھر سلامی ادا ہوئی اور ۳۱ توپیں سر ہوئیں۔ حضور والسرائے کی طرف سے سرلوی ڈین فارن سکرٹری اور وائسرائے کے پرسنل اسٹاف کے دیگر ممبر کیمپ میں استقبال کے واسطے موجود تھے۔ امیر صاحب سرلوی ڈین سے نہایت تپاک سے ملے اور اُن کا جوشاندار استقبال ہوا اُس کی مسرت کا اظہار اور شکریہ ادا کیا خیر مقدم کے معمولی رسوم ادا ہونے کے بعد اکیس ہزار روپیہ نقد بطور ضیافت کے امیر صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ امیر صاحب نے سرایلفرڈ گیسلی اور تمام سپاہیوں کے بارش میں بھیگنے اور بے آرام ہونیکا افسوس ظاہر کیا۔ اس کے بعد ہز مجسٹی اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور سب لوگ جو استقبال کو آئے تھے رخصت ہوئے۔ باوجود اس کے کہ آج دن بھر بارش ہوتی رہی لیکن حضور وائسرائے نے پروگرام کے مطابق سب والیان ریاست سے ملاقات بازدید فرمائی اور دن بھر توپیں چلتی رہیں۔

سُنا گیا ہے کہ شب کے ۱۱ بجے برقی روشنی کے انجن ٹوٹ جانے کی وجہ سے امیر صاحب کے کیمپ کی تمام روشنی یکایک گل ہوگئی کہ جس کی وجہ سے ایک عام گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ لیکن بہت جلد روشنی کا انتظام ہوگیا اور یہ عارضی گھبراہٹ رفع ہوگئی۔

۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء آج دن بھر گہرا ابر چھایا رہا لیکن بارش نہیں ہوئی ۱۰ بجے ہز مجسٹی امیر معہ اپنے سرداروں کے حضور وائسرائے کی ملاقات کے واسطے سرکٹ ہوس تشریف لے گئے قاعدہ کے بموجب حضور وائسرائے نے

اور اسطرا خانی ٹوپی جس میں ہیرے کا ستارہ چمک رہا تھا پہنے ہوئے تھے۔ اوّل توپ خانہ اس کے بعد رسالہ زان بعد پلٹن آپ کے سامنے سے گذریں۔ پھر آپ چار گھوڑوں کی گاڑی پر سوار ہو کر اسٹیشن سے روانہ ہوئے ۵۰۰ گز تک دورویہ گورے سپاہیوں کی قطاریں پہلے سے کھڑی تھیں۔ امیر صاحب کی گاڑی کے پیچھے حکام اعلےٰ اور امیر صاحب کے ہمراہی سرداروں کی گاڑیاں تھیں۔ سب سردار فوجی لباس میں تھے اور ان کی وردیاں ایسی زرق برق تھیں کہ اُن پر نگاہ نہیں ٹھیرتی تھی۔ بڑے بڑے سرداروں کی ٹوپیوں پر بیش قیمت پر لگے ہوئے تھے جو بہت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ امیر صاحب کا ہمرکاب رسالہ بھی پہلے سے موجود تھا غرضیکہ تمام جلوس نہایت شاندار نظر آتا تھا۔ رستہ میں قریب ایک میل کے دونوں طرف نشستگاہیں بنی ہوئی تھیں۔ اُن پر اور سڑک کے دونوں کناروں پر کیمپ تک لاکھوں تماشائیوں کا ہجوم تھا جنہوں نے موقعہ موقعہ پر امیر صاحب کے خیر مقدم کے چیرز دئے۔ بہت سے لوگوں نے سلام علیکم کا نعرہ مارا امیر صاحب دونوں ہاتھوں سے برابر سلام کا جواب دیتے اور اپنی مسرت کا اظہار فرماتے رہے۔ اہل ہنود نے اظہار عقیدت کے لئے امیر صاحب کی گاڑی پہ پھول برسائے۔ چونکہ جلوس آہستہ آہستہ جا رہا تھا لہذا لوگوں کو زیارت اور اظہار عقیدت کا بخوبی موقع ملا۔ ابر صبح سے ہو رہا تھا اور کئی مرتبہ خوب بوندا باندی ہو چکی تھی مگر عین تشریف آوری کے وقت بارش تھم گئی تھی لیکن جب تھوڑا راستہ باقی رہ گیا تو ابر کرم کو صبر نہ آیا اور اُس نے چھینٹا مارنا شروع کیا۔ ہمراہیوں نے امیر صاحب سے عرض کیا کہ آپ اوورکوٹ پہن لیں اور گاڑی کا بالائی پردہ ڈال لینے دیں مگر آپ نے نہایت جواں مردی سے فرمایا کہ جب تمام سپاہی اور تماشائی بھیگ رہے ہیں

قِرانُ السَّعدَین

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

فتحپور میں دولتخانہ انوپ تلاؤ کے در و دیوار ـ صحن ـ طاق ـ محرابوں میں پردے سائبان زریں ـ گلدان گلدستے سونے روپے کے جڑاؤ ـ ایوان و مکانات فرشہائے مخملی و قالین ابریشمی سے آراستہ تھے وہاں آکر دربار کیا ـ دربار کا ٹھا...... شور مچ گیا کہ وہ اسپیشل آیا اس شور نے عالم خیال سے چونکا دیا اور سب لوگ اور اُن کے ساتھ ہم بھی نہایت اشتیاق سے اسپیشل کو دیکھنے لگے ـ اسپیشل آہنی پل سے نکل کر نہایت آہستہ آہستہ اسٹیشن پر پہنچا ـ سب سے پہلے سر آرتھر میکموہن مسٹر ڈابسن ـ میجر وکٹر بروک ـ کپتان برڈ اور اُن کے بعد کچھ افغانی سردار ٹرین سے اترے جب ہز مجسٹی امیر یورپ جنرل کی وردی پہنے ہوئے گاڑی سے بر آمد ہوئے تو سر جان ہیوٹ نے مصافحہ کر کے ان کی تشریف آوری کا خیر مقدم کیا جس پر امیر صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا اس کے بعد باقی حاضرین بھی امیر صاحب کے سامنے پیش کئے گئے ہر ایک کے ساتھ وہ کمال خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے اور ہر ایک عہدہ دار کی نسبت دریافت فرماتے رہے کہ وہ عموماً کیا کیا کام کرتا ہے ـ گارڈ آف آنر سلامی کے واسطے پلیٹ فارم پر موجود تھا ـ اس کا بھی ملاحظہ کیا اس اثنا میں بینڈ افغانی قومی گیت گا رہا اور ۳۱ توپوں کی سلامی سر ہوئی ـ اس کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور عوام الناس کو جو قلعہ کے نیچے کھڑے تھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ـ اس وقت آپ سرخ کوٹ اور سیاہ پتلون جس میں لیس کی دھاری تھی

ایک دو اخبارات سے ہفتہ وار ایک دو کالم خریدے - جیسے اشتہارات والے خرید لیتے ہیں - اور ان میں مسلسل ہر ہفتے اپنے مفید مطلب مضامین درج کرائے - آخر کب تک لوگ آنکھ اور کان بند کر رکھیں گے - ان کو جاگنا پڑے گا اور وہ دیکھیں گے کہ اصلی حالت ہندوستان کی کیا ہے - اگر کبھی آپ لوگ اس قسم کا تہیہ کریں تو اس کا انتظام میں کرا سکتا ہوں - اس کے سوا میرے خیال میں آپ کے لئے یہ وقت آگیا ہے - کہ آپ کی طرف سے ایک وکیل انگلستان میں متعین ہو - جو پبلک سے تنخواہ پائے اور سرکار کا ملازم نہ ہو - لیکن آدمی ذی وجاہت اور قابل ہو - یہاں رسائی پیدا کرے - صاحبان اخبار سے - اراکین پارلیمنٹ سے - اور دوسرے بارسوخ لوگوں سے ملتا اور ان کے خیالات ہندوستان کے متعلق درست کرتا رہے - جہاں کہیں ہندوستان کے متعلق کوئی غلط اطلاع شائع ہو - اس کی باضابطہ تردید کر سکے - اور جو ہندوستانی یہاں آئیں اور مقیم ہوں ان کی رہنمائی اور اعانت کرے - مجھے معلوم ہے کہ اب بھی بعض ہندوستانی حضرات وقتاً فوقتاً بطور خود ایسی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں - مگر ملک سے باقاعدہ ایک ایسے شخص کے منتخب اور مقرر ہونے کا اثر جدا ہے - آپ فوراً ایک جست میں بیجان سے جاندار قوم اور بے زبان سے زبان آور قوم کہلانے کا حق پیدا کر لیں گے۔

عبد القادر

یہ رنگ گلاب کی کلی کا | نقشہ ہے کسی کی کستی کا
بلبل کی بہار میں نہ پوچھو | منہ چومتی ہے کلی کلی کا
ہر وقت ہیں موت کی دعائیں | اللہ رے لطف زندگی کا
منہ پھیر کے یوں چلی جوانی | یاد آگیا روٹھنا کسی کا
دیکھو نہ جلیس کو ستاؤ | مٹ جائیگا نام عاشقی کا

بہت لوگوں کو آپ کے دفتر کی طرف کھینچے گی - ان سب چیزوں کے علاوہ جو آپ لندن سے باہر جانے کے بغیر بھی کر سکتے ہیں - اگر آپ ہمت کرکے ہندوستان کو خود ایک نظر دیکھ آئیں تو آپ اور بھی زیادہ مفید طور پر ہندوستان کی خدمت کر سکتے ہیں -

مسٹر سٹیڈ - میں خوش ہوں کہ آخر آپ نے ایک عملی نسخہ میرے لئے تجویز کیا ہیں یہ نہیں کہہ سکتا - کہ ان سب باتوں میں سے جو آپ نے کہی ہیں - میں کیا کچھ کر سکتا ہوں - جیسے حالات اور مواقع ہونگے ان کے مطابق عمل کروں گا - لیکن یہ سب باتیں میرے ذہن میں رہیں گی - ریویو میں معاملات ہندوستان کو جگہ دینے کی بابت اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں - کہ میں ہمیشہ اس میں ہندوستان کے موافق لکھتا رہا ہوں - لیکن اس کا جو منصب تمام دنیا کے حالات کا خلاصہ درج کرنے کا ہے - اس میں خلل ڈالے بغیر میں اس میں ہندوستان کو بہت زیادہ جگہ نہیں دے سکتا - میں نے ایک زمانے میں چاہا تھا کہ ہندوستان کے لئے ایک خاص پرچہ نکالوں - جو وہیں شایع ہوا کرے - اور میں نے وہاں چند دوستوں کو لکھا بھی اور مسٹر کین مرحوم کو کہا کہ وہ دریافت کرتے آئیں کہ ایسے رسالے کی مانگ وہاں ہے یا نہیں مگر انہوں نے ناامید کر دیا - اب اگر حالات بدل گئے ہوں تو اب یہ کام ہو سکتا ہے - دوسرے اخبارات کی بابت جو شکایت آپ نے کی ہے ایک پہلو سے بجا ہے - لیکن یہاں اخبارات تجارتی کارخانے ہیں - وہ اپنے گاہکوں کی مرضی پہچانتے ہیں اور جو باتیں گاہکوں کو دلچسپ معلوم ہوں وہ لکھتے ہیں - آپ کو میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کے ملک سے کانگرس یا کوئی اور جماعت انگلستان میں اپنے مقاصد کی اشاعت کے لئے کچھ رقم سالانہ جمع کرے - اور یہاں کلکتہ کے

آپ ہی اس میں ہندوستان کو زیادہ حصہ دیجئے ۔ اور اپنے دوسرے دوستوں کو کہئے کہ وہ بھی آپ کی تقلید کریں ۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم کوئی ایک ایسا اخبار یا رسالہ بتائیں جسے آپ بالالتزام دیکھ لیں تو آپ کو ہندوستان کے روز مرہ کے حالات معلوم ہو جائیں ۔ افسوس ہے کہ کوئی ایک ایسا اخبار نہیں جو سب آراء کا مجموعہ ہو ۔ لیکن میں آپ کو آسانی سے ہندوستان کے اخبارات سے چند ایسے اخبار انتخاب کرکے دے سکتا ہوں ۔ جن کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو ہر قسم کی آراء سے جو اس وقت ہمارے ملک میں موجود ہیں واقفیت ہو جائے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ان سب کو خود پڑھیں لیکن آپ یہ خدمت اپنے کسی مددگار کے سپرد کرسکتے ہیں ۔ اور وہ احوال کا خلاصہ آپ کو دے سکتا ہے ۔ اس کے سوا اگر آپ اپنے ریویو کے دفتر کے متعلق ایک کمرہ ایسا بنائیں جس میں ہندوستان کی سرکاری اور غیر سرکاری رپورٹیں ۔ ہندوستان کے متعلق کتابیں اور اخبارات اور رسائل مہیا رہیں اور اس امر کا اعلان کردیں کہ جس کسی کو ہندوستان کے حالات سے واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہے ۔ وہ اس ذخیرہ سے کام لے ۔ تو عجب نہیں ۔ کہ بہت سے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں میں نے کئی اصحاب ایسے دیکھے ہیں جو معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر نہیں جانتے کہ کیونکر کریں ۔ انڈیا آفس کا کتب خانہ اول تو عام کتب خانہ نہیں دوسرے اس میں زیادہ تر سرکاری سالہ ہوتا ہے ۔ اس کے سوا کانگرس کی کمیٹی کا ایک چھوٹا سا دفتر ہے ۔ جہاں اس قسم کا کچھ سواد موجود ہے ۔ لیکن لوگ اس سے عام طور پر آگاہ نہیں ۔ تعجب ہے کہ پایہ تخت انگلستان میں حکومت برطانیہ کے ایسے بڑے ملک کے متعلق اطلاع کے وسائل کی اس قدر کمی ہے ۔ آپ اگر اس کمی کو پورا کریں تو آپ کے رسالے کی ہر دلعزیزی اور کثرت اشاعت

میں نے اپنی گفتگو میں کہا ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے آج اپنی شام اس مباحثے کے لئے وقف کی - اور امید کرتے ہیں کہ یہ نتیجہ خیز ثابت ہوگی پہلے سوال کا جواب آپ نے اپنے آخری فقرے میں خود ہی دیدیا ہے - ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنے زور قلم سے ہمیں مدد دیں اور اپنے ہم وطنوں کو ہندوستان کے حالات کی تحقیق کی طرف متوجہ کریں - اگر آپ کے نزدیک یہ کام کرنے کے لائق ہے تو آپ کو نہ قلت وقت کی شکایت کرنی چاہیئے - نہ اور وسائل کی کمی کی - وقت نکالنا چاہیئے - وسایل پیدا کرنے چاہئیں اور جو کام کرنے کا ہے اسے کرگزرنا چاہیئے - آپ نے کہا کہ ہم فریاد نہیں کرنا جانتے ہیں جیسا کچھ ڈھنگ آتا ہے ہم تو اپنی کہانی سناتے ہی رہتے ہیں - آگے شنوائی نہو تو کیا کیا جائے ہم بذریعہ اخبارات اور مجالس کے اپنی آواز حکام تک پہنچاتے ہیں - اور یہ طریقہ ہم نے آپ ہی کے ملک کے دستور سے سیکھا ہے - لیکن چونکہ ہم نوآموز ہیں اور آپ اس فن کے ماہر ہیں - اسلئے آپ ہمیں موثر فریاد کا طریقہ بھی سکھائے - یہ سب سے مقدم خدمت ہے جو آپ کرسکتے ہیں ؎

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیران قفس میں نوگرفتاروں میں ہوں[1]

اس کے بعد انگلستان کے لوگوں کو متوجہ کرنا ہے - اس کام کے لئے بھی ہمیں آپ بہت مفید مدد دے سکتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ لندن کے اخبارات جو چھوٹی چھوٹی مقامی باتوں اور واہیات مقدمات طلاق کے لئے جگہ نکال سکتے ہیں - ہندوستان کے متعلق مضامین کے لئے جگہ نہیں نکالتے - انہیں کوئی مضمون دیا بھی جائے تو عذر کر دیتے ہیں - اور جب اس باخبر طبقے کا یہ شیوہ ہے تو دوسروں کا تغافل ناگفتہ بہ ہے - آپ کا ریویو کثیر اشاعت رکھتا ہے

[1] - اصل تقریر میں اس شعر کا انگریزی ترجمہ تھا -

میرے کئی کام یہاں محتاج توجہ ہیں"۔ مسٹر لطیف نے کہا کہ پھر آپ ہندوستان کی حالت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ یہاں چند نوجوانوں کو جمع کر کے اُن سے حالات پوچھنا اور رائے لے لینا کافی نہیں۔

مسٹر سٹیڈ۔ آپ تو نوجوانوں نہیں ہیں۔ آپ سے جہاندیدہ اور کارآزمودہ بھی تو نوجوانوں کے اس مجمع میں موجود ہیں۔

مسٹر لطیف۔ اگر میں کارآزمودہ ہوں تو آپ میری رائے مان لیجئے۔ اور عزم سفر کیجئے اس سے بہتر کوئی مشورہ میں آپ کو نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد مسٹر ریڈی نے جو کیمبرج میں تقریر میں شہرت خاص رکھتے ہیں۔ اور نہائت شستہ انگریزی بولتے ہیں۔ ایک دلچسپ تقریر کی۔ مسٹر سٹیڈ ہر تقریر سے کچھ نہ کچھ یادداشت لکھتے جاتے تھے۔ اور بات بات پر کوئی نہ کوئی چھیڑ کئے جاتے تھے۔ سب تقریروں کے بعد مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے اب آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ میں نے جو تقریریں سنیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ زیادتیاں ہوتی ہیں مجھے پہلے بھی اس امر کا یقین تھا اور اب اس شام کی بحث نے اسے اور تقویت دی ہے۔ لیکن اس کا علاج آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ آپ فریاد نہیں کرتے۔ اور کرتے ہیں تو کافی زور سے نہیں کرتے۔ آپ کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ آپ ایک متفقہ رائے قایم کر یں کہ آپ کو کیا درکار ہے اور پھر ایسے استقلال کے ساتھ مطالبہ کیجئے۔ کہ میرے ہم وطن آپ کی خواہش کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ میرے جو ہم وطن وہاں ہیں اُنہیں چین نہ لینے دیجئے تاوقتیکہ وہ آپ کے مطالبات آپ کو نہ دیدیں اور یہاں والوں کو بھی اُن کی میٹھی نیند سے جگائیے +

بولنے کا موقعہ ملے۔ اس لیئے میں نے کہا:۔ "میں امتحان کیا چاہتا ہوں کہ پریزیڈنٹ صاحب کا دعوے نرمی کہاں تک درست ہے اور میں بھی چاہتا ہوں کہ میری نوبت بعد کو آئے"

مسٹر سٹیڈ:۔ "اسی لیئے تو آپ اس سخت سلوک کے سزاوار ہیں جو آپ کے حکام ہندوستان میں آپ سے کرتے ہیں کیونکہ نرمی اگر کی جائے تو لوگ اس سے بیجا فائدہ اُٹھانے لگتے ہیں (گھٹنوں کے بل بیٹھکر اور ہاتھ جوڑکر) میں کھڑا میری خطا معاف کیجیئے۔ میں نہ پریزیڈنٹ اور نہ نرم پریزیڈنٹ (قہقہہ) میں ایک سائل ہوں اور آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اس کے جواب دینے میں آپ کا اپنا بھلا ہے۔ اس لیئے امید ہے کہ تیسرے صاحب اب مجھے مایوس نہ کریں گے۔ اور کم از کم اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرینگے کہ ہندوستان کی حالت بہتر کیوں کر ہو سکتی ہے۔ میں اس سے کچھ اندازہ لگاؤں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

اب تقریریں شروع ہوئیں۔ شیخ محمد اقبال پروفیسر پرمانند۔ پنڈت چرنجیت رائے۔ ڈاکٹر انصاری مسٹر عبدالطیف۔ مسٹر نند لال دوبے اور مسٹر ریڈی نے برجستہ تقریریں کیں۔ شیخ محمد اقبال کی تقریر میں مسئلہ ہندوستان کے اقتصادی پہلو پر اور ہندوستان کی اقتصادی ترقی کی ضرورت بیان کی گئی۔ پنڈت چرنجیت رائے کی تقریر میں ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کی بدسلوکی کی شکایت تھی۔ مسٹر عبدالطیف نے کہا کہ مسٹر سٹیڈ کو خود ہندوستان جاکر اپنی آنکھ سے سب حالات دیکھنے چاہئیں اور پھر آکر جو رائے ہو اُس کو اپنے معمولی جوش کے ساتھ ظاہر کرنا چاہئے۔ مسٹر سٹیڈ نے کہا "یہ فرض کرکے تقریر کیجیئے کہ میں نہیں جاسکتا میں بوڑھا ہوں

ہے اور اختیار رکھتی ہے کہ اس کے ساتھ سلوک اچھا کرے یا بُرا - میں ڈبلیو ٹی سٹیڈ اس قوم کا ایک فرد ہوں - اور ایک عمر سے اخبار نویسی کرتا ہوں - اس وجہ سے میرا کچھ اثر اس قوم غالب پر ہے - آج میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ مجھے بتائیں کہ اگر ڈبلیو - ٹی - سٹیڈ ہندوستان کی کوئی خدمت کرنا چاہے - تو ہندوستان کی کیا فرمائش ہو گی - اور ڈبلیو - ٹی سٹیڈ کے لئے بہترین طریقہ اسے فایدہ پہنچانے کا کیا ہو گا - میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص جو یہاں موجود ہے میرے اس سوال کا جواب دے - اس لئے میں اپنے آپ کو اس جلسے کا صدر منتخب کرتا ہوں (قہقہہ) اور ایک طرف سے پوچھنا شروع کرتا ہوں ۔

اتفاق سے سب سے پہلے اُن کے دائیں ہاتھ مسٹر یوسف علی بیٹھے تھے اُن سے مسٹر سٹیڈ نے کہا کہ کہئے جناب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم سب کو یہ خیال نہ تھا کہ بحث یہ صورت اختیار کرے گی - اور مسٹر یوسف علی کو بوجہ تعلق ملازمت ایسی بحث میں لب کشا ہونا مشکل تھا - اس لئے انہوں نے مسٹر سٹیڈ کے ظریفانہ فقرہ کی آڑ لیکر اپنی باری کو ٹالنا چاہا -

مسٹر یوسف علی - چونکہ صاحب صدر کے انتخاب میں ہماری رائے نہیں پوچھی گئی - اس لئے ہم اُن کے فیصلہ کے پابند نہیں - میری رائے یہ ہے کہ بحث کرے کے کسی اور گوشے سے شروع کی جائے -

مسٹر سٹیڈ - (وجہ انکار سمجھ کر) اگرچہ میں اس مجلس کا خود مختار پریذیڈنٹ ہوں - تاہم میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں سخت حاکم نہیں - نرمی سے بھی کام لے سکتا ہوں - اس لئے میں دوسرے صاحب سے جو مسٹر یوسف علی کے بعد بیٹھے ہیں درخواست کرتا ہوں - کہ وہ تقریر شروع کریں"

اب میری باری آئی مگر میں چاہتا تھا - کہ مجھے اور تقریروں کے بعد

ساتھ لا ؤ اور کھانے کے بعد چار کے لئے جتنے دوست مناسب سمجھو بلا لو- اگر مختلف خیالات کے لوگ ہوں تو اور بہتر- تاکہ بحث میں سب قسم کی آراء کا اظہار ہو سکے- مینے بھی اس اصول کو مدنظر رکھکر اطلاعیں جاری کیں اور اُس شام کو کوئی پندرہ سولہ حضرات ہندو مسلمان کھانے کے بعد اُن کے ہاں جمع ہو گئے اس شام کی صحبت نہایت پُر مطلب اور پر لطف تھی- مسٹر سٹیڈ اُس دن مزے میں تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک نشست رہی اور مسئلہ ہند پر دلچسپ بحث ہوئی حاضرین میں مسٹر عبداللہ یوسف علی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے اس طبقہ کا ایک عمدہ نمونہ تھے جو سرکار انگریزی کی ملازمت میں ہے- شیخ محمد اقبال گویا کیمبرج کے اعلےٰ طلبہ کے قائم مقام تھے- مسٹر ریڈی مدراس کے مشہور طالب علم کانگرس کی رائے کے بیان کے لئے موزون ترین شخص تھے مسٹر دوبے کانگرس سے بھی ایک دو قدم آگے چلنے والی جماعت کے طرفدار- پروفیسر پرمانند بہار رے لاہور کی آریہ سماج کے رکن- مسٹر عبداللطیف بمبئی کے تجار اور آزاد خیال اصحاب کے خیالات کے جامع اور دیگر حضرات- سب منتخب لوگ تھے- اس موقع کی گفتگو کی ایک یادداشت میرے پاس مہینوں سے موجود ہے میں اُندنوں مخزن کے لئے لکھنا چاہتا تھا- مگر نہ لکھ سکا- اب مسٹر سٹیڈ اور ان کے رفیقوں کی سیاحت کی وجہ سے یہ مضمون تازہ تر ہو گیا ہے- اس لئے اُس یادداشت سے کام لیتا ہوں اور اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں-

مسٹر سٹیڈ- میں سمجھتا ہوں کہ میں اس وقت ہندستان میں ہوں اور آپ سب ایک چھوٹا سا ہندوستان ہیں یہ ہندوستان بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے ایک غیر قوم کے پنجے میں ہے- جو اس وقت زبردست

مسٹر سٹیڈ۔ ہندوستان کے معاملات بیشک اہم ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہاں بہت سی بیقاعدگیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر میرا کام اتنا بڑھا ہوا ہے کہ میں اور ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ ہندوستان جانے کو میرا جی بہت چاہتا ہے۔ گر فرصت کہاں سے لاؤں۔ وقت کہیں مول کبتا ہوتا تو میں تھوڑا سا خرید لیتا اور اس میں ہندوستان بھی ہو آتا۔

راقم۔ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے کہ ہندوستان کے کام کو آپ ایسا کم ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر آپ کو زائد وقت میسر ہو تو آپ وہاں جائیں میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے ملک کے سب کاموں میں اس سے بڑا کام کوئی نہیں اور انگلستان کا کوئی دوست اس کا سچا دوست نہیں ہو سکتا جو اس کام کو نظرانداز کرے۔ آپ اگر معاملات ہند یہ اپنا زبردست قلم استقلال کے ساتھ اٹھائیں تو صرف ہمیں پر احسان نہیں ہوگا بلکہ اپنے ملک پر بھی آپ احسان کرینگے۔ آپ نے روس جانے کے لئے کہاں سے وقت نکالا تھا۔ کیا آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ روس کی آزادی کی کوشش سے ہندوستان کی بہبودی کی کوشش مقدم ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ روس کے متعلق اپنا شغف چھوڑ دیں۔ مگر یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے متعلق بھی کم از کم اسی درجے کا شغف درکار ہے۔

مسٹر سٹیڈ۔ اچھا میں اس معاملے کو سوچتا رہوں گا۔ آپ جس دن مع اپنے احباب کے میرے ہاں آئیں گے۔ اُس دن ہندوستان پر ہی بحث رہے گی اتنے میں جلسے کا مقام آگیا اور آدھی رات کے قریب ہم سب وہاں سے فارغ ہوئے۔ میں اُن سے رخصت ہو کر گھر آیا۔ اس ملاقات اور گفتگو سے کچھ عرصہ بعد مجھے مسٹر سٹیڈ نے کہا کہ جمعہ کی شام کو دو تین دوستوں کو کھانے پر

ہوا کرتی تھیں بند ہو جانے کا افسوس ہے۔ مگر میں کثرت کار سے مجبور ہوں اور اسی سبب سے لوگوں سے کم ملتا ہوں۔ اب بھی ملاقاتیوں کے ڈر سے عموماً شہر سے باہر رہتا ہوں دفتر میں چند گھنٹوں کے لئے آکر کام کاج دیکھ جاتا ہوں اور پھر باہر چلا جاتا ہوں۔ میں نے کہا شہر کے ملنے والوں اور دور سے آئے ہوئے مسافروں کے لئے یکساں بندش مناسب نہیں میرے کئی دوست آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں اگر اتفاق سے اُس جلسے میں موجود نہ ہوتا تو کیا جانے ابھی اور کب تک محروم رہتا یا بے ملے واپس ہندوستان چلا جاتا۔ کہنے لگے مجھے ہندوستان کے اصحاب سے مل کر ہمیشہ بہت خوشی ہوتی ہے اور آپ اپنے دوستوں سے جو مجھے ملنا چاہیں کہدیں۔ کہ میں باوجود قلت وقت کے اُن سے ملنے کو حاضر ہوں اگر وہ خط لکھکر وقت معین کرلیں اور تشریف لائیں۔ بلکہ بہتر ہو کہ کسی دن آپ اپنے چند احباب کو میرے ہاں چائے پر مدعو کریں تاکہ ہم سب ہندوستان کے معاملات پر کچھ تبادلۂ خیالات کرسکیں میں نے کہا آپ اپنے وقت فرصت سے مجھے مطلع کیجیے گا۔ اور میں چند احباب کو جمع کرلونگا۔ یہ باتیں کھانے پر ہوئیں۔ اس کے بعد وہ سب ایک جلسے میں جہاں ہنگری کے متعلق لکچر ہونے کو تھا گئے اور مجھے بھی ساتھ لئے گئے۔ راستے میں مسٹر سٹیڈ سے چند باتیں ہوئیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

راقم ۔ آپ ہندوستان کے معاملات پر کبھی کبھی لکھتے تو ہیں اور جب لکھتے ہیں تو آزادانہ لکھتے ہیں۔ اس کے ہم ممنون ہیں۔ مگر یہ کافی نہیں۔ اس سے بہت زیادہ لکھنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ اہم ترین مسئلہ ہے اور آپ نے اس کی طرف ویسی توجہ نہیں کی جس کی آپ سے توقع ہے۔ اگر حالات بچشم خود دیکھنے کے لئے آپ خود ہندوستان جائیں تو بہت بڑا کام کریں۔

صدرنشین ہوئے۔ مجھے انہیں دیکھنے کا مدت سے شوق تھا۔ وہاں دیکھا بھی اور تقریر بھی سنی۔ تقریر ختم ہو چکی۔ تو میرے ایک دوست نے جو اس نئی زبان کے بڑے سرگرم معاون ہیں مجھ سے پوچھا کہ تم سے اور مسٹر سٹیڈ سے اگر ملاقات نہ ہو تو میں ملاقات کرا دوں۔ میں پہلے ہی سے اس فکر میں تھا۔ کہ کسی سے یہ یہ فرمائش کروں۔ میں نے خواہش ملاقات ظاہر کی۔ اور انہوں نے مجھے ان سے ملایا۔ تکلف مسٹر سٹیڈ کے مزاج میں نام کو نہیں۔ فوراً اس طرح باتیں کرنے لگے جیسے دیر سے جان پہچان ہوتی ہے۔ چند باتوں کے بعد کہنے لگے کہ یہاں کی ملاقات کافی نہیں کسی دن میرے گھر پر آؤ۔ میں نے کہا جس دن آپ چاہیں کہنے لگے میں تمہیں تاریخ اور وقت گھر جا کر لکھ بھیجونگا۔ میرے ہاں کھانے پر آنا۔ مسز سٹیڈ سے بھی ملنا۔ وہ تمہیں دیکھکر خوش ہونگی۔ کیونکہ انہیں ہندوستان کے معاملات سے بہت دلچسپی ہے۔ اس قرارداد کے مطابق انہوں نے مجھے خط لکھا اور میں ان کے ہاں کھانے پر گیا۔ ان کا جوان اور بیاہا ہوا لڑکا اور بہو بھی اس دن کھانے پر مدعو تھے اور ان کی صاحبزادی بھی موجود تھیں اور مسز سٹیڈ بھی۔ مسز سٹیڈ نہایت شریف مزاج اور مہمان نواز خاتون ہیں۔ گو ذہانت اور طباعی میں انہیں اپنے نامور شوہر سے کوئی نسبت نہیں۔ لیکن باوجود اس کے شوہر کے مزاج میں انہیں بیحد دخل ہے +

مسٹر سٹیڈ نے مجھ سے کہا کہ تمہیں لندن میں رہتے ہوئے سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔ اس سے پہلے مجھے کیوں نہیں ملے۔ میں نے کہا کہ میں بہت مشتاق تھا۔ لیکن چونکہ آپ نے اپنے دفتر میں ہفتہ وار ملاقات کا سلسلہ اب بند کر دیا ہے اور ویسے بھی آپ نہایت کم فرصت ہیں۔ اس لئے جرأت نہیں ہوئی کہنے لگے ملو مجھے بھی ہفتے کی شام کی ان مجالس کے جو آپ سے چند سال پہلے

اور بغیر نظر ثانی کے رسالے یا کتاب کی صورت میں وہی عبارت چھپوا دے

جس شام کا ذکر میں آج کیا چاہتا ہوں وہ اپریل سنہ ۱۹۰۶ کی بیسویں تاریخ اور جمعہ کی شام تھی۔ اُس دن میں اور میرے چند احباب مسٹر اور مسز سٹیڈ کے مہمان تھے مگر اس سے قبل کی دو ملاقاتوں کا تھوڑا سا حال لکھ دینا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے اس شام کی دوستانہ مجلس بیسٹر ہوئی۔ مسٹر سٹیڈ کو طبعی طور پر نئی چیزوں کا شوق ہے اور اس کی عادت میں داخل ہے کہ جس نئی تحریک سے اُسے ہمدردی ہو اور جس میں اُسے کچھ جان نظر آئے اس کی حمائت میں مردانہ وار کمر ہمت باندھ لیتا ہے اور اس بات سے نہیں گھبراتا کہ لوگ اُس پر ہنسیں گے۔ یا کثرت رائے کس طرف ہوگی۔ اُن نئی تحریکوں میں جن کی حمائت مسٹر سٹیڈ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ یورپ کی جدید اور ہونہار زبان اسپرانٹو ہے۔ جو فرانسیسی۔ انگریزی اطالین اور جرمن سب زبانوں کا ایک مرکب مجموعہ ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ ہر زبان کے سادہ الفاظ چن لئے گئے ہیں اور اسما، افعال اور صفات کے لئے ایک خاص صورت مقرر کرکے ہر اسم کو خواہ کسی زبان کا ہے ایک صورت دی گئی ہے اسی طرح ہر فعل کو تاکہ آدمی دیکھتے ہی کہہ دے کہ یہ اسم ہے یہ فعل۔ صرف ونحو کے قواعد آسان رکھے گئے ہیں اور اس احتیاط کے ساتھ کہ سب قواعد کلیہ ہوں اور استثنا کسی قاعدے کی نہ ہو۔ اکثر تجارتی لوگوں میں اس نئی ایجاد کا رواج ہوتا جاتا ہے اور بہت اہل الرائے یہ خیال کرتے ہیں کہ بیس پچیس سال تک یہ زبان یورپ بھر میں پھیل جائے گی اور زبانوں کے اختلافات کی تکلیف کم ہو جائیگی۔ مسٹر سٹیڈ بھی انہی لوگوں میں ہیں جو یہ رائے رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال کے آغاز میں لندن کی مجلس "اسپرانٹو" کے سالانہ جلسے کے موقع پر مسٹر سٹیڈ

ایک شام مسٹر سٹیڈ کے ہاں

سنتے تھے کہ مسٹر سٹیڈ لاجواب آدمی ہے۔ دیکھا تو اور بھی لاجواب پایا۔ اکثر مشاہیر کی نسبت یہ واقعہ ان کے غائبانہ مشتاقوں کو پیش آیا ہے کہ جو توقعات اُن کے ذہن میں تھیں وقت ملاقات وہ پوری نہیں ہوئیں۔ لیکن مسٹر سٹیڈ ملاقات میں بھی ویسا بیدار۔ تیز۔ اور جدت پسند آدمی نظر آیا۔ جیسا ریویو آف ریویوز کے اوراق میں نظر آتا ہے۔ پچھلے سال حسن اتفاق سے مجھے اس باکمال سے ملنے کا موقع مل گیا اور اس کے بعد دو تین دفعہ زیادہ اچھی طرح ملاقات ہوئی بڑھاپے میں جوانی کا رنگ اس شخص میں موجود ہے اور اس کی طبیعت کا چلبلاپن آدمی کو حیران کرتا ہے۔ وہ نادر اور دلنشین فقرات جو اُس کے ریویو کی ہردلعزیزی کا باعث ہوئے ہیں وقت گفتگو اس کے منہ سے بیساختہ نکلتے جاتے ہیں۔ ہنسانے پر آتا ہے تو نہایت ظریفانہ لطیفے کہہ جاتا ہے اور اس سنجیدگی کے ساتھ کہ اس کے چہرے پر ہنسی کے آثار بالکل نہیں ہوتے اور اسی لئے نہایت آسانی سے دم بھر میں ظریف اور دم بھر میں متین بن کر سامعین کو گھبراہٹ میں ڈال سکتا ہے اور خود اُن کی گھبراہٹ کا مزا لیتا ہے۔ اُس کی باتیں سننے کے لئے آدمی کو ہمہ تن متوجہ رہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ ذرا ذرا سے جملوں میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ اس کے لکھنے کی بڑی تعریف ہم یہ سمجھتے تھے کہ یوں لکھتا ہے جیسے ناظرین سے باتیں کر رہا ہو۔ اس کے بولنے میں یہ خوبی دیکھی۔ کہ یوں بولتا ہے جیسے کتاب لکھ رہا ہو۔ ہر لفظ تُلا ہوا۔ ہر بات موزون۔ کوئی زود نویس لکھتا جائے

ہوں کیونکہ سنسکرت اور عبری کے مصادر میں مطابقت پائی جاتی ہے مگر وہ زمانہ اقصائے ممالک تواریخ میں بلکہ قوت متخیلہ کی سرحد میں واقع ہے ۔

السنہ تورانیہ وہ زبانیں ہیں جنکو اقوام مغول وتاتار اور باشندگان جزائر بحر ہند بولتے ہیں ان میں سے قدیم زبان چینی ہے ان زبانوں میں باہم اس طرح کا تناسب نہیں جیسا ہم آرین اور سمیٹک زبانوں میں دیکھ چکے ۔ کیونکہ سوائے چینیوں کے جو اقوام ان زبانوں کو بولتی ہیں وہ ہمیشہ سے خانہ بدوش اور بادیہ نورد رہی ہیں اور اُن کے آبا و اجداد کو کبھی اس امر کی مہلت نہیں ملی کہ وہ کسی خاص جگہ میں مقیم ہو کر زبان کے لغات اور قواعد صرف ونحو کو مقرر اور منضبط کرتے ۔ اس تحریر میں میں نے مضامین علم اللسان کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے مضمون اسقدر وسیع ہے کہ اُس کا ایک تحریر میں بیان کرنا گویا محال ہے جو امر میں نے اول سے آخر تک ملحوظ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ کل مسائل اختراع وتبدل وتعدد واشاعت السنہ آسان اور عام فہم اصول پر بیان کئے جائیں اور علم طبعی سے بڑی غرض یہی ہے کہ کل واقعات اور عجائبات عالم کی توجیہہ خواہ وہ متعلق انسان سے ہوں یا حیوانات ونباتات وجمادات سے اصول موضوعہ و علوم متعارفہ و قانون قدرت کی رو سے کی جائے اور معجزہ اور خرق عادت کو تکلیف نہ دیجائے ۔ +

کی گئی تھی جس کا نام قبطی تھا اور اُس وقت بھی حبش کی عربی زبان تھی +

پہلا کلام عربی جس کی تدوین ہوئی معلقات اور دواوین شعرائے جاہلیت ہیں بعد اس کے مذہب اسلام کے ذریعہ سے عربی زبان تمام عالم میں رایج ہوئی اور آج مصر و افریقیہ شمالی میں بولی جاتی ہے ارمنی عبری وعربی کے مصادر اور تراکیب میں اس درجہ مطابقت ہے کہ ان زبانوں کے اتحاد میں کسی طرح پر شک وشبہ نہیں ہو سکتا مگر ان تینوں میں عربی سب سے وسیع ہے اور اکثر تصنیفات میں تفوق رکھتی ہے خود مفردات و مصادر عربی بھی اس قدر ہیں کہ جسپر عبور گویا محالات سے ہے مادہ ان تینوں زبانوں کا سہ حرفی ہے اور عربی کی وسعت کی ایک ادنے دلیل یہ ہے کہ اس میں اکثر ایسے مادے ہیں کہ جنکے حرف کی ترکیب بدل دینے سے چھ لفظ پیدا ہوتے ہیں اور سب دو معنی بھی ہوتے ہیں مثلاً ق - ل - ب اس کی ترکیب بدلنے سے **قلب - قبل - بقل - لقب - بلق** - اور **لبق** بنتے ہیں - ق - م ہیں - علاوہ اس کے معنی کی باریکیاں ظاہر کرنے میں کوئی زبان عربی کا مقابلہ نہیں کر سکتی - مثلاً آدمی کے واسطے ابتداے پیدائش سے لیکر اخیر پیری تک پندرہ لفظ ہیں جنسے انسان کی مختلف عمریں ظاہر ہوتی ہیں اسیطرح ہر ایک جانور کے چلنے اور اس کے بولنے کے واسطے علیحدہ لفظ ہے - شعبہ کا اطلاق فقط السنۂ ایرین وسمٹیک پر درست ہے اور السنۂ تورانیہ کی تقسیم بضرورت ٹھرائی گئی ہے - کیونکہ یہی دو زبانیں ہیں جنکی صرف و نحو قبل اس کے کہ اس میں انحطاط اور تنوع پیدا ہو مقرر ہو چکی تھی اور ان کی ساری سوانح عمری ان کی پیری اور انحطاط کی داستان ہے +

ممکن ہے کہ ایک زمانہ وہ ہو جب یہ دونوں شعبہ کسی متحد زبان سے نکلے

سیمٹک کی تین قسمیں ہیں (۱) ارمئی (۲) عبری (۳) عربی - ارمنی شام اور عراق عرب کی زبان تھی اور اس کے دو لغات یعنے سریانی اور قلدی ہم تک پہونچی ہیں - سُریانی زبان میں ترجمہ انجیل اور عیسائی مذہب کی کچھ کتابیں موجود ہیں اور یہ زبان اس وقت بھی کُردستان کے نسطوریں پادریوں میں بولی جاتی ہے قلدی اُس زبان کا نام ہے جس کو یہودنے اپنے زمانہ قید میں بابل سے سیکھا تھا - اگرچہ علمائے یہود میں عبری کا علم باقی تھا لیکن عام یہود اس ہی قلدی زبان کو لکھتے اور بولتے تھے اور خود حضرت عیسٰی کی زبان ایک قسم قلدی کی تھی - ہدم بیت المقدس کے بعد بھی یہودیوں کی یہی زبان رہی اور چوتھی اور پانچویں صدی سنہ مسیحی کے بیشتر سے یہودیوں کا اس زبان میں بات کرنا ثابت ہوتا ہے مگر اس کے بعد ہی یہود نے عربی کو اختیار کر لیا اور سترہویں صدی تک اسکو استعمال کرتے رہے بعد سترہویں صدی کے یہودیوں کی زبان عبرانی ہو گئی اور آج تک ہے اسمیں شک نہیں کہ زبان ارمنی کے سارے خزائن سے نِنوا اور بابل کی عجیب وغریب کتابوں میں مدفون ہیں اور جس روز یہ کتابیں حل ہو نگے تو انکی دولت بے بہا ہمارے ہاتھ لگیگی +

دوسری تقسیم السنہ سیمٹک کی عبری ہے اور یہ فلسطین کی قدیم زبان ہے اور اُس فقہ میں حضرت موسیٰ کے وقت سے مروج ہے مگر اس زبان پر پہلے غلبہ ارمنی زبان کا ہوا اور بعد اس کے یونانی کا اور آخر کو سنہ ۶۳۶ء میں جب عربوں نے فلسطین اور شام کو فتح کیا اسوقت عبری اپنے وطن قدیم سے نکالدی گئی اور عربی نے اُس کی جگہ لے لی زبان عربی خاص جزیرۃ العرب سے نکلی ہے اور آج تک اُس خطہ کی زبان ہے سب سے پُرانی زبان حمیری کتابوں میں ملتی ہے زمانہ قدیم میں عربی کی ایک شاخ افریقہ میں قائم

(۲) فارسی (۳) یونانی (۴) اطالوی (۵) کلٹک (۶) سلاوانک (۷) جرمنوی

تقسیم اول میں سنسکرت ہے جو ان سب زبانوں میں بہت پرانی ہے اور اُس کی تصنیفات اس زمانہ سے اقلاً تین چار ہزار سال قبل شروع ہوئی ہیں۔ سنسکرت قدیم لوگوں کے ویدکی زبان ہے اور سنسکرت جدید میں قصص و حکایات لکھے گئے ہیں سنسکرت میں تغیر ہونے کے بعد پراکرت بنی اور اُس سے ہندی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ سندھی۔ گجراتی اور پنجابی نکلی ہیں۔ جو آج ہندوستان میں مروج ہیں زبان پالی بھی سنسکرت سے مشتق ہے اور مذہب بدھشٹ کی تمام تصنیفات اسی زبان میں ہیں +

تقسیم دوم میں فارسی قدیم یعنے ژند ہے جسمیں زردشت کی ژندوستا لکھی گئی ہے اور آج پارسیوں کے مذہب کی انجیل ہے علاوہ اس کے پہلوی اور فارسی حال بھی اس تقسیم میں شریک ہیں۔ تقسیم سوم میں یونانی قدیم اور اُس کے مختلف محاورات اٹک آیونک وغیرہ اور یونانی جدید جس کو رومنک کہتے ہیں +

تقسیم چہارم میں رومی قدیم اور وہ زبانیں جو اُس سے مشتق ہوئی ہیں یعنے اٹالین۔ فرنچ پرتگیزی اور اسپانش ان زبانوں کو رومی قدیم سے وہی نسبت ہے جو پراکرت اور ہندی و مرہٹی وغیرہ کو سنسکرت سے ہے کلٹک کی تقسیم میں ویلس دیربٹنی کی زبانیں ہیں +

تقسیم ششم میں روسی۔ ہنگرین اور سروین زبانیں ہیں۔

تقسیم ہفتم میں جرمن۔

شعبہ دوم السنہ سمیٹک۔ لفظ سمیٹک شام سے نکلا ہے یہ زبانیں اولاد سام بن نوح کی ہیں +

نتائج روز بروز زیادہ اور نمودار ہوتے جاتے ہیں لیکن اس مقام پر اس کا ذکر محض ضمناً کیا گیا ہے اور اس وجہ سے علی الاختصار اب تقسیم السنہ کا مضمون بیان کیا جاتا ہے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ السنہ کے تین طبقہ ہیں طبقہ اعلیٰ یعنی السنہ مرکبہ و متفرقہ کے دو شعبے ہیں آرین اور سیمیٹک اور طبقہ ادنےٰ واسفل یعنے السنہ ملزقہ اور بسیطہ کا ایک شعبہ ہے جس کو تورانیں کہتے ہیں شعبہ اول آرین لفظ آریا کے معنے سنسکرت میں معزز اور عالی خاندان کے ہیں اور اسی لفظ سے ہندوستان کا نام منو شاستر میں آریا ورتہ یعنے مسکن اعزہ آیا ہے - زردشت کی ژند اوستا میں بھی باشندگان ایران و وسط ایشیا کو ایریا لکھا ہے اور یہی لفظ ارمنی اور البینین زبانوں میں موجود ہے اس کے بعد پھر پتہ اس لفظ کا جنوب یونان میں اور جرمنی میں ملتا ہے اس ساری بحث سے غرض یہ ہے کہ فقط اس ایک لفظ کی تحقیق اور مختلف زبانوں میں پائے جانے سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم آرین زمانہ قدیم سے وسط ایران میں بود و باش رکھتی تھی اور ایک ہی زبان بولتی تھی اس اصلی مسکن سے ہجرت کرنیکے بعد ایک فرقہ انکا ہندوستان کو آیا اور وہاں کے سیاہ فام اصلی باشندوں کو فتح کرکے کوہ ہمالہ سے لیکر دریا نربدہ تک تسلط کیا دوسرے فرقہ نے یونان و یوروپ جنوبی میں بود و باش اختیار کی اور تیسرا فرقہ ملک جرمن اور یوروپ کے شمال میں جا بسا اگرچہ بمرور زمان ان خطوں کی زبانیں بالکل بدل گئیں اور ان اقوام کی ظاہری حالت میں تغیرات واقع ہوے لیکن مقابلۃ الالسنہ کی روسے ان سب زبانوں کا اتحاد ثابت ہوتا ہے اور الفاظ اور مصادر استعمال روزمرہ کے ان سب زبانوں میں ایک ہیں اس سبب سے اس شعبہ کا نام آرین رکھا گیا ہے اس شعبہ کی سات تقسیمیں ہیں (۱) ہندی -

یہ لوگ نہایت حسین ہوتے ہیں اور بال نرم کھڑے خوبصورت بدن سڈول اور رنگ صاف رکھتے ہیں +

دوسرا شعبہ مغول تاتار ہے اس شعبہ کی اقوام تمام ایشیائی شمالی وایشیائے مشرقی برہم پتر کے دہانہ سے لیکر آبنائے بہرنگ اور آبنائے شمالی امریکہ تک کے باشندے ہیں ان میں ترکمان مغول وتاتار واقوام چین وتبت اور اسکیمو وہنگیرین داخل ہیں ان کے سر چوڑے بال لمبے اور سیاہ گال کی ہڈیاں ابھری ہوئیں آنکھیں چھوٹی چھوٹی سیاہ اور کج اور رنگ زرد یا زیتونی ہے +

تیسرا شعبہ ملے ین۔ کل جزائر جو جنوب و غرب میں ہندوستان کے واقع ہیں مادغاسکر سے لیکر نیوزیلنڈ تک انہیں اقوام سے بسے ہوئے ہیں ان کے رنگ بھورے بال لمبے اور موٹے چہرے چپٹے اور کج آنکھیں ہیں۔ آسٹریلیا کی اقوام جنکو پاپوان کہتے ہیں اسی شعبہ میں شامل ہیں۔

چوتھا شعبہ اقوام حبش کا ہے جو افریقہ جنوبی وریگستان صحارا کے باشندے ہیں ان کی جلد سیاہ بال گھونگھر والے فک اسفل یعنے نیچے کا جبڑا پھیلا ہوا ہونٹھ نہائت درجہ موٹے اور پچکے ہوئے گال کی ہڈیاں اونچی اور آنکھیں بڑی بڑی ابھری ہوئی ہیں +

پانچواں شعبہ اقوام امریکہ کا ہے جو قدیم باشندے اس براعظم کے تھے اُن کے رنگ مسی مائل بال سیاہ اور لمبے آنکھیں سیاہ ناکیں ٹیڑھی ہیویوں کی سی اور بدن چست و چالاک اکثر اُن میں ابھی تک وحشی ہیں اور شکار پر گذران کرتے ہیں اور بعض نے زراعت و تمدن کسی قدر سیکھنا شروع کیا ہے۔

علم طوائف و شعب انسانی بجائے خود نہایت دلچسپ اور مفید علم ہے اور اُس کے

دانت کی تختی پر بنائی تھی۔ اس ایک مثال سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ علم طبعی کے ادنے نتایج پر تیقن حاصل کرنے کے لئے کس قدر تحقیق و تطبیق دوسرے علوم سے درکار ہے +

ف ۲۶ اس مثال کے علاوہ اور بہت سی مثالیں تجربات سے دیجا سکتی ہیں اور انکی تصدیق اور علوم سے اور خود اختلاف اقوام انسانی و اختلاف السنہ سے ہو سکتی ہے جس سے انسان کی قدامت پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے اور حکمائے فرنگ کے نزدیک یہ امر مسلمات سے ہے کہ انسان زمانہ دراز سے اس دنیا میں ہے اور مقتضائے جبلت سے اپنی زبان وفنون و علوم کے اختراع و ترقی میں مشغول ہے اور کیا سالہائے دراز کی مسلسل محنتِ شاقہ کا نتیجہ وہ ہے جسکو ہم زمانہ حال میں تمدن کہتے ہیں اور اس سے مراد علوم و فنون و معاشرت کی ان کل ترقیوں کا مجموعہ ہے جس کو بنی نوع انسان کے ہر طبقہ نے بحیثیت مجموعی حاصل کیا ہے علوم و فنون و معاشرت جملہ اقوام بنی نوع انسان سے +

ف ۲۷ دنیا کی مجموعی مردم شماری ایک پدم بیالیس کروڑ انتالیس لاکھ ستر ہزار ہے اور اس میں ہر قسم کی اقوام اعلے درجہ کی مہذب قوموں سے لیکر جنگلیوں تک شامل ہیں۔ بنی نوع انسان کی تقسیم بلحاظِ اختلافِ الوان وامزجہ وصورت و شکل پانچ شعبوں پر کی گئی ہے +

ف ۲۸ پہلا شعبہ کاکیشن یعنے کوہ قافی اس شعبہ کی اقوام نہایت درجہ کی تہذیب رکھتی ہیں۔ تقریباً تمام یورپ افریقہ شمالی تمام عربستان وشام وایران اور ہندوستان شمالی اور امریکہ انہیں اقوام سے بسے ہوئے ہیں۔ ان اقوام نے ہمیشہ سلطنت وحکومت کی ہے اور غیر قوموں کو مسخر کیا ہے

وہ نہیں ہے جو اب ہندوستان یا افریقہ کے جنگلوں میں موجود ہے بلکہ ایک اور ہی قسم کا ہاتھی ہے جو نہایت سرد ملکوں میں رہا کرتا تھا اور جس کے تمام جسم پر ریچھ کی طرح لمبے لمبے بال تھے اس ہاتھی کا نام علم متحجرات میں مامتھ رکھا گیا ہے اور اس مامتھ کی لاشیں اور ہڈیاں سائبریا کے ملک میں جہاں سے انتہا سردی ہے اب بھی کثرت سے ملتی ہیں بلکہ اس کے دانت کی تجارت اسی طرح ہوتی ہے جیسے فیل دندان کی پس اس مامتھ کا حوالئی ملک فرانس میں پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اُس زمانہ میں یہ ملک برفستان تھا اور یہاں کی سردی مثل کرہ زمہریر کے تھی +

(۵) اب ہمیں تھوڑی سی مدد فن ہیئت سے لینے کی ضرورت ہے یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ خط استوا اور منطقہ البروج جو منجملہ دوائر عظیمہ کے ہیں اور جنکے تقاطع کے نقطے حمل اور میزان میں ہیں باہمدگر ۲۳ درجہ اور ۲۷ دقیقہ کا زاویہ بناتے ہیں لیکن یہ زاویہ بمرورِ زمان بدلتا رہتا ہے اور اُس کے بدلنے سے اقطاب شمالی اور جنوبی کی حالت بھی بدلتی رہتی ہے اگرچہ مقدار اس تغیر کی بظاہر نہایت درجہ کم ہے لیکن بمرور سالہائے دراز مجموعی اثر اس کا کرات عالم کی فصلوں اور حرارت و برودت پر صاف اور صریح طور سے پڑتا ہے پس اگر از روئے حساب زاویہ کا تبدل و تغیر پچاس ہزار سال کے لئے نکال لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مختلف حصص عالم کی حرارت و برودت مختلف ازمنہ میں معلوم ہو سکتی ہے اور اس سے وہ زمانہ نکل سکتا ہے جب فرانس کی برودت اس درجہ تھی کہ "مامتھ" وہاں رہ سکتا تھا اور اُس انسان ابو البشر نے اس حیوان عجیب الخلقت کی تصویر خود اُسکے

ف ۱۴ اس مقام پر یہ بحث نہیں کی جاویگی کہ انسان کس طرح عدم سے وجود میں آیا لیکن اتنا کہدینا ضروری ہے کہ از روے فن جیالوجی و متحجرات انسان کا نہایت قدیم ہونا ثابت ہے بعض جیالوجسٹوں کی رائے ہے کہ انسان کو دنیا میں آئے ہوئے اقلاً بیس ہزار سال ہوئے ہیں انسان کی قدامت کا استنباط اُن آثار قدیمہ سے ہوتا ہے جو انسان سے مختص ہیں اور دوسرے حیوانات میں نہیں پائے جاتے اور اس قسم کے آثار قدیمہ اکثر غاروں میں ملے ہیں اور معاون غلزی اور کوئلہ کی کانیں کے کھودنے میں نکل آتے ہیں اور انکی ہیئت مجموعی کو ان امور متعارفہ سے جو فن جیالوجی میں ثابت ہو چکے ہیں تطبیق دینے سے ٹھیک زمانہ اُن کا معلوم ہو سکتا ہے یہ بجنسہ ویسا ہی ہے جیسا سکوں سے اُس زمانہ کی تاریخ کا معلوم کرنا جب وہ سکے بنے ہیں اور اصل یوں ہے کہ علم سکہ جات اور علم متحجرات میں حد درجہ کی مطابقت اور مناسبت ہے - فرق اسی قدر ہے کہ وہ تاریخ جس کو جیالوجسٹ متحجرات کے مطالعہ سے دریافت کرتا ہے کہیں زیادہ قدیم اور دلچسپ ہے اور اسی کو اُس قدیم الایام کی سیر کراتی ہے جہاں مورخ واقعات انسانی کا بیک خیال بھی نہ پہونچ سکے +

ف ۱۵ اب اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے وسط فرانس میں جو باب معتدل آب و ہوا کا بلکہ گرم ملک ہے ایک غار کے اندر کچھ ہڈیاں ایسے جانوروں کی جو اب مفقود ہیں نکلیں اور منجملہ اُن کے ایک تصویر فیل دندان کی تختی پر - یہ تصویر ہاتھی کی ہے اور چونکہ استقرار سے معلوم ہوا ہے کہ بجز انسان کے کسی حیوان میں مصوری کی قوت نہیں اس لئے اس ہاتھی اور انسان کا وقت واحد میں ایک جگہ ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے لیکن یہ ہاتھی

کہ اپنے مرد عزیزوں اور شوہروں کے نام نہیں لیتیں اور اُن کے ناموں کی تعبیر اور حروف سے کرتی ہیں ہندوستان کی عورتیں بھی اپنے شوہرونکو میاں کے باپ اور آپ اور وہ اور جی کے لفظوں سے تعبیر کرتی ہیں۔ اور لڑکوں کے عزت اور گھریلو نام رکھتی ہیں۔ تاکہ شوہر یا شوہر کے بزرگوں کا نام نہ لینا پڑے۔ غرض تغیر و تبدل زبان کے اسباب انواع و اقسام کے ہیں اور جوں جوں اقوام وحوش کی زبانوں کی تحقیق بڑھتی جاتی ہے اوسیقدر اور اور نئے اسباب پیدا ہوتے جاتے ہیں +

ف۲۲ پروفیسر اُڈلنگ" کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کل زبانیں اور محاورات جو تمام عالم میں مروّج ہیں تین ہزار سے چار ہزار تک ہیں لیکن ان السنہ کے لغات اور صرف و نحو کے مقابلہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی تقسیم چند شعب میں ہو سکتی ہے +

ف۲۳ قبل اس کے کہ طبقات السنہ کا ذکر ہو ضرور ہے کہ تھوڑا سا بیان اقوام و شعب بنی نوع انسان کا کیا جائے کیونکہ وہ زبان جس سے یہاں بحث کی گئی ہے وہ خاص انسان کی زبان ہے اور حیوانات کی بولیوں سے ان کے محسوسات جسمانی اور بعض صورت میں محسوسات رُوحانی کسیقدر کیوں صاف نہ ظاہر ہوں مگر ان بولیوں پر زبان کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے اختلاف السنہ خواہ یہ اختلاف بلحاظ لغات کے ہو یا بہ لحاظ زبان کے ناقص یا کامل ہونے کے موقوف ہے اختلاف اقوام و شعب یا اونکی مرزبوم و طریق معاشرت اور تمدن اور علم و معلومات پر جسقدر قوم مہذب اور متمدن ہو گی اور اُس کی معلومات زیادہ ہو گی اوسیقدر اُس کو توسیع زبان کی ضرورت پڑیگی +

مخزن

عِلمُ اللِّسان

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

(۲)

ف۲۱ - اختلاف السِنہ کے جن اسباب کا ذکر ہو چکا ہے وہ سب عام ہیں اور ہر ایک زبان میں پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات اسباب اتفاقی بھی زبان میں تغیر عظیم پیدا کر دیتے ہیں - مثلاً ٹھٹی کے باشندوں میں رسم ہے کہ جب نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو تعظیماً اُس کے نام کے کُل اجزا زبان کے تمام لفظوں میں سے نکال ڈالے جاتے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے حروف بلا قید و قاعدہ لگا دئے جاتے ہیں اس رسم کو ٹی - پی کہتے ہیں مثلاً اگر بادشاہ کا نام ٹو ہے تو حرف ٹو جس کے معنے کھڑے ہونے کے ہیں تعظیماً ٹیا بنجاتا ہے اور فی ٹوستارہ فی طیا اور ٹوپا پولاش ٹیا پاپو ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کے حرفی تبدل اور تغیر سے ساری زبان پر اثر ہو جاتا ہے اور بتدریج ساری زبان بدلتی رہتی ہے - اسیطرح کافریرہ کی عورتوں کی زبان بالکل مردوں سے علیحدہ ہے کیونکہ اُن میں رسم اس بات کی ہے

آمد آمد

این بشارت سحر از نالهٔ قلقل آمد
وقتِ بلبل شدن طوطی و بلبل آمد

شاهِ خاور به جهاں سکّه به زر زد یعنی
شاهدِ گل به گلستاں به تجمّل آمد

غنچه بشگفت و چمن رشکِ جناں شد گوئی
مژدهٔ دولتِ وصلِ گل و بلبل آمد

چهره پردازِ چمن بیں که پس از سالِ دراز
همه ناز آمد و با حسن و تجمّل آمد

سحر آئینه به دست آمده بر روئے سمن
تا صبا شانه کشِ طرّهٔ سنبل آمد

طالعِ خفته سر از بالشِ غفلت برداشت
بختِ بیدار عناں تابِ تغافل آمد

قد برافروخته سرو آمد و شمشاد و حِنا
رخ برافروخته بر کرسیِ زرِ گل آمد

نو نیازاں که چنیں جلوه فروش اند به باغ
خاک با نظمِ ثریا به تقابل آمد

شکرِ تشریفِ بهار است که در مقدمِ گل
از چمن نغمه و از میکده قلقل آمد

زد رقم بر ورقِ لاله و گل جوشِ بهار
بیش از آں نقش و صورکاں به تخیّل آمد

کے به اسرارِ چمن پے برد افکارِ حکیم
عقل سرگشته و حیراں ز تعقّل آمد

سبزه تا برگ و بر و نخل بر ایں متفق اند
نقدِ دولت به کف از سعی و تحمّل آمد

زیں معمّا که به حکمت بگشادست نسیم
حاصل آں ست که حکمت به تأمّل آمد

حسن محتاجِ وسیلت نه بود با غیرے
گل به بالیدگیِ خود به توسّل آمد

شوقِ کامل نکند تکیه به رہ داریِ خضر
خاک جوشید و به صد منّتِ زرِ گل آمد

غنچه خندید و به گل گفت علی الرغم اینجا
گنج از سابقهٔ گنجِ توکّل آمد

نقدِ عیش ست به آفاق بدیں ارزانی
به دماغِ فلک از غفته تخیّل آمد

کارِ عشرت به جهاں یافته چنداں رونق
عارف از صومعه بیروں به تجاهل آمد

کِشت شاداب و چمن دلکش و دهقاں سرخوش
دورِ عشرت ز سرِ نو به تسلسل آمد

دولت آباد بود هند زمینِ قدسش
تا به جهانی نشه خسرو کابل آمد

گهرے چند به سلکِ غزل آزاد کشید
شور برخاست مگر بلبلِ آمل آمد

[illegible]

[illegible]

واپس دلادیگا

یہ ضمانت [illegible] پچاس برس کے تجربہ کی [illegible] کا
ذمہ دار ہے [illegible] قابل قدر اسنادات کے
علاوہ [illegible] ہیں اس امر کے [illegible]
اعزازی مجسٹریٹ و [illegible] کمشنر کو [illegible]
امراض وبائیہ ایک نہایت [illegible]
ملاحظہ فرما کر اپنی خوشنودی
ظاہر کی تھی۔ دواؤں کی خوبی اور انکے
اوصاف کرینگے [illegible] آپکو ایک چیک

پنجاب کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

کے نام دیجئے۔ دوا کے باقاعدہ استعمال
کے بعد اگر آپ کو فائدہ نہ ہو تو
آپ یقیناً اس امر کے مجاز ہیں کہ
وہی چیک براہ راست مذکورہ
بالا بنک میں بھیج کر ہمارے کھلے
ہوئے حساب میں سے روپیہ واپس
لے لیں۔ بس اس سے زیادہ
آسان اور مکمل طریقہ
ناممکن ہے۔

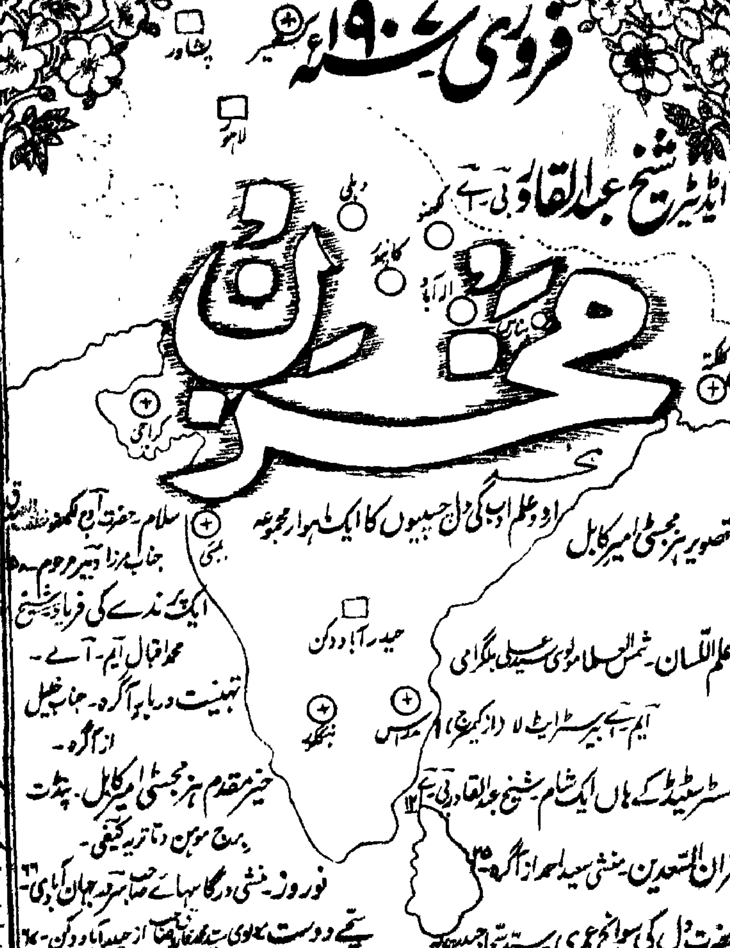
جملہ حقوق محفوظ

فروری ۱۹۰۷ء

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بی-اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ



تصویر ہز مجسٹی امیر کابل

سلام - حضرت آدم علیہ السلام جناب مرزا دبیر مرحوم

ایک پرندے کی فریاد - شیخ محمد اقبال ایم - اے -

تہنیت دربار آگرہ - جناب خلیل از آگرہ -

علم اللسان - شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی ایم - اے بیرسٹرایٹ لا (از کیمبرج) ۱

مسٹر سٹیڈ کے ہاں ایک شام - شیخ عبدالقادر بی - اے ۱۲

خیر مقدم ہز مجسٹی امیر کابل - پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی -

قران السعدین - منشی سید احمد از آگرہ ۴۵

حضرت دل کی سوانح عمری - سید سجاد حیدر صاحب بی - اے (از بغداد)

نوروز - منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی ۶۶

سچے دوست - مولوی سید محمد عارف صاحب از حیدرآباد دکن ۶۷

خواب و خیال - محمد دلاور شاہ صاحب فصیح (از دہلی) ۶۹

تازہ غزلیں ۷۱

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں -

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ▭ ان شہروں میں اردو مروج ہے - ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے -

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصولڈاک ددشم سے ۴ فی پرچہ ۶/

یہ چک کیسا ہے

اپنی دوا کے ساتھ ہم ایک چک بھی کاٹ دیتے ہیں جو
فائدہ نہ ہونے کی حالت میں ایک روپیہ
بنک سے واپس لے لو

یہ کارخانہ آج پورے پچاس برس سے ملک میں طبی خدمات کا
ذمہ دار ہے۔ علاوہ ہزار ہا قابل قدر سندات کے گورنمنٹ
عالیہ نے ۱۹۲۵ء میں اس قوم کے ہیڈ شیخ خیر الدین صاحب
آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر کو بصلہ خدمات امراض
و بائیہ ایک نہایت شاندار بیش قیمت طلائی گھڑی
مرحمت فرما کر اپنی خوشنودی ظاہر کی تھی۔
دواؤں کی خوبی اور انکے اوصاف کرنے کی بجائے
ہم ہر دوا کے ساتھ آپ کو ایک چک

پنجاب کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

کے نام دینگے۔ دوا کے باقاعدہ استعمال
کے بعد اگر آپ کو فائدہ نہ ہو تو آپ
یقیناً اس امر کے مجاز ہیں کہ وہی
کروی چک براہ راست مذکورہ
بالا بنک میں بھیج کر ہمارے
کھلے ہوئے حساب میں سے روپیہ
واپس لے لیں۔ پس اس سے
زیادہ آسان اور کھرا
طریقہ ناممکن ہے +

شیخ خیر الدین حکیم بخش دواساز مالک شفاخانہ یونانی و ڈاکٹری لاہور

میریکا سرمہ

...اسسٹنٹ کیمیکل ایگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب۔

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ... کی یونیورسٹی کے سند یافتہ ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہو کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے۔ ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا۔ پڑوال۔ ... سرخی۔ ابتدائی موتیا بند۔ ناخنہ۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے ... ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہو اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بوڑھے تک ... یکساں مفید ہے۔ قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے عہ۔ میریکا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ ... خاص ... فی ماشہ عہ۔ مصری سرمہ فی تولہ ... خرچ ڈاک ذمہ خریدار۔ درخواست کے وقت اخبار کا ... والہ ضرور دیں۔ المشتہر۔ پروفیسر سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور +

... سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میریکا سرمہ جو پروفیسر ... سنگھ اہلووالیہ نے ایجاد کیا ہو۔ بڑی بیش قیمت اور مفید دوائی ... موض مفصلہ ذیل امراض کیلئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ آنکھوں سے پانی بہت جانا۔ دھند۔ سوزش۔ سرخی چشم جسکو آنکھ آنا کہتے ہیں۔ جالا ... کمزوری نظر ناخنہ۔ بار امراض ... [illegible] ... چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر کیمیاوی شے نہیں ہے اسلئے ... اس کا استعمال مفید ہو۔ مفصلات میں جہاں لائق ڈاکٹر ... بالکل ... اس لئے ... راقم میاں خورشید محمد خاں خلف جناب ...

میں بلا شک و شبہہ شہادت دیتا ہوں کہ مذکورہ بالا امراض کیلئے میریکا سرمہ ضروری ہی مفید ہو۔ راقم ڈاکٹر ایم۔ بی سانگلی صاحب بہادر ایم ڈی۔ ایم۔ ایس سند یافتہ یونیورسٹی ایڈنبرگ انگلینڈ امرتسر۔

(۲) جناب سردار صاحب تسلیم۔ میں نے آپکا میریکا سرمہ استعمال کیا میں تصدیق کرتا ہوں کہ بیشک یہ سرمہ کمزوری چشم کیلئے مفید ہو۔ میری آنکھیں بالکل کمزور تھیں۔ لگاتار ایک پہر کام کرنے سے معذور ہو جاتا تھا اب میری یہ کیفیت ہو کہ صرف ہر روز کے استعمال سے تین تین پہر لگاتار اچھی طرح کام کر سکتا ہوں۔ راقم میاں ...

پنجہزار روپیہ انعام اگر کوئی شخص ... سندات میں سے جو تقریباً بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے اس کو ... پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا ... [illegible]

تہذیب النسوان

ملک کے تمام روشن خیال اہل الرائے اس بات کو تسلیم کر چکے ہین کہ عورتوں کو تعلیم دینا ضروری ہے۔ بشرطیکہ طرز تعلیم حتی الوسع شریفانہ اصول پر ہو۔ چنانچہ اسی خیال کو مدنظر رکھکر ۱۸۹۸ء سے اخبار تہذیب النسوان اہلیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام کی اڈیٹری مین لاہور سے جاری کیا گیا جو بفضلہ تعالٰے اس وقت تک کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ یہ اخبار کیسا ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے شریف مستورات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس کا اندازہ پرچہ دیکھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ عام رائے اس اخبار کی نسبت یہ ہے کہ مرد اس کو بلا تامل اپنے زنان خانے مین بھیج سکتے ہین اور ہندوستان مین شریف مستورات کیلئے اس سے بہتر کوئی پرچہ نہیں ہر مضمون نہایت احتیاط اور غور و تامل کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ اسکی نامہ نگار عموماً معزز گھروں کی تعلیم یافتہ بہو بیٹیاں ہیں۔ جو لوگ تعلیم نسوان کے حامی ہیں انہیں اس پرچے سے ضرور کام لینا چاہئے۔ زبان نہایت سلیس لکھائی چھپائی نہایت نفیس

تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۶ صفحے ہفتہ وار قیمت (۳ ؎) سالانہ نمونے کا پرچہ مفت مل سکتا ہے

طبی دلچسپ کتب مصنفہ ... ٹھاکر دت شرما ویدیا مالک دیش اپکارک اوشدھالیہ

مالک و ایڈیٹر دیش اپکارک فیملی ڈاکٹر طبی اخبارات لاہور!

کیا ہم اپنی مرضی سے لڑکا یا لڑکی پیدا کر سکتے ہیں؟

یہ ایک سوال ہے جسکا جواب اس چھوٹے سے رسالہ میں مدلل اور محققانہ طریقے سے اس طرح دیا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ یونانی۔ ڈاکٹری و ویدک تحقیقات کا لب لباب بیان کیا گیا ہے پڑھنے کے قابل دید ہے۔ قیمت صرف ۲ر

وضع حمل

اس کے مضامین عورتوں کو سمجھا دینے سے روز مرہ کی تکالیف متعلق زچہ اور بچہ سے خلاصی پانا ممکن ہے۔ آئے دن جو سینکڑوں عورتیں اور بچے اس وضع حمل کی حالت میں جان دے دیتے ہیں۔ اس کی ہدایات پر کاربند ہونے سے آئندہ اس کا انسداد ہونا ممکن ہے۔ ابتدائی اور درمیانی اور بعد کی تکالیف کے دفع کرنے اور وقت کی جانکنی سے حالت کو آسان کرنے کے واسطے اس کے مجرب نسخہ جات اور تریاق بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوں گی۔ قیمت ۸ر

رسالہ حفظ ما تقدم طاعون

طاعون کے متعلق آج تک کی تمام تحقیقات جو کچھ کہ ڈاکٹر یا دوسرے شخصوں نے کی ہے۔ سب کا خلاصہ اس رسالہ میں درج کرنے کے علاوہ یونانی ویدک کے پرانے طریق علاج پر بڑی روشنی ڈالی ہے اور بتا دیا ہے کہ حال کے مجوزہ علاج بالکل پرانے علاج ہیں۔ جن کا تجربہ اتار دیا گیا ہے۔ طاعون کی پیدائش کے اسباب اور اس سے بچنے کے طریق بہت اچھی طرح لکھے گئے ہیں۔ علاج بھی مجرب درج کئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس طاعون کے زمانے میں ہر شخص اسکو دیکھکر اور اس کی ہدایات پر کاربند ہو کر خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قیمت ۸ر

کیا میں تندرست ہوں اور صحت اور درازی عمر کا راز

یہ پہلا سوال خواہ مخواہ آدمی کے دل میں پیدا ہوتا ہے مگر اسکا جواب تسلی بخش ہونا ایک امر محال ہے۔ اس رسالہ میں سب سے پہلے اس سوال کو حل کرنے کے طریقے اور علامات بتائے ہیں جس سے آدمی خود بخود اپنے سوال کا جواب حاصل کر سکتا ہے۔ بعد ازاں امراض کا اصل سبب دکھا کر ابتدا میں ہی ان کے دفعیہ کے طریق لکھے گئے ہیں۔ غرضیکہ اس کے قواعد کی پابندی سے آدمی اپنی طبعی زندگی تک پہنچ سکتا ہے۔ ہندوستان میں اپنی طرز کا پہلا رسالہ قیمت ۸ر

رسالہ گھر کا حکیم

عام طور پر جو امراض کے بال بال بچوں والے گھروں میں رہتے ہیں۔ اور قریباً سب معمولی بیماریوں کے مجرب تیر بہدف سوال لکھتے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے واسطے حکیم ڈاکٹر کی خوشامد اور اخراجات سے بچنے کے واسطے یہ چھوٹا رسالہ بہت زیادہ مدد دے گا۔

تاریخی و ادبی کتابیں

یادگار دربار: ۔ دربارِ تاجپوشی و تخت نشینی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں ایک بیش بہا کتاب تیار ہوئی ہے جس میں اوّل تو شہنشاہ کی مفصل سوانح عمری ۔ اور پھر دربارِ لندن و ہندوستان کے تفصیلی حالات دیے گئے ہیں اور ساتھ ہی مشاہیر دربار یعنی شہنشاہ و ملکہ لارڈ و لیڈی کرزن لارڈ کچنر ڈیوک و ڈچس آف کناٹ شاہی مہمانان کیبنٹ کے نظام دکن والیان ریاست ہائے کشمیر اودے پور بڑودہ میسور گوالیار وغیرہ وغیرہ اور معزز مہمانان دربار مثلاً نواب فتح علی خاں قزلباش مہاراجہ میر حسن اور محمود آباد وغیرہ وغیرہ کی عکسی گراف ٹون تصویریں بھی مع ان کے حالات کے درج کتاب ہیں کتاب تصاویر سو صفحہ اور نقشہ جات ایک سو کی تعداد میں اسکے علاوہ ہیں کتاب مذکور کی قدردانی میں پنجاب و ہندوستان کی لوکل گورنمنٹوں والیان ریاست اور رؤساء ہندوستان نے جو قابل قدر حصہ لیا ہوا ہے اسکی خوبی کی اعلےٰ دلیل ہے قیمت ۲ روپے مع محصول ڈاک

یادگار وکٹوریہ: ملکہ وکٹوریہ متوفیہ کی کمل لائف یوم پیدائش سے وقت آخر تک اس جامعیت کیساتھ لکھی گئی ہے کہ ساتھ ہی ان کے عہد سلطنت کے تاریخی واقعات اور دست مقبوضات پر بھی نظر پڑ جاتی ہے ساتھ ہی ملکہ کی مختلف عمروں کی تین اور ان کے فرزند موجودہ شہنشاہ بیگم کی تصویریں بھی درج کتاب ہیں حجم ۲۰۰ صفحہ قیمت [illegible]

یادگار تاریخ دربار لاہور: ۱۸۶۴ء میں لارڈ ایلگن نے جو شاندار دربار لاہور میں منعقد کیا تھا۔ اسکے جملہ حالات تفصیلات مع ریاست ہائے پنجاب یعنی کشمیر پٹیالہ بہاولپور جیند نابھہ کپورتھلہ فریدکوٹ نامن ۔ سرہند اور سر ڈونلڈ میکلوڈ لفٹنٹ گورنر پنجاب و لارڈ ایلگن کی تصویر کے درج ہیں قیمت ۸ آنے ۵ (۲) حجم قریباً ایک سو صفحہ

یادگار سعدی: ۔ اور اس کتاب میں شیخ سعدی کے مفصل حالات زندگی لکھی ہیں اور انکی طور و انداز زندگی پر بحث کرنیکے بعد کلیات شیخ میں سے حکایات و غزلیات و قصائد و قطعات کا ایک قابل قدر ترجمہ و انتخابات دیا گیا ہے جو امیر غریب حاکم محکوم چھوٹے بڑے مبتدی منتہی سب کے کام آمد و حسب حال ہے زیادہ تعریف فضول ہے مختصر یہ کہ اسکو مفید تصور فرما کر قریباً تمام سکولوں نے اسی تقسیم انعامات اور لائبریریوں کے لئے منظور کیا ہے ۲۰۰ صفحہ [illegible]

یادگار دوستی: ناول تو آپ نے سینکڑوں دیکھے اور اشتہاروں میں انکی تعریف بھی بہت پڑھی ہوگی مگر یہ لاجواب ناول کچھ اور ہی ڈھب اصول اخلاق و تجربہ کی روٹ کوٹ بھرا ہے با سانی زبانی و جانی کے صحیح بیٹر بری فوٹو لیس کے مصنف ۔ عشق و محبت کی داستانیں بے تکلفانہ تنبیریں اور میٹھی باتوں میں لیے ہوئے اخلاص و مروت کی تصویریں اس عمدگی سے کھینچی ہیں ۔ لطف آجاتا ہے اور عمروں کے تجربہ گھر بیٹھے ہو جاتے ہیں ۔ سیر بینی مذاق ہی ہو جاتا ہے غرضیکہ تجربات کی گردوہٹ و درگزر نیکی و دیرا پسند کیا گیا ہے ۔ اور سفارش کی جاتی ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو اسے ضرور دیکھنا چاہیے ۔ حجم قریباً ۲۰۰ صفحہ قیمت مع محصول ڈاک [illegible] ایک روپیہ تین آنے ۔

شاہنامہ ہند: ۔ یہ فارسی نظم ہے ۔ جسے مہاراجہ گھور جنگ بہادر نے شاہ ظفر کی نذر کیا تھا امیر تیمور سے آخر حکمران دہلی آپ کے حالات میں لکھا تھا ۔ اور اسکا اصل نسخہ بڑی قیمت پر ایک پرانے کتب خانہ سے خرید کر چھاپہ گیا ہے حجم قریباً ۳۰۰ صفحہ قیمت مع محصول ڈاک (۱۲) جملہ کتابوں کے یکجائی خریدار کو صرف ۸ روپیہ وی پی کیا جائیگا ۔

المشتہر منیجر یادگار آفس لاہور اندرون دہلی دروازہ

خاتون

یہ امر ایسے طے ہو گیا ہے اور ملک کے تمام اہل الرائے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسواں ہے کیونکہ کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی۔ اس وقت تک وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔ ایشیا کے ترقی نہ کرنے کے سبب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے ابتک اس راز کو سمجھا نہیں تھا۔ آپ اب جاپان کو دیکھئے کہ وہاں کی عورتوں میں چونکہ تعلیم رائج ہو گئی ہے۔ اس لئے اس کے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے تو پہلے ماں ہی کی آغوش ملتا ہے جہاں اسکی ابتدائی تربیت ہوتی ہے۔ اور تربیت بھی ایسی جسکا اثر مدت العمر نہیں مٹ سکتا ہے۔ پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہونگی تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہوگی۔ عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اس کے اندر راسخ ہو جائینگے اور اس کی تعلیم کی جڑ مضبوط رہے گی۔

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے جو لوگ وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اسکے اچھے اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اندر دیانتداری۔ راستبازی۔ خوش خلقی۔ معاملہ فہمی اور دور اندیشی وغیرہ تمام اعلےٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں بھی کورس پڑھایا جاتا ہے لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں پر وہ اثرات نہیں پیدا ہوتے۔ اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش ہی سے ان اوصاف سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں سے کورے رہتے ہیں۔ آغوش مادر کی تربیت اول نمبر ہے۔ اور بی اے ایل ایل ڈی کی ڈگری دوسرا نمبر ہے۔

اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی عورتوں کی جہالت ہے۔ اسی قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں پر ادبار نازل ہے۔ اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں۔

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کے تلافی کیطرف مائل کرنے کے لئے ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسواں کیطرف سے رسالہ "خاتون" ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے جسکا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ صرف نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسواں کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرنے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلانے اور علم کیطرف ان کی سچی رہبری کرنے اور اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ عصمت کا زبردست حامی ہے۔

الحمدللہ کہ اس تین سال کے قلیل عرصہ میں اس رسالہ نے اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور ملک کے تمام معزز گھرانے اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اور تعلیم نسواں کیطرف سرگرمیانہ طبیعتوں کا میلان بڑھ رہا ہے۔

چونکہ یہ قومی رسالہ ہے اس لئے اس میں قوم کے تمام بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء مولانا حالی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ایل ایل ڈی پروفیسر ابوالحسن بی اے انعام الحق بی۔ اے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنؤ کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بہنوں کے نفیس مضامین ہوتے ہیں جو سوائے اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ اس کا کاغذ۔ چھپائی۔ لکھائی سب اعلےٰ قسم کی ہے حجم ماہوار ۴۸ صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ۔ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ۔

المشتہر شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں و ایڈیٹر خاتون علیگڈھ

میں کیمیا گر ہوں

بیٹھے گھر میں سیکڑوں روپیہ یک نانی کی بدولت کماتا ہوں جسکا ثبوت نے ثابت کر دیا ہے جسکی جادو بھری تاثیر نے ملک میں دھوم مچا دی ہوئی ہے

کے باشندے بچہ سے لیکر بوڑھے تک اس کے نام سے واقف ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی کمزوری کے دفعیہ کے ہندوستان میں یہ ایک ہی بے ضرر اور بے خطا دوائی ہے۔ جس کا نام روح حیات ہے اور خصوصیت کے ساتھ جس کا نام مشہور ہے۔

میں جادوگر ہوں اس لئے کہ کمزوروں کو وہ قوت دے سکتا ہے۔ کہ پہلوانی کریں اور جن کے جسم پر گوشت نہ آتا ہو۔ یا اُن لوگوں میں وہ طاقت کم ہو۔ جس کی وجہ سے مرد کو مرد کہتے ہیں جن کے دل و دماغ اور اعصاب ضعیف ہوں۔ اُن کے لئے میرے پاس جادو اثر دوائی موجود ہے۔ جس کا نام اسم بامسمےٰ روح حیات ہے۔

روح حیات کے مصدقہ خواص ضعف شانہ۔ ضعف اعصاب۔ ضعف دماغ۔ قلب ضعف جگر۔ ضعف معدہ۔ ذیابیطس اور اختلاج قلب کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ مولیم میں ہی کمزوری اور قبل از وقت علامات پیری کے لئے بے نظیر ہو جاتی ہیں۔ ان سب سے کامل نجات ہو جاتی ہے۔

روح حیات کے مفید ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اسکی کثرت فروخت ہی نے ایک لاکھ پچیس[25] ہزار روپے کی جائداد پیدا کرلی ہے جسمیں۔ مکانات۔ کوٹھیاں اور اراضی شامل ہے۔ روح حیات کی تیاری اور حساب کتاب رکھنے کے لئے میرے دفتر میں کلرکوں کی خاص جماعت کام کرتی ہے۔ جس میں ہندو۔ مسلمان۔ اور عیسائی مذہب کے لوگ ملازم ہیں اور کارخانہ روح حیات پنجاب بھر کے اشتہاری طبیبوں اور ڈاکٹروں سے زیادہ انکم ٹکس ادا کرتا ہے۔

میری آمدنی کی نسبت ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دریافت کیا تھا۔ جس پر صاحب موصوف کی خدمت میں تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر جو ڈاکخانہ سے بنک میں وصول ہوئی۔ معہ چٹھیات بنک بھیجی گئی۔ جس کی نقل بالاختصار بغرض اطمینان خلائق درج ہیں:۔

میری تین یوم کی آمدنی (بذریعہ منی آرڈر)

۲	اکتوبر	۱۹۰۶ء	۱۰۷	روپے	۱۳	آنے
"	"	"	۷۸	"	۷	"
۳	"	"	۱۶۷	"	۴	"
"	"	"	۵۵	"	۱۵	"
۴	"	"	۳۲۸	"	۵	"
"	"	"	۱۵۲	"	۴	"

میزان ۰ ۸۸۳ روپے ۱۴ آنے

اس چٹھی پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لاہور تحریر فرماتے ہیں
"میں آپ کی چٹھیات اور دیگر کاغذات متعلقہ دیکھنے کے بعد واپس کرتا ہوں" (دستخط)
سی۔ ایچ۔ اینکنس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور
۸ار اکتوبر ۱۹۰۶ء

ناظرین:۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ روح حیات کی قدر دانی ملک میں کس قدر بڑھ گئی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ اس لئے اب کوئی وجہ نہیں کہ اس کے فائدہ میں آپ کو ذرا بھی شک ہو اور اس زندگی بخش گرستی دوائی کے خریدنے میں تامل کریں۔

قیمت فی شیشی روح حیات (عـ)

مشتہر حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر کیمیاگر پروپرائٹر شفاخانہ عام چوک نواب صاحب لاہور

سر سید مرحوم

نے

ی ہندوستان میں زیادہ تر **ترکی ٹوپی** کو رواج دیا تھا

کہنا بیجا ہے کہ سر سید ہی اسکا موجد تھا۔ و ران ٹوپیوں میں بھی اس
نے ایک خاص فیشن ایجاد کیا تھا۔ اس قسم کی ٹوپیاں سر سید کے زمانہ
میں تھوڑی سی آئی تھیں۔ جو ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے بعد
نہ ویسی ٹوپیاں آئیں اور نہ کسی نے شوق سے انہیں اوڑھا۔

ویسے ضرورت پوری کرنے کیلئے

بازار میں جیسی بھی میسر آئیں لوگ اوڑھتے رہے

اب ہمارے پاس

خاص طور پر اصل فیشن کے مطابق

سر سید پیٹنٹ - کرسٹی کی ساخت لنڈن سے آئی ہیں۔

ان میں یہ خوبی ہے

کہ دیرپا ہونے کے علاوہ۔ فیشن کے مطابق

اور زیادہ خوبصورت

قیمت علاوہ محصولڈاک للعہ

نوٹ:۔ ان کے علاوہ اور سب قسم کی ٹوپیاں موجود ہیں۔

عبدالرشید برادر مرچنٹ و جنرل سپلائیر انارکلی لاہور

انتخاب مخزن یعنی مخزن کی گذشتہ نو جلدوں میں سے تمام چوٹی کے مضامین اور نظموں کے انتخاب کا مجموعہ جن شائقین کو مخزن کے پہلے نمبر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ان کے لئے یہ کتاب بہت ضروری ہے۔ مختصراً یہ نادر کتاب بعض یگانہ روزگار مشہور اہل قلم اور شعرا اور اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی مشرقی خیالات کا لب لباب ہے اس مجموعے کے ساتھ انجمن اُردو کے اراکین عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد شمس العلماء مولینا شبلی مولینا حالی نواب محسن الملک نواب وقارالملک اور مسٹر ارنالڈ کی دلاتی چھپی ہوئی تصویریں ہیں اس انمول کتاب کی قیمت صرف عہ ہے لیکن مخزن کے خریداروں سے صرف ۸ر علاوہ محصول ڈاک +

رفیق عروس مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ ایڈیٹر تہذیب نسواں یعنی نئی دلہن کی سہیلی جو خوشی کے وقت ہم عمر ہجولیوں کی طرح ہنسی خوشی میں شریک اور دکھ درد کے وقت دردمند بہین کی طرح مصیبت کی رفیق ہوتی ہے ناتجربہ کاری میں پیاری پیاری بزرگانہ نصیحتیں اور زمانہ کا اونچ نیچ سکھاتی ہے چوتھی مرتبہ چھپی ہے اور کئی مضمون ایزاد کئے گئے ہیں۔ قیمت - - - - - - - - - - - - - - - ۱۱ر

نعمت خانہ یعنی ہندوستانی کھانوں کی سب سے اچھی کتاب۔ اس سے پیشتر جس قدر کتابیں اس قسم کی چھپ چکی ہیں ان سب سے اچھی ہے اور ہر گھر میں اس کا موجود رہنا ضروری ہے

یہ کتاب لڑکیوں کو امور خانہ داری کی طرف مائل کرنے کے لئے بہت مفید ہے ہر قسم کے کھانوں کی ترکیبیں اس میں درج ہیں حجم دو سو صفحہ قیمت عہ

یہ کل کتب مخزن ایجنسی لاہور سے بذریعہ وی۔پی منگوائیے۔

علم الاقتصاد

(یعنی سیاست مدن)

مصنفہ شیخ محمد اقبال ایم۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

یہ قابل قدر کتاب شیخ صاحب نے جس عرق ریزی سے لکھی ہے اور جس محنت سے انہوں نے علم الاقتصاد کے دقیق اصول کو واضح کیا ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو علمی کتابوں کے پڑھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے توضیح اصول کے ساتھ مصنف نے ہندوستان کے موجودہ تمدنی اخلاقی اور اقتصادی حالات کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں جن سے پڑھنے والے کی نظر وسیع ہوتی ہے اور اس کو مسائل اقتصادیہ پر آزادانہ طور پر غور و فکر کرنے کی تحریک ہوتی ہے زر نقد کی ماہیت پر جو کچھ لکھا ہے ایک خاص منطقانہ دلچسپی رکھتا ہے جس سے ایک عقلی مسرت حاصل ہونے کے علاوہ بعض اہم مسائل پر عجیب قسم کی روشنی پڑتی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ اردو لٹریچر میں یہ قابل قدر اضافہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس کے مسائل پر کماحقہ غور کیا جائیگا کیونکہ ہندوستان کی آئندہ قسمت کا دارومدار زیادہ تر اس ملک کے موجودہ اقتصادی حالات پر منحصر ہے اب وقت اس بات کا مقتضی ہے کہ پبلک کم وزنی لٹریچر سے دست بردار ہو کر ان کتابوں کی طرف توجہ کرے جن کا موضوع انسان کی عملی زندگی اور اس کے تمدنی حالات پر غور کرنا ہے اس کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ (عمہ) ہے۔ علاوہ محصول ڈاک +

عورتوں کے لباس میں کیا کیا اُمور اصلاح طلب ہیں کن کن باتوں سے بیویوں اور خاوندوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہوتی ہے اور ان نااتفاقیوں کے دُور کرنے کا کیا علاج ہے۔ ان سب باتوں کو پُورے طور پر بیان کیا ہے جس شخص کو اپنی والدہ بہنیں بیوی اور عورتوں کے حقوق معلوم کرنے اور ان کے ادا کرنے کا خیال ہوا سے ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے + قیمت ۱۲ر

طبیب نسواں یہ کتاب ایک بڑے مستند ڈاکٹر کی تصنیف سے اخذ کرکے مرتب کیگئی ہے اس کتاب کے لکھنے سے غرض ہے کہ ہماری بے احتیاطیوں اور ناتجربہ کاریوں سے جو بہتیرے پھول سے بچے مرجھا کر رہ جاتے ہیں یا شیرخوار بچوں کی مائیں ہلاک ہوجاتی ہیں اس کے مطالعہ سے ان بچوں کی ماؤں کو ایسے نقصان نہ پہونچیں عورتوں کے تمام امراض کا ذکر اس کتاب میں ہے اور مستورات خود اپنا علاج کرسکتی ہیں عبارت ایسی آسان ہے کہ ہر عورت پڑھ سکتی ہے - ہر مرد اور ہر عورت کے لئے مطالعہ ضروری ہے +

قیمت ۱۰ر

ہادی النساء مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ اس کتاب میں دہلی کی مستورات کی خط و کتابت کے اعلےٰ درجے کے نمونے درج ہیں لیکن باہر یہ خطوط ہیں مگر اس میں خانہ داری کے کل معاملات رسم و رواج لوریاں گیت غرض زنانہ زندگی کے تمام پہلو دلچسپی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں + قیمت ۹ر

مجموعہ نظم آزاد شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کی بے مثل مثنویوں اور بعض مشہور نظموں کا مجموعہ جن سے جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ اس مجموعے میں بہت سی نظمیں ہیں اور سب دیکھنے کے قابل ہیں مولینا آزاد اور پھر اُن کا کلام زیادہ تعریف کا محتاج نہیں۔ منگوا کر دیکھیئے قیمت ۱۰ ار

مکاشفات آزاد پروفیسر محمد حسین آزاد کے عالمانہ خیالات کی افسوسناک الجھن سمجھیے یا عجائبات جنون +
مولینا کے عالم جنوں کی تصنیف بھی دلچسپی سے خالی نہیں عجیب رنگ میں یہ کتاب لکھی ہے۔ کیونکہ ہو مولینا آزاد کا کلام ہے قیمت صرف ۴ار

عذرا ۔ رائیڈر ہیگرڈ انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے ناول "شی" کا ترجمہ نہایت سلیس اردو میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے آپ کے معلومات بہت وسیع ہو جائینگے اور مصر کے عجیب و غریب حالات جو اس سے پہلے آپ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے اس میں آپ کو ملیں گے اور پھر ایسا دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کئے آپ اسے نہیں چھوڑ سکتے حجم ۲۶۲ صفحہ قیمت عہ ر +

حقوق نسواں اس کتاب میں جو مولوی سید ممتاز علی صاحب کی تصنیف ہے قرآن مجید حدیث فقہ اور دین کی اور کتابیں سند بن دیکر عورتوں کے حقوق بڑے زور شور سے ثابت کئے ہیں۔ اور مردوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الدین اور ناقابل اعتبار ہیں ان سب باتوں کا پورا جواب دیا ہے۔ عورتوں کو کہاں تک تعلیم دینی چاہیئے ۔ قدیم الایام میں پڑھنے کا کیا دستور تھا۔

سگھڑ بیٹی ۔ مصنفہ نذری بیگم صاحبہ کنواری بچیوں کی سہیلی رفیق عروس اور سگھڑ بیٹی دو بہنوں کی جوڑی ہے وہ بیاہی ہوئی لڑکی کے لئے ہے تو یہ کنواری لڑکیوں کے لئے ہے ۔ کنواری لڑکیوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے علاوہ ازیں کپڑے سلنے ان کے استعمال چٹھی پتر کھیل کود پڑھنے لکھنے کے متعلق سبق آموز باتیں لکھی ہیں ۔ یہ ایسی تصنیف ہے کہ ہر لڑکی کو پڑھنی چاہیے + قیمت .... ۔۔۔ عہ

مصنفین اردو شیخ عبد القادر بی اے نے ہندوستان کے زندہ مصنفین اردو زبان کی سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی ہے اور ہر ایک مصنف کے حالات نہایت تدقیق سے جمع کئے ہیں یعنی مولوی الطاف حسین صاحب حالی مولوی محمد حسین صاحب آزاد مولوی عبد الحلیم صاحب شرر پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی اور ہر ایک صاحب کی تصنیف پر ریویو کیا ہے ۔ کتاب بلحاظ اپنی دلچسپی اور خوبی کے نہایت ہی دلچسپ ہے + قیمت بجائے ایک روپیہ کے اب بارہ آنہ کر دی ہے +

دربار نمبر جو دسمبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس کے مضامین بجائے خود کے ۹۶ صفحہ پر آئے تھے اور انھیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا ۔ اس کی کچھ زائد کاپیاں رکھی ہیں جن حضرات کو شوق ہو ۔ جلد طلب فرمائیں اس میں کئی نظمیں مستقل قدر کے قابل ہیں +

قیمت ۶ ؎ ۔ علاوہ محصول ڈاک +

اپنی ہستی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

شعرائے اردو کے پیر حضرت میر تقی میر علیہ الرحمۃ کے مندرجۂ بالا شعر کو وہ قبول عام نصیب ہوا ہے کہ اسوقت لاکھوں زبانوں پر مذکور اور سینکڑوں کتابوں میں مسطور پایا جاتا ہے لیکن اگر اسکی زندہ منہ سے بولتی ہوئی شرح آپ دیکھنا چاہیں تو جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلوی ایم اے پروفیسر محمڈن کالج کے جدید ناول عالم

خواب ہستی

میں ملاحظہ فرمائیں جسے شائع کرکے دفتر مخزن نے اردو

ناول نویسی کی تاریخ میں ایک نیا روشن باب

کھولا ہے اور ہندوستان کی مقبول و مشترکہ زبان کو فسانہ طرازی کے معاملہ میں السنۂ غربیہ کا ہم پلہ بنا دیا ہے یہ کہنے کو تو ناول ہے مگر معنیاً ہندی طرز معاشرت کا سچا مرقع۔ ملکی رسم و رواج کا آئینہ اور طلبا کی تعلیمی۔ خانگی اور خلوتی زندگی کا بایسکوپ ہے جس میں روزمرہ کے واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ پختہ کاروں میں یاد ایام کا جذبات کو ابھارتا ہے تو نوجوانوں کے معاملات کا ہو بہو نقشہ اوتارتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتوں کی زندگی کے اُس پوشیدہ مگر ضروری پہلو پر روشنی ڈالتا ہے جسکو حل کرنے میں اب تک ملک کے سارے مدبرین قاصر رہے ہیں۔ اس کے

ہر صفحہ میں محسوسات و جذبات کا دریا بہہ رہا ہے

اور فقرہ فقرہ تمناؤں کے پکے پھوڑے کو چھیڑنے کے لئے نشتر بنکر نکلا ہے۔ ملک کی نئی نسل کے حق میں یہ ایک رفیق صادق ہے جو اس کی ایام جوانی کی امنگوں اور

عالم شباب کے ولولوں سے پوری ہمدردی

کرتا ہے اور صفحۂ کاغذ پر انکے ایسے خیالات کا عکس ڈالتا ہے جنہیں وہ خلوت و جلوت میں کہیں زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کرسکتے مگر جنکی خلش انہیں سراسر بے چین رکھتی ہے۔ ڈراما کے فن لطیف پر اسمیں ایک نئے لطیف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے اور تھیئٹر کی بہت سے "راز درون پردہ" عیاں ہوئے ہیں۔ المختصر دیسی سوسائٹی کا کوئی طبقہ اور زمانہ حال کی کوئی تحریک ایسی نہیں جو اس کے احاطۂ تحریر سے باہر رہ گئی ہو اور بزرگان صوفی مشرب۔ نوجوانان پاکباز۔ رندان عشق پرست میں کوئی ایسا نہیں جسکی دلچسپی کا سامان اسمیں مہیا نہ کیا گیا ہو۔ اس کی

ہر بات انوکھی اور ہر ادا نرالی

ہے حتے کہ لکھائی چھپائی۔ ترتیب وغیرہ میں بھی بڑی محنت و لاگت سے وہ بات پیدا کی گئی ہے جو اب تک کسی ناول کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا سنہری سرورق بجائے خود ایک تختۂ گلشن ہے اور دیباچہ اپنی رنگینی کے اعتبار سے صحن چمن۔ ان سب پر طرہ

تین ہاف ٹون عکسی تصاویر

ہیں۔ جنہوں نے اس کے صفحات میں اہل بینش کے لئے ایک جنت نگاہ مہیا کی ہے اور دلاویزی نظر فریبی کی شان بہت کچھ بڑھا دی ہے۔ ہر تصویر گویا منہ سے بول کر صاحبان نظر سے داد طلب ہے! بایں ہمہ اوصاف قیمت صرف عہ رکھی گئی ہے۔ تاکہ اردو کے تمام قدردان اس قابل قدر کوشش سے واقف ہونیکا موقعہ پائیں۔ دفتر مخزن لاہور سے طلب فرمائیے +

نوٹا کیا میں دولت دیدار خواب میں
سر سوتے تھے بخت - چونک پڑی - نیند اُچٹ گئی

ہر رات دن مدینے کی اک دُھن لگی ہوئی
دل ہٹ گیا وطن سے - طبیعت اُچٹ گئی

جو دوڑ کر چلا - وہ سمجھ لو کہ اب گرا
عمر رواں جو تیز چلی - جلد کٹ گئی -

کی قدر مجرموں کی شفاعت نے روز حشر
اتنے گُن نکلے کہ میزان پٹ گئی -

رحمت نے مجرموں کا کیا پاک سب حساب
مدِ گناہ اک مدِ فاضل تھی کٹ گئی -

مر مر کے ہجرِ طیبہ میں کاٹی ہے زندگی
یوں زندگی کو کاٹتے اک عمر کٹ گئی

مشتاق - ایک جلوہ میں غش کھا کے گر پڑے
ٹٹی لگی ہوئی تھی جو در پر - وہ ہٹ گئی

اے مالکِ سفید و سیاہ - مجھکو دے پناہ
صبح قیامت آئی - شب گور کٹ گئی

پیری کی صبح دیکھئے کیا کیا دکھائے رنگ
میری شبِ شباب تو غفلت میں کٹ گئی

قطع حیات اصل میں ہے حاصلِ حیات
تھی عمر ایک کشت - کہ پکتے ہی کٹ گئی

بھاگا عدم کو چھوٹ کے قیدِ حیات سے
رسی مرے گلے میں پڑی تھی وہ کٹ گئی

شکوہ شب فراق بنی کا عبث عبث
بدلے میں دن بڑہے گا - اگر رات گھٹ گئی

حافظ بہ سن - یہ فکر یہ فکر سخن کے دُھن
افکار میں رہی سہی عقل اور کٹ گئی

تم اُوپری دل سے کرو شرم حیا میں
کیوں ڈالتے ہو اور عزیبوں کو بلا میں

جاتے ہو تو ملتے ہوئے جاؤ کہ ملو پھر
لو آؤ لگا دوں میں گرہ بند قبا میں

ہستی کے سوا کوئی عدم کا نہیں قائل
یہ ایک بھرا کیا ہے زمانے کی ہوا میں

دیکھت کی رکھائی بھی ہر پڑتی بھی ہے نظر پر
چھانٹی ہے یہی ایک ادا لاکھ ادا میں

پہلے انہیں پھولوں کو بکھرتے ہوئے دیکھا
کمبخت جو اترائے تھے دو دن کی ہوا میں

کہنا وہ کسی کا میری آغوش میں آکر
ہمسے نہ رہا جائیگا اس تنگ قبا میں

شاعر وہاں کیا لطف ہو گندے کی کسکی
ہر وقت کا دامن ہو جہاں دستِ قبا میں

(آغا شاعر قزلباش دہلوی)

ہمیں موت آئی جو راہِ وفا میں — کہا نا امیدی نے منزل یہی ہے
ہمیں بیچ منجدھار میں جا کے ڈوبے — ہمارے مقدر کا ساحل یہی ہے
بہت دل کو بھائیں ادائیں کسی کی — یہ کیا جانتے تھے کہ قاتل یہی ہے

بہت ہرزہ گوئی نہیں خوب مرزا
بس اب چپ رہو اب محفل یہی ہے

[illegible]

جو وفاداروں میں تھے وہ آشنا چھوٹے ہوئے — بحرِ ہستی سے ملے موتی مگر ٹوٹے ہوئے
چاہنے والے تمہارے تم کو دیکھیں کس طرح — سنگِ فرقت سے ہیں دل کے آئینے ٹوٹے ہوئے
پختہ رنگی حاصلِ لطفِ ریاضِ عشق ہے — بیمزہ ہیں وہ ثمر جو خام ہیں ٹوٹے ہوئے
دامِ گیسو کی رہائی نے کیا پابندِ غم — آ گئے زندان میں پھر قید سے چھوٹے ہوئے
آشنائے لذتِ صہبا پرستی تھے کبھی — آج کیا چکھیں جسے برسوں ہوئے چھوٹے ہوئے
دوریٔ منزل کی حسرت اُن سے پوچھا چاہیے — قافلے کے ساتھ سے جو رہ گئے چھوٹے ہوئے
لے اڑی پھر حسرتِ پروازِ گلشن کی طرف — پھر نکل آئے مرے بازو کے پر ٹوٹے ہوئے
پھر ہوئی وحشت چلا پھر خارِ صحرا کی طرف — پھر مرے تلووں میں اُبھرے آبلے پھوٹے ہوئے
پھر وہی رنگینیاں ہیں پھر بہارِ نظم ہے — پھر زمینِ شعر میں نازسے یہ گل بوٹے ہوئے
عالمِ پیری میں بس لطفِ زندگانی ہے وہی — یاد ہیں سارے جوانی کے مزے لوٹے ہوئے
دل شکستہ ہوں یہ ثابت ہے مرقع سے مرے — جوڑ جتنے ہیں مری تصویر کے ٹوٹے ہوئے

گل کو کیا نسبت مرے باغِ فصاحت سے نسیم
پھول ہیں یہ وہ کہ جو ثابت نہیں ٹوٹے ہوئے

[illegible]

جب ضعف بڑھ گیا تو میری آہ گھٹ گئی — یہی بہت دراز تھی ظالم کی کٹ گئی
عمرِ عزیز ہو گئی نشو و نما کی نذر — جتنا میں روز روز بڑھا عمر گھٹ گئی

کرتا ہے لگے یا گہراشک اب نثار — روکر ہماری خاک پہ ابر بہار حیف
رونق وہی چمن کی ہے۔اک ہم نہیں توکیا — ہو جوش گل وہی۔ وہی بانگ ہزار حیف
شیشہ وہی ہو۔جام وہی میکدہ وہی — ساقی وہی ہے۔اور وہی بادہ خوار حیف

دُنیا کے ہیں جو عیش وہ کمبخت کم نہیں
حسرت یہ ہے لحد ہیں کہ دنیا میں ہم نہیں

جان پدر سفر کے ہو قابل کہاں ابھی — دن گھر ہیں کھیلنے کے ہیں او مہربان ابھی
بوٹا سے قد پہ کہدو نہ چھائے خزاں ابھی — ٹھیرے رہو ! ذرا مرے سرو روان ابھی

جانے کا عزم ہے جو دل ناصبور کو
میں ساتھ لے چلونگا تمہیں کانپور کو

سرور جہان آبادی

تازہ غزلیں

گیا دم جو بیتابیٔ دل یہی ہے — مرے ہم جو اندازِ قاتل یہی ہے
ہوا جس کا شہرہ کہ قاتل یہی ہے — کہا دل نے ملنے کے قابل یہی ہے
مسلمان ہُوں لیکن مرا دل ہے کافر — بتوں کی خدائی کا قائل یہی ہے
گوارا ہو تلخیٔ غم جاں تحمّل کی — مزا دل لگانے کا اے دل یہی ہے
مجھے قتل کرکے وہ اترا رہے ہیں — کوئی تو کہے گا کہ قاتل یہی ہے
عدو مر گیا تنگ آکر وفا سے — وہ سمجھے کہ بس عشق کامل یہی ہے
ملے ضبط کی داد کیونکر کسی سے — جو تڑپا تو سمجھے کہ بسمل یہی ہے
بہت سہل تھا عشق میں جان دینا — وہ سمجھے اسی کو کہ مشکل یہی ہے
کوئی شیشہ دیکھا جو صہبا سے خالی — ہوا مجھکو دھوکا مرا دل یہی ہے

عزیزو! مے کو نہ سمجھو کہ ہے گلِ لالہ — لگاؤ اس سے نہ دل ہے یہ نابِ حل کردہ
تباہ اس سے کئے ہائے خانماں لاکھوں — پنپ سکا نہیں مجروح تیر سے برسوں
کہاں تلک میں مذمت شراب کی لکھوں
برائیوں کی اگر ماں کہوں تو ہے موزوں

ایک اجل رسیدہ کی تمنا

(بقیہ حصہ)

اک مشتِ خاک کا ہو یہ انجام کار حیف — تف! تجھ پہ تف ہے ہستی ناپائدار حیف
احباب دفن کر کے ہمیں کیا چلے گئے — آئے نہ دیکھنے کو بھی سوئے مزار حیف
پوچھا نہ اقربا نے بھی آکر۔ اجل نصیب! — کٹتے ہیں کس طرح ترے لیل و نہار حیف؟
ہو کر سبک گراں ہوئے ایسے کہ بعد مرگ — یاروں کے دوش پر بھی جنازہ تھا بار حیف
ہم کو تو اب بھی خون رُلاتا لحد میں ہے — اخلاص بھائیوں کا وہ۔ بہنوں کا پیار حیف
پوچھا مگر کسی نے نہ اتنا پس فنا — صحرا میں کس غریب کا ہے یہ مزار حیف؟
فرصت قضا نے آہ! دم واپسیں نہ دی — ٹھہری نہ آہ! زندگی مستعار حیف۔
بالیں پہ روتے ہی زن و فرزند رہ گئے — احباب لے چلے ہمیں سوئے مزار حیف
ارمان مرے۔ غریب تمنا کا خون آہ — کیا کیا ہوئی خدنگِ اجل کا شکار حیف
جس پر کبھی گراں تھی قبائے حریرِ چیں — لپٹا ہوا کفن میں ہے وہ جسم زار حیف
اے وائے! ہم کو جن کے تناسب پہ ناز تھا — اعضا ہیں اب وہ تودۂ مشتِ غبار حیف
کھاتا ہے اب وہ کاسۂ سر آہ! ٹھوکریں — دلکش تھے جس کے زیست میں نقش و نگار حیف
سبزہ ہماری قبر پہ یا اُگ رہا ہے اب — محو خرام یا تھے لب سبزہ زار حیف
یا فصل برشگال کا منظر تھا سامنے — مجمع تھا دوستوں کا لب جوئبار حیف

محبت میں آنچ آئی کشش یہ "تم کو جانے میں ہو جیسے بنے
"پابندیٔ رسم و راہ بندی" "تعجب ہے تمہاری یہ دل تنگی
"خواہش اس سے نکلنے کی ہے دُھن تم کو سفر کی لگ رہی ہے،
"پڑھنے کا تو کرتے ہیں بہانہ لیجاتا ہے ایک آب و دانہ"
جو جو یہ خیال ہیں ہمارے کوسوں ہیں یہ دور ہستی سے
یاں کس کو ہے شوق سیر و تفریح یاں ہے ہوس صلوٰۃ و تسبیح
جی بجھ گیا فکر سے الم سے دل خشک ہوا ہو درد و غم سے

سامان طرب و عیش سمجھو کس کام کے دل میں ہو جو جی کچھ
باور کرو اس کو یار میرے دل خالی ہے جوش سے امنگ سے
ہاں شوق ضرور اس قدر ہے دل سے لگی بات یہ کہی ہے
دنیا میں رہیں تو نام کر کے دنیا جو چھوڑیں تو کام کر کے
کچھ کام کسی کے ہم بھی آئیں آئے ہیں تو کچھ تو کر کے جائیں
زحمت تھوڑی اٹھا کے دیکھیں قسمت کو آزما کے دیکھیں
تکلیف بھی ہمرہِ سفر ہے لیکن یہ وسیلہ سفر ہے

شبیر حسین

"شراب کا دیوتا"

نہیں ہے رحم ذرا تیری ذات میں از بس کیا ہے تو نے کروڑوں کو خستہ و بیکس
تو اندھا راجہ ہے بیداد نگری ہے تیری خدا کرے تجھے غارت دعا ہے یہ میری
جہاں میں ساری خرابی تری بدولت ہے شرارتوں کا تو پتلا ہے لاکھ آفت ہے
ترے وجود میں جز شر نہیں ہے گُن کوئی ہے تیرے قرب میں حاصل ہزار بے لطفی
ترے نفس سے مسیحا کا دم نکلتا ہے تری ہوا سے امیدوں کا باغ جلتا ہے
جہاں یہ دام ہے پھیلا ہوا ترا ایکسر جو آیا زد پہ تیری پھر ہوا نہ وہ جانبر
تو ورغلاتا ہے کس ڈھب سے نوجوانوں کو فریب دیتا ہے کیسا تو نکتہ دانوں کو
ہے تیری شکل بظاہر اگرچہ نورانی تیری صفات میں لیکن بھری ہے شیطانی
خوشی سے آتے ہیں پہلے تو جاتری تیرے تیرے دوارے پہ آ کر ہیں ڈالتے ڈیرے
کچھ ایسے ہوتے ہیں مدہوش پی کے وہ سارے اُٹھاتے سر نہیں پھر تو شراب کے مارے
سراب ساں تیرا جادو ہے تشنہ لب کے لئے تو ایک منظرِ خاطر فریب ہے سب کے لئے

سادگی اور سلاست کے علاوہ آزادی و غلامی کا معقول موازنہ مجھے اسقدر پسند آیا کہ میں نے چھاپنے کے لیئے ان سے مانگ لیا +

(عبد القادر)

یوسف جو تمہیں لکھوں تو کیا ہو | بگڑو بیزار ہو خفا ہو
القاب "مکرمی" ہے کافی | آداب "دعا خلوص دل کی"
حالت اپنی تمہیں لکھوں کیا | ہاں پوچھوں تمہاری خیر بتلا
معلوم نہیں کہ حال کیا ہے | مجھ سے نہیں کہیے ملال کیا ہے
کیا عیش و طرب میں مجھکو بھولے | یا عزم سفر سے میرے سدھ چھٹے؟
تم نے جو لکھا وہ سب بجا ہے | پر کیا کہوں حال میرا کیا ہے
عاجز اس نوکری سے میں ہوں | اے کاش نجات اس سے پاؤں
موقوف اسی پہ کچھ نہیں ہے | عزت کی بھی جا ہماری کہیں ہے
یکساں ہیں ملازمت غلامی | دونوں کا ہے جزو پائے بندی
آزادی وہ بہترین نعمت | ہو جاتی ہے اس میں آکے رخصت
پھر کیا ہو یہ خاک مجھکو مرغوب | حاشا کہ مجھے نہیں یہ مطلوب
خوش وقت کہ بیڑیاں یہ ٹوٹیں | ہم قید سے اس کی کاش چھوٹیں
منظور جلا وطن بھی ہونا | تھوڑے دنوں گھر کا مزا نہ
منظور فراق اقربا ہے | اس درد کی گر یہی دوا ہے
احباب کی بھی جدائی منظور | کرلیں مجھے بے وفا بھی مشہور
منظور وہ صحبت اجنبی ہے | غربت کی گزارا بے کلی ہے
وہ برد وہ برف مجھکو منظور | کلفت منظور صرف سفر
منظور نہیں ہے پر غلامی | ہاری مری جان اس سے ہا
تم دل میں کہو گے "بات کیا ہے؟ | اس شخص کو کیا یہ ہو گیا ہے؟"

لیکن ذرا دل میں غور کرلو | انصاف کو تھوڑی سی جگہ دو
گر ایک ہرن پکڑ کے پالو | یا جانور ایک کوئی رکھو
اس کو تم نعمتیں کھلاؤ | شربت بھی قند کا پلاؤ
ٹھنڈا ٹھنڈا مکان بنا دو | سونا چاندی اسے پہنا دو
رکھو اسے تم ہزار دل سے | آرام کا سب خیال کر کے
لیکن پھر بھی وہ خوش نہ ہوگا | اور چاہے گا مخلصی ہی پانا
پابندی میں لطف عشرت و راحت | ہے جانوروں کو بھی قیامت
آزما لے انہیں جو رنا | فاقہ لو جو ہر پہ گودا
جب قید میں جانور ہے بیکل | انساں کو ہو اس میں کس طرح کل
اے دوست یہی ہے بات سب سے | ہے شوق سفر کا دل میں جب سے
ورنہ کیوں زحمتیں اٹھاتا | لندن کا خیال بھی نہ لاتا
تم کہتے ہو شوق سیر و تفریح | لے جانے میں کر رہا ہے عجلت
"الفت ان نازنین تو ہوگی | دل میں ہے تب سے سمائی
وہ وہ عشوہ و ناز بے مثالی | تمکو ہے اشاروں پر بلائی
وہ نازک بدنوں کے چمکیلے بال | وہ توبہ شکنوں کے جھمکے والی"
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں تم | کالی کالی گھٹائیں ہر دم
"ہر دم وہ پیار تھوڑی تھوڑی | وہ دیکھ کے مسکرانا کیسی اچھی
گھونگر والے وہ بالوں والے | وہ فیشن بھی نئے نئے زمانے"
"وہ باریک کمر ملیح صورت | سرخوشی نمبر ایک عشرت"

ملا تجلا کے دمِ سرد اور نالۂ دل۔ خدا ہی جانے کہ کیونکر مبارک عید کہا
"مبارک عید ہو اے بدنصیب لے محزوں" "مبارک عید ہو اے دلفگار لے دُکھیا"
"مبارک عید ہو اے پائے بندِ حسرت ویاس" "مبارک عید ہو اے مبتلائے رنج و بلا"
"مبارک عید ہو اے ذکرِ محفلِ یاراں" "مبارک عید ہو اے داغِ سینۂ رفقا"
"مبارک عید ہو اے خواہشِ زن و فرزند" "مبارک عید ہو اے بے وطن حزین تنہا"

"مبارک عید ہو اے چرخ کے ستائے ہوئے"
"مبارک عید ہو اے جاں سے تنگ آئے ہوئے"

اُٹھا کے ہاتھ وہ کہنے لگا کہ بس نہ ستا، "جلانے سے مرے حاصل تجھے بھلا ہے کیا؟
جنابِ عید کہاں اور میں غریب کہاں؟ مجھے تو موت مبارک اگر کہو تو بجا
نہ پوچھ کیوں مرے بالوں پہ ہے یہ خاک پڑی ہیں آپ اپنا ہی ماتم نشیں ہو بیٹھا
مرے عزیزوں سے کہنا کہ آہ وزاری سے مجھے تمہاری کوئی فائدہ نہیں ہوتا
مگر وطن میں جو بدبخت ہوں کوئی قیدی مرے خیال سے ان کی خبر ذرا لینا
اگر عزیز ہے اولادِ بے پدر میری یتیم کوئی جو دیکھو تو پرورش کرنا
کہا پھر اُس نے یہ آنسو بہا کے آنکھوں سے اک اور بات یہ اہلِ وطن سے کہدینا

"گلے لگاؤ جو تم اپنے پیاروں کو"
"نہ بھول جانا کہیں ہم خدائی خواروں کو"

مشیر

آزادی و غلامی

مندرجۂ ذیل نامۂ منظوم میرے دوست شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی تعلقہ دار گدیا۔ ضلع بارہ بنکی نے لندن آنے سے پیشتر اپنے ایک دوست کو بھیجا تھا۔ میں اور وہ جب گذشتہ اگست اور ستمبر میں اسلام ہمسفر تھے۔ ان دنوں ان کے پرانے کاغذوں میں سے نکل آیا۔ اس کے بیان کی

تڑپ رہا ہے دل بیقرار بن تیرے

خوشی سے عید منانے کو لوگ جاتے ہیں — ادا سے بولتے ہنستے ہیں مسکراتے ہیں
زمین پر نہیں پڑتے قدم معاذ اللہ — خوشی سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے ہیں
ملے ہیں بچھڑے ہوئے مدتوں کے آج ہم — خوشی سے ہاتھ ملانے گلے لگاتے ہیں
ہمارے دل پہ گذرتی ہے کیا یہ کیا جانیں — یہ بے خبر ہمیں کس کس طرح جلاتے ہیں!
سنبھال لیتے ہیں دل اپنا دونو ہاتھوں پر — کہیں جو محفل احباب دیکھ پاتے ہیں
کبھی بسمت وطن دوڑتی نظر ہے کبھی — نگاہ یاس بسوئے فلک اٹھاتے ہیں
چمن میں شہر کے کوچوں میں جی نہیں لگتا — اب اس کو دشت میں بہلاکے آزماتے ہیں

کہیں قرار دل بے قرار میں آئے
کسی طرح یہ کہیں اختیار میں آئے

کشاں کشاں مجھے جنگل کو لیگئی تقدیر — نظر پڑا وہیں رستے میں ایک مرد اسیر
وطن کی یاد دلاتا ہے رنگ گندم گوں — نشان ہند بتاتے ہیں نقش بے تقصیر
پھٹا پرانا لباس اور تن غبار آلود — پڑی ہیں بیڑیاں پاؤں میں ہاتھ میں زنجیر
پڑی ہے بالوں میں خاک و بال الجھن میں — کھڑا درخت کے نیچے ہے با دل دلگیر
سیاہ فام ہیں دو پاسبان کچھ قیدی — کھڑے ہیں گویا کہ ہمشکل منکر اور نکیر
لکھا ہے یا کسی جادو بیاں نے قصہ غم — بنائی مانی نے اندوہ کی ہے یا تصویر
نگاہ یاس تھی یا رب کہ خنجر بیداد — گئی جو پڑتے ہی میرے دل و جگر کو چیر

بچارا قیدی سے رنگت اڑی اڑی سی ہے
فلک کی سمت بس اک ٹکٹکی بندھی سی ہے

یہ حال دیکھ کے دل اور بھی سوا تڑپا — چلا تلاش دوا میں مرض خرید لیا
بغل میں تھام لیا اضطراب نے دل کو — جگر میں درد نے لیں آ کے چٹکیاں کیا کیا

وحش اللہ لوحِ سیما سے تیرے ہے عیاں
جوں جبینِ صائماں انوارِ طاعت گستری

واہ شیریں کاریاں تیری کہ بے تیشہ زنی
کی ہے جوئے شیر پیدا گرد کوہِ اخضری

اللہ اللہ کس قدر دامن کشائی ہے تری
دور ہے جس کا محیطِ آسمان چنبری

انشراحِ خاطرِ داناسے ہے وسعت زیاد
انبساطِ طبع عارض سے فزوں پہنا وری

خوشۂ پرویں سے تیرے فرق پر ہے ہر نثار
سلکِ درگر دوں لئے پھرتا ہے مثلِ جوہری

دم سے آئینہ مکدر ہو وے دم سے تیرے
واسطے آئینۂ عالم کے ہے روشن گری

وحش اللہ شبِ عید وزہے طرفہ ہلال
نقرہ گوں کشتیٔ وعنبر کا محیط سیال

شبِ جاں بخش کہ جوں آبِ بقا ظلمت میں
رکھتی انوارِ حیاتِ ابدی مالا مال

زیر دامن لمعاتِ سحری کی ہے چمک
جوں سیہ برقع لیلےٰ میں تجلی جمال

عنبریں جامہ میں جیسے ہو طرازِ زریں
اس کے دامن سے لگی رہتی ہو یوں صبح وصال

عید

ہجومِ یاس ہے انبوہِ حسرت واریاں ۔
یہ آئے خانۂ دل میں ہیں عید کے مہماں

وطن سے دور عزیزوں سے دور گھر سے دور
الٰہی عید کے دن ہو نہ کوئی خستہ جان

وطن وطن ہے جوانی ہو یا بڑھاپا ہو
چمن چمن ہے عزیز و بہار ہو کہ خزاں

دکھائیگا ہمیں کون اس جگہ نئی پوشاک
کریگا کون ہمیں عید کا سلام یہاں

یہ دشت وہ ہے جہاں قیس بھی نہیں پہنچا
ملی ہے تو بھی ہمیں آکے ہائے عید کہاں؟

غمِ جدائی خویشان و اقربا سر لیں
مگر بھلا ہو تیرا آہ محفل یاراں

قرار پاتی نہیں جان زار بن تیرے (غ)

بہارِ عید میں ہے اب کے التیام تمام
رکھے ہے نخل شگوفہ سے جامۂ احرام
ہوا ہے نغمۂ بلبل ترانۂ لبیک
ادائے حج کی مراسم یہاں تلک ہے عام
فضائے کعبہ میں ہے کاروانِ روم و حبش
بہار ہے یا گل و ریحاں سے صحنِ باغ تمام
نسیم گرد چمن یوں پھرے ہے جوں حاجی
طواف کعبہ کی خاطر سبک اٹھائے ہے گام

(ممنون)

صباح عید کو لازم ہے تا فروغ و ضیا
الم کی رات کو تا تیرگی و یلدائی
ستارہ نت ترے احباب کا درخشاں ہو
نصیب ہو ترے اعدا کو دشت پیمائی

(ممنون)

بہر قتلِ غم ہلال عید تا کھینچے ہے تیغ
تا صباحِ عید کو خاطر میں عشرت آوری
فرقِ اعدا پر الٰہی دم بدم شمشیر ہو
ہو طرب کو سینۂ احباب میں جلوہ گری

(ممنون)

عید کی صبح ہے تا روئے منور سے شبیہ
صیقلی تیغ سے جب تک کہ ہو تشبیہ ہلال
چہرہ افروز ہو اس بزم میں معشوق طرب
خون بدخواہ دم تیغ پر اس کے ہو حلال

(ممنون)

زہے نمود مہِ عید و چرخ مینائی
لبِ قدح کو ہے شیشے میں عکس آرائی
ہلال و چرخ و شفق دیکھ کر بہم کیونکر
نہ ہو طراوت چشم و دلِ تماشائی
کشادِ عقدۂ کار جہان مبارک ہو
دیا ہے ناخن دستِ سپہر دکھلائی
بنے تو کاتبِ قدرت کے ہاتھ لیجیے چوم
عجب ہے خوش رقمی و شگرف انشائی
کہ آب نقرہ سے ہو صفحۂ زمرد پر
دقیق مصرعۂ روشن لکھا بہ زیبائی

(ممنون)

مرحبا اے صبح عید اے رشک رخسار پری
چرخِ مینائی ہے تیرا شیشۂ جلوہ گری

مطلع

کیا عجب تا بہ فلک آج بڑ ہے شعلۂ آہ
چشمۂ سبز چھلکے اور جلے خرمنِ ماہ

آج اِس ملک کا اک خیر مجسمہ نہ رہا
خیر خواہوں کا نہ کیوں رنج سے ہو حال تباہ

جس کے انفاس تھے صد رشکِ نسیمِ سحری
جس نے عالم کا شگفتہ کیا گلزارِ رفاہ

ملک اور قوم کا ہمدرد ۔ ہوا خواہِ عوام
نیک تدبیر مہ اوجِ خرد ۔ فیض پناہ

قومِ اسلام کی محفل کا چراغِ روشن
جس کی تنویر پہ خورشید بھی کرتا تھا واہ

سیکھتا عدل جو اِس عہد میں ہوتا کسرٰے
راہ پر آتا طریق انکا جو پاتا گمراہ

آپ کی آتشِ تدبیر سے پر جلتے تھے
اُڑ نہیں سکتی تھی بیداد کی جھوٹی افواہ!

دامنِ لطف و عطا آپکا ہر دم تھا دراز
دستِ تقدیر کسی کا جو نہ ہوتا کوتاہ

پیچھے ہٹتا ہی نہ تھا توسنِ تدبیر کبھی
ٹیڑھی منزل میں نکلتی تھی عجب سیدھی راہ

کوئی کیسا ہی گنہگار تھا یا مجرم تھا
آپ کے کھوج سے رُو پوش رہا وہ؟ تو باہ!

شائقِ علمِ الٰہیات و معقول پسند
معرفت دان ۔ ہنر آرا ۔ و حقیقت آگاہ

ایسے ہمدرد کا جس ملک سے سایہ اُٹھ جائے
کیوں نہ وہ ملک رہے حسرت و حرماں سے تباہ

آنکھ بنوانے گئے ہند سے انگلینڈ کو آپ
بگڑی تقدیر نے کچھ اور دکھائی ناگاہ

اُنکی رحلت سے جو اِس ملک کو پہونچا نقصان
اُس کی تفصیل کرے کوئی ۔ عیاذاً باللہ

اشک کے ساتھ ۔ یہ طالب نے نکالی تاریخ
قوم کا بدر چھپا موت کے بادل میں آہ

عید

میں ایک دن دیوان ممنون کا ایک قلمی نسخہ جو کتب خانہ انڈیا میں ہے دیکھ رہا تھا ۔ اس میں چند اشعار عید کے متعلق ملے ۔ ایک عید گذر چکی ہے دوسری عید آ رہی ہے انہیں موسم کا تحفہ سمجھ کر بھیجتا ہوں (عبد القادر)

ہ یہ تاریخ صنعت تعمیہ داخلہ نہیں ہے ۔

بال سنبل نے بکھیرے ہیں چمن میں اپنے
پیرہن چاک کئے آج گلوں نے ناگاہ

کون کہتا ہے کہ شبنم ہے گلِ نرگس پر
اشک یہ دیدۂ گلشن سے رواں ہیں واللہ

موتیا کی جو کلی تھی وہ بنی ہے پیکاں
سرد ہے وار تو خنجر ہے گلستاں کی گیاہ

کون کہتا ہو کہ ہے آگے قلم کے یہ دوات
ڈوب مرنے کے لئے آیا ہے یوسفِ چاہ

سروِ آزاد جو تھا ہے وہ گرفتارِ الم
تھا قدِ یار جو شمشاد وہ ہے صورتِ آہ

خانۂ چشم سے بیتاب نکلتے مردم
پانوں میں انکے بندھے ہوتے نگر تارِ نگاہ!

مطلع

زندگی تک ہی یہ سب طول اَمل شوکت و جاہ
آیا جب خوابِ اجل ہو گیا قصہ کوتاہ

کیا بساط اس کی - ہو انسان ضعیف البنیاں
شیر بھی موت کے جنگل میں ہی مثلِ روباہ

کیا یہ دنیا کا حشم - کیا یہ زمانے کا عروج
کیا یہ دورروزہ جہاں - کیا یہ کمالِ زر و جاہ

ایک دن بدر کو حاصل ہے کمالِ اجلال
کام گھٹنے سے ہے ۲۹ دن اسکو ہراہ

مہر بھی جبیں نہیں مرتبہ جس کا ہے بلند
وہ بھی ہے صیدِ الم ہو جو علم کش ذی جاہ

پھول کر ہوتا ہی پژمردہ وہ غنچہ میہات
جسکو گلشن میں کھلاتی ہے نسیم دلخواہ

اے فلک کیسے نہ ہو جائے زمانہ تاریک
بادِ بیداد سے تیری جو بجھے مشعلِ ماہ

جانِ مخلوق کو آرام ہو جس کے دم سے
حیف اُس پر بھی پڑے صدمۂ مرگِ جانکاہ!

کالے گورے کریں افسوس سب اُسکا ماتم
جسکے قبضے میں دیا حق نے سفید اور سیاہ!

طے اُسے کرنی پڑے راہ عدم کی تنہا
رہبری میں رہے ہوں خضر سے جسکے ہمراہ

صاحبِ طبل و علم ہو جو - جلو میں اُسکے
نالہ نوبت ہو - علم آہ ہو - افغاں ہو سپاہ!

حیف! اُس شخص کو بھی لوٹ لے قزاقِ اجل
جس کے انصاف و عدالت کا خدا خود ہو گواہ

میں نے پوچھا آفتِ ایماں ترا ہے نام کیا
اور ترا کیونکر ہوا ہیچ تو بتا اسکا گذر

شک سب مجھے تھا پہلے یا سکے دہن بالکل نہیں
جبکہ بولی منہہ سے وہ جاتا رہا وہ شک مگر

یہ کہا دنیا ہے میرا نام رشید ہے مرا
ہر کس و ناکس تجھے اب تک نہیں غافل خبر

میں نے پوچھا تیرے تو شوہر کروڑوں مر چکے
حسن تیرا کس طرح ہے برقرار و مستمر

وجہ کیا ہے کس طرح دوشیزہ تو اب تک رہی
کیوں نہیں تجھ پر ہوا کچھ کتخدائی کا اثر

بولی وہ چپکے سے لا کے منہہ کو میرے کان پاس
پھٹ گیا بوئے دہن سے اسکی میرا مغز سر

عاقلانہ بے شک و شبہ ہے یہ تیرا سوال
میں بتاتی ہوں تجھے گو راز ہے یہ مستتر

آ چکی ہوں عقد میں لاکھوں کے میں ایک ایک شب
پر نہیں قادر ہوا مجھ پر کوئی فرد بشر

تھے میرے طالب جوان میں سب کو سب نامرد تھے
مرد تھے انمیں جو وہ مجھ سے رہے کرتے حذر

جس نے میرے حسن و غمزہ پر نہ کی مڑ کر نگہ
راز سربستہ گئے فوراً کھل اوسکے قلب پر

جسٹس بدر الدین

کیا لکھے خامۂ دل چاک بیانِ جانکاہ
آہ منہہ سے نکل آئے جو کرو دن بسم اللہ

آئی یاد دیدۂ تر پاس قلم کے جو دوات
بن گئی دونوں کی ترکیب سے اک صورتِ آہ!

سبز کا ہی ہے جو گلشن کا لباسِ ماتم
بن گئی کالی گھٹا پھر فلک رخت سیاہ!

حوضِ گلزار کا اس غم سے بھر آیا ہے دل
چشمِ پرآب جو کہیئے تو بجا ہے اشباہ

پُر فضا وہ جو گلستاں میں تھی اک گول روش
آج ہے حلقۂ ماتم کی روش زیرِ نگاہ

گل نہیں ہیں یہ دہکتے ہوئے انگارے ہیں
زلف سنبل نہیں آہوں کو دھوئیں ہیں سیاہ

وہی عشق لیلےٰ ہے کیا تیرے دل میں وہی جوش سودا ہے کیا تیرے دل میں
کہلا خاک مجنوں نے یہ آہ بھر کر گیا ہے کہیں عشق اے نکتہ پرور
وہی بچھکا ہے بیا باں - وہی میں وہی میری وحشت کا میداں وہی ہیں
وہی شورش عشق ابتک ہے سر میں کہ پھرتا ہے لیلےٰ کا ناقہ نظر میں
اگرچہ میں ہوں مشت خاک پریشاں مگر ذرہ ذرہ میں ہے عشق پنہاں

محبت نہیں ہے فنا ہونے والی
نہیں حسن کی طرح یہ لا اُبالی

[illegible]

عروسِ دُنیا

کرتا تھا لیٹا ہوا میں بستر آرام پر چند اک مشکل مسائل پر حکیمانہ نظر
تھی بقائے روح کی بحث اکدم زیر سوال اور عذاب حشر کا دل میں گذرتا تھا خطر
پھر اوسی دم فکر میں تقدیر اور تدبیر کے اختیار و جبر کے شبہات کا کھٹکا تھا ڈر
دل سے پوچھا میں نے یہ دنیا ہے حادث یا قدیم کیونکہ ہے اسی پہ حل کل مسائل منحصر
روح حافظ سامنے آئی مرے مجھسے کہا ہوگیا ہے خبط تجھہ کو دیکھ اے عارف ادہر
حکمت و منطق سے حل ہوتے نہیں یہ مسئلے خواب کر آرام سے ہرگز نہ ان کا فکر کر
پند یہ پیر مغاں کی سنکے تم کرنا یقیں ہوگئے افکار میرے دل کے سب ہی منتشر
مجھ پہ نازل ہوگئی گویا وہی روح القدس اور لگی کرنے ہوا - پھیلا کے اپنے بال و پر
سو گیا جب - دیکھتا کیا ہوں کہ میرے سامنے ایک دوشیزہ کھڑی ہے حسن میں مثل قمر
چودہ یا پندرہ کی سن میں قد میں اک سرو سہی چھوکے سے باد صبا کے بھی لچکتی تھی کمر

ہوئے سوکھ کر خارِ حسرت چمن میں — برستی ہے اب اُن پہ عبرت چمن میں
شگوفے چمن میں ہیں ہوتا ہے غم — کہ جاتا رہا جوشِ گل کا وہ عالم
چمن میں نہیں یادگار چمن کچھ — پریشاں زمیں پر ہیں خارِ چمن کچھ
وہ مرغانِ طناز اوج ہوا کے — جو اُڑتے تھے جھونکوں میں موجِ ہوا کے
چمن میں چہکتے تھے جو شاخِ گل پر — خزاں آتے ہی اُڑ گئے تول کر پر
مگر میں نے چھوڑا نہ دامانِ گلشن — کہ ہے یہ مری آرزو کا نشیمن
یہ مانا کہ کمھلا گئے پھول کھل کر — بھلا اپنی دکھلا گئے پھول کھل کر
چمن سے بہت دن ہوئے چل بسے وہ — نہ دو روز بھی کھل کھلا کے ہنسے وہ
ہوا گو کہ عہدِ شباب اُن کا رخصت — یہ مانا کہ جاتی رہی وہ صباحت
مگر میرے نالوں کا عالم وہی ہے — وہی اُن کا شیون ہے۔ ماتم وہی ہے
وہی عشق ہے۔ بیقراری وہی ہے — طپش ہے وہی۔ آہ و زاری وہی ہے
وہی لب پہ اب تک ہیں نالے سحر کو — زمیں پر پٹکتا ہوں صیاد! سر کو
ابھی گھر میں صیاد پیدا ہوا میں — یہیں شاہدِ گل کا شیدا ہوا میں
یہیں میں نے نالوں کا انداز سیکھا — یہیں سوز سیکھا یہیں ساز سیکھا
یہیں میری صیاد تربت بنانا — یہیں میری مٹی ٹھکانے لگانا
اگرچہ میں صیاد اک جانور ہوں — ہوں از خود رمیدہ۔ وہ شوریدہ سر ہوں
مگر جانتا ہوں محبت کی رسمیں — نہیں لاگ ممکن ہے عشق اور ہوس میں
ہے عشق اور شے اور ہوس اور شے ہے — کہ گل اور شے۔ خار و خس اور شے ہے
نہیں عاشقی خام کاروں کا شیوہ — کہ ہے پختہ مغزوں کا حصہ یہ میوہ
روایت سناتا ہوں اک عاشقانہ — غضب کا ہے حسرت بھرا یہ فسانہ
ہوا میں تھی کچھ خاکِ مجنوں پریشاں — کسی نے یہ پوچھا کہ اے خانہ ویراں

سوامی رام تیرتھ

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو! پہلے گوہر تھا بنا اب گوہرِ نایاب تو!
کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو
مٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا یہ شرارہ بجھ کے آتشخانۂ آذر بنا!
نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنئ انجام ہے تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے
توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق ہوش کی دارو ہے گویا مستئ تسنیمِ عشق

کیا کہوں زندوں سے میں اُس شاہدِ مستور کی
دار کو سمجھے ہوئے ہیں جو سزا منصور کی

اقبال

گل و بلبل کا فسانہ

وہ بلبل ہوں گلشن میں حسرت کشیدہ کہ ہوں شیونِ گل کا اشکِ چکیدہ
میں وہ مرغِ شوریدہ سر ہوں چمن میں وہ سینہ شکستہ جگر ہوں چمن میں
زمیں پر تڑپتا ہوں بے آب و دانہ بُرا ہو ترا انقلابِ زمانہ
شب و روز آہیں ہیں نالے ہیں لب پر کلیجے میں ناسور چھالے ہیں لب پر
ہر اک پھول گلچیں نے چن چن کے توڑا شگوفہ کوئی شاخِ گل پر نہ چھوڑا
وہ کلیاں جو پھولوں کے بدلے میں گندھ کر حسینوں کی کرتی تھیں چوٹی معطر
وہ گل جو کبھی یادگارِ چمن تھے وہ غنچے جو آئینہ دارِ چمن تھے

دو دو ہاتھیوں کے درمیان میں ایک ایک چیتا جس کے گلے میں سونے کی زنجیر اور پہنور کلی - اور مخمل زرکار کی جھول پہنے ہوئے ایک ایک رنگین چھکڑے پر بیٹھا تھا - ہر چھکڑے میں ناگوری بیلوں کی جوڑی - بیلوں پر شالہائے کشمیر اور کمخواب کی جھولیں - سروں پر زر کا تاج تھا - اول علما و شرفا واکابر و مفتی و صدر الصدور ان کے پیچھے امرا اور ارکان دولت معہ اپنی اپنی فوج کے استقبال کے واسطے فتحپور سے آئے - پانچ کوس تک بادشاہ بھی پیشوائی کے واسطے بڑھے آگرہ سے فتحپور تک اس قدر تماشائیوں کا ہجوم تھا کہ تمام راستے اور بازار بند تھے - تمام جنگل نگارخانہ بہار ہو رہا تھا - دیکھنے والے حیران تھے کہ یہ کیا طلسمات ہے کیونکہ اس وقت تک اس انتظام کے ساتھ یہ سامان کسی نے نہیں دیکھا تھا - فتحپور کا عالم ہی اور تھا تمام بازار گلی کوچے صاف - ہر جگہ چھڑکاؤ - دکانیں آئین بندی سے آراستہ تھیں - عید کا دن معلوم ہوتا تھا شہر کے تمام شرفا راستہ میں بالاخانوں پر بن سنور کر بیٹھے تھے جس وقت بادشاہ سلامت اور مرزا سلیمان کا سامنا ہوا مرزا گھوڑے سے کود پڑا اور آگے بڑھکر تسلیم بجا لایا - چاہا مگر بادشاہ سلامت نے بزرگی عمر کی رعایت رکھی اور جھٹ گھوڑے سے اتر کر خود جھک کر سلام کیا اور عمو عمو کہکر بغلگیری کے لئے ہاتھ بڑھائے - اور مرزا کو تسلیم و کورنش وغیرہ کرنے دی گلے ملے اور سوار ہو گئے - (باقی آئندہ) سعید احمد از آگرہ

مضمون مندرجہ بالا اسوقت پہونچا جب رسالہ قریباً تیار ہوچکا تھا اس لئے اس کے درج کرنے میں صفحات کی ترتیب بدلنی پڑی اور بجائے ہندسوں کے حروف ابجد سے کام لیا گیا ہے - سرورق پر بھی یہ مضمون درج نہیں ہوسکا (ایڈیٹر)

تاکہ عریضہ تخشک حالی نہ ہو۔ اکبر نے کچھ تو مروت ذاتی اور کچھ اس مصلحت سے کہ مرزا کا ملک اُذبک کے سامنے دیوار استوار ہے (جس طرح اس زمانہ میں روس اور ہندوستان کے درمیان میں کابل کا ملک ہے اسی طرح اُس زمانہ میں سلطنت مغلیہ اور سلطنت توران (ازبک) کے درمیان بدخشاں کا ملک تھا) اس کی اس قدر مہمان نوازی اور خاطر داری کی کہ نقاروں کی آواز بخارا اور سمرقند تک پہنچی جب عریضہ پہنچا تو کئی طویلے گھوڑے کاٹھیاواڑ ایرانی - بہت سے اجناس نفیس خیمے اور بارگاہ حشمت شاہانہ کے سامان ۵۰ ہزار روپیہ نقد آغا خان خزانچی کے ساتھ روانہ کیا اور بہت سے امرا کو استقبال کے واسطے بھیجا - راجہ مان سنگھ اس وقت سرحد پشاور پر تھے - راجہ بھگوان داس پنجاب کے صوبہ دار تھے ان دونوں نے بڑی شان شوکت سے استقبال کیا اور دھوم دھام کی ضیافتیں کھلاتے لاتے تھے - جو جو حکام اور امرا رستہ کے آس پاس تھے اپنے اپنے پرگنوں اور شہروں سے نکل نکل کر مہمان داری کے لوازمات ادا کرتے تھے - کئی عالی رتبہ امیر جن میں قاضی نظام بدخشی بھی شامل تھے حسب الحکم متھرا تک استقبال کے واسطے گئے - بادشاہ سلامت ان دنوں فتحپور سیکری میں رہتے تھے - آگرہ سے فتحپور تک استقبال کا انتظام تھا - رستہ میں قدم قدم پر سپاہی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے تعینات تھے کہ سلسلہ راہ میں کہیں خلل راہ نہ پائے - پانچ ہزار ہاتھی جن پر مخمل فرنگی اور زربفت کی جھولیں جھول رہی تھیں چاندی سونے کی زنجیریں سونڈوں میں ہلاتے سر اگائے کی دُمیں کالی اور سفید سر و گردن پر لٹکتی دو طرفہ برابر قطار باندھے تھے - ایرانی و عزلی گھوڑے طلائی و نقرئی زینوں سے سجے - مرصع ساز لگے

باقی ہے لہذا آپ اس قصہ کو سنائے۔ سب کے اصرار سے مجبور ہوکر اس بڈھے کبوتر نے یہ داستان بیان کی +

پیارے جوانو: آگرہ پہلے ایک معمولی گاؤں تھا۔ سکندر لودی نے اسے ایسا بڑھایا چڑھایا کہ اینٹ پتھر چونے سے قلعہ تیار کرا کر دارالسلطنت بنا دیا۔ اُس وقت بیچ میں جمنا بہتی تھی اور دونوں طرف شہر آباد تھا۔ ہمارے مورث اسی زمانہ میں اس قلعہ میں آباد ہوئے تھے۔ جب اکبر بادشاہ ہوا اس نے سنہ ۹۷۳ھ میں پرانے قلعہ کو مسمار کرا کر اس سنگین قلعہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کارروائی سے ہمارے مورثوں کو سخت تکلیف اُٹھانا پڑی اور وہ خانہ ویران ہو کر پانچ چھ برس تک ادھر ادھر مارے مارے پھرے۔ جب نیا قلعہ بنا تو بادشاہ نے ہمارے واسطے بھی سنگین محل بنوادی جن میں آج تک ہم سب رہتے اور ایسا آرام پاتے ہیں کہ اکبر کو دعائیں دیتے ہیں۔ اس بااقبال بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے جشن اس قلعہ میں منعقد ہوئے جنہیں میں بخوف طوالت نظر انداز کر کے صرف بدخشان کے بادشاہ کے استقبال کا حال سُناتا ہوں۔ مرزا سلیمان بدخشاں کا بادشاہ تین واسطہ سے امیر تیمور کا پوتا تھا۔ قصہ تو بہت طول طویل ہے مختصر یہ سمجھ لو کہ سنہ ۹۸۲ھ میں مرزا شاہرخ اُس کے پوتے نے جوش جوانی میں خودسری کے خیالات پیدا کئے اور دادا کو ایسا تنگ کیا کہ وہ بیچارہ حج کے بہانہ سے وہاں سے بھاگ کر کابل ہوتا ہوا اٹک کے کنارے پہنچا۔ راستہ میں سب سامان لٹ گیا۔ یہاں پہنچکر اکبر کو عریضہ لکھا۔ اُس میں ساری سرگذشت بیان کی اور یہ لکھا کہ اس وقت تحفہ یا پیشکش کسی چیز تک ہاتھ نہیں پہنچتا دو گھوڑے ساتھ رہ گئے ہیں کہ میرے خانہ زاد ہیں یہ ہی بھیجتا ہوں

ہیں نہایت تعجب سے فصیل پر بیٹھے ہوئے اس شاندار تماشے کو دیکھکر
عجیب وغریب چہ میگوئیاں کر رہے تھے ہم بھی عالم خیال میں فصیل کے
نیچے بیٹھے ہوئے ان کی آپس کی باتیں نہایت غور سے سن رہے تھے
سب کا بیان تھا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا شاندار استقبال اور اس قدر
ہجوم اس مقام پر کبھی نہیں دیکھا۔ اسی اثنا میں ایک نہایت بڈھا کبوتر
جو گویا اکبری عہد کا یادگار تھا آہ سرد بھر کر بولا جوانو! کیا غٹر غٹر کرتے ہو
اس میں شک نہیں کہ دو سو برس سے اس قدر ہجوم اس مقام پر کبھی نہیں
ہوا لیکن میں بزرگوں سے سنتا آتا ہوں کہ شاہی زمانہ میں اس جگہ ترپولیہ
تھا اور اکبر - جہانگیر - شاہجہان بلکہ عالمگیر کے دکن جانے سے قبل تک یہاں
پر روزمرہ اس سے زیادہ ہجوم رہتا تھا اور بڑے بڑے راجہ - امیر - وزیر
اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس مقام پر پہرہ دیا کرتے تھے - اور اکبر کے
عہد میں بدخشاں کے برائے نام بادشاہ کی ایسی مہمان نوازی اور ایسا استقبال
ہوا تھا کہ ویسا نہ آج تک ہوا نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے - یہ سنتے ہی تمام
کبوتران لال بُجھکڑ کے پیچھے پڑ گئے کہ حضرت اس کا کچھ حال تو بیان کیجے
وہ گھبرا کر بولا: بھائیو ان فضول باتوں سے کیا حاصل ہوگا تم یہ تماشہ دیکھو تمہاری
عمر میں خدا معلوم پھر یہ وقت بھی نصیب ہو یا نہ ہو - یہ جواب سنکر ایک تیز
پرواز کبوتر بولا کہ میں ابھی خبر لاتا ہوں کہ امیر صاحب کی تشریف آوری
میں کس قدر دیر ہے اگر کچھ وقفہ ہو تو یہ قصہ ضرور سنائیے - یہ کہکر اُڑا اور
آناً فاناً میں غائب ہو گیا - ۱۰ - ۱۲ منٹ میں واپس آیا اور بیان کیا کہ
امیر صاحب کا سپیشل بجائے ۹ بجے کے اب ۱۰ بجے آئیگا اس وقت
مانک پور کے اسٹیشن پر چاء کا انتظام ہو رہا ہے - چونکہ ابھی ایک گھنٹہ

سماں نظر آتا تھا اور ۵ بجے صبح سے خلقت کا جماؤ اسٹیشن اور رستوں پر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسٹیشن سے پرتاب پورہ تک ایک میل کے قریب سڑک کے دونوں طرف بلیاں خوش رنگ لباس پہنے ہوئے تعظیم کے واسطے سرو قد کھڑی تھیں جن کے درمیان میں زنگا رنگ جھنڈیاں جن میں اکثر پر ہلالی نشان اور بعض پر تاجگنج کے نقشے بنے ہوئے تھے اڑ رہی تھیں۔ درمیان میں تین شاندار دروازے بنائے گئے تھے جن میں سب سے خوبصورت سیٹھ جسونت رائے رئیس آگرہ کا دروازہ تھا جس پر یہ بیت تحریر تھی ؎

اے امیر از مقدمش رشک چمن کاشانہ ام
نقد جنت طول لاطائل بہ پیش خانہ ام

بیمع اینڈسن کو دروازہ کے دونوں طرف "اعلےٰ آمدنت باعث آبادی ما" نہایت موٹے حروف میں تحریر تھا۔ ریل کے پل پر "خوش آمدید" لکھکر لگایا تھا۔ اسٹیشن بھی جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور صدر دروازہ کے اوپر افغانستان کا شاہی نشان بنا ہوا تھا۔ قلعہ کے مورچوں میں سے گورے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جو باہر سے ایک قسم کی آرائش معلوم ہوتی تھی۔ ابر کرم بھی معزز مہمان کے استقبال کے واسطے صبح سے موجود تھا اُس نے مشتاقان جمال پر کئی مرتبہ گلاب پاشی کی مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہٹا نہ کسی کو زکام ہوا۔ اُمرا اور روسا کے علاوہ سرجان ہیوٹ صاحب لفٹنٹ گورنر اور سر ایلفرڈ گیسلی سپہ سالار افواج معہ اپنے اپنے اسٹاف۔ توپخانہ رسالہ پلٹن وغیرہ کے استقبال کے واسطے موجود تھے۔ اکبری قلعہ کے قدیم باشندے یعنے کبوتروں کے غول جو اکبر کے عہد سے نسلاً بعد نسلاً اس قلعہ میں رہتے چلے آئے

تھی اور ہندوستان کی مختلف قوموں کی وضع اور لباس کے عجیب و غریب نمونے دکھائی دیتے تھے - غرضیکہ ایسے عالیشان دربار کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کا کیا کہنا کہ بادشاہ مہمان اور شہنشاہ میزبان ہو - لیجئے اب روزانہ واقعات کا مرقع ملاحظہ فرمائیے +

۸ جنوری ۱۹۰۷ء - ۲ جنوری سے عالیشان حکام اور معزز مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی - چنانچہ ۲ جنوری کو ۸ بجے صبح کے جناب سر جے - پی ہیوٹ صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ تشریف لائے - تمام شرفا اور رؤسا پلیٹ فارم پر استقبال کے واسطے موجود تھے اسٹیشن کا نظارہ قابل دید تھا - ۷ - جنوری تک والیان ملک رؤسا اور حکام آگرہ میں آ گئے آخری دو دن دن بھر سلامی کی توپیں چلا کیں - ۸ - جنوری کو ۱۰ ½ بجے صبح کے حضور وائسرائے بہادر کی اسپیشل ٹرین آگرہ فورٹ اسٹیشن پر پہنچی اسٹیشن پر ۸ - بجے صبح سے خلقت کا ہجوم تھا - پلٹن - رسالے - توپخانہ کے علاوہ سول اور ملٹری کے تمام اعلیٰ حکام - جملہ راجہ مہاراجہ - سردار رئیس استقبال کے واسطے حاضر تھے اُن کی موجودگی کی وجہ سے نہایت شاندار استقبال ہوا - راستہ میں دو رویہ تماشائیوں کا ہجوم تھا - آج تمام راجے اور نواب حضور وائسرائے کی خدمت میں ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے +

۹ - جنوری ۱۹۰۷ء امیر صاحب کی کچھ فوج اور اسباب تو ۷ - جنوری کو آگرہ آ گیا تھا - آج ۹ - بجے صبح کو امیر صاحب کی اسپیشل ٹرین کے آنے کی خبر تھی ہزار ہا لوگوں کو آپ کی زیارت کا ایسا اشتیاق تھا کہ وقت مقررہ کے انتظار میں رات بھر نیند نہیں آئی - صبح کے وقت بالکل عید کا

گلدستوں - باریک بیل بوٹوں - پھول پتیوں سے آراستہ اور چاندی کے خوبصورت ستونوں اور کلیوں سے پیراستہ تھا اس کی شان وشوکت اس کی بے نظیر آرائش وزیبایش کسی طرح کاغذی سجاوٹ میں نہیں آسکتی اور نہ اس کے اندرونی تکلفات کا بیان بے تکلف ہوسکتا ہے - یہ خیمہ سات حصوں پر منقسم تھا - شمالی جانب برابر کے دو بڑے حصوں میں ایک ملاقات اور دوسرا دربار کے واسطے سجایا گیا تھا - جنوبی جانب کا تیسرا چھوٹا حصہ مسجد بنایا گیا تھا - چاروں گوشوں پر ایک ایک کمرہ تھا - ایک میں دفتر - دوسرے میں کھانے تیسرے میں غسلخانہ کا انتظام اور چوتھا خوابگاہ کے واسطے مخصوص کیا گیا تھا - جس میں نہایت خوبصورت چھپر دار سنہری مسہری بچھی ہوئی تھی +

ان کیمپوں کے علاوہ شہر کے باہر مختلف مقامات پر بہت سے سرکاری اور رئیسوں کے کیمپ اور ۴۰ ہزار سرکاری فوج کے کیمپ نصب تھے - بڑی بڑی سڑکوں پر گیس کی روشنی کے لیمپ روشن کئے جاتے تھے - رات دن طرح طرح کی گاڑیاں - انواع واقسام کے موٹر کار - بائسکلیں - زرق برق سوار - پیادے چلتے پھرتے نظر آتے تھے - سرکس - تھیئٹر - بائیسکوپ فونوگراف اور طرح طرح کے کھیل تماشوں کے اکھاڑے شب وروز گرم رہتے تھے - یورپین افسروں اور سیاحوں کی دلچسپی کے واسطے مٹکاف ہال زیادہ تر آراستہ تھا جہاں شب کے وقت راجہ اندر کا اکھاڑہ جمع ہوکر پریوں کا ناچ ہوتا تھا شہر کے باہر کوسوں تک جنگل میں منگل نظر آتا تھا اور آگرہ کے آس پاس کئی جدید شہر آباد تھے جن کی صرف یوروپین آبادی کا اندازہ دس ہزار کیا گیا ہے سیکڑوں مختلف اشیاء کے سوداگر - ہزاروں کاروباری اور مزدور لوگ لاکھوں تماشائی باہر سے آگئے تھے جن کی وجہ سے بازاروں میں خوب رونق اور چہل پہل رہتی

دُور تک مسلسل خیموں کی قطاریں - پبلک پارک کے نشیب و فراز - سبزہ زار - ہرے بھرے درخت - خوشنما گملے باغیچے - تالاب اور سب سے زیادہ موہنی مورت یعنی تاجگنج کا خوشنما منظر یہ سب باتیں ملکر طلسمات کا عالم نظر آتا تھا - اور ایسی عجیب و غریب بہار پیدا کرتا تھا کہ جس کا لفظوں میں دکھانا بہت مشکل ہے - صاحب کمانڈر انچیف اور امیر صاحب کے کیمپ شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر گراونڈ پریڈ پر آراستہ کئے گئے تھے - مغربی جانب کمانڈر انچیف کا وسیع اور خوبصورت کیمپ تھا جس کے شمالی دروازہ پر دو توپیں لگی ہوئی تھیں - درمیانی سڑک نہایت کشادہ تھی جس کے اردگرد نہایت خوبصورتی سے سبزہ اور خاص خاص مقام پر چمن لگایا گیا تھا - مشرقی جانب تھوڑے فاصلے پر امیر صاحب کا کیمپ آراستہ کیا گیا تھا جو بیضوی شکل کا تھا - درمیان میں شاہی خیمے کے علاوہ جو جنوبی جانب نصب تھا ۲۸ خیمے نہایت عمدہ ترتیب سے ایک چوک اور ایک خوشنما چکر کے اردگرد لگائے گئے تھے جنہیں برقی روشنی کے علاوہ ہر قسم کی آرایش اور آرائیش کا سامان مہیا تھا ان کے آس پاس سیکڑوں راوٹیاں اور خیمے فوج اور دیگر ہمراہیوں اور کارخانوں کے واسطے نصب تھے - امیر صاحب کے خیمہ کے سامنے خوشنما چمن اور کل کیمپ میں سبزہ لگایا گیا تھا - جگہ جگہ گملے رکھے ہوئے تھے - شمالی جانب صدر دروازہ تھا جس کی آہنی محراب میں ۴۴ برقی روشنی کے قمقمے لٹک رہے تھے جو رات کے وقت روشن ہوکر نہایت بھلے معلوم ہوتے اور دُور سے ستاروں کی طرح چمکتے تھے - دروازہ پر کئی جگہ کابل کا شاہی نشان یعنی مسجد اور منبر بنا ہوا تھا - امیر صاحب کے واسطے جو خیمہ نصب کیا گیا تھا وہ ریاست بہاول پور کا مشہور باناتی خیمہ تھا جو نہایت عمدہ عمدہ

مچھلیاں بنی ہوئی تھیں لٹکتی تھیں۔ ۶ بجے شام سے ۸ بجے تک اس عمدگی سے بینڈ بجتا تھا کہ ہندوستانیوں کے علاوہ بہت سے یورپینوں کا بھی جماؤ رہتا تھا۔ بیگم صاحبہ کی سواری کی گاڑی اور اُن کے باڈی گارڈ کے سواروں کی زرق برق وردی سب سے اعلےٰ اور برتر تھی +

فتح آباد کی سڑک پر تا جگنج سے ایک میل کے فاصلے پر پراونشل کیمپ تھا۔ سڑک کے شمالی جانب مسلمان اور جنوبی سمت ہندو و تعلقہ داروں اور رئیسوں کے علیحدہ کیمپ بنائے گئے تھے ان میں مہاراجہ صاحب بلرامپور اور ان کے بعد نواب صاحب محمود آباد کا کیمپ سب سے زیادہ آراستہ تھا۔ ان کے علاوہ حسب ذیل رؤسا کے کیمپ تھے۔ آنریبل رائے سری رام بہادر سی آئی۔ ای۔ رانا شیوراج سنگھ تعلقدار کھجور گاؤں۔ راجہ رام پال سنگھ سی۔ آئی۔ ای تعلقدار کری اُسدولی۔ راجہ صاحب پرتاب گڈھ۔ راجہ صاحب تین پوری۔ آنریبل نواب فتح علی خان قزلباش سی۔ آئی۔ ای۔ آنریبل راجہ محمد تصدق رسول خان سی۔ آئی۔ ای تعلقدار جہانگیر آباد۔ مہاراجہ بنارس کا کیمپ نواب صاحب رام پور کے کیمپ اور پبلک پارک کے درمیان میں ایک بلند ٹیلہ پر بنایا گیا تھا اس وجہ سے خاص شان رکھتا تھا +

حضور وائسرائے کا کیمپ سرکٹ ہوس میں خاص اہتمام سے تیار کیا گیا تھا جس میں خوش رنگ عالیشان درباری خیموں کے علاوہ جو نہایت اعلےٰ درجہ کے آرائشی ساز و سامان سے آراستہ تھے سیکڑوں چھوٹے بڑے خیمے اعلےٰ حکام اور معزز مہمانوں کے واسطے نصب کئے گئے تھے۔ سڑک کی دوسری جانب پبلک پارک میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ متحدہ کا وسیع کیمپ خاص آرائش و زیبائش رکھتا تھا۔ شب کے وقت برقی روشنی

مہاراجہ کشن گڑھ - مہاراجہ نابھہ - بیگم صاحبہ بھوپال - نواب صاحب رامپور
مہاراؤ سروہی - راجہ صاحب ٹیہری - نواب صاحب لوہارو - مہاراجہ
بیکانیر - راجہ صاحب چمبہ - راجہ صاحب دتیا - مہاراجہ صاحب ایدر - راجہ بھاگت صاحب
مہاراجہ صاحب بنارس - ان مہاراجگان میں گوالیار - جیپور - بیکانیر - دہولپور وغیرہ کے حکمران
اپنی اپنی کوٹھیوں پر فروکش تھے باقیوں کے کیمپ مختلف مقامات پر سجائے
گئے تھے - قابل بیان کیمپوں میں بلحاظ وسعت و آرائش اور مقامی منظر کے
سب سے اچھا کیمپ نواب صاحب رامپور کا تھا جنہوں نے آگرہ قلعہ کے
امرسنگھ دروازہ کے سامنے گویا ایک چھوٹا سا دوسرا قلعہ تیار کرایا تھا
جس کا چوبی دروازہ ایسا عالیشان اور خوبصورت تھا کہ رات دن اُس
کے سامنے تماشائیوں کا میلہ لگا رہتا تھا اس کی سہ دری پر صبح و شام
نوبت و نفیری بجا کرتی تھی - شب کے وقت تمام کیمپ برق اور گیس کی روشنی
سے منوّر رہتا تھا - درباری خیمہ کاشانی مخمل کے فرش اور ہر قسم کے
سامان آرائش و زیبائش سے آراستہ و پیراستہ تھا - اسی کیمپ سے
ملا ہوا بیگم صاحبہ بھوپال کا کیمپ تھا - جو برڈن صاحب والی سرکاری کوٹھی میں
تیار کیا گیا تھا کوٹھی جس میں خاص بیگم صاحبہ کا قیام تھا نہایت اعلےٰ درجہ کے
رنگارنگ ریشمی پردوں اور ایسے زرق برق زردوزی فرشوں اور غلافوں
اور دیگر نفیس سامان آرائش سے آراستہ تھی کہ جس کے دیکھنے سے آنکھوں
میں چکا چوندی آتی تھی - ان میں اکثر پردے خود بیگم صاحبہ کے دست مبارک
کی صنعت کا نمونہ بیان کئے جاتے تھے - کیمپ میں برقی روشنی ہوتی تھی -
جس کے گلوب ہلکی پیازی رنگ کے عجیب و غریب بہار دکھاتے تھے - باغیچہ
کے درختوں پر بہت سی ریشمی قندیلیں جن پر طرح طرح کے خوشنما گلدستے اور

اُس عہد کی تاریخوں کے سیکڑوں صفحے رنگین و پُر بہار ہو رہے ہیں۔ لیکن اب یہ سب تاریخی افسانے ہیں اور بقول شخصے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

ہماری آنکھوں کے سامنے تو آگرہ میں ۸ اور ۱۲ جنوری ۱۹۰۷ء کے درمیان میں جو زمانہ گذرا وہ بہ اعتبار شان و شوکت سب سے بڑھا ہوا اور ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ سب سے پہلے گذشتہ موسم گرما میں اخبارات میں یہ خبر مشتہر ہوئی تھی۔ "کہ پشاور کے بازاروں میں یہ افواہ ہے کہ آئندہ موسم سرما میں امیر صاحب کابل ہندوستان کی سیاحت کے واسطے تشریف لائینگے" اُس وقت اِس خبر کو محض بازاری غپ سمجھکر کسی نے صحیح باور نہیں کیا۔ شروع موسم سرما میں یہ خبر سرکاری طور سے مشتہر ہوئی کہ گورنمنٹ ہند کی دعوت پر امیر صاحب ہندوستان کی سیر کے واسطے تشریف لاتے ہیں تاہم باوجود اس کے کہ چند روز بعد ہی پروگرام شائع ہونے لگے۔ اور جا بجا امیر صاحب کے قیام اور مہمانداری کے انتظامات بھی شروع ہو گئے۔ نہ صرف عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی اُن کی تشریف آوری میں شک تھا اور آگرہ میں ۸ جنوری کی صبح تک طرح طرح کی افواہیں مشہور ہوتی رہیں۔ چونکہ معزز مہمان و میزبان کی جائے ملاقات کا فخر آگرہ کو حاصل ہونا تھا اس وجہ سے بہ نسبت دوسرے مقامات کے یہاں پر امیر صاحب کے استقبال اور مہمان نوازی کا انتظام ایسے شاندار اور وسیع پیمانہ پر کیا گیا تھا جس کا مرقع کاغذ پر کھینچنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ مشہور ہے کہ ہندوستان کے ۵۴ والیان ریاست اس تقریب کی شرکت کے واسطے آگرہ میں مدعو کئے گئے تھے۔ لیکن آخر میں حسب ذیل شریک ہوئے۔ مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ جیپور۔ مہاراج رانا دہولپور۔

سکے محض بیکار رہے اور اُس کے معاونین اُس کی طرف سے بالکل غافل و لاپروا ہیں۔ ایسی حالت میں اُسے انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبان سے نسبت دینا انگریزی کی وقعت کو صدمہ پہونچانا ہے۔ لیکن اس انگریزی زبان نے کچھ ایک دن میں یہہ شان و عظمت نہیں حاصل کی بلکہ سیکڑوں برس کی دماغی کاوشوں کے بعد وہ اس حالت کو پہونچی ہے اس لئے ہمیں بھی نااُمید نہ ہونا چاہیئے اے ہندو مسلمانو! اے مُلک کے تعلیم یافتہ نوجوانو! اے دوستو! اے بھائیو! آؤ آج ہم سب مِلکر سچے دل سے اس بات کا اقرار واثق کریں کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے اتفاق و اتحاد کے ساتھ باہمی میل جول کیساتھ حتی المقدور اپنی ملکی زبان (اُردو) اور اپنے مُلکی لٹریچر کے سنوارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور درمے۔ قدمے۔ قلمے۔ سخنے غرضیکہ ہر طریقے سے اُس کی امداد و اعانت پر کمربستہ رہینگے +

"اے خدائے پاک ہمارے نیک ارادوں میں"
"برکت دے اور ہمیں اتفاق و ہمدردی کی توفیق"
"عطا فرما"

سید محمد فاروق

قران السعدین

(آگرہ میں حضور وائسرے ہند اور ہز مجسٹی امیر کابل کی ملاقات

اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان کے عہد میں جو رونق آگرہ کو حاصل تھی یا جو عظیم الشان جشن آئے دن اس پُر عظمت شہر میں منعقد ہوتے رہتے تھے اُن کے بیان سے

استقلال کے ساتھ کوشش کی گئی تو کامیابی یقینی ہے۔ دو چار لاکھ روپیہ ہندستان کی تینتیس ۳۳ کروڑ آبادی سے وصول ہوجانا کوئی وقت طلب بات نہیں صرف عزم صمیم کی ضرورت ہے ٭

نیز ملک کے اہل قلم گروہ کا فرض ہے کہ وہ روپیہ پیسے کی طمع سے نہیں بلکہ اپنی زبان کی بہتری کے خیال سے عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف وتالیف کرنے کی ذمہ داری اپنے سرلیں۔ اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ملک کی علمی ترقی بغیر اُن کی کوشش کے ناممکن ہے اور بغیر اُن کے ہاتھ پیر ہلائے اور دماغی محنت ومشقت برداشت کئے اُن کی زبان ہرگز ہرگز اس قابل نہیں ہوسکتی کہ معاصر السنہ میں اُس کا نام عزت سے لیا جائے۔ نئے تعلیم یافتہ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان زیادہ تر اپنی زبان اور اُس کے لٹریچر سے متنفر پائے گئے ہیں حالانکہ اُن کا حقیقی فرض یہ تھا کہ اُس کے ساتھ بے اعتنائی نہ کرتے اور اُس کے نقائص کے دور کرنے میں کوشاں ہوتے۔ جن لوگوں کو غیر زبانوں پر دسترس ہے اگر اُنہوں نے اردو کی ساتھ سرد مہری نہ برتی ہوتی تو آج اُردو کا خزانۂ ادب انواع واقسام کے علمی جواہرات سے مالامال نظر آتا۔

بعض خصوصیات میں اُردو انگریزی سے بہت مشابہ ہے لیکن انصاف کی پوچھئے تو ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے انگریزی زبان آج علوم وفنون کی مخزن بنی ہوئی ہے۔ اُس کا لٹریچر ملک واہل ملک کے لئے سرمایۂ ناز ہے اور اُس کی خدمت کے لئے ایک دو نہیں سَو دو سَو نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں اہل قلم انگریز اپنی بیش قیمت زندگیاں موقف کئے بیٹھے ہیں اس کے برخلاف اُردو ایک غریب اور مفلس زبان ہے اُس کا سرمایہ بہت محدود ہے اُس کا علم ادب بہ لحاظ موجودہ ضروریات

کتب کا ترجمہ کرنے میں سخت دقت واقع ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت اُردو میں کوئی کتاب ایسی موجود نہیں جو سائنس کے دقیق مسائل پر حاوی ہو۔ انجمن کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ سائنس و فلسفۂ جدید کی اصطلاحات پر ایک جامع و مانع لغت تیار کرائے۔ اس کی امداد سے بہت جلد مختلف علوم و فنون کی مستقل کتابیں اُردو میں مہیا ہو سکتی ہیں۔ سائنس و فلسفۂ جدید کی تعلیم ہندوستان میں نہایت ضروری ہے اگر ان دونوں شعبوں کی کتابیں اُردو میں بہم پہونچ جائیں تو ان علوم کی اشاعت ملک میں آسانی ہو جائیگی +

"بنگال نیشنل کونسل آف ایجوکیشن" نے اپنے تعلیمی کورس میں اُردو کو بھی داخل کیا ہے ممکن ہے کہ بعض دور اندیش حضرات اسے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں کیونکہ بدقسمتی سے ابھی اُردو اس درجہ کو نہیں پہونچی کہ اس سے ساری علمی ضروریات پُوری ہو سکیں۔ لیکن اب اس بارے میں مخالف یا موافق رائے زنی کرنے کی بجائے مناسب ہے کہ خود اُردو کو اس قابل بنایا جائے کہ اُس سے وہ مقصد پُورا ہو سکے جو بنگالی محبان وطن کے نصب العین ہے +

انجمن کو اپنی ضروریات کے لحاظ سے ایک کثیر رقم درکار ہوگی اور یہ پبلک چندہ کے ذریعہ سے جمع ہونی چاہئے کیونکہ اس قدر روپیہ کسی ایک شخص سے لینا غیر ممکن ہے۔ مناسب ہوگا کہ ہندو مسلمانوں کا ایک مخصوص ڈیپوٹیشن مرتب کیا جائے اور اُسے چندہ وصول کرنے کی خدمت بھی تفویض کی جائے۔ اس ڈیپوٹیشن کا کام ہوگا کہ وہ مختلف مقامات کا دورہ کرے اور پبلک سے رقمی امداد کے لئے اپیل کرے۔ اگر محنت د

نکریں - یہ بات ہندو مسلمانوں کے دل نشین رہنا چاہیئے کہ اردو زبان کو اُن سے طلب امداد کا پورے طور پر استحقاق ہے نہ صرف اس وجہ سے کہ اُس پر دونوں کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اس کی خدمت بجائے خود ایک ملکی خدمت ہے +

ہمارے خیال ناقص میں انجمن ترقی اُردو کی ناکامیابی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے معاونین میں ہندو شامل نہ تھے - اگرچہ یہہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اُن کی شرکت میں کوئی امر مانع نہیں لیکن فی الحقیقت اُس کے انتظامی ابواب میں اُن کی مداخلت گوارا نہیں کی گئی - اسی وجہ سے ہندوؤں نے اُس کی کارروائیوں میں خصوصیت کیساتھ دلچسپی نہیں لی - اور اُن کے علیحدہ رہنے سے انجمن کا خواب پُورا نہ ہوسکا بلکہ اُن تمام امیدوں پر پانی پھر گیا جو اُس سے وابستہ تھیں +

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہاں اب وہ وقت آگیا ہے کہ انجمن اصلاح و ترقی اردو نے سرے سے قایم کی جائے لیکن اس مرتبہ اس ضروری اور مہتم بالشان کام کو بڑے پیمانے پر شروع کرنا چاہیئے اُس کی بنیاد نہایت مستحکم رکھی جائے تاکہ حسب ضرورت اس پر بڑی سی بڑی عمارت کھڑی ہو سکے - کیونکہ اگر ابتدا خراب ہوئی تو یقیناً انجام بخیر نہیں ہوسکتا ساتھ ہی اس کار نیک میں ہندو مسلمان دونوں کی شمولیت لازمی ہے +

اس جگہ شاید تفصیل سے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مجوزہ مجلس کا پروگرام کیا ہونا چاہیئے - لیکن ہم یہ عرض کرینگے کہ اُسے سب کے پہلے اہم اُمور پر نظر ڈالنی چاہیئے - اُردو زبان میں سائنٹیفک لغات نہ ہونے سے علمی

رسالہ خدنگِ نظر جو ایک ہندو جنٹلمین کی ملکیت تھا اگرچہ آجکل بند ہے لیکن ایک عرصہ تک اُس سے اُردو علم ادب کو معتد بہ فائدہ پہونچتا رہا ہے - حال کا واقعہ ہے کہ سرگرو داس بنرجی نے "بنگال نیشنل کونسل آف ایجوکیشن" کی تعلیمی اسکیم میں اُردو کو بنگالی زبان کے پہلو بہ پہلو جگہہ دی ہے اِن تمام شہادتوں کے باوجود اگر کوئی شخص ہندو اصحاب کو بالعموم ہندوستان کی "لنگوا فرینکا" کا مخالف ٹھہرائے تو درست نہ ہوگا - ظاہر ہے کہ کسی خاص پارٹی کے کاموں کا ذمہ دار تمام قوم کو قرار دینا خلاف دانشمندی ہے +

غرضکہ ہماری رائے میں اُردو کو نہ مسلمانوں کی دوستی سے کوئی نفع پہونچا ہے نہ ہندوؤں کی دشمنی سے کچھ ضرر - اگر اُسے ترقی ہوئی ہے تو اُس کا کریڈیٹ صرف مسلمانوں کو نہیں مل سکتا اور اگر وہ رُوبہ تنزل ہے تو اُس کے لئے محض ہندو موردِ الزام نہیں بن سکتے +

اصل یہ ہے کہ اُردو زبان کا حلقۂ ہر دلعزیزی روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور اُس کا رواج ہندوستان کے ہر حصّے میں بڑھتا جا رہا ہے۔ ہندو تو کیا اگر مسلمان اور ہندو دونوں بلکہ بھی اس کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا چاہیں تو اُنہیں کامیابی نہ ہوگی - البتہ اگر یہ دونوں اُس کی ترقی کی فکر کریں اور اپنی متفقہ ساعی سے اُس کے لٹریچر کے اضافہ کی تدابیر اختیار کریں تو سلطنت مغلیہ کا لگایا ہُوا یہ پودا بہت جلد اور بخوش اسلوبی ایک عمدہ تناور درخت ہو سکتا ہے - جو لوگ ہندو مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی ضرورت و اہمیت سے واقف ہیں اور اِن دو سربرآوردہ اقوام ہند کو شیر و شکر دیکھنا چاہتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ اُردو زبان کی حفاظت اور اُس کی خدمت کو اپنا شعار ٹھہرائیں اور باہمی میل جول کے اس بہترین ذریعہ کو نظرانداز

جوش باسی کڑہی کا اُبال ہوتا ہے۔ امتداد وقت نے سارے ولولے فرو کر دیئے اور اُردو ڈیفنس کمیٹی کا خلافِ توقع بہت بری طرح خاتمہ ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس دہلی کے موقع پر انجمن ترقی اُردو معرضِ وجود میں آئی لیکن جس گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں وہ آجکل اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی ہے اُس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نے اُردو زبان کی کہانتک امداد کی ہے اور اتنا تو بنظر بہ حالاتِ موجودہ آیندہ کے لئے اُس سے کوئی امید رکھنا محض خام خیالی ہے +

اب اس کے بعد صاحبانِ ہنود کی مخالفانہ کارروائیوں پر سرسری غور کرنا باقی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض تنگ خیال ہندوؤں نے اُردو کے خلاف عام جہاد کا وعظ شروع کیا تھا اور بہت سے تعصب کے پُتلے اُن کے ہم خیال بھی ہو گئے تھے۔ تاہم اُن کی مجموعی کوشش کا نتیجہ چاہے ناگری کے حق میں کتنا ہی فایدہ بخش ثابت ہُوا ہو لیکن اُس سے اُردو کو کوئی نقصان نہیں پہونچا ہندو جہاں پہلے اُردو بولتے تھے وہیں اب بھی بولتے ہیں جس طرح ہندوؤں کی جانب سے اُردو تصانیف پہلے شایع ہوتی تھیں اب بھی شایع ہوتی رہتی ہیں بہت سے ہندو اخبارات جنہوں اُردو کی مخالفت کی تھی اب بھی اُردو ہی میں چھپتے ہیں۔ پنجاب میں اُردو کے خلاف سب سے زیادہ آریہ سماج نے آواز بلند کی تھی لیکن خود اُسے اپنے رسالے (ٹریکٹس) کو اُردو میں چھپوا کر شایع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ نئی صدی کے آغاز سے اسوقت تک کئی اُردو رسالے ہندو ایڈیٹروں کی زیر نگرانی از سرِ نو جاری ہوئے ہیں جنہیں مشہور ماہوار پرچہ زمانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے لکھنؤ کا

ضرات اپنی ملکی زبان کی خدمت سے غافل نہیں رہے - مثنوی گلزار نسیم جس کا مصنف ایک ہندو شاعر تھا لٹریری حیثیت سے اُردو کے لیئے مایۂ ناز ہے - اس زمانہ کے مشہور شاعر حضرت سرشار اُردو میں ناول نویسی کے موجد ہیں اور انکی بیش بہا تصانیف نے اُردو میں ایک نئی روح پھونکدی ہے - ان احسانات سے اُردو زبان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی تھوڑے عرصہ سے اگرچہ چند نا عاقبت اندیشوں نے اُردو اور ناگری کا مسئلہ چھیڑکر مذہبی تعصبات کو بھڑکا دیا ہے اور اس کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں کسیقدر تلخی پیدا ہوگئی ہے - لیکن نسیم و سرشار کی قایم کی ہوئی بنیاد پر جو عالیشان عمارت بن رہی تھی اُس کی تعمیر میں کچھ مشکلات حایل نہیں ہوئیں اور وہ بدستور جاری ہے اُردو ہندی کا قضیہ صوبجات متحدہ کے لفٹنٹ گورنر سرانٹونی میکڈانل کے عہد حکومت میں شروع ہوا تھا - اب اُسے قریب قریب سات سال کے ہوتے ہیں پہلے یہ ممالک مغربی و شمالی تک محدود تھا اور اب پنجاب بھی اس کے زہریلے اثر سے متاثر ہو رہا ہے - لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس مسئلہ نے مسلمانوں کو اُردو کی موافقت پر اور ہندوؤں کو اُس کی مخالفت پر کہاں تک آمادہ کیا اور اُردو نے مسلمانوں کے ہاتھوں کتنا فایدہ حاصل کیا اور ہندوؤں سے اُس کو کس قدر نقصان پہونچا +

اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں مسلمانوں نے غیر متوقع جوش و خروش کے ساتھ اُردو کی حمائت کا بیڑا اٹھایا تھا جس سے یہ اُمید کیگئی تھی کہ مسلمان غیرت و حمیت سے کام لیکر اپنی ملکی زبان اور ملکی لٹریچر کی ترقی کے لیئے کوئی بات اپنی طرف سے نہ اُٹھا رکھینگے - لیکن مسلمانوں کا

کہ انہیں زبان کہنا ہی درست نہیں۔ اُنکی حیثیت محض مقامی ہے اور اُن کے الفاظ کی انگلیوں پر گنتی ہو سکتی ہے۔ ان نادار اور قلیل الاستعمال زبانوں سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو صرف اُردو زبان ہی نظر آئیگی جسمیں ہندوستان کی عام زبان بننے کی پوری قابلیت وصلاحیت موجود ہے۔ اُس نے جو ترقی اسوقت تک کی ہے اُس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی زبان ہندوستان کے باشندوں کی مشترک زبان ہو سکتی ہے تو وہ اُردو ہے۔ اُردو نے دیکھتے ہی دیکھتے جو عروج پایا ہے وہ بہت کچھ حوصلہ افزا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اُردو دہلی و لکھنؤ کی چاردیواری میں مقید تھی لیکن آج صوبجات متحدہ پنجاب بمبئی مدراس غرضیکہ کوہ ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک ایسا شہر کوئی نہیں جہاں اُردو کے قدردان موجود نہوں صوبجات متحدہ تو اُردو کا گھر ہی ہے لیکن پنجاب میں اس نے جو ہردلعزیزی حاصل کی ہے وہ بہت حیرت انگیز ہے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ دلان پنجاب کی مساعی جمیلہ لاہور کو دہلی اور لکھنؤ بنا کر رہینگی۔ احاطہ مدراس و ریاست حیدرآباد میں اُردو نے خاطر خواہ ترقی پائی ہے۔ احاطہ بمبئی۔ سندھ۔ مہاراشٹرا۔ تلنگانہ ان تمام مقامات میں اُردو کے روشناس موجود ہیں +

اُردو زبان فارسی اور برج بھاشا کی آمیزش سے بنی ہے اور اسپر برج بھاشا کا رنگ اس قدر گہرا پڑا ہے کہ بہت سے یورپین مصنفین اسے برج بھاشا کی ایک تبدیل شدہ صورت قرار دیتے ہیں اور اُسے "ہندی" سے متمیز تصور کرنا غلطی سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو کی غور و پرداخت کا حق جس طرح مسلمانوں پر ہے اُسیقدر بلکہ اس سے زیادہ ہندوؤں پر ہے۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ اتبک روشنضمیر ہندو

اُردو زبان اور ہندو مسلمان

نکال لیتے ہیں رو رو کے ہم بھی دل کا بخار جو بیٹھ جاتے ہیں دو چار درد مند و ملیں

ہندو مسلمان اگرچہ مذہباً جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ دونوں ہندوستان کے باشندے ہیں اس لئے قومیت کے لحاظ سے یہ بالکل ایک ہیں۔ اور اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ ہندوستان کی یہ دو بڑی قومیں باہم متفق الرائے اور متحد الخیال ہوں اس کے بغیر ہمارا ملک کسی طرح ترقی نہیں کر سکتا۔ آجکل ہندو مسلمان کے اتحاد و اتفاق کی ناگوارکی بدرجہ غائت محسوس ہو رہی ہے اور طرفین کے لیڈر اس کوشش میں مصروف ہیں کہ حتی الوسع باہمی کشیدگی کا انسداد کر کے جانبین کو مخلصانہ سلوک پر آمادہ کریں +

منجملہ اور چیزوں کے جن سے قومیت کی بنیاد مستحکم اور استوار ہوتی ہے زبان بھی ہے۔ جو لوگ ایک زبان بولتے ہیں انہیں باوجود مغایرت مذہبی کے ایک خاص تعلق قایم ہوجاتا ہے زبان کے اثر سے انہیں یگانگیت اور یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ اُن کے خیالات اور جذبات تقریباً یکساں ہوتے ہیں اور وہ سب کے سب اپنے آپ کو خلوص و محبت کے مضبوط شیرازے میں بندھا ہوا پاتے ہیں +

ہندوستان میں اسوقت بیسیوں زبانیں مروج ہیں لیکن انمیں سے تقریباً ہر ایک کا رواج ملک کے خاص خاص حصوں تک محدود ہے جو زبانیں جنوبی ہند میں مستعمل ہیں اُن سے شمالی ہند والے ناواقف ہیں اسیطرح کشمیری اور پنجابی زبانوں سے مدراس کے لوگ بے خبر ہیں بعض زبانیں تو ایسی ہیں

تب میں نے یہ اپنا خیال حسن نظامی کو بھی سُنایا تھا اور لالہ سریرام کو بھی - لالہ سریرام تو بولے کہ چندہ جتنا چاہو ہم سے لے لو - تیار ہیں - حسن نظامی نے کہا کہ میں نے داغ کو ایک مرتبہ اس کے جیتے جی لکھا تھا اور حالی سے کہا تھا - انہوں نے بھی ہمدردی ظاہر کی - مگر بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا - یہ ایک شخص کے بس کی بات نہیں - پس اگر آپ کے دل کو یہ بات کچھ بھلی معلوم ہو تو اسکے متعلق ضروری کارروائی شروع کیجیئے - کم از کم مخزن سبھا کے ممبر تو بڑی خوشی سے چندہ دینے کو تیار ہو جائیں گے - اور ہر جگہ کے لوکل ممبر وہاں کی فہرست کا کام کر دینا اپنے ذمے لینے میں بھی دریغ نہ کرینگے - بہرکیف ایک بات آپ کے کان میں ڈالدی ہے - آپ جانیں - (جہانگیر)

ان دونو خطوں کے نقل کرنے کے بعد میں اس نیک تحریک کی تائید میں کوئی الفاظ بڑھانے ضروری نہیں سمجھتا - صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں دل سے اس تحریک کی کامیابی کے لئے کوشش کرنے کو حاضر ہوں اور اپنے سخن ور اور سخن فہم احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ ان میں سے جس جس صاحب کو اس سے اتفاق ہو اور جو عملی امداد کے لئے آمادہ ہوں - وہ اس بارے میں مجھے لکھیں - اگر چند اہل دل بھی اس کام کے لئے مستعد ہو گئے تو اسکا سرانجام ہونا کچھ مشکل نہیں - اگر کثرت رائے سے یہ قرار پا گیا کہ مخزن کے متعلق ایک کمیٹی اس غرض سے ہو - تو مخزن بڑی خوشی سے یہ خدمت اپنے ذمے لے گا ۔ (عبدالقادر)

پارہ و سورہ ۔۔۔ سابق پیر عمارت کا اس زمانہ میں ایک علی درجہ کا خوشخط قرآن مجید چھپوایا ۔۔۔ پارہ و پارہ سورہ شائع کیا ہے اور اخیر میں تمام سورتوں کے خواص درج کئے ہیں ۔ ۔۔۔ پارہ سورہ ایک نادر اور قابل قدر تبرک ہے قیمت ۔۔۔ علاوہ محصول ڈاک منشی محمد بخش صاحب مالک گھمن ڈپو - لاہور - کوچہ ڈوگراں سے طلب ہو -

اس رحم کے صدقے او میں گھبرا کے کہا ہائے جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں ہے!!
غرضیکہ میرا دل ان دنوں اس قسم کے احساسات کے مزے لے رہا ہے اگر کمی ہے تو صرف اس امر کی کہ کوئی ہمدرد رہبر نہیں ملتا جسے پرانے لوگوں کے حالات بتلانے میں بھی وہی مزا آئے جو ہمیں سننے میں آتا ہے۔" (جہانگیر)

" میں آپ کو بڑی خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ حضرت دادا اُستاد کو مزار کی مرمت بخوبی کر دی گئی ہے۔ اس بیس سال کو تو اطمینان ہو گیا ہے۔ پھر زندگی رہی تو دیکھا جائے گا +

خواجہ حسن نظامی نے آگرہ میں نظیر کی قبر کا بہت بُرا حال بتایا۔ اُردو کے شاعروں کی مٹتی ہوئی نشانیاں جہاں جہاں باقی ہیں۔ کیوں نہ اُن کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ ایک شخص کے کرنے کا کام ہوتا تو شاید اب تک بہت کچھ ہو گیا ہوتا۔ کیوں نہ آپ انجمن ترقی اُردو میں اس کے لئے تحریک کریں۔ اور اگر وہاں کے لوگ شنوائی نہ کرتے ہوں تو مخزن کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کر کے چندہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اس ذریعے سے یہ کام کیا جائے۔ دہلی میں ذوق غالب خواجہ میر درد۔ حافظ دیران (خدا کا شکر ہے کہ امیر خسرو اب کسی کی مدد کے محتاج نہیں) ہیں۔ آگرہ میں میاں نظیر اور اُن کے صاحبزادے اسیر ہیں۔ لیکن بہت تلاش کرنے سے بہت سے مشہور شاعروں کی قبریں ملیں گی۔ کیونکہ لکھنو والوں کے علاوہ دہلی کے بہت سے شاعر مثلاً میر۔ سوز۔ جرأت۔ انشا۔ حسن وغیرہ بھی وہیں جا کر فوت ہوئے ہیں۔ ایک یا دو شاعر فیض آباد میں مدفون ہیں۔ غرضیکہ ہماری کمیٹی کے متعلق یہ کام ہو کہ دوران سیر و سفر میں اس امر کے متعلق اپنی معلومات بڑھاتے رہیں۔ اور حسب موقع کمیٹی کو مطلع کر کے اپنا فرض ادا کرتے

" ان دنوں یہاں خواجہ بستان شاہ کابلی کا تیسرا سالانہ عُرس تھا - قدم شریف میں خواجہ کا مدفن ہے - قوالی خوب سننے میں آئی - ہمارے خاص مطلب کی بات جو وہاں جانے سے حاصل ہوئی یہ تھی کہ میں پوچھتا پوچھتا بالکل اتفاق سے حضرت ذوق علیہ الرحمۃ کے مزار مُبارک پر پہونچ گیا - یقین نہ آتا - مگر ظفر کی بدولت لوحِ مزار پر قطعہ تاریخ موجود ہونے سے تسلی ہوئی - دیر تک ایک عالم میں وہاں بیٹھا رہا حضرت اُستاد ہمراہ ہوتے تو کیفیت آجاتی - خواجہ باقی میں جاکر حالی کے بھائی خواجہ امداد حسین - حافظ غلام رسُول ویران شاگرد ذوق امیر مرزا برادر نواب مرزا داغ اور دیگر لوگوں کی قبریں دیکھیں - اور مولوی حالی کا شعر پڑھا ؎

چپہ چپہ پہ ہیں یہاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

دوسرے روز شوق کشاں کشاں پھر مجھے وہیں لے گیا - اور حضرتِ ذوق کے مزار مُبارک کی مرمّت کا تخمینہ کیا - خداوند کریم جلد اس ارادے کو پورا کرے -

ع :- یہ کس بیکس کی تربت ہے جہاں حسرت برستی ہے -

رسول نما میں حکیموں کے خاندان کا مدفن ہے - حکیم محمود خان - عبد المجید خان وغیرہ وہیں کہیں مومن بھی مدفون ہیں - مگر لوحِ مزار نہ ہونے کے باعث بغیر کسی معتبر شخص کے بتانے کے ٹھیک پتہ نہیں چلتا - کہ کون سی قبر ہے اس وقت مومن کی ایک غزل کے دو تین شعر یاد آئے ہیں جو بغیر لکھے قلم آگے نہیں بڑھنا چاہتا ؎

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو | مر جایئے دفن کو ملے گر چہ زمین یہ
بیخود سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے | دروازہ میں جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

شعرائے مزار

شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کے ایک شاگرد رشید نے جنہیں نسبتِ تلمذ کی وجہ سے حضرت ذوقِ مرحوم سے ارادتِ خاص ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اپنے قیامِ دہلی کے زمانے میں ملک الشعرا دہلی کے مزار کی خستہ حالت دیکھ کر یہ ارادہ کیا کہ اسکی مرمت کرا دی جائے۔ اور چند مہینے کے اندر ہی یہ ارادہ پورا بھی ہو گیا۔ اس نیک کام سے اُنہوں نے نہ صرف اپنے حُسنِ عقیدت کا ثبوت دیا۔ بلکہ قدردانانِ اُردو کی آیندہ نسل پر احسان کیا۔ اُردو علم ادب میں بتقاضائے ضروریاتِ وقت کچھ جان تو آچلی ہے۔ لیکن وہ ترقی کہ جسے کہتے ہیں ابھی شروع نہیں ہوئی۔ خدا نے چاہا تو اُس کا بھی وقت آئیگا۔ اُسوقت لوگ ڈھونڈھینگے کہ وہ بزرگ کہاں ہیں جن کی ان تھک محنتوں اور جانفشانیوں سے اس لٹریچر کی پہلے شہرت ہوئی۔ اور جنھوں نے اس ہندی نژاد بولی کو "رشکِ فارسی" بنا دیا۔ احسان مندی کا احساس تقاضا کریگا کہ اُن کی آرامگاہِ خاکی تلاش کر کے اُس پر شکریہ کے پھول چڑھائیں اور دردِ دل سے اُن کی یاد میں دو آنسو بہائیں۔ لیکن اگر اس وقت تک ہماری غفلت اور زمانے کی بیدردی سے اُنکے مزاروں کے نشان تک مٹ گئے تو سوائے حسرت کے اس تلاش کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ پس اسوقت جب ابھی اُن نامور گزشتگان کی نشانیاں باقی ہیں۔ انہیں بچانا اور ان کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس فرض کے ادا کرنے کی تحریک کے لئے حضرت ذوق کے مزار کی مرمت کہ یہ قابلِ تقلید مثال کافی ہے اور اگر تاکید مزید کی ضرورت ہو تو وہ پُراثر الفاظ حاضر ہیں۔ جن میں ہمارے دوست نے پہلے اپنے ارادے اور پھر اس ارادے کی تکمیل سے ہمیں مطلع کیا۔ اُنکے دونوں خطوں کے وہ حصے جو اس تحریک کے متعلق ہیں ذیل میں درج ہیں:۔

پاکیزہ دامنی ہی ایک بڑا اور قیمتی حصہ ہے - سرسید مرحوم نے ایک دفعہ کسی لیکچر میں کہا تھا *

"فاطمہ اور رابعہ بصری تو عورتوں میں سے صدہا ہیں لیکن علی اور عمر مردوں میں سے اب بہت ہی کم نکلتے ہیں - یہ اشارہ عورتوں کی پاک دامنی اور عصمت و عفت کی طرف ہی تھا - تعلیم اور تربیت میں سب سے ضروری حصہ اور جزو یہی ہونا چاہیئے کہ عورتیں یہ قیمتی خاصہ اپنی ذات میں سے ایک استقلال اور ایک استقامت سے قایم رکھیں اور اخیر تک نباہیں - جو تعلیم اور جو تربیت اس قیمتی حصہ یا جزو سے خالی ہے - وہ نری نمائشی تعلیم اور بے نتیجہ تربیت ہے" *

تا بہ اکسیر ریاضت نکنی خوں را مشک
خرقہ چوں نافہ ز پشمینہ نمے باید کرد -

بڑی جنتری جو منشی رحمت اللہ خاں صاحب رعد کی طبع جدت طراز کا ایک بیش قیمت نمونہ ہے اور جو ہر سال نئی سے نئی دلچسپیاں لیکر بڑی آب و تاب کے ساتھ نامی پریس کانپور سے شایع ہوتی ہے اس مرتبہ اپنے "سلور جوبلی ایڈیشن" میں پہلے سے بھی زیادہ شاندار اور دل کش صورت میں نمودار ہوئی ہے - اور ہز مجسٹی امیر افغانستان ہز ایکسیلنسی لارڈ منٹو کی رنگین تصاویر سے مزین ہے *

علاوہ جنتری کے اور بہت سے تاریخی مضامین - دلچسپ اور مفید باتیں درج ہیں - تاریخ روم معہ تصاویر سلطان المعظم و آدھم پاشا ببلیوگرافی یعنی رشنی ت اشارات کا فن گونگوں کی تعلیم انکے حروف تہجی دنیا کے بڑے بڑے قلعے اور مینار وغیرہ خاص طور پر دلچسپ مضامین ہیں قیمت ۸ر
نامی پریس کانپور سے طلب ہو -

گو اس فقرہ کے کچھ اور معنے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ معنے بھی لئے جاویں کہ عورت اپنی نازک ذمہ واری کے اعتبار سے خود اپنے ہی لئے موت سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ تو کچھ بے محل نہ ہوگا" +

اس مخلوق کی یہ کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ کہ اس کی کوئی خوبی اور کوئی وقعت بھی خوبی عفت کے مقابل نہیں آسکتی +

عورت کے حق میں ترازوئے انصاف کی کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ کہ اس کی ساری دیگر خوبیاں اس ایک خوبی کا وزن مجموعی نہیں رکھتی ہیں

عورت کی دولت مندی۔ خوش حالی۔ اقبال۔ عروج۔ تہذیب۔ تعلیم شائستگی۔ ایک طرف اور عفت و عصمت پاکیزہ دامنی ایک طرف سب خوبیاں اور سب عمدگیاں دیکھنے اور سُننے کے بعد مرد ہمیشہ استقلال سے دریافت کیا کرتا ہے +

"اچھا یہ تو سب کچھ ہُوا۔ عفت اور عصمت میں کیسی ہے؟ اس آخری فقرہ کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر عفت اور عصمت نہیں تو یہ سب خوبیاں اور سب عمدگیاں بالائے طاق۔ ایک ہندی شاعر اس بحث میں یوں حصّہ لیتا ہے +

"جس موتی میں آب نہیں وہ موتی نہیں بلکہ کنکر +

"جس استری کی عفت نہیں وہ استری نہیں بلکہ ایک ڈھانچ +

اگر قوموں اور خاندانوں کی عزت عورتوں کے شائستہ اور تعلیم یافتہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے۔ تو اس سے زیادہ عورتوں کی عفت اور عصمت عزت شخصی اور حرمت قومی کی ضامن اور کفیل ہے +

نری تہذیب اور تعلیم ہی عورتوں کی عزت کا موجب نہیں بلکہ اُن کی

جو مرد اُس کی آبروریزی کے باعث اور بنیاد ہوتے ہیں۔ وہ بھی اُس کے نہیں ہوتے۔ جہاں سے اُس کا گذر ہوتا ہے۔ اشارے ہوتے۔ اور انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ نہ گھر میں وقار رہتا ہے۔ اور نہ باہر۔ نہ اپنے سراہتے ہیں۔ اور نہ پرائے۔ اور تو جُدا رہے۔ وہ خود اپنی ہی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتی ہے +

یہ کیوں صرف اس وجہ سے کہ بقول لارڈ بیکن عورت کی ساری جائیداد میں سے صرف ایک عفت کا سرمایہ ہی اُس کی آبرو اور حرمت کا موجب یا کفیل ہے۔ اس کے ہونے سے وہ قابل حرمت اور قابل عزت رہتی ہے اور اس کے نہ ہونے سے نظروں سے ہمیشہ کے لئے گر جاتی ہے +

ہر قوم اور ہر ملک میں جو عورتوں کے واسطے اس قدر قیدیں لگائی اور احتیاطیں کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے کہ اس کی عزت بننی مشکل سے ہے۔ جب اس پر ایک دفعہ حرف آ جاتا ہے۔ تو پھر مدت العمر بنتی ہی نہیں۔ مرد بدروشی سے پھر عزت دار بن سکتا اور اس کا اعتبار جم جاتا ہے۔ لیکن پھر عورت آب میں آ ہی نہیں سکتی۔ جب ایک دفعہ چینی میں بدقسمتی سے بال آ جاوے۔ تو پھر جڑتی ہی نہیں جب چینی ٹوٹی۔ ٹوٹی +

کبھی جو چینی میں بدقسمتی سے بال آیا
نہ نکلا چین میں بھی جا کے لاکھ جتن کئے

ڈاکٹر گسٹاولی بان فرنچ محقق اپنی ایک تصنیف میں کہتے ہیں بائیبل میں عورت کی نسبت، یہ فقرہ درج ہے +

"عورت موت سے بھی زیادہ تلخ ہے +

عفت اور اعزاز عصمت سے دور اور محروم ہے +

وہ جاہلہ اور غریب عورت جو اپنی اصلی حرمت اور حقیقی عزت لئے بیٹھی ہے جس کی خوشی جس کی مسرت اوسی پر منحصر ہے - جس کا ناز وہی ہے جو اُسی پر اتراتی اور فخر کرتی ہے - اور تنگی و مایوسی اور افلاس ہیں اُسے ہاتھ سے نہیں دیتی - اُس بدقسمت بدنصیب تعلیم یافتہ دولت مند باشان و شوکت باقبال لیڈی سے ہزار درجہ بہتر اور ارفع ہے - جو باوجود ان خدا داد نعمتوں کے دامنِ عصمت پاک اور صاف نہیں رکھ سکتی - جس کا زیبا اور نورانی چہرہ تو صاف اور چمکتا دمکتا ہے - لیکن شومئ طالع سے روئے دل داغ بے عصمتی سے بھدا پڑتا جاتا ہے - ایک غریب ایک حقیر دنیا کی مغرور نگاہوں میں ایک ذلیل عورت اگرچہ دنیا کی بعض ضروریات کی وجہ سے کیسے ہی غم اور رنج وفکر میں مبتلا رہتی ہو - مگر جب وہ اپنی پاک دامنی عفت عصمت پر نگاہ ڈالتی ہے تو بادشاہ زادیوں سے بھی زیادہ تر خوش ہوتی اور فخر و مباہات کرتی ہے اور اس کا یہ فخر اُس کی تمام مصیبتوں اور مایوسیوں کا نعم البدل ہوجاتا ہے +

ایک مرد اگر شومئ قسمت اور بدبختی سے بدروش ہو - تو اُس کی یہ بدروش کسی اور صفت اور خوبی کی وجہ سے چھپ بھی سکتی ہے - اور لوگ اُسے کچھ نہ کچھ مونہہ بھی لگاتے ہیں - لیکن جب کوئی بدبخت عورت سرمایہ عفت کھو بیٹھتی ہے - تو اُس کی دولت مندی - دوراندیشی تعلیم - اقبال کچھ بھی سہارا نہیں دے سکتا - اور نہ کچھ قیمت ہی رکھتا ہے - کم درجہ کی عورتیں بھی اُسے کن انکھوں دیکھتیں اور گوشہ نگاہ سے تاڑتی ہیں - تو دُس کی نوکروں خادمات کی نگاہوں میں اُس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی - ایک تنکا قیمت رکھتا ہے لیکن اُس کی کوئی قیمت نہیں پڑتی +

جس طرح گل اور شمع کی خاص خوبی کے مقابلہ میں کوئی اُن کی دوسری خوبی نہیں آسکتی اسی طرح عورت کی خاص خوبی یا خاص فضیلت کا پیمانہ ہے +

انگلستان کے مشہور و معروف فلاسفر لارڈ بیکن بالقابہ کا قول ہے کہ عورت کی ایک خاص خوبی یا ایک خاص ورثہ اور خاص حق ہے وہی اُسکی تمام فضیلتوں اور تمام خوبیوں کا موجب ہے - اس خوبی کی قائمقام کوئی دوسری خوبی نہیں ہوسکتی - اُس کے ہونے سے عورت کی تمام کمزوریاں اور تمام عیوب فراموشی اور درگذر کے قابل ہیں - لیکن اُس کے کھوئے جانے سے کوئی دوسری خوبی اُس کا نعم البدل نہیں ہوسکتی - اُس کے کھوئے جانے سے عورت اپنی اور بیگانوں کی نظروں میں باوجود اور صدہا خوبیوں کے ہونے کے بھی حقیر اور ذلیل ہوجاتی ہے +

" وہ خوبی اور وہ اعلےٰ یا خاص فضیلت کیا ہے +

عورت کی عفت - عصمت - پاک دامنی - پاکیزگی - شرم و حیا - یہی ایک خاصہ اور جوہر ہے - جو عورت کی عزت حرمت دنیا میں قایم کرتا ہے - یہی ایک اعلےٰ وصف ہے جو اُس کے دیگر تمام وصفوں پر فائق اور غالب ہے - یہی ایک وصف ہے جو عورتوں کی تمام کمزوریوں کا جواب اور فروگذاشتوں کا ثمنی بدل ہے - یہی ایک تعریف ہے - جو مردوں میں عورت کا جبروت قایم کراتی ہے - ایک پاک دامن عورت اگرچہ رتبہ میں کیسی ہی ذلیل اور حقیر ہو - ایک پاکیزہ منش لیڈی اگرچہ ثروت اور برکت کے اعتبار سے کیسی ہی پست حالت میں ہو گر اس دولت اور عفت کی بدولت اس خاندانی اور خوبصورت تعلیم یافتہ لیڈی سے ہزار کیا لاکھ درجہ قابل فخر قابل عزت قابل احترام قابل اکرام ہے - جو باوجود اس قدر مراتب ظاہری اور فضائل رسمی کے حرمت

قدرت نے ایک ایسا بیّن فرق اور امتیاز رکھ دیا ہے کہ اُنہیں آخیر پردہ بیا ماننے سے بات بنتی ہے ایسی سب حالتوں میں ایک ہیں لیکن اُن امور میں جدا ہی رہتے ہیں۔ جو اُن کے جداگانہ خصوصیات ہیں یوں کہنے کے لئے تو ایک سہی مگر قدرتی فرق کی نفی مشکل ہے +

جن لوگوں نے قانون بالضرورت مساوات پر غور کی ہے۔ اور جو لوگ اس بحث میں حصہ لے چکے ہیں۔ وہ اُس نتیجہ پر نہیں پہونچنے جب پر عوام الناس یا جلد باز طبعیتیں پہنچی ہیں۔ کہنے کے واسطے یہ بات بڑی آسان ہے۔ کہ ہم سب کے سب ایک ہی درجہ یا ایک ہی خصوصیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب عملی کوچہ سے گذرتے ہیں۔ تو بالکل رہ جاتے ہیں۔ بعض فلاسفروں نے عورت کو پھول سے نسبت دی ہے۔ نہ محض بلحاظ خوبصورتی اور ظاہری نزاکت کے بلکہ باعتبار اُس خصوصیت اور اُس اعلےٰ خاصہ یا امتیازی ڈگری کے۔ جو قدرت نے اُسے دی ہے۔ اور جس پر اُس کی عزت وقوت۔ حرمت کا دارومدار ہے +

"ایک یونانی فلاسفر کہتا ہے +

"عورت ایک ایسا پھول ہے جسے ایک ہی سونگھ سکتا ہے۔ دوسرے کے سونگھنے سے اُس کی وہ آب ہی نہیں رہتی۔ ایک ہندی فلاسفر اُس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے +

"عورت کی آب اور حرمت صرف اُس کی نگاہوں اور اُس کے ہاتھوں میں ہی باقی اور محفوظ رہ سکتی ہے۔ کوئی دوسرا ہاتھ اُس کا ضامن اور کفیل نہیں ہو سکتا

مردوں میں جس قدر خوبیاں اور فضیلتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ اکثر اوقات ایک دوسرے کے قایمقام ہو سکتی ہیں۔ لیکن عورتوں میں ایک خوبی یا ایک خاص فضیلت کی قایمقامی کسی دوسری صفت یا خوبی کے حصہ میں نہیں آسکتی

میل ہو۔ مگر تمام امور میں میل اور مناسبت تامہ نہیں قدرت نے اگر ان میں پوری مساوات رکھی ہوتی تو عورت اور مرد ایک ہی ہوتے حالانکہ ایسا نہیں عورت اور مرد کی خلقت دراصل دو جدا گانہ غراض کے واسطے ہے۔ اگر انہیں ایک مانا جاوے۔ تو ضابطہ قدرت پر ایک بھاری اعتراض آتا ہے +

گو ہم کیسے ہی دلائل لائیں مگر یہ بات ثابت نہیں کر سکتے۔ ہندسے ایک اور دو گو ایک ہی سلسلہ حساب کے ماتحت ہیں مگر پھر بھی ایک ایک ہی ہے۔ اور دو دو ہی لوگ اکثر فضیلتوں اور خوبیوں میں مرد اور عورت کی شرکت ثابت کیا کرتے ہیں۔ مثلاً +

"مرد میں بھی جان ہے +

"عورت میں بھی ہے +

"مرد بھی صاحب شعور اور صاحب عقل ہے +

"عورت بھی +

"مرد بھی مختلف قوتیں رکھتا ہے +

"علے ہذا القیاس عورت بھی +

"مرد بھی اعضا رکھتا ہے +

"عورت بھی +

"مرد بھی صورت و شکل رکھتا ہے +

"عورت بھی +

"مرد بھی ترقی کر سکتا ہے +

"عورت بھی +

یہ سب کچھ سہی۔ اس سے انکار کسے ہے مگر پھر بھی ان دونوں افراد میں

خوش نما رہتی - اور پروانہ اُس پر اُسی حالت میں شیدا ہوتا ہے - جب اُس میں روشنی ہوتی ہے - جو اُس کا ایک اعلے اور ممتاز خاصہ ہے جب شمع بجھہ جاتی ہے - تو پروانہ پروا ہی نہیں کرتا - جب تک اعلے خاصہ یا امتیازی جوہر وجود میں باقی نہ رہے - وجوؔد کی محض ایک وجود ہونے کی وجہ سے کوئی قدر نہیں +

بدن انسانی میں بیسوں خاصے اور چند در چند امتیازات ہیں - مگر جب اُس میں جان اور روح نہ ہو - یہ سب خاصے اور خوبصورتی یا نازک بدنی اور ذہانت کس کام اور کس مصرف کی - اگر ایک خوبصورت آدمی میں روح نہ ہو - تو اُس کی خوبصورتی تصویر کی خوبصورتی کی طرح بے مصرف ہے ایک فیل تن شمشاد قد رستم ہیت انسان میں اگر شجاعت - ہمت حوصلہ - مروت نہ ہو تو اُس کی ایسی ہیت اور پیل تنی کس مصرف اور کس کام کی اس سے تو وہ پست قد سبک تن ہی اچھا جو ان خاص صفات سے موصوف ہے +

نوع انسان کے دو ضمنی فردوں میں سے ایک مرد ہے - اور ایک عورت - گو یہ دونوں فرد ایک ہی صانع کی صنعت اور ایک ہی ٹکسال کے سکے ہیں اور بہت سے امور میں ان کی نسبت ملتی جلتی ہے - اور ایک ہی قسم کے مواد ان کے حصے بخرے میں آئے ہیں - مگر پھر بھی ان دونوں کی خصوصیتیں کچھ نہ کچھ جدا گانہ ہی ہیں - اور انہیں چند خصوصیتوں کی وجہ سے ان میں قابل حیرت اور قابل غور فرق مشاہدہ میں آتا ہے - بعض لوگوں کی یہ رائے ہے - کہ عورت اور مرد میں باعتبار قوتوں اور خاصیتوں کے کوئی یا چنداں فرق نہیں اور یا یہ کہ وہ تمام امور میں مساوات کا درجہ رکھتے ہیں - لیکن یہ خیال کسی قدر مبالغہ آمیز ہے گو اکثر باتوں میں ان کا

خوش نمائی اور خوش بو باقی نہ رہے۔ تو کہنے کے واسطے وہ بے شک گل گلاب ہوگا۔ مگر اُس کی پہلی سی وقعت اور حرمت یا مانگ باقی نہ رہیگی۔ دنیا میں اکثر وجود اور اکثر ہستیاں ایسی بھی ہیں کہ ان میں بمقابل دیگر خصوصیات اور امتیازات کے ایک دو خاص خصوصیتیں اور خاص امتیازات بھی ہوتے ہیں۔ اور انہیں سے پھر اون کی وقعت حرمت یا قیمت کی جاتی ہے +

گویا وہ اون کے واسطے جواہر مختصہ ہیں۔ گو اون کے سوائے اور خوبیاں اور اور فضیلتیں بھی ہوتی ہیں۔ مگر ان کے نہ ہونے سے باقی کی خوبیوں اور فضیلتوں میں کوئی کشش اور کوئی خاص امتیاز نہیں رہتا +

گل گلاب جب مرجھا جاتا ہے اور اُس کی خوش نما۔ دلربا پنکھڑیاں بکھر کر اپنا خداداد جوبن کھو بیٹھتی ہیں جب من موہنی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے تو اُس میں باوجود وہی گل گلاب ہونے کے وہ کشش وہ جذب وہ خوبی وہ وقعت وہ دل چسپی وہ وقر کب باقی رہتا ہے جو معدوم ہونے والی خصوصیتوں کی موجودگی میں تھا۔ یا تو بلبلیں سو جان سے فدا ہوتی اور صبح وشام گلے کا ہار رہتی ہیں۔ اور یا یہ نوبت آجاتی ہے کہ مُڑ کر بھی نہیں دیکھتیں۔ دیکھتی کیا۔ اونہیں یہ تمیز کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ یہ گل گلاب ہے۔ یا کوئی اور سڑا گلا پتا۔ ایک برگ شکستہ کی تو قدر و منزلت ہوتی ہے۔ مگر ایسے بد قسمت گل گلاب کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ نوع تو وہی ہوتی ہے۔ مگر اصل جوہر اور شان کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے حالت پھیکی پڑ جاتی ہے۔ گل گلاب میں اعلےٰ جوہر خوش بو ہے۔ اگر یہ نہ رہے تو محض پتوں کی رنگت اور خوش نمائی سے کوئی خوبی اور کوئی امتیاز باقی نہیں رہ سکتا بہ قول ہندیاں۔ جس پھول میں باس نہ ہو۔ وہ پھول ہی کیا۔ شمع اُس وقت تک

عورت

نزاکت اور رنگت بھی اگرچہ خوبیٔ گل ہیں
نہ ہو جب تک مگر خوشبو نہیں اُن کی کوئی وقعت

نیچر کے ضابطوں یا قوانین میں سے یہ بھی ایک ضابطہ ہے۔ کہ ہر خلقت اور ہر وجود کی تفضیلت یا وقعت کسی نہ کسی خاص امتیاز یا خوبی سے وابستہ ہے۔ گو ہر خلقت اور ہر وجود باعتبار اپنے انواع اور اقسام کے ہی ایک دوسرے سے تمیز رکھتا یا تمیز دیا گیا ہے۔ مگر خاص امتیازات سے بھی تمیز دی جاتی ہے انواعی تمیز صرف انواع کے مقابلہ میں ہی ہوتی ہے۔ انواع کے اندر جو تمیز رکھی گئی ہے۔ وہ اُس سے جدا گانہ ہے +

اسے یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہر وجود یا ہر شئے اور ہر خلقت کی خوبی اور وقعت ایک ایسے خاص امتیاز سے وابستہ ہوتی ہے۔ جو بمقابل اور اشیاء کے اُس سے بالخصوص مختص ہوتا ہے۔ گل گلاب کی وقعت بمقابل اور پھولوں کے محض اس حیثیت سے نہیں۔ کہ وہ انواع گُل میں سے ہے۔ بلکہ اس واسطے کہ وہ بامتیاز اپنی رنگت نزاکت اور خوشبُو کے بھی اور پھولوں سے ایک خاص رنگ و بو اور نزاکت رکھتا ہے +

اگر یہ خصوصیتیں گل گلاب میں باقی نہ رہیں۔ تو یہ نہیں کہا جاویگا کہ وہ بمقابلہ دیگر گلوں کے یوں اور یوں خصوصیت رکھتا ہے۔ جب ایسی خصوصیت میں کسی وجہ سے فرق آجاتا ہے۔ تو ایسے وجود مختص کی وہ خصوصیت اور وہ وقعت ہی نہیں رہتی۔ مثلاً اگر گُل گلاب کی یہ رنگت

بیاہ کرنے اور اپنی ساری دولت تمہیں دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس آخری دام میں بھی یہ آزادہ رَو مغربی درویش نہیں پھنسا +

مینے لنڈن واپس آکر پروفیسر صاحب کو ایک خط لکھا۔ اور اُن سے اُن کی تصویر مانگ بھیجی ۔ جواب نہایت عنایت آمیز ملا۔ اور تصویر بھی ساتھ آئی۔ میں اپنے پاس تو اُسے اُن کی نشانی سمجھ کر شوق سے رکھوں گا ہی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کی ایک نقل میرے دوستوں کو بھی پہنچ جائے۔ اس لئے اس مضمون کے ساتھ اُن کی تصویر بھی بھیجتا ہوں +

عبد القادر

چند بیہودہ بہ بند غم دنیا باشم فرصتم باد کہ با بادہ و مینا باشم
بادہ ہرچند نہ خرقہ تواں نیز کشید نرگس مست کسے خواست کہ رسوا باشم
جبہ سائے حرم کعبہ چو بودم تکچند بر در میکدہ ہم ناصیہ فرسا باشم
گرچہ رندی و طرب شیوۂ دانا نبود حاجتم نیست کہ فرزانہ و دانا باشم
باہمہ دعوے تمکیں نتواں خواست زمن کہ تو از پردہ بدر آئی و برجا باشم
جلوۂ او نہ گذارد کہ برم بہرہ ز وصل شب شود صبح و ہماں محو تماشا باشم
اے خوش آن روز کہ رازم فتد از پردہ بروں از دو سو خلقے و من مے زدہ رسوا باشم
مست و پر عربدہ تنگش بکشم در آغوش تشنۂ وصلم و تا کے بہ محابا باشم
پیش آن عربدہ جولاف ز تمکیں زدہ ام بگذار اے دل مضطر کہ شکیبا باشم
محتسب دست بداماں من و من سرمست دست در گردن آن شوخ خود آرا باشم

دامن عیش نہ دستم ز رود تا شبلی
دامن مبیٔ از کف ندہم تا باشم

جن میں بعض بہت قابلیت اور معقول درجہ کی آزادی سے لکھے جاتے ہیں
ان میں وقت نام روزانہ اخبار جو اورن برگ سے نکلتا ہے۔ سب سے
بہتر ہے۔ قزان مخبری ایک اور روسی اخبار انہوں نے مجھے دکھایا۔ جو
قزان سے شایع ہوتا ہے۔ روس کا ذکر کرتے کرتے انہوں نے بتایا۔ کہ سلطان
المعظم سے وہ ربط انہیں نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اس میں ایک بڑی وجہ یہ
تھی کہ وہ پروفیسر صاحب کو کہتے تھے کہ روس کے خلاف لکھنا چھوڑ دیں۔
کیونکہ ان کے مصالح ملکی کے خلاف تھا۔ اور یہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے
اور اس کے سوا مجوزہ عثمانی یونیورسٹی کے بارہ میں بھی اختلاف ہو گیا تھا۔
کیونکہ سلطان المعظم کی مرضی تھی کہ سر دست تاریخ فلسفہ مغربی کی تعلیم اس میں
نہ ہو اور انہوں نے عرض کیا کہ "بغیر از فلسفہ و تاریخ یونیورسٹی نمی شود۔"

اخیر میں اکثر عیسائیوں کے مذہبی تعصب کا ذکر کرتے رہے۔
کہتے تھے کہ کئی بھلے آدمی انہیں انجیل اور دیگر مذہبی کتابیں اس نظر سے
بھیجتے رہتے ہیں۔ کہ عیسوی مذہب کی طرف مائل ہو جاویں اور اسلام کی تعریف
جو وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ اس سے رک جائیں۔ کہنے لگے وہ نہیں
جانتے کہ میں کوئی مذہب نہیں رکھتا۔ میں بارہا انہیں بتا چکا ہوں کہ میں
فیلسوف ہوں۔ اور جس مذہب میں جو خوبی دیکھتا ہوں۔ اس کے اظہار
سے نہیں رکتا۔ باقی خود قید ملت سے آزاد ہوں۔ اور اتنی مدت آزادی
کا مزا چکھنے کے بعد اب آخری عمر میں گرفتار نہیں ہونگا۔ ایک آخری لطیفہ
ان کا نقل کئے بغیر میں اپنے مکالمے کے اس مختصر خلاصے کو ختم نہیں کر سکتا
انہوں نے مجھے بتایا کہ مذہب عیسوی کے بعض پیرووں کے جوش کی یہ حالت
ہے کہ ایک عیسائی بی بی نے خط لکھا کہ اگر تم بیاہے ہوئے نہیں ہو تو میں تم سے

"ہمیں درویش است ۔ وقتے کہ در تاتار بودم ۔ درین لباس بودم این از آن زمان یادگار است" +

لارڈ کرزن کی کتاب فارس کے متعلق وہاں پڑی تھی ۔ اسے جو بیٹھے اُٹھایا تو اس کے اندر لارڈ کرزن کا ایک خط رکھا تھا ۔ جو انہوں نے اپنی کتاب پروفیسر صاحب کو نذر کرتے وقت لکھا تھا ۔ اس کو دیکھکر بولے "یکے از شاگردان من حاکم ہند بودہ است" معلوم ہوا کہ لارڈ کرزن نے چند سبق ان سے لئے تھے ۔ اور ڈاکٹر سٹائین جو ہمارے پنجاب میں رجسٹرار تھے وہ بھی پروفیسر صاحب سے تلمذ رکھتے تھے ۔ اور لارڈ کرزن کے عہد میں اُن کو جو عہدہ وسط ایشیا میں تحقیقات وغیرہ کا سرکار کی طرف سے ملا تھا ۔ اس میں غالباً پروفیسر صاحب کی سفارش کو بھی دخل تھا +

لارڈ کرزن اور وسط ایشیا کے تذکرہ سے افغانستان کا اور افغانستان سے امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کا ذکر آگیا ۔ کہنے لگے امیر مرحوم نے بھی ایک مرتبہ بلایا تھا ۔ مگر جا تا نہ ہوسکا ۔ اُن کی دانشمندی اور تدبّر کی بیحد تعریف کرتے رہے ۔ اور ان کا ایک قول سنایا ۔ جو خالی از لطف نہیں ۔ کہنے لگے کہ روس اور انگلستان کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک دفعہ امیر مرحوم نے کہا تھا ۔ "درپشت انگریز چیزے نیست مگر آب درپشت رُوس زمین است" +

حکومتِ روس سے پروفیسر صاحب کو دیرینہ مخالفت ہے ۔ مگر مسلمانان روس کی ترقی سے دلچسپی رکھتے ہیں ۔ مسلمانان روس کے کئی اخبار اُن کی میز پر رکھے تھے ۔ اور انہیں وہ اکثر پڑھتے رہتے ہیں کہنے لگے کہ تمہارے روسی بھائی بہت معقول ترقی کر رہے ہیں ۔ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ حال میں چھپنّ اخبار نئے روسی مسلمانوں کی طرف سے جاری ہوئے ہیں ۔

انہوں نے بہت افسوس کیا۔ کہنے لگے +

"اگر تا فردا ہم ایں جا باشید۔ یک پلاؤ بدست خود برائے شما درست کنم
کہ در ایام درویشی مشق پختن بہم رسانیدہ ام"۔

میں — "مرحمت عالی زیاد۔ لیکن بندہ معذور ہستم۔ امروز راہ دائنا گرفتن
لازم است۔ سفر ما از قرار یکہ داشتیم۔ طول گرفتہ۔ حالا در لوندرہ
کار داریم۔ باید کہ زود آنجا برسیم۔ این صحبت کہ بدست رسید این را
مغتنم خواہیم دانست۔ و این روز در روزنامہ ما یادگار خواہد ماند"۔

پروفیسر۔ "لیکن آرزو دارم کہ شما را باز بہ بینم۔ وقت مراجعت ہند کدام راہ
مے روید۔ اگر ازین راہ بیائید۔ باید مرا از اول اطلاع بدہید۔
کہ منتظر شما باشم"۔

میں — "بچشم۔ اگر ازین راہ باز گردم۔ دیدن جناب شما فریضہ است۔ و از
اول خبر خواہم داد۔ خیلے مے خواہم کہ وقت بازگشت ایں ہم جاہا
را دوبارہ بہ بینم۔ و بہ استنبول ہم یکبار دیگر بروم۔ لیکن گمان
ندارم کہ ممکن بشود۔ اغلب آنست۔ کہ وا بور بزودی راہِ
وطن گیرم"۔

بعد اس گفتگو کے پھر متفرق باتیں شروع ہوئیں۔ ایک تصویر دیوار پر ہمارے سامنے لٹک رہی تھی۔ جس نے میری توجہ کو کئی بار اپنی طرف کھینچا تھا۔ کسی مسلمان عالم کی تصویر معلوم ہوتی تھی۔ ایک سجادہ پر ایک صاحب اپنی عبا پہنے بیٹھے تھے۔ پانی کا ایک مٹی کا برتن پاس رکھا تھا۔ عمامہ کا شملہ آگے کو لٹک رہا تھا۔ میں پوچھنا چاہتا تھا۔ کہ یہ کون صاحب ہیں اور ان سے آپ کی کیوں کر اور کب دوستی ہوئی۔ کہ انہوں نے میری رازجوئی تاڑ لیا اور کہا

وہاں سے منگوا کر نقل لی گئی - ایک انگریزی لیڈی نے یہ ہماری محنت کی - پروفیسر صاحب نے اس کا ذکر اس لئے کیا تھا - کہ یورپ کے بعض علم دوست لوگ مشرقی کتابوں کی اشاعت اور نگہداشت کے متعلق وہ خدمت کر رہے ہیں جو اصل میں اہل مشرق کا فرض ہے اور جس سے وہ غافل ہیں - اس کا جواب سوائے اپنی غفلت کے اعتراف کے کیا ہو سکتا تھا -

بابر نامہ کے سرورق پر ایک شعر لکھا تھا - جو مجھے بہت پسند آیا - میں نے پروفیسر صاحب سے اس کی تعریف کی - وہ بھی پرانے سخن فہم ہیں - اُنہوں نے جوش سے داد دی - شعر یہ ہے +

بعد از وفات تربتِ ما در زمین مجو -

در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

ایک اور بڑی دلچسپ کتاب جو اُن کے ہاں دیکھی وہ امیر البحر سید علی رئیس کے سفر نامہ کا ترجمہ تھا - یہ ترکی امیر البحر ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان گئے تھے اور جب شاہ ہمایوں کا زینہ سے گر کر انتقال ہوا اُس وقت ہندوستان میں موجود تھے +

ان باتوں میں جن کا خلاصہ اوپر لکھا گیا ہے ایک گھنٹہ کے قریب گذر گیا میں نے اجازت مانگی اور رخصت ہونا چاہا - مگر پروفیسر صاحب نے نہایت اخلاق سے روک لیا - اور کہا +

"اگر عجلت نباشد قدرے بنشینید - آدم این چنین ہر روز نمے آید"

ہم پھر بیٹھ گئے - خادمہ قہوہ لائی - ہم نے قہوہ پیا - کہنے لگے کہ تمہیں ایک وقت ہمارے ساتھ کھانا کھانا چاہیئے - ہم نے اظہار ممنونیت کیا - مگر کہا کہ معذور ہیں - آج کے دن یہاں ہیں - شام کو ڈانٹا کی طرف روانہ ہوں گے اس پر

ہمدردی ہے اور میں یقین واثق رکھتا ہوں کہ آخر کار ہندوستان میں ہندوستانیوں کو اپنا انتظام آپ کرنے کا حق مل جائے گا۔ مگر اس معاملے کی کامیابی خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ عقلمندی سے چلیں گے اور قبل از وقت شورشوں سے جن کی خبریں اندنوں کبھی کبھی آتی ہیں۔ اپنا کام خراب نہ کرلیں گے تو انجام اچھا ہوگا۔ آپ میرا یہ پیغام اپنے اہل وطن کو پہنچا دیجئے۔ اور کہئے کہ ان کے ایک غائبانہ ہمدرد کی یہ بے غرضانہ رائے ہے۔ اور اس پر عمل کرنا نہ کرنا اُن کی مرضی پر منحصر ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ مجھے قریب قریب سب یورپی ممالک کے خیالات کا اندازہ کرنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے اور اُس تجربے کی رُو سے میں جانتا ہوں کہ اگر خامی اور ناتجربہ کاری کے ساتھ اہل ہند کی طرف سے کوئی عام شورش موجودہ طرزِ حکومت کے خلاف ابھی ہوئی تو یورپ بھر کی ہمدردی انگلستان سے ہوگی اور وہ سب کسی نہ کسی طرح انگلستان کی موافقت کریں گے لیکن اگر اہل ہندوستان متانت کے ساتھ برابر ترقی کرتے رہیں اور رفتہ رفتہ یورپ تک اُن کی قابلیت اُن کی معاملہ فہمی ان کی صناعی اور اُن کی ہشیاری کی شہرت پہنچ جائے اور اُس وقت وہ اپنے حقوق کا دعوے کریں تو یورپ کی ہمدردی اُن کی طرف ہوگی غرض اس سارے جھگڑے کی بنیاد محنت استقلال اور صبر پر ہونی چاہئے۔ نہ کہ جلد بازی اور بے صبری پر۔

مینے اس پختہ کارانہ نصیحت کے لئے اُن کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ میں اسے اہل وطن تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد پھر کچھ کتابوں کی طرف ہم متوجہ ہوئے۔ ایک کتاب جو اُنھوں نے مجھے آغاز ملاقات ہی میں دکھائی تھی لیکن جس کی ورق گردانی باتوں میں نہیں ہو سکی تھی وہ کتاب بابر نامہ تھی۔ اس کی تصحیح میں بہت اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کا اصل نسخہ سر سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے میں تھا

پروفیسر - بلے راست است لیکن یک مانع دیگر است۔ و آن سیاسی است۔ مے دانید رابطۂ قدیم با قوم انگلیس دارم و کنگ اڈوارڈ بالخصوص بر حال درویش التفات بسیار دارد۔ مے بینید آن تصویر از دست و آن دیگر از ملکۂ الگزاندرا ست۔ کہ ہر دو بدست خط خود شاں مرا عنایت فرمودہ اند حالا اگر بہ ہند روم۔ از یں مے ترسم۔ کہ اگر بعضے از احوال نا ملائم کہ می شنوم بچشم خود بہ بینم۔ دو یُم برائے مردم ہند بہ سوزد۔ چیزے بنویسم کہ ازاں مردم انگلزا از من ناخوش شوند +

میں - نزد من ہمیں یک وجہ قوی است کہ زمین شما بہ ہند لازم مے گرداند۔ اگر مردے بچو شما از اندیشہائے ایں چنیں عزم کارے بگزارد۔ کہ از فرائض انسانیت است۔ باز از دیگراں چہ توقع +

پروفیسر خوب اقطعیاً ناممکن نیست باشد۔ کہ روزے برم۔ چند روز مے شود کہ وزیر صیغہ معارف جاپان مرا دعوت کردہ است کہ سفر جاپان بروم کہ آنجا روم۔ باید کہ ہند را ہم زیارت کنم +

یہ کہ کر میز کی طرف گئے اور ایک خط ڈھونڈہ لائے جو انگریزی میں لکھا ہوا تھا۔ اور جس میں جاپانیوں کی طرف سے فاضل نویسندہ نے پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً آن کے قلم سے جاپانیوں کے موافق مضمون نکلتے رہے۔ اور یہ لکھا تھا۔ کہ فرمانروائے جاپان میکاڈو۔ امید ہے۔ کہ جلد آپ کو کوئی نشان عزت بھیجیں گے اور اگر آپ یہاں آئیں گے تو ہم سب آپ کے نہایت ممنون ہونگے +

اس میں ہندوستان کی موجودہ حالت اور وہاں کی سیاسی تحریکوں کا ذکر آگیا اور پروفیسر صاحب نے کہا کہ مجھے اُن لوگوں سے جو آزادی کے طلبگار ہیں دلی

تھی۔ اس کتاب کے پاس ایک کتاب اور رکھی تھی اس کی تقطیع اور جلد وغیرہ ہمارے ہندوستان کی کتابوں کو یاد دلاتی تھی۔ میں نے پوچھا وہ کون سی کتاب ہے۔ بولے خوب یاد آئی۔ یہ کتاب تمہارے لاہور کی چھپی ہوئی ہے۔ میری اس کتاب کا اُردو میں خلاصہ چھپا ہے۔ اسے منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار نے شائع کیا ہے اور "سفرنامہ پروفیسر ویمبری" اس کا نام رکھا ہے۔ کیا تم انہیں جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ جانتا کیا معنے وہ میرے بڑے دوست ہیں اور لاہور میں ہمارا وقت فرصت بیشتر اکٹھے صرف ہوتا تھا۔ اس سے بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے۔ انہیں بتا دینا کہ میں اُن کے ترجمے کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں یہ پیغام ضرور اُن تک پہنچا دوں گا۔ اور یقیناً وہ اس سے بہت خوش ہونگے +

اب چونکہ ہم کتابوں کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنی بعض اور تصانیف دکھانی شروع کیں۔ مگر اُن میں جس کتاب کا نام ہندوستان کے مذاق کے اعتبار سے قابل ذکر ہے۔ وہ "دی کمنگ سٹرگل فور انڈیا" ہے۔ یعنے وہ جد و جہد جو اہل ہند کو پیش آنے والی ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے متعلق جو بات چیت ہوئی وہ قابل ذکر ہے +

میں ۔ یہ ہند ہیچ نہ رفتہ اید۔ سیاحے مثل شما را لازم نبود۔ کہ از سیاحت ہند غافل باشد +

پروفیسر ۔ خیلے آرزو داشتم کہ بروم۔ یک بار یکے از روسائے ہند۔ نواب عبد اللطیف صاحب از کلکتہ مرا دعوت کردہ بود۔ و قریب بود کہ بروم۔ لیکن موانع چند مرا ازان عزم باز داشت۔ حالا پیر شدہ ام ممکن نیست +

میں ۔ چندان پیر نشدہ اید۔ واگر پیرہم باشید۔ چوں ہمت جواں دارید۔ بعد مسافت مضائقہ ندارد +

دیکھا کہ کسی قدر لنگڑاتے ہیں قد میانہ ہے - یا اُس سے بھی کچھ کم - بدن متوسط ہے - نہ فربہ نہ لاغر - بال سفید ہیں +

بیٹھتے ہی اُنھوں نے انگریزی میں پوچھا - کہ فارسی بولتے ہو - میں نے کہا "ہاں کسی قدر" بس پھر کیا تھا فارسی میں باتیں ہونے لگیں - فارسی نہایت عمدہ بولتے ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ تلفظ اور لہجہ میں وہ نقص نہیں جو اکثر یورپین علمائے علوم مشرقی میں پایا جاتا ہے +

شاید مناسب ہو کہ میں اُس گفتگو کے بعض حصے قریب قریب اُن الفاظ میں لکھ دوں - جو اُس وقت استعمال کئے گئے - کیونکہ میرے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی سادہ کتاب تھی جس پر میں گفتگو کے نوٹ لیتا جاتا تھا +

پروفیسر ویمبری - از دیدنِ شما خوشحال شدم - چند روز مے شود کہ در روزنامہا مے خواندم کہ در استنبول تشریف داریدو مورد التفاتِ شاہانہ شدہ اید -

جواب - بلے قریب دو ماہ آنجا ماندیم - چہ خوب جائے است وخلق عثمانی چہ قدر خوب است - الحمدللہ کہ از التفات شاہانہ ہم ممنون شدیم +

پروفیسر - بندہ ہم عثمانی ہا را خیلے دوست دارم - سالہائے دراز در استنبول بودم - وقتیکہ در خدمت سلطان بودم - مرا رشید آفندی مے خواندند -

جواب - بندہ ازیں حال آگاہ نبودم - بائید کہ چیزے دیگر از احوال خود بفرمائید کہ خیلے دلپذیر است +

پروفیسر - بیشتر از احوال خود در یک کتاب انگریزی نوشتہ ام - کہ نامش "حکایت جد وجہد من" است - در لوندرہ چاپ شدہ است -

اس پر اُٹھے اور ایک الماری سے وُہ کتاب اُٹھا لائے - میں نے اس کے چند عنوان سرسری طور پر دیکھے اور ارادہ کیا کہ ضرور پڑھونگا - کیونکہ نہایت دلچسپ

اور کیوں نہ ہو۔ برسوں اسلامی ممالک میں رہے ہیں اور عام یوروپین لوگوں کی طرح نہیں کہ الگ تھلگ۔ بلکہ گھل مل کر ایک مسلمان طالب علم کے بھیس میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ استنبول میں پرورش پائی اس لئے ترکی سہولت سے بولتے ہیں۔ تاتاری مدارس میں برسوں رہے۔ اور وہاں عربی فارسی اور دینیات اسلام کی تحصیل کی چونکہ اس زمانے میں درویشی رنگ اختیار کیا تھا۔ اس لئے اب تک اپنے آپ کو درویش کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کی طبیعت میں وہ رنگ سرائت بھی کر گیا ہے۔ گو اب ان کی بود و باش پوری یوروپین ہے۔ اور صحبت بھی زیادہ اپنے مغربی بھائیوں سے ہے۔ تاہم پرانا رنگ اتنا گاڑھا تھا کہ مٹ نہیں سکا۔ اب تک برابر جھلک دکھا جاتا ہے +

ستمبر ۱۹۰۶ء کی ستائیسویں تاریخ اور جمعرات کا دن تھا کہ کوئی گیارہ بجے کے قریب ہم نے پروفیسر ومبیری کے دروازہ پر دستک دی۔ ہم انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ مگر سر پر ترکی ٹوپی تھی۔ ایک خادمہ نے دروازہ کھولا۔ لیکن ہماری ٹوپیوں سے کچھ متحیر نہ ہوئی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس گھر میں ایسے ملاقاتی پہلے بھی آتے رہے ہیں۔ ہمارے کارڈ اور تقریب ملاقات کا رقعہ اندر لے گئی۔ اس کے بعد بہت جلد ہمیں بلانے آئی اور ان کے کتب خانے کے کمرہ میں پہنچا کر چلی گئی۔ کمرہ وسیع اور روشن تھا ایک معقول قالین کا فرش چند کرسیاں ایک آرام کرسی اور دریچے کے پاس کونے میں ایک میز۔ بس کتابوں کی الماریں اور تین چار تصویروں کے سوا یہی سامان اُس وسیع کمرہ کی زینت تھا +

ایک مسن بزرگ میز کے قریب بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی اُٹھے اور تپاک سے ملے۔ ہاتھ ملایا۔ مزاج پرسی کی اور میز سے ذرا فاصلے پر جہاں تین چار کرسیاں رکھی تھیں وہاں ہمیں بٹھایا۔ خود بھی لکھنا چھوڑ کر پاس آ بیٹھے ہم نے

ایک مغربی درویش

دو گھنٹے پروفیسر ویمبری کی صحبت میں

شہر بوڈاپسٹ اس وقت زوروں پر ہے - اہل ہنگری اس کی رونق بڑھانے میں دل وجان سے کوشش کر رہے ہیں - دریائے ڈینیوب کے دونوں کناروں پر دُور تک اس پایۂ تخت کی آبادی چلی گئی ہے - اس کے عجائب گھر - اس کے مدرسے اس کی مجالس ملکی سب دیکھنے کے لائق ہیں - اور لوگوں کو دور دور سے کھینچتی ہیں - مگر اس کی مشہور یونیورسٹی میں چند باکمال ایسے جمع ہو گئے ہیں جن کا اس کی شہرت کے بڑھنے میں ایک معقول حصہ ہے - اُن میں اسنہ مشرقی کے نامور پروفیسر ویمبیری اہل کمال کی صف اول میں ہیں - میں جب پچھلے دنوں ایک دوست کی معیت میں سفر کر رہا تھا - تو ہمیں پروفیسر موصوف کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مل گیا - حسن اتفاق سے ایک انگریز مہربان نے ایک رسمی رقعہ تقریب ملاقات کے لئے دیدیا تھا - وہ ہم نے پروفیسر صاحب کے پاس بھیجدیا - اُس سے ملنے میں آسانی ہوگئی - مگر ملاقات کے بعد جس قدر خلیق نہیں پایا - اس سے معلوم ہوا کہ کسی رقعے کے بغیر بھی اُن کا خلق عمیم ہمیں لطف صحبت سے محروم نہ رکھتا +

پروفیسر ویمبیری انگلستان میں اور دیگر ممالک یورپ میں مشرقی معاملات کے متعلق عموماً اور اسلامی معاملات کے متعلق خصوصاً نہایت باخبر مانے جاتے ہیں اور گو کئی دفعہ ہمیں اُن سے رائے میں اختلاف ہوا ہے - تاہم اس امر کا اعتراف کرنا فرض ہے - کہ باعتبار مغربی نژاد ہونے کے اُن کے معلومات تعجب خیز ہیں -

موروو کا ہے جس کے معنی میری ماں بچہ عورت یا بہن ہے۔ جزیرۂ وانکور کے وحشی لمبی ڈاڑھی والے آدمی کو "پاکسبس" کہتے ہیں۔ مگر اس لفظ کی دراصل "پاخ پیکوک سلکوس" ہے اسی طرح گریبو۔ حبشیوں کی زبان میں غضبناک ہونے کو "ای اموکر اڈوڈی" کہتے ہیں مگر کثرتِ استعمال سے یہ جملہ "یاموکرور" رہ گیا ہے۔ لیکن سب سے عمدہ مثالیں اختصار کی عربی زبان میں ہیں اور اُن کا ذکر خواص ابواب میں آیا کرتا ہے۔ ہیللہ "لا الٰہ الا اللہ" کہنا "حوقلہ" "لا حول و لا قوۃ الا باللہ" کہنا "جعلفہ" "جعلت فداک" کہنا ایسے جبلی مختصر پسندی کا مقتضی تھا کہ سنسکرت "زند و اینگلو سیکسن" کی سی تصریفی زبانوں میں سے اعراب و ارادات و اعرابی حروف حذف ہوکر پراکرات اور اس سے بنگالی ہندی مرہٹی اور فارسی حال اور انگریزی زبانیں تیار ہوئیں اور یہی مختصر پسندی عربی زبان سے اعراب کو حذف کرکے حضرموت و مصر و تونس کے محاورات تیار کررہی ہے۔ غرض حصولِ اختصار کا میل اس طرف ہے کہ کل مرکب اور تصریفی زبانیں بتدریج بسیط اور غیر تصریفی ہوتی جائیں۔

(باقی آئندہ)

معذرت

اس سے پیشتر کے رسالے میں ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جنوری کے مخزن کے ساتھ ہز ہائی نس جناب امیر صاحب والئے افغانستان کی تصویر شائع کی جائیگی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ تصویر ابتک ولایت سے تیار ہوکر ہمارے پاس نہیں پہونچی۔ اسی لئے رسالے کی روانگی میں کسیقدر تاخیر بھی ہوگئی ہے مگر اب زیادہ انتظار مزید تاخیر کا باعث ہوگا اس لئے ہم اس مرتبہ پروفیسر وامبیری کی تصویر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں اور امید ہے کہ ماہ آئندہ میں امیر صاحب کی تصویر بھی شائع ہوسکیگی + منیجر

تمیز ہوتی ہے۔ اُسطرلاب۔ اسطقس اور اور اصطلاحاتِ علمی جو یُونانی سے عربی میں آئیں۔ ہماری اُردو زبان میں گرجا۔ ممبر۔ لیکچر۔ پادری وغیرہ وغیرہ اس قبیل کے الفاظ ہیں۔

ف ۱۸ ۔ زبان کے جاندار ہونے کا بڑا ثبوت اختلافِ محاورات ولغات ہے جس طرح انسان اور حیوانات امتزاج و اختلاط مرزبوم سے اپنی نسلوں میں تنوع پیدا کرتے ہیں اسی طرح زبان بھی اپنے محاورات بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً اُردو زبان ہندوستان میں شمال سے لیکر جنوب تک اور شرق سے لیکر غرب تک مروج ہے۔ لیکن محاورات ہر جگہ کے مختلف ہیں اور ممکن ہے کہ بمبئی کی اُردو لکھنؤ میں اور لکھنؤ کی اُردو بمبئی میں بخوبی مفہوم نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں کسی خاص مقام کا محاورہ بعیارِ فصاحت وصحت ٹھہرایا گیا ہے۔ جیسا اُردو کے لئے لکھنو اور دہلی کا محاورہ انگریزی کے لئے لنڈن کا محاورہ عربی کے لئے مجاز کا محاورہ۔

ف ۱۹ ۔ مذہبی تسلط بھی ایک بڑا باعث زبان کے تغیر کا ہے۔ اور اسکی بڑی مثال فارسی اور ترکی زبانیں ہیں۔ جس وقت سے عربوں نے اپنا مذہب ایران و وسط ایشیا میں جاری کیا اور ایرانیوں اور تاتاریوں نے اسلام قبول کیا۔ عربی الفاظ اور عربی ترکیبیں ان زبانوں میں اس طرح سرائیت کر گئیں کہ بالکل زبان کا ٹھاٹھ بدل گیا۔ کیونکہ آگے چلکر معلوم ہوگا کہ زبانِ عربی کو کسی قسم کا تعلق ترکی اور فارسی سے نہیں اور یہ تینوں تین مختلف طبقات کی زبانیں ہیں۔ اسی طرح جنوب ہندوستان کی زبانیں اروی تلنگی۔ اور کنٹری۔ جو قدیم باشندگانِ ہندوستان کی زبانیں ہیں مذہبی تسلط کی وجہ سے سنسکرت الفاظ اور سنسکرت تراکیب سے مملو ہیں۔

ف ۲۰ ۔ دوسرا بڑا اصُولِ تغیر و توسیع زبان کا اختصار ہے۔ انسان بالطبع مختصر پسند ہے اور تطویل سے حذر کرتا ہے۔ اور مختصر پسندی کا ظہور ہر طبقہ کی زبان میں موجود ہے۔ مثلاً مانڈنگو زبان میں ہن کو "مباڈنگ مورو" کہتے ہیں اور یہ اختصار می باڈودنگو

ف۔ دوسرا طبقہ اُن زبانوں کا ہے جن میں ترکیب موجود ہے لیکن اس وضع پر کہ اجزأ مرکبہ صرف باہمی التصاق ہے اتصال نہیں ہے۔ اور ان زبانوں کو السنہ ملزقہ کہنا چاہئے۔ کیونکہ الزاق کے معنے گوند سے چپکانے کے ہیں۔ اس طبقہ کی مثال زبان ترکی اور کل السنہ تورانیہ ہیں۔ طبقہ اعلیٰ میں وہ زبانیں ہیں جن میں تصریف و اشتقاق حد کو پہنچ گیا ہے۔ جیسے عربی سنسکرت۔ لاطینی۔ یونانی۔ ان زبانوں کی صرف نحو نے اس قدر ترقی کی ہے کہ نہ صرف الفاظ کا اشتقاق بلکہ جملہ میں ہر ایک لفظ کا لگاؤ دوسرے لفظ کے ساتھ قواعد منضبطہ اور مسلمہ پر مبنی ہے۔

ف۔ لیکن زبان خواہ مفرد ہو یا مرکب کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی۔ ہمیشہ اس میں تبدل و تغیر جاری ہے۔ زبان جاندار چیز ہے اور مثل اور جانداروں کے ہمیشہ اس میں پیدائش شباب۔ پیری اور موت موجود ہیں۔ ہر وقت نئے الفاظ کی ضرورت پڑتی جاتی ہے۔ پرانے الفاظ قلت استعمال سے بھولتے جاتے ہیں یا اُن کے معانی میں توسیع کی حاجت پڑتی جاتی ہے۔ بولنے میں جو حروف ثقیل ہیں اُن کا تبدل دوسرے حروف سے ہوتا ہے۔ آذخر کی جگہ پہ آدخر۔ اثنا کی جگہ پر اتا۔ ہو جاتا ہے۔ وہ حروف جو کسی وقت زبان میں نہیں تھے بحسب ضرورت و اختلاف مرز و بوم زبان میں داخل ہو جاتے ہیں جیسا اس وقت اکثر ان ممالک میں جہاں عربی زبان زندہ ہے۔ قال کی جگہ گال بولتے ہیں۔ حالانکہ گاف کا وجود عربی زبان میں نہیں ہے۔ اعراب جس کے تلفظ میں دیر لگتی ہے حذف ہوتا جاتا ہے اور سکون پر دارومدار ہوتا جاتا ہے۔ زَیْدٌ ضَرَبَ عَمْرًا کی جگہ زَیْد ضَرَبْ عَمْرْوْ بولا جاتا ہے۔ جوں جوں قوم کا میل دوسری اقوام سے ہوتا جاتا ہے خواہ بوجہ فاتح و مفتوح ہونے کے یا تجارت و مراسلات و تعلیم و تعلم کی وجہ سے اس کا اثر زبان پر مترتب ہوتا ہے اور غیر مانوس الفاظ روز بروز زبان میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور بتدریج ان الفاظ کی صورت اس طرح بدل جاتی ہے کہ اُن کی اجنبیت مشکل

ان میں سے دُوسرے کی قائمقام بن گئی۔

ف۱۵۔ سب سے پہلے جو الفاظ اختراع کئے گئے وُہ مفردات اور مصادر تھے اور یہی الفاظ ہر ایک زبان کی جڑ ہیں اور انہیں کی ترکیب اور تصریف سے زبان کی ساری باریکیاں جنکا نام ہم نے صرف و نحو و لُغت رکھا ہے پیدا ہوتی ہیں۔ سنسکرت کی سی اعلیٰ درجہ کی زبان جس میں کوئی مضمون ایسا نہیں جو بیان نہ ہو سکے۔ صرف دو ہزار مصادر سے بنی ہے۔ ان مصادر کو سنسکرت میں۔ دھّا تو کہتے ہیں اور انہیں سے تمام اسمأ و افعال و صفت مشبّہ و الفاظ مرکب جن سے زبان اس قدر وسیع بنی ہُوئی ہے مستخرج ہوتے ہیں۔ پروفیسر ایڈرگرن کی تحقیقات نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ ان دو ہزار مصادر میں بہت سے مکرّر ہیں یعنی تشدید یا تنوین یا تبدیل حروف کے ذریعہ سے کسی دُوسرے مصدر سے پیدا ہُوئے ہیں اور اگر یہ مکرر مصادر خارج کر دیئے جائیں تو زبان کے مصادر کی تعداد صرف (۸۴۰) رہ جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ مصادر یاد ہوں اور پانی نی کے قواعد صرف و نحو پر اسکو عبور ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ وُہ سنسکرت زبان کا عالم ہے لیکن صرف پانی نی کے قواعد اچھی طرح سے سمجھنے اور ان کا استعمال جاننے کے لئے اقلاً پانچ سال کی محنتِ شاقہ درکار ہے۔

ف۱۶۔ بعض زبانیں جنکی قدامت میں کسی طرح شک نہیں ابھی تک اُسی بسیط حالت میں ہیں جس میں وہ اختراع کے وقت تھیں اور اس کی نہایت عُمدہ مثال زبان چینی ہے اس زبان میں کل ساڑھے چار سو مفردات و مصادر ہیں اور ان میں کبھی تصریف و ترکیب نہیں ہوتی ساری بولی مفردات میں ہے اور ان مفردات میں قلیل التعداد سے مختلف معانی صرف لہجہ کے بدلنے سے ادا ہوتے ہیں۔ مثلاً لفظ "ری"۔ لہجہ و تلفظ کے بدلنے سے تیس معانی ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ پیدا کرتا ہے لیکن اس کا بیان بالتفصیل تقسیم السنہ میں آئیگا۔ اس قسم کی زبان کو السنۂ بسیط کہتے ہیں اور یہ ادنیٰ طبقہ زبانوں کا ہے۔

باتیں کرنے میں ہات اور دیگر اجزائے جسم انسانی دُوسرے کاموں میں مشغول رہ سکتے ہیں اور بیکار نہیں ہوجاتے۔ پس یہیں سے الفاظ کے اختراع اور وضع کی ابتدا ہوئی۔

ف ۱۴۔ اگر تھوڑی سی غور کیجائے تو ثابت ہوجائیگا کہ بجز اشارات و اصوات کے انسان کے پاس کوئی اَور ذریعہ ہی نہیں جس سے وہ اپنے خیالات اور محسوسات کو دُوسروں پر ظاہر کر سکے۔ کیونکہ انسان اور اعلیٰ درجہ کے حیوانات میں اشیائے خارجی کا ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ان حواس میں سے تین حس یعنی ذائقہ لامسہ اور شامّہ ایسے ہیں جن سے احساس کرنے کے لئے یہ امر لازمی ہے کہ شے خارجی کے اجزا آلۂ حس سے ملا دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہم کسی شے کو نہ چکھیں یعنی زبان سے نہ ملا دیں۔ اُس کی اس خاصیت کا جسکو مزہ کہتے ہیں ادراک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب تک ہم کسی شے کو ہاتھ سے نہ چھوئیں یا اپنے جسم کے کسی حصہ سے نہ ملائیں تو اس کی نرمی چکنے پن اور کھُردرے پن کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس بو کے ادراک کے لئے بھی لازمی ہے کہ شے خارجی کے باریک اجزا ہوا میں ملکر ہماری ناک کے اندر پہنچ جائیں اور ناک کی غشائے لعابی سے مل جائیں۔ اور اسی وجہ سے جو اشیا اس قسم کی ہیں کہ اُنکے اجزا آسانی ہوا میں مل جاتے ہیں۔ اُنکی بو کا احساس دُور سے ہوتا ہے مثلاً مشک عطریات وغیرہ۔ برخلاف اس کے جن اشیا کے اجزا آسانی سے ہوا میں نہیں ملتے۔ اُنکو جب تک ہم اپنی ناک سے نہ ملا دیں۔ اُنکی بو نہیں معلوم ہوتی۔ صرف باصرہ اور سامعہ دو حس ہیں جن سے ادراک کے لئے شے خارجی کا اُن سے مل جانا لازمی نہیں ہے بلکہ انکے ذریعہ سے دُور کی اشیا کا ادراک ہوسکتا ہے۔ پس یہی دو حسیں تھیں جن سے انسان اپنے ذاتی محسوسات اور جذبات اور خیالات کو دُوسروں پر ظاہر کرنے میں مدد لے سکتا تھا۔ زبانِ اشارات میں اُس نے باصرہ سے کام لیا اور زبانِ اصوات میں سامعہ سے۔ اور پھر اس نے کتابت کا فن ایجاد کیا جس نے صُورت و صوت کو ایسا ایک دوسرے سے گھُلا ملا دیا کہ ہر ایک

نکلتی ہے اور چونکہ انڈے کے شق ہوتے ہی پرند کا بچہ اُس کے اندر سے نکل آتا ہے اِس لیے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ خلق کا لفظ نکلا۔ اسی طرح جر کھینچنا اُس آواز سے نکلا ہے جو کسی شے کو زمین پر گھسیٹنے سے نکلتی ہے۔ اس کے بعد نشان یا کوئی چیز کے کھینچنے سے مٹانا۔ جیسا کہ امرء القیس کہتا ہے:۔ خَرَجْتُ بِهَا أَمْشِي تَجُرُّ وَرَاءَنَا عَلَى أَثَرَيْنَا ذَيْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ یعنی میں عُنیزہ کو ساتھ لیکر چلا اور وہ ہم دونوں کے نشان پا پر اپنی ایسی چادر کا دامن کھینچتے جاتے تھے جس پر کجاوہ شتر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسی سے جریرہ نکلا یعنی چھپانے کی چیز یعنی گناہ۔

ف ۱۲۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قسم کی آوازوں کی باریکی کا احساس کرنے کے لئے کوئی ملک عربستان سے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ وُہ ریگستان کا سناٹا جس میں نہ کسی قسم کے پرند ہیں نہ چرند اور جہاں آدمی کا گذر بھی شاذ و نادر طور پر ہوتا ہے وہاں کی صاف ہوا ہر قسم کی آواز کو نہایت صحت کے ساتھ اور بلا کسی قسم کے تصرف کے کانوں تک پہنچاتی ہے اور ایسی ہی مُلک میں فطرتًہ بھی الفاظ محاکی الاصوات کی کثرت ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ عربوں کی زبان میں مخارج کے باریک فرق سے جو دوسری اقوام کو بمشکل محسوس ہو سکتے ہیں۔ بکثرت مختلف المعانی الفاظ پیدا ہو گئے ہیں اور انہوں نے زبان کو بے انتہا وسیع کر دیا ہے۔

ف ۱۳۔ جن اصوات کا ذکر زبان اشارات کی تحت میں ہو چکا ہے وُہ صرف انسان کی ذاتی کیفیات اور محسوسات کو بیان کرنے والی تھیں۔ برخلاف اس کے الفاظ محاکی الاصوات اشیاء خارجی کو جنکی آواز انسان سُن چکا ہے یاد دلاتے ہیں اور انہیں الفاظ سے انسان کو اس بات کا پتہ ملا کہ آواز خیالات کے ظاہر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہ صرف بلحاظ اِس کے کہ اشارات محدود ہیں اور اصوات جنکو انسان اپنے گلے سے نکال سکتا ہے غیر محدود۔ بلکہ نیز بلحاظ آسائش اور آسانی کے۔ کیونکہ زبان سے

تو بتدریج وُہ بھی ان اشارات اور اصوات کو سمجھنے لگتا ہے - مثلاً جس وقت ہرنوں کا گلہ چرائی میں مشغول ہوتا ہے تو ہمیشہ ایک ہرن بطور پاسبان کے باہر کھڑا ہوتا ہے اور بمجرد کسی درندہ کی آہٹ پانے کے اس قسم کا اشارہ کر دیتا ہے جس سے وہ سب ہرن بھاگ کھڑے ہوتے ہیں - یا جب مُرغی چیل کی آہٹ پاکر اُس خاص آواز سے جسکو کُٹکُٹ نا کہتے ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بُلاتی ہے - یا کُتا دروازہ کھلوانے کے لئے بھونکتا ہے - یا گھوڑا دانے کے وقت ٹاپ مارتا ہے - تو ان کل صُورتوں میں ان حیوانات کے اصوات اور اشارات بالکل وُہی کام دیتے ہیں جو انسان کے الفاظ -

ف ۱۰ - دُوسرا درجہ اختراع زبان میں اُن الفاظ کا بنتا ہے جنکو یونانی زبان میں انوما ٹوپے اِک کہتے ہیں - یعنی الفاظ محاکی الاصوات جیسا اردو میں - غُرّانا گڑگڑانا بھنبھنانا مُسکنا - سرسراہٹ - فارسی میں غوغا - کوکو - صرصر - عربی میں - صریر - نہیق - بقبق (بُلبلوں کا اُٹھنا) تغور - (پانی کا اُبل کر زمین سے نکلنا) قہقہہ - ہنسی کی آواز وغیرہ وغیرہ یہ سب الفاظ اصوات طبعی کی نقل کرتے ہیں اور ہر ایک زبان میں اس قسم کے الفاظ بکثرت موجود ہیں -

ف ۱۱ - میرے دوست مولوی سید کرامت حسین صاحب نے جن میں اعلیٰ درجہ کی عربیت کے ساتھ مختلف السنہ کی واقفیت اور ایک غیر معمولی فلسفیت اور قوتِ استقرا مجتمع ہے - ایک بہت ہی جید عربی رسالہ میں جس کا ہر صفحہ جدت خیال اور خوبی بیان اور حسن استدلال سے بھرا ہوا ہے اور جس کا درجہ ان اعلیٰ تصانیف علمیہ کا ہے جو اسوقت یورپ میں بھی نادر الوجود ہیں - اس امر کو ثابت کیا ہے کہ زبان عربی کے اکثر مصادر حکایات صوت سے مستخرج ہوئے ہیں اور ابتدائے معانی میں جو صرف خلقی صوت پر مبنی ہیں حرفوں کی تبدیل اور کمی بیشی اور دوسرے اسباب سے مختلف معانی پیدا ہو جاتے ہیں - مثلاً لفظ خرق چاک کرنا - اُس آواز سے نکلا ہے جو انڈے کے شق ہو جانے سے

عندالضرورت باتیں کرتا ہے۔

ف۷ ۔ دوسری قسم کے اشارات وُہ ہیں جنکو اشارات صَوتی کہنا چاہیئے اور اُن میں اور اشاراتِ فعلی میں اسی قدر فرق ہے کہ اشاراتِ فعلی کا اِدراک قوّتِ باصرہ سے ہوتا ہے اور اشاراتِ صوتی کا ادراک قوّتِ سامعہ سے ۔ مگر یہ دونوں زبان اشارات کے جزو اور اس میں شامل ہیں۔

ف۸ ۔ اِشاراتِ صَوتی کی بڑی مثال ہنسی اور رونا اور کیفیات کا اظہار ہے جس میں چہرہ اور آواز دونوں شریک اور معاون ایک دوسرے کے ہیں۔ جس قسم کی کیفیت چہرہ پر منتقش ہوگی اس کا اثر فوراً آواز پر پڑیگا۔ اگر آدمی ہشاش بشاش ہے تو قہقہ کی آواز گلے سے نکلیگی۔ اگر غم میں چور ہے تو رونے کی۔ اگر ان ہی اصوات کو ستار میں بجائیں تو وہی کیفیات انسان پر طاری ہونگی اور اسی وجہ سے موسیقی کا اثر یورپ کی مہذب قوموں سے لیکر اسٹریلیا کے جنگلیوں تک سب پر یکساں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تال۔ سم اور موسیقی کی باریکیاں سمجھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی تعلیم درکار ہے لیکن موسیقی کا اثر وحشی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ آواز جو کیفیات اور جذباتِ انسانی کی ترجمان ہے۔ ان کیفیات کو جو راگ میں ظاہر کی جاتی ہیں سُننے والے پر طاری کر دیتی ہے۔ اور اس میں ایک ولولہ اور ہیجان پیدا کرتی ہے۔

ف۹ ۔ اِشاراتِ عملی اور اشاراتِ صوتی اگر ملائے جائیں تو ان سے وُہ زبان پیدا ہوگی جسکو زبانِ طبیعی کہنا چاہیئے ۔ کیونکہ اس زبان کو ہر ایک انسان بالطبع سمجھتا ہے اور زبانوں کے اختراع میں غالباً پہلا مرحلہ یہی تھا۔ اور یہی زبانِ طبیعی انسان کی ہے جس کو حیوانات کے اصوات اور اشارات سے کامل مشابہت ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ حیوانات بھی اشارات اور اصوات کے ذریعہ سے اپنے محسوسات کو اپنے ہم جنس حیوانات پر ظاہر کرتے ہیں اور اگر انسان کو کسی خاص قسم کے حیوانات سے کام پڑے

ف ۵۔ لیکن علومِ طبیعہ نے جہاں اِنسان کے اور جبلی اور اکتسابی خصوصیات کی تحقیقات کی ہے۔ وہاں زبان کی بھی چھان بین کی ہے اور جب ہم اس امر کو مان لیں کہ زبان صرف وُہی زبان نہیں ہے جس سے ہم یہاں بحث کرنے والے ہیں بلکہ اِس میں ہر قسم کی آواز اور اشارات شامل ہیں جن کے ذریعہ سے اِنسان اپنے خیالات اور محسُوسات کو ظاہر کرتا ہے۔ اس وقت ہمیں بآسانی معلوم ہو جائیگا کہ کلام کیونکر پیدا ہُوا۔

ف ۶۔ سب سے پہلی زبان زبانِ اشارات ہے۔ جب کسی وجہ سے ایک اِنسان دُوسرے انسان کے ساتھ اصوات میں باتیں نہیں کرسکتا تو اشارات کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی سوتے ہُوئے مریض کے سرہانے بیٹھا ہو اور دُوسرے شخص کو اُس سے کچھ چیز مانگنی ہو تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں آپس میں اشاروں سے باتیں کرینگے اور ایک دُوسرے کے مطلب کو بخوبی سمجھ جائیگا۔ اسی طرح درباروں اور مجالس میں جہاں آواز کا نکالنا خلافِ تہذیب ہے۔ اشاروں میں باتیں کرنی پڑتی ہیں لیکن پُورے طور پر اشارات کا اِستعمال وُہ لوگ کرتے ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں اور اُنکی تقریرِ اشاراتی نہایت درجہ دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ ان اشارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گونگے بہروں میں دو قسم کے اشارات کا استعمال ہوتا ہے۔ اوّل تو اُن چیزوں کو جو معرضِ گفتگو میں ہیں دکھا دینا۔ مثلاً ہاتھ کی جگہ ہاتھ کو دکھانا۔ مَیں کی جگہ اپنی طرف اشارہ کرنا اور تم کی جگہ مخاطب کی طرف۔ دوم حرکات سے خیالات کو ظاہر کرنا۔ مثلاً پانی کی جگہ چلّو منہہ کو لگانا۔ چابک کی جگہ ہاتھ سے چابک مارنے کا اشارہ کرنا۔ دیا سلائی کی جگہ دیا سلائی سُلگانے کی نقل کرنا۔ یہ سب اشارات اس طرح کے ہیں جو طبعی اور عام فہم ہیں۔ اور یہ پہلی زبان ہے جس میں ایک اِنسان نے دُوسرے اِنسان سے باتیں کیں اور اپنی یُومنا لہا

جنکے ذریعہ سے بعض اوقات انسان اپنے خیالات کو ایسی ہی وضاحت کے ساتھ بیان کرسکتا ہے جیسے الفاظ ہیں۔ پس ضرور ہے کہ اس تعمیم کی کسی قدر تخصیص کیجاوے اور تعریف اُس زبان کی جس سے ہم بحث کرینگے یہ قرار پائی ہے۔ زبان اُن اصوات کا مجموعہ ہے جنکو انسان نے اپنے خیالات اپنے ہمجنسوں پر ظاہر کرنے کے لئے وضع کیا ہے۔

ف ۳۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ انسان نے زبان کیونکر حاصل کی کیونکہ معلوم ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے بات کرتا ہوا نہیں پیدا ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ شُشش اور قصبتہ الریہ اور اُس کے وُہ پردے اور رباطات جن کے بغیر صوت پیدا نہیں ہوسکتی ہر ایک اِنسان اور اکثر حیوانات میں موجود ہیں۔ لیکن اصوات کا معانی خاص کے لئے موضوع کرنا امرِ آخر ہے اور یہ بتدریج انسان کو حاصل ہوا ہے۔ اس مقام پر اعتقاداتِ مذہبی سے مطلق بحث نہیں ہے صرف اس امر کی تحقیق منظور ہے کہ وُہ مدارج جنکے طے کرنے کے بعد زبان حاصل ہُوئی کیا ہیں؛ اور آیا اُن میں سے کوئی درجہ ایسا بھی ہے جس میں زبان اِنسانی اصوات و حرکات حیوانی سے متمیز نہ ہوسکے

ف ۴۔ اگر بغور دیکھا جائے تو زبان ہی وُہ چیز ہے جو انسان اور حیوانات میں مابہ الامتیاز ہے اور جس نے حضرتِ انسان کو ترقی کے اُس ٹیلے پر پہنچا دیا ہے۔ جہاں سے وہ تمام کائنات کا مشاہدہ کررہے ہیں اور جس کی بدولت انہیں اپنے خالقِ مطلق کی نسبت بھی بحث کرنے کی جرأت ہوگئی ہے۔ اگر ہم اس وقت عربی یا سنسکرت کی سی کامل اور آراستہ زبان کو لیویں تو ہمیں سخت حیرت ہوگی کہ ایسی بنی بنائی اور ڈھلی ڈھلائی ہوئی چیز جس کے ذریعہ سے ہم اپنے کل دنیاوی اور اُخروی خیالات کو ایسی آسانی اور ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کرسکیں۔ کیونکر ہاتھ آئی اور بجز اس کے چارہ نہیں ہوتا کہ ہم اسے بھی اللہ کے ایک دین مان لیں جس نے ہزارہا نعمتوں کے ساتھ ہمیں نعمتِ بیان بھی عطا کی۔

مخزن

عِلم اللّسان

مخزن کے قدیم کرمفرما جناب شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لاء نے ہمیں مندرجہ ذیل مضمون عنایت فرمایا ہے۔ گو یہ مضمون پہلے "رسالہ حسن" میں جو حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوا کرتا تھا نکل چکا ہے۔ مگر اب سید صاحب موصوف نے اس میں بہت سا اضافہ اور ترمیم کرکے اب اسے قریبًا نیا اور مفید تر بنا دیا ہے۔

ف ۱۔ علم اللسان کا موضوع عالم کی کل وہ زبانیں ہیں جنکو مختلف اقوام اور مختلف طبقات کے انسان مختلف اقطاع عالم میں بولتے ہیں اور جنکے ذریعہ سے وہ اپنی محسوسات اور خارجی اشیاء کے علم کو اپنے ابنائے نوع پر ظاہر کرتے ہیں۔ ان السنہ کی تفتیش اور انکی ترتیب و تقسیم اور انکا باہم دیگر مقابلہ کرنا اور اُن میں باہمی تشابہ اور تخالف کو دریافت کرنا یہ سب علم اللسان کی حدود میں شامل ہے۔

ف ۲۔ اس علم میں پہلا سوال جو پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ زبان کیا چیز ہے اور مختصر تعریف زبان کی یوں کیجا سکتی ہے کہ زبان انسان کے خیالات ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن ادنیٰ غور سے معلوم ہوگا کہ یہ تعریف بے انتہا جامع ہے اور اسمیں سب قسم کے ذرائع جنپر زبان کا اطلاق نہیں ہوسکتا داخل ہوجاتے ہیں مثلاً تصاویر وعلامات اشارت

المعذور مجبور

دسمبر گزشتہ کے رسالہ میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر [illegible]

[illegible]

منیجر

جنوری ۱۹۱۰ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر بی-اے

مخزن

تصویر پروفیسر ویمبری

اُردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

علم اللسان۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی صاحب ایم-اے بیرسٹر ایٹ لا (از کیمرج)

ایک مغربی درویش۔ شیخ عبد القادر صاحب بی-اے

عورت۔ میرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

شعرا کے مزار۔ شیخ عبد القادر بی-اے

اُردو زبان اور ہندو مسلمان۔ سید محمد فاروق صاحب از حیدر آباد دکن۔

بھرتری ہری کا ترجمہ۔ شیخ محمد اقبال صاحب بی-اے (از کیمرج)

گل و بلبل کا فسانہ۔ منشی درگا سہائے صاحب سرور (جہان آبادی)

عروس دنیا۔ خانصاحب پیرزادہ محمد حسین صاحب عارف ایم-اے جوڈیشل جج (سرینگر)

جسٹس بدرالدین۔ عید (کلام ممنون) منشی عباس علی صاحب (طالب) اودھ

آزادی و غلامی۔ شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی (از لنڈن)

شراب کا دیوتا۔ منشی نذر محمد صاحب بی-اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس

ایک اجل رسیدہ کی تمنا۔ جناب سرور جہان آبادی۔

تازہ غزلیں۔

دس کروڑ ہندوستانی اُردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اُردو سمجھتے ہیں +

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ▢ ان شہروں میں اردو مروج ہے - ⊕ ان شہروں میں اُردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ... فی پرچہ

نئے سال کے نئے ارادے

سال بدلنے کے وقت انسان عموماً قدرتی طور پر ایک قسم کی تبدیلی کا شوق اپنی طبیعت میں پاتا ہے۔ دلچسپی کے سامانوں - فائدہ کی صورتوں - اوقات گذاری کے مشغلوں میں کچھ نہ کچھ جدّت چاہتا ہے۔ جس سے لطف کا دوبالا ہوجانا یقینی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی تمام ترقیوں کا سرچشمہ یہی جدّت پسندی ہے۔ جو ازل سے فطرتِ انسانی میں ودیعت رکھی گئی ہے۔ اور اسے دوسرے حیوانات سے ممتاز کر کے اشرف المخلوقات ثابت کرتی ہے۔ چونکہ [illegible] علاوہ برین اس جدّت پسندی کے جذبہ کو خود بخود ایک تحریک ہوتی ہے اور انسانی طبیعت کُل جدید لذیذ" پر عمل [illegible] کرتی ہے۔ دل میں نرالی اُمنگیں اُٹھتی اور نئی نئی اُمیدیں گھر کرتی ہیں اسلئے کوئی محلِ تعجب نہیں۔ کہ گو **مخزن** کی نئی جلد شماہی وار بدلتی اور نیا سال ۱۰ اپریل سے گورنمنٹ کے مالی سال کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ مگر اس کے ناظرین لیاقت آئین۔ جنکی قدرشناسی و خوش مذاقی رسالۂ ہذا کے لئے مائہ فخر و نازو سرمایۂ عزّ و امتیاز ہے۔ ایسی حالت میں کوئی ترقی یا تبدیلی دیکھنے کے خواہشمند ہوں اور اسکے شائقین کا حلقہ وسیع بنانے کی کوششوں کے لئے قدرۃً محرک ہوں۔ لہٰذا اُن کے قدرتی اشتیاق کو مدّنظر رکھکر اعلان کیا جاتا ہے کہ سال آئندہ میں صرف **مخزن** اردو علم ادب کی خدمت اور دلاویز و کارآمد مضامین نظم و نثر کی اشاعت کے متعلق اپنے **شعارِ خاص** کو قائم رکھیگا

سنہ ۱۹۰۷ء کے ساتھ اپنے سامانِ دلچسپی

میں اضافہ کی کوشش کریگا۔ مغربی خیالات کے سرسبز و شاداب چمن سے نظر فریب و روح پرور پھولوں کی قلمیں لاکر گلزارِ اُردو کے تختے سجائیگا۔ اور مشرقی ادب کے وسیع باغ کی نئی نئی روشوں میں جاکر ایسے خوشنما و فرحت افزا گلدستے لائیگا۔ جنکے پھولوں کی خوشبو کے لئے ابھی تک عالی دماغ اصحاب صرف نسیم شہرت کے منّت پذیر رہے ہیں۔ اور بخوبی اپنے مشامِ جان کو معطّر نہیں کرسکے ہیں۔ دورانِ سال میں **مخزن** کئی نئے مگر نامور و زبردست اہلِ قلم کو ناظرین سے انٹروڈیوس کریگا اور انشاء اللہ عنقریب اس کا شمار ہونیوالا ہے کہ اس کے ایڈیٹر شیخ عبدالقادر صاحب بی - اے کی مراجعت رسالہ کی مزید رونق اور ترقی کا باعث ہوگا۔ مگر چونکہ انسان کے تمام ارادے اسکی ذات کی مانند کمزور اور اپنی تکمیل میں ایک سب سے بڑی طاقت کی اعانت کے محتاج ہیں اس لئے بالفعل صرف سال آئندہ کے پہلے پرچہ کی نسبت ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت کے معزز و مقتدر شاہی مہمان عالیجناب امیر حبیب اللہ خان بہادر فرمانروائے افغانستان کی تصویر جنوری نمبر کو زینت دیگی (امید ہے کہ یہ تصویر عنقریب ولایت سے تیار ہوکر پہنچ جائیگی) اور دیگر مضامین کے علاوہ فاضلِ جلیل جناب مولوی سید علی بلگرامی بی - اے - بیرسٹرایٹ لا کا ایک جمع و کارآمد مضمون - ہندی سیاح فریبِ بغداد سید سجاد حیدر بی - اے کی آنحضرت دل کی سوانح عمری - اور ایک نئے مگر محقق و نامور انشاپرداز کا تنقیدی آرٹیکل دربارۂ "شعر و شاعری" درج ہوگا۔ شائقینِ نظم کی ضیافتِ طبع کا سامان پروفیسر آزاد دہلوی کے غیر مطبوعہ کلام سے کیا جائیگا اور وقت کی ضرورت پر نظر کر کے ایک جدید مستقل صیغہ **واقعاتِ عالم پر سرسری نظر"** کا کھولا جائیگا۔ جو ایک حد تک ملک کے شائق رسالوں کو اخباری خبروں سے مستغنی کر دیگا۔ دلیل سال آئندہ

ہندو صاحبان کو اپنے دھرم کی اور مسلمان بھائیوں کو اپنے ایمان کی قسم ہے۔ اگر انکو اس دوائی سے بھی پورا پورا فائدہ نہ ہو تو فوراً علیحدہ تحریر بھیجکر اپنی قیمت واپس منگا لیں۔ اس سے زیادہ دوا کے پر تاثیر ہونیکا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اس اشتہار کے پڑھنے سے بہتیروں کا بھلا ہوگا

میں تو نہ اشتہاری حکیم ہوں اور نہ ڈاکٹر بلکہ ایک معمولی کلرک ہوں ابتدائی جوانی میں ایک مرض میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے ہر چند بہت سے بڑے بڑے اشتہاری حکیموں اور ڈاکٹروں کی دوائیں استعمال کیں مگر سوائے روپیہ کی بربادی کے مطلق فائدہ نہوا یہانتک کہ میں مایوس ہوگیا۔ اور موت کو اس زندگی پر ترجیح دینے لگا۔ مگر حسن اتفاق سے مجھے مسٹر ہیکم صاحب بہادر نامی ایک یورپین سیاح کی ملازمت میں نیپال کے مشہور شہر کھٹمنڈو جانیکا اتفاق ہوا اور وہاں کی ایک سرائے محمود پاکر نامی میں ایک درویش روشن ضمیر سے ملاقات ہوگئی۔ جنھوں نے میرے بشرے سے میری بیماری کو بھانپ کر نہایت مہربانی سے مسافرانہ چند روزہ شب و روز کی خدمات سے خوش ہوکر ایک نسخہ مقوی گولیوں کا اور دوسرا روغن دوسرا روغن دو شرطوں پر بتایا۔ اوّل شرط کہ نسخہ کو عام نہ کرنا دوم شرط یہ کہ لاگت سے کسی سے نہ لینا۔ پہلی مرتبہ ان ہر دو ادویات کو اس نسیا سی فقیر مدہر و مبصر کی شکل اکیس روز میں تیار کرکے استعمال شروع کیا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جانکر سچ کہتا ہوں کہ ساتویں روز سے میری وہ تمام شکائتیں جو ایسے مریضوں کو ہوا کرتی ہیں دفع ہونا شروع ہوگئیں۔ حالانکہ چالیس روز تک دوائی استعمال کرنی تھی۔ میرا ہاضمہ بلا کا تیز ہوگیا۔ چہرے کا رنگ جو پہلے زرد تھا۔ اب سرخ ہوگیا۔ زیادہ مفصل اظہار خلاف تہذیب ہے۔ لاہور واپس آکر باقیماندہ دوائی کا مختلف قسم کے مریضوں کا علاج مریضوں پر بار بار تجربہ کیا۔ مگر ہر ایک قسم کی کمزوری اور غلط کاری کے علاج کے لئے اکسیر اعظم پایا اب تھوڑے عرصہ سے چند ہمدردانِ خلق اللہ کے مجبور کرنے پر چند اخبارات میں اوّل اوّل بیش قیمت دوائی کا بعد گذرے ہوئے واقعات کے سچا اشتہار دیا گیا تھا۔ جس سے قریب دو ہزار مریضوں کی بفضل خدا دلی مرادیں بر آئیں جن کو باوجود دیگر حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج معالجہ کے کچھ فائدہ نہوا تھا سینکڑوں بجد تعریف کے خطوط ملک بھر میں سے موصول ہوچکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اب بھی جو اصحاب اشتہاری حکیموں کے ڈرے ہوئے اس دوائی سے فائدہ نہ اٹھائینگے وہ سراسر غلطی پر رہینگے **قیمت** نیکس مقوی معہ گولیاں دجمیں اکیس گولیاں ہوتی ہیں۔ ڈبہ ۱ روپیہ عہ قیمت فی شیشی روغن دو روپیہ عما

نوٹ قیمت جو رکھی گئی ہے وہ لاگت دوائی خرچ اشتہارات پر بمشکل کفایت ہوتی ہے۔

پتہ: شیخ برکت علی بازار مچھی ہٹہ لاہور پنجاب

فرمائش اس پتے سے آنا چاہئے - ایس - اے - بی - بخشی - اینڈ کو - کوٹھی نمبر ۱۲۷ - ہالیڈے اسٹریٹ - ڈاکخانہ بڑا بازار

ایک نادر موقعہ | ڈبل کیس کی کیلس سنہری کولمبیا لیور واچ | ایک نادر موقعہ



تازہ شہادت

جناب مشتاق رائے صاحب ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں گھڑی ڈبل کیس سنہری کولمبیا لیور واچ جو آپکے اشتہار کے مطابق منگوائی گئی ہے اور ایک گھڑی مذکورہ ذیل بذریعہ وی - پی - ارسال فرمائیے - ۹ اگست ۱۹۱۰ء

جناب منشی میاں صاحب ضلع بلہاری سے تحریر فرماتے ہیں - آپکا پتہ بزبانی روشن میاں کے معلوم ہوا - اس خط کے دیکھتے ہی ایکعدد کولمبیا لیور واچ سنہری جسپر چودہ قراط سونیکا ملمع کیا ہے بذریعہ وی پی روانہ فرمائیے - ۱۱ اگست ۱۹۱۰ء

جیسے امریکہ والے گھڑیاں بنانیکا اسوقت سے ایک روز بروز ترقی کر رہے ہیں اور عام طور سے یورپ مین امریکن واچ اب بہت پسند کیجاتی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دیکھنے مین بھی نہایت خوبصورت ہوتی ہے اور نہایت مضبوط ہوتی ہے ہندوستان مین امریکن واچ آئی تو ضرور ہے مگر چونکہ امریکہ والے کم دام کی گھڑی کم تیار کرتے ہیں عام طور سے اسکا رواج نہیں یہ گھڑی کولمبیا لیور واچ جسکا نقشہ آپکے زیر نظر ہے خاص امریکہ کی بنی ہوئی ہے اور اس کی مضبوطی اور عمدگی کی مین آپسے کیا تعریف کرون لیکن اگر میری بات کو آپ جھوٹ نہ سمجھیں تو مین آپکو راے ضرور دونگا کہ یہ گھڑی آپ ضرور منگائیے کیونکہ کولمبیا لیور واچ کے ایجنٹ نے میری استدعا پر کچھ روز کیلئے اس گھڑی کی قیمت کم کر دی ہے تاکہ عام طور سے ہندوستان مین اسکا رواج ہو جاوے اسلئے مینے کافی تعداد مین آرڈر دیکر یہ گھڑیاں آپ لوگون کے واسطے منگائی ہین جنوری ۱۹۱۱ء تک بجائے اٹھارہ روپے کے صرف نو روپے کر دی ہے - مین نہین کہسکتا کہ اس گھڑی کو اس دام مین فروخت کرنیسے مجھے منافع نہین مگر ان صبت کم ہے بہت کم ہے - اب اس گھڑی کی حالت کو ملاحظہ فرمائیے - کولمبیا لیور واچ ڈبل کیس ہے اور اسکا قد بہت ہی موزون ہے بالکل نقشہ کے برابر ہے ڈائل بھی چینی کا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ لیور ہے اسکے کیس پر چودہ قراط سونیکا پلیٹ اس طریقے سے چڑھایا گیا ہے کہ اسکا رنگ بہت مدت تک قائم رہتا ہے اس گھڑی کو دیکھکر کوئی یہ نہین کہسکتا کہ سو روپے سے کم کی یہ گھڑی نہ ہوگی تاہم اسقدر گھڑی کا بہت سچا ہے اور چابی بھی چوبیس گھنٹے کی ہے اگر آپکو اپنی محنت کی کمائی کی قدر ہو اور کسی عمدہ گھڑی کی ضرورت ہو تو میری راے ہے آپ اس گھڑی کو منگائیے دل خوش ہو جاویگا -

نوٹ چونکہ پانسو گھڑیاں اس قسم کی آئی ہین اور خدا سے امید ہے کہ جلد یہ گھڑیاں فروخت ہو جاوینگی اس لئے جلد منگا لینا چاہئے ورنہ مقررہ تاریخ کے بعد پھر ممکن نہین جو گھڑیاں میسر ہوسکین آیندہ اپنی خوشی - مین تو آپکے فائدہ کا شریک ہون -

اس سے بڑھکر اس گھڑی کی عمدگی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو منگاتا ہے وہ خوش ہو جاتا ہے چند ذیل شہادتین بھی ملاحظہ فرمائیے

جناب قیاص علی صاحب کانسٹبل پولیس ضلع گورکھپور سے تحریر فرماتے ہیں جو گھڑی آپنے پوسٹ ماسٹر صاحب کی معرفت پاری گورو دانے کیا ہے ... براہ مہربانی ایک عدد وہی گھڑی یعنی کولمبیا لیور واچ بذریعہ ویلیو پے ایبل میرے نام سے روانہ فرمائیے - ۲۱ جولائی ۱۹۱۰ء

پی ایس عبد الحسین صاحب ضلع کوڈاپہ سے تحریر فرماتے ہیں حسب الحکم جناب کی روانہ کی ہوئی گھڑی کولمبیا لیور واچ پہونچی - واقعی ... عمدہ گھڑی ہے براہ مہربانی ایک عدد اور کولمبیا لیور واچ بنام ... روانہ فرمائیگا ... تسلیم - ۲۳ جولائی ۱۹۱۰ء

جناب سید امین الدین صاحب ضلع مرشد آباد سے تحریر فرماتے ہین قبل ازین ... بسلسلہ ... ایک کولمبیا لیور واچ ... معرفت وی پی سلسلہ کے ہمراہ ایک کولمبیا لیور واچ جلد روانہ فرمائیے زیادہ تسلیم - ۲۶ جولائی ۱۹۱۰ء

جناب ... صاحب ... آباد دکن سے لکھتے ہیں ... گھڑیات ... پہونچی ... ایک گھڑی سنہری کولمبیا لیور واچ بذریعہ ویلیو پے ایبل روانہ فرمائیے ... ۲۵ اگست ۱۹۱۰ء

میں کیمیا گر ہوں

اس لئے کہ سینکڑوں روپے ایک دوائی کی بدولت کماتا ہوں۔ جسکی کثرت فروخت نے مجھ کو مالا مال کر دیا ہے جسکی جادو بھری تاثیروں نے ملک میں دھوم مچا دی ہے انڈیا بھر کے باشندے بچہ بچہ بیکر بوڑھے تک اس کے نام سے واقف ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی کمزوریوں کے دفعیہ کیلئے ہندوستان میں یہ ایک ہی بے ضرر اور بے خطا دوائی ہے۔ جس کا نام **روح حیات** ہے اور خصوصیت کے ساتھ جس کا نام مشہور ہے۔

میں: جادوگر ہوں اس لئے کہ کمزوروں کو وہ قوت دے سکتا ہے۔ کہ پہلوانی کریں اور جن کے جسم پر گوشت نہ آتا ہوں۔ یا اُن لوگوں میں وہ طاقت کم ہو جس کی وجہ سے مرد کو مرد کہہ سکتے ہیں۔ جن کے دل و دماغ اور اعصاب ضعیف ہوں ان کے لئے میرے پاس جادو اثر دوائی موجود ہے۔ جس کا نام اسم بامسمّٰی **روح حیات** ہے۔

روح حیات کے مصدقہ خواص } ضعف شانہ۔ ضعف اعصاب۔ ضعف دماغ۔ قلب ضعف جگر۔ ضعف معدہ۔ ذیابیطس اور اختلاج۔

قلب کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ دولوم میاہی کمزوری اور قبل از وقت علامات پیری کے لئے بےنظیر ہو ہو جاتی ہیں۔ ان سب سے کامل نجات ہو جاتی ہے۔

روح حیات: کے مفید ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اسکی کثرت فروخت سے میں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کی جائداد پیدا کرلی ہے۔ جسمیں۔ مکانات۔ کوٹھیاں۔ اور اراضی شامل ہے۔ **روح حیات** کی تیاری اور حساب کتاب رکھنے کے لئے میرے دفتر میں کلرکوں کی ایک خاص جماعت کام کرتی ہے۔ جسمیں ہندو۔ مسلمان۔ اور عیسائی مذہب کے لوگ ملازم ہیں۔ اور کارخانہ روح حیات پنجاب بھر کے اشتہاری طبیبوں ڈاکٹروں سے زیادہ انکم ٹکس ادا کرتا ہے۔

میری آمدنی کی نسبت ایکدفعہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دریافت کیا تھا جسپر صاحب موصوف کی خدمت میں تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر جو ڈاکخانہ سے بنک میں وصول ہوئی۔ بمعہ چٹھیات بنک میں بھیجی گئی۔ جس کی نقل بالاختصار بغرض اطمینان خلایق درج ہیں:۔

اس چٹھی پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لاہور تحریر فرماتے ہیں "میں آپ کی چٹھیات اور دیگر کاغذات متعلقہ دیکھنے کے بعد واپس کرتا ہوں" (دستخط) سی۔ ایچ۔ اٹکنیس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۰۶ء

میری تین یوم کی آمدنی (بذریعہ منی آرڈر)

۲- اکتوبر ۱۹۰۶ء		۱۰۷	روپے	۱۳	آنے
″	″	۷۸	″	۷	″
۳	″	۱۲۷	″	۴	″
″	″	۵۵	″	۱۵	″
۴	″	۳۲۸	″	۵	″
″	″	۱۵۲	″	۲	″

میزان ۸۸۳ روپے ۱۴ آنے

ناظرین: آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ کہ **روح حیات** کی قدردانی ملک میں کس قدر بڑھ گئی ہے۔ محتاج بیان نہیں اس لئے اب کوئی وجہ نہیں کہ اس کے فائدوں میں آپ کو ذرا بھی شک ہو اور اس زندگی بخش کرشمی دوائی کے خریدنے میں تامل کریں (قیمت فی شیشی **روح حیات** ۲ روپے)

پتہ: حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر کیمیا گر پروپرائٹر شفاخانہ عام چوک نواب صاحب لاہور۔

آؤ مبتلائیں کہ پچاس ہزار مریض کسطرح صحت یاب ہوئے ہیں

حب کمال [illegible]

روغن اعجاز [illegible]

اکسیر اعجاز [illegible]

سنون [illegible]

دوا برائے داغ چھائیاں [illegible]

حب لواسیر [illegible]

طاقت بخش خون افزا روح کا مرکب

اعصاب میں حواس حرکت اور دماغ میں عقل فراست وغیرہ قوتیں خدائی ہیں اور اعضاء رئیسہ میں جو سب کام کرنیکا ہے وہ ہر ایک برقی مادہ خدائی جسم میں پیدا کیا ہے اس سے بیکل جسم کا درمل کے پرزے کام دیتے ہیں جب بیماری ہوتی ہے وہ مادہ درہم برہم ہوجاتا ہے تواندرونی عضو وہ کام کرنا بھول جاتے ہیں کثرت شراب اور عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہوجاتا ہے دل و دماغ جگر اور برقی سسٹم نظام خون وغیرہ تباہ ہوجاتے ہیں اسی طرح چانڈو افیون بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعصاب میں وہ مادہ دور نہیں سکتا کیونکہ شعقد عروق اعصاب کی راہ خراب ہوجاتی ہے یہ مرکب گویا روح روان اعضائے رئیسہ ہے۔ اس کے وجود سے حیات روح ہوگی ورنہ روح بیمار جسم کے لیئے وبال جان ہوتی ہے یہ مرکب سستی اعصاب کا شرطیہ علاج ہے۔ اس کی ایک دو شیشی سے چہرہ سرخ اور جسم فربہ ہوجاتا ہے۔ جس سے بھوک خوب لگتی ہے۔

قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ)

سرمہ اکسیر کراماتی۔ دافع ضعف بصارت۔ نزول الما۔ دھند غبار۔ آب رواں۔ سرخی وغیرہ فی تولہ۔ دو روپے (عہ)	سیلان الرحم { سیلان دار عورت کی صحت بحال۔ درد کمر کافور قیمت دو ہفتہ دو روپے (عہ)
حب دافع قبض دائمی رات کو ایک گولی کھانے سے قبض دور ہوجاتی ہے۔ ۲ درجن (عہ)	سرخرو۔ بعد از غسل چہرہ پر دو قطرے ملنے سے جھریاں وغیرہ دور چہرہ گلفام فی شیشی (عہ)
جوہر عشبہ۔ مصفی خون ہے۔ پھوڑے پھنسیاں۔ کھجلی ناسور۔ خنازیر۔ بدہ۔ دنبل وغیرہ دور۔ شیشی خورد (عہ) کلاں (سے)	نور علی نور۔ اسکے لگانے سے چند منٹ میں بال دور ہوجاتے ہیں جلد کو ہرگز ضرر نہیں ہوتا۔ ۲ تولہ قیمت (عہ)

حب دافع [illegible] درد مفاصل [illegible] (عہ)

دوا کی کھا دیش [illegible]

روغن [illegible] اس کے لگانے سے [illegible] بال پیدا ہوجاتے ہیں۔ قیمت دو روپے (عہ)

حب قاطع افیون۔ افیون وچانڈو [illegible]

دافع بخار۔ ایک گولی [illegible] بخار [illegible] قیمت دو درجن (عہ)

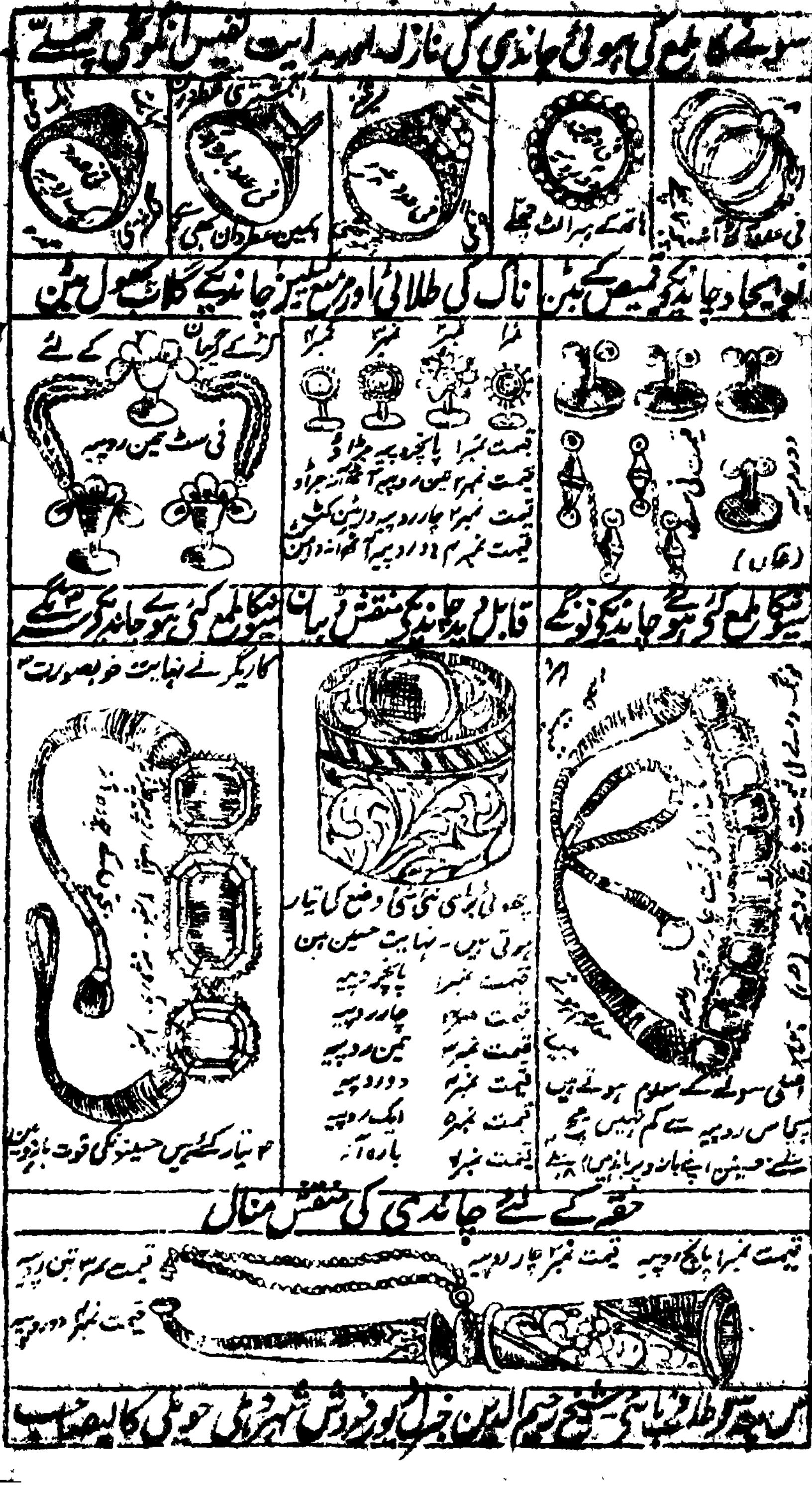
حب دافع ضیق النفس [illegible]

مرد [illegible] ماہواری [illegible] باقاعدہ [illegible] (عہ)

دوا کی پیچش [illegible]

اکسیر شفا دافع [illegible]

پتہ:۔ زبدۃ الحکماء حکیم و ڈاکٹر غلام نبی ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت موچی دروازہ لاہور


سونے کا ملمع کی ہوئی چاندی کی نازک نہایت نفیس انگوٹھی چھلے
نوایجاد چاندی کے قمیص کے بٹن
ناک کی طلائی اور ملمع کیے چاندی کے لونگ
قیمت نمبر ۱ پانچ روپیہ جڑاؤ
قیمت نمبر ۲ تین روپیہ آٹھ آنہ جڑاؤ
قیمت نمبر ۳ چار روپیہ
قیمت نمبر ۴ دو روپیہ آٹھ آنہ
کرتے کے گریبان کے لئے
فی سٹ تین روپیہ
سونے کا ملمع کی ہوئی چاندی کے نونگے
قابل دید چاندی کی منقش ڈبیاں
سونے کا ملمع کی ہوئی چاندی کے سنگے
کاریگر نے نہایت خوبصورت
نہایت حسین ہیں
قیمت نمبر ۱ پانچ روپیہ
قیمت نمبر ۲ چار روپیہ
قیمت نمبر ۳ تین روپیہ
قیمت نمبر ۴ دو روپیہ
قیمت نمبر ۵ ایک روپیہ
قیمت نمبر ۶ بارہ آنہ
اصلی سونے کے معلوم ہوتے ہیں
حقے کے لئے چاندی کی منقش منال
قیمت نمبر ۱ پانچ روپیہ
قیمت نمبر ۲ چار روپیہ
قیمت نمبر ۳ تین روپیہ
قیمت نمبر ۴ دو روپیہ

طبی و لچسپ کتب مصنفہ پنڈت ٹھاکر دت شرما وید مالک دیش اپکارک اوشدھالیہ مالک و ایڈیٹر دیش اپکارک فیملی ڈاکٹر طبی اخبارات لاہور!

کیا ہم اپنی مرضی سے لڑکا یا لڑکی پیدا کر سکتے ہیں؟

یہ ایک سوال ہے جسکا جواب اس چھوٹے سے رسالہ میں مدلل اور محققانہ طریق سے اس طرح دیا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ یونانی۔ ڈاکٹری اور ویدک تحقیقات کا لب لباب بیان کیا گیا ہے غرضیکہ قابل دید ہے۔ قیمت صرف ۲

وضع حمل

اس کے مضامین عورتوں کو سمجھا دینے سے روزمرہ کی تکالیف متعلق زچہ اور بچہ سے خلاصی پانا ممکن ہے۔ آئے دن جو سینکڑوں عورتیں اور بچے ایام وضع حمل کی حالت میں جان دے دیتے ہیں۔ اس کی ہدایات پر کاربند ہونے سے آئندہ اس کا انسداد ہونا ممکن ہے۔ ابتدائی اور درمیانی اور بعد کی تکالیف کے دفع کرنے اور وقت کی جان کنی سی حالت کو آسان کرنے کے واسطے اس کے مجرب نسخہ جات اور تراکیب بہت زیادہ موثر ثابت ہوں گی۔ قیمت ۸؍

رسالہ حفظ ماتقدم طاعون

طاعون کے متعلق آجتک کی تمام تحقیقات جو کچھ کہ ڈاکٹروں یا دوسرے شخصوں نے کی ہے۔ سب کا خلاصہ اس رسالہ میں درج کرنے کے علاوہ یونانی ویدک کے پرانے طریق علاج پر نئی روشنی ڈالدی ہے اور بتا دیا ہے کہ حال کے مجوزہ علاج بالکل پرانے علاج ہیں۔ جن کا چربہ اتار لیا گیا ہے۔ طاعون کی پیدایش کے اسباب اور اس سے بچے رہنے کے طریق بہت اچھی طرح لکھے گئے ہیں۔ علاج بھی مجرب درج کیے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس طاعون کے زمانے میں ہر شخص اسکو دیکھکر اور اسکی ہدایات پر کاربند ہوکر خاطرخواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قیمت

کیا میں تندرست ہوں اور صحت اور درازی عمر کا راز!

یہ پہلا سوال خواہ مخواہ آدمی کے دل میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس کا جواب تسلی بخش حاصل ہونا ایک امر محال ہے اس رسالہ میں سب سے پہلے اس سوال کو حل کرنے کے طریقے اور علامات بتائے ہیں۔ جنسے آدمی خودبخود اپنے سوال کا جواب حاصل کرسکتا ہے علاوہ ازاں امراض کا اصل سبب دکھلاکر ابتدا میں ہی ان کے دفعیہ کے طریق لکھے گئے ہیں۔ غرضیکہ اس کے قواعد کی پابندی سے آدمی اپنی طبعی زندگی تک پہنچ سکتا ہے۔ ہندوستان میں اپنی نئی طرز کا پہلا رسالہ قیمت ۸؍

رسالہ گھر کا حکیم!

عام طور پر جو امراض کے بال بچوں والے گھروں میں رہتے ہیں۔ اور قریباً سب معمولی بیماریوں کے مجرب تیر بہدف سوال لکھے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں کے واسطے حکیم ڈاکٹروں کی خوشامد اور اخراجات سے بچنے کے واسطے یہ چھوٹا رسالہ بہت زیادہ مدد دے گا۔

عورت کے پہلو کا تیر

جو آدمی کا جسم کے بالا سفید ہونے سے پہلے [illegible] انسان بوڑھا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن قبل از وقت [illegible] قیامت ہے جو بال سیاہ سفید ہوئے ہیں۔ شباب میں اسکے زندگی ابھی سے چراغ سحری ہو +

جوانی انسانی طاقت کا بہتر حصہ ہے۔ نہایت ہی قیمتی وقت ہے۔ اور اسکے بعد انسان بڑھاپے کا نام ہی انسان رہجاتا ہے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں بال سفید ہوئے۔ اور شیوخیت نے آکر سلام کیا کہ بوڑھا پیدا ہوئی بچوں سے کھچا پڑا۔ یہاں تک کہ عورت کی نظریں بھی کھٹکنے لگے۔ گویا مرد کے بال کی سفیدی عورتوں کے کلیجہ کو دو ٹکڑا کردیتی ہے اور اگر بات کی سیاہ سفید بے تو پھر نیا دٹ۔ اگر پاس بیٹھے تو پہلو کا تیر ہو کر بیٹھے۔ منہ پر کوئی نہ کہے وہ اور بات ہے ورنہ مرد کی وضع مرتو اسوقت نرتی گئی ہے ایسا کچھ سمجھا اس پر آلودگے تیر کے نکالدینے کیلئے اس ٹوٹے ہوئے دلکو جوڑنے کیلئے اس گئی ہوئی جوانی کے پھیرلانے کیلئے اگر کوئی چیز دنیا میں فی ہوئی ہے تو وہ صرف حنا و وسمہ یعنی قدرتی موجد کا اصلی خضاب ہے حکمائے سلف نے صدہا نسخے ترتیب دیئے عقلائے حال نے علوم مغربی کے تمام ہتھکنڈوں کا رنگا کر اکثر ہنگامہ آمیزیاں کیں مگر جب امتحان کی کسوٹی پر کسا تو حنا اور وسمہ کی آمیزش نے سب کا رنگ پھیکا کردیا +

مگر افسوس

خضاب کے متعلق آجکل کی دنیا عجیب عجیب ڈھنگ بدل رہی ہے اصل و نقل کی کوئی پہچان ہی نہیں بھی بعض حضرات اس اعلان سے اپنی قیمت بڑھاتے ہیں کہ فلاں مشہور صحابہ ہے۔ ہمارا کوئی ڈنکہ [illegible] اور پھر خود ہی نہایت بے شرمی سے اس مشہور کی حکایت کرتی ہیں بعض ان سے بھی زیادہ دوں ہمت اور نقال ہیں دھوکہ دیکے تمام کمال نقل کردیتے ہیں اور جھٹ اپنا نام ٹانک دیتے ہیں قیمت کا یہ حال کہ دو روپیہ روپیہ روپے کے ہم ارغرض ہر طرح سے ملک [illegible] مشتہرین بدنامی پیدا کرتے ہیں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ سانچ کو آنچ نہیں ہوا کرتی ہے جو مال بنا ہے اچھا ہے۔ اس کے خریدار بہت۔

ہمارا خضاب جوہر حنا و وسمہ

بفضلہ دس برس سے مستند کامیاب ثابت ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ باوجود مصنوعی ساختہ بازیوں کے بھی ہم نہایت زور سے بڑے وثوق سے پورے مستحکم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان بھر میں جسقدر خضاب کے کارخانے ہیں ہمارا خضاب ان سب سے زیادہ یکتا ہے +

ہمارا خضاب

جسکی اکثر مہربانیوں نے بڑی سرگرمی سے نقل کی ہے ایک لطف خیز عرق ہے یہ مہندی اور وسمہ کا جوہر ہے جسکو بشرکت اجزاء دیگر بوٹے ایک خاص کی کاوشوں کی بدولت بذریعہ مشین کے ذریعہ کھینچا گیا ہے اسمیں تعلیمات کی ضرورت ہے نہ جسپر اپنے ڈھنگ کے بنو گئی ترجمانی کی حاجت ہے یہ بالوں کی نرمی [illegible] قدرتی سیاہی میں ملجانا اپنے معمولی اوصاف سمجھتا ہے رنگت کے تحمل کا یہ عالم کہ جہاں عرق لگایا اور بال کالے بھونرا لے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ استقرار کا یہ رنگ کہ اگر ہر مہینے کے بعد دوبارہ لگایا جاوے تو زندگی کے دشمن پھر بھیوں کی خبر لائیں جلد کا خراب ہونا۔ داغ دھبہ تو یہ تو سرد کی نمی تو رسال برچلتی ہے اور یہی وہ خضاب ہے کہ یہی وہ بالکا جوان جوہر حنا وسمہ ہے۔ جس کے استعمال سے مرد مرد ہو جاتا ہے اور وہی رکھے جو اس سے پہلے عورت کے پہلو میں تیر بنا ہوا تھا اس کے لگاتے ہی عیش سے نوش ہو جاتا ہے +

نوٹ: یہ خضاب ہاتھ سے معمولی تیل کی طرح لگایا جاتا ہے۔ اور اس میں معقول خضابوں کیطرح برش وغیرہ کے مطابق ضرورت (ہوقت فرمائش اس رسالہ کا حوالہ ضرور دیں)

قیمت فی شیشی دو روپیہ۔ ۲ عا، محصولڈاک ۲ ر ۲

نوٹ: دو دو روپیہ واپ فیشیشی سکتے ۸ تین شیشیوں سے لیکر چار تک، پانچ شیشیوں سے تک محصولڈاک دینا پڑے گا۔

حکیم ڈاکٹر ٹی خورشید عالم

ایل ایل ایم ایس مرجن اینڈ زنیش [illegible] موجد جوہر حنا و وسمہ

خاتون

یہ امر اب طے ہوگیا ہے اور ملک کے تمام اہل الرائے اسبات پر متفق ہوگئے ہیں کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسوان ہے - جب تک کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی اس وقت تک وہ قوم ہرگز نہیں کرسکتی - ایشیا کے ترقی نہ کرنے کے سبب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے اب تک اس راز کو سمجھا نہیں تھا اب آپ جاپان کو دیکھئے - کہ وہاں کی عورتوں میں چونکہ تعلیم شائع ہوگئی ہے - اس لیئے اس کے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں -

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے تو پہلے ہی اُس کو ماں کا آغوش ملتا ہے - جہاں اُسکی ابتدائی تربیت ہوتی ہے اور تربیت بھی کیسی جس کا اثر مت العمر زایل نہیں ہوسکتا - پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہونگی تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہوگی - عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اس کے اندر راسخ ہوں گے اور اس کی تعلیم کی جڑھ مضبوط رہے گی -

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے - جو لوگ وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اس کے اعلےٰ اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں - اور اس کے اندر دیانتداری - راستبازی - خوش خلقی - معاملہ فہمی - اور دور اندیشی وغیرہ تمام اعلےٰ اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں - بخلاف اس کے ہندوستان میں وہی کورس پڑھایا جاتا ہے - لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں میں وہ اثرات پیدا نہیں ہوتے - اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش میں سے ہی ان اوصاف سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں - اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں سے کورے رہتے ہیں آغوش مادر کی اعلےٰ تربیت اول نمبر ہے اور بی - اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری دوسرے نمبر پر -

اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی عورتوں کی جہالت ہے - اسی قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں پر ادبار نازل ہے - اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں -

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کے تلافی کیطرف مائل کرنے کے لئے ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسوان کیطرف سے **رسالہ خاتون** ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے - جس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسوان کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرنے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلانے اور علم کیطرف ان کی سچی رہبری کرے اور اُس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ عصمت کا زبردست حامی ہے -

الحمد للہ کہ اس تین سال کے قلیل عرصہ میں اس رسالہ نے اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور ملک کے تمام معزز گھرانے اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں - اور تمام نسوان کی طرف سرعت کے ساتھ طبیعتوں کا میلان بڑھ رہا ہے -

چونکہ یہ قومی رسالہ ہے اس لیئے اس میں قوم کے بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک - شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاءاللہ صاحب شمس العلماء مولانا حالی - ڈاکٹر ضیاءالدین ایل ایل ڈی پروفیسر ابوالحسن بی - اے انعام الحق بی اے اعلےٰ اعلےٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں - اس کے علاوہ اس رسالہ کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنو کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بیبیوں کے نفیس مضامین ہوتے ہیں جو سوا اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے - اس کا کاغذ - چھپائی - لکھائی - سب اعلےٰ قسم کی ہے

حجم ماہوار ۴۸ صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ - ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ

المشتہر شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ تعلیم نسوان وایڈیٹر خاتون علیگڈھ

تاریخی و ادبی کتابیں

یادگار دربار: - دربار ہاے تاجپوشی و تخت نشینی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں بیش بہا کتاب تیار ہوئی ہے - جس میں اول تو شہنشاہ کی مفصل سوانحعمری - اور پھر دربار ہاے لنڈن و ہندوستان کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں ساتھ ہی مشاہیر دربار یعنی شہنشاہ و ملکہ لارڈ و لیڈی کرزن لارڈ کچنر ڈیوک و ڈچس آف کنباٹ امپریل کیڈٹ کور نظام دکن والیان ریاست ہاے کشمیر او دیپور بڑودہ میسور گوالیار وغیرہ وغیرہ اور معزز مہمانان دربار شلاً نواب فتح علی خان قزلباش و راجہ امیر حسن آف محمود آباد وغیرہ وغیرہ کی عکسی ہاف ٹون تصویریں بھی معہ اُن کے حالات کے درج کتاب ہیں - کتاب کا حجم سات سو صفحہ اور تصاویر و نقشہ جات ایکسو کی تعداد میں اس کے علاوہ یہیں کتاب مذکور کی قدردانی میں پنجاب و ہندوستان کی لوکل گورنمنٹوں والیان ریاست اور روساے علم دوست نے جو قابل قدر حصہ لیا ہوا ہے اسکی خوبی کی اعلےٰ دلیل ہے قیمت ؎ معہ محصول ڈاک +

یادگار وکٹوریہ: - ملکہ وکٹوریہ متوفیہ کی کمل لائف یوم پیدائش سے وقت آخر تک اس جامعیت کیساتھ لکھی گئی ہے - کہ ساتھ ہی اُن کے عہد سلطنت کے تاریخی واقعات اور وسعت مقبوضات پر بھی نظر جاتی ہے ساتھ ہی ملکہ کی مختلف طرزوں کی تین اور ان کے فرزند موجودہ شہنشاہ بیگم کی تصویریں بھی درج کتاب ہیں حجم تین سو صفحہ (عدم)

یادگار تاریخ دربار لاہور ۱۸۹۲ء میں لارڈ ایلگن نے جو شاندار دربار لاہور میں منعقد کیا تھا - اس کے جملہ حالات انتظامات معہ ریاست ہاے پنجاب یعنی کشمیر - پٹیالہ - بہاولپور - جیند - نابھہ - کپورتھلہ - فریدکوٹ نابھہ سرمور اور سرڈنس فیٹرک لفٹنٹ گورنر پنجاب و لارڈ ایلگن کی تصویر کے درج ہیں قیمت آٹھ آنہ حجم قریباً ایکسو صفحہ

یادگار سعدی: - اس کتاب میں شیخ سعدی کے مفصل حالات زندگی لکھنے اور اُن کے طور و انداز زندگی پر بحث کرنے کی بعد کلیات شیخ میں سے حکایات و نکات و غزلیات و قصائد و قطعات کا ایک قابل قدر ترجمہ اور انتخاب دیا گیا ہے جو امیر و غریب حاکم محکوم چھوٹے بڑے مبتدی سب کے کارآمد اور حسب حال ہے زیادہ تعریف فضول ہے مختصر یہ ہے کہ اس کو مفید تصور فرما کر قریباً تمام سکولوں نے اسے تقسیم انعامات اور لائبریریوں کے لئے منظور کیا ہے - حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

یادگار دوستی: - ناول تو آپ نے سینکڑوں دیکھے اور اشتہاروں میں اُن کی تعریف بھی بہت پڑھی ہوگی مگر یہ لاجواب ناول کچھ اور ہی ڈھب کا ہے - اسمیں اخلاق و تجربہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے یا سان ثانی یا زبانی و جانی کے صحیح لیٹریری فوٹو پیش کے ہیں محلے عشق و محبت کی داستانیں بے تکلفانہ شیریں اور پھیکی باتوں میں دبے ہوئے اخلاص و مروت کی تصویریں اس عمدگی سے کھینچی ہیں کہ لطف آجاتا اور عمروں کے تجربے گھر بیٹھے ہو جاتے ہیں اس پر ہنسی مذاق ہی ہو جاتا ہے - غرضیکہ تجربات کی کڑواہٹ دور کرنے کو ناول کا پیرایہ پسند کیا گیا ہے اور سفارش کی جاتی ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو اسے ضرور دیکھنا چاہیے حجم قریباً ۳۰۰ صفحہ قیمت معہ محصولڈاک عہ

شاہنامہ ہند: - یہ فارسی نظم ہے جسے مہاراجہ گمبھیر سنگھ بہادر نے شاہ ظفر کی نذر کے لئے امیر تیمور کے تا حکمران آپ کے حالات میں لکھا گیا تھا اور اس کا اصل نسخہ بڑی قیمت پر ایک پرانے کتبخانہ سے خرید کر چھاپا گیا ہے قیمت معہ محصولڈاک (عہ) جملہ کتابوں کے یکجائی خریدار کو صرف عہ کا ویلیو کیا جاتا ہے +

المشتہر - منیجر یادگار آفس لاہور اندرون دہلی دروازہ

خطرناک نشان

قدرت نے ہمارے لئے بہت سے نشان پیدا کئے ہیں مثلاً

کھانسی ایک نہایت خطرناک

نشان ہے

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پھیپھڑے کمزور ہیں۔ اور آپ کو چاہئے
کہ آپ بہت جلد اُن کے مضبوط کرنے کیطرف متوجہ ہوں۔



صرف

سکاٹس امیلشن

اس قسم کے خطروں نے آپ کو
محفوظ رکھ سکتا ہے یہی آپ کے
پھیپھڑوں کو بھی درست کر دیگا
اور آپ کی کھانسی کو بھی دور کردیگا

بالکل اچھوتا ہے

سکوٹ اینڈ بون مینوفیکچرنگ کیمسٹ
لنڈن

اگر قسمت نے آپکو کسی مصرف کا نہیں رکھا تو ایک لایق تجربہ کار کا بنایا ہوا مرکب یعنی
ڈاکٹر میجرس ماڈرویل الکیز اس مرض کو جڑھ سے کھودیتا ہے۔ کچھ پروا کی
بات نہیں خواہ مرض کیسا ہی شدید ہے۔ جونہی اس اعجاز نما دوا کو ایکبار
لگایا۔ اور اس نے فوراً اکسیر جیسا اثر دکھلایا وزن گھٹنا شروع ہوا۔
قیمت فی بوتل (عہ۱ر) ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ علاوہ محصولڈاک

کمزور مضبوط ہوسکتے ہیں!

یہ فقرہ خاصکر اُن لوگونکو مخاطب کرکے لکھا جاتا ہے جو کمزوری کا ہر طرح سے
علاج کر چکے ہیں یا جنھوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ناظرین میں سے
نے اپنے تئیں مایوس العلاج تصور کیا ہے۔ تو سخت غلطی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ
یہ غلطی ہوگی کہ باوجود گذشتہ کوششوں کے ناکامیاب ہونے پر اب بھی انہی ادویہ مشتہر کیطرف
متوجہ رہیں دیکھ چکے آزما چکے آزمودہ را آزمودن جہل است ڈاکٹر میجر کے ذیتلین کے
استعمال سے زائل شدہ طاقت بحال ہوتی ہے۔ اس میں ادویہ مناسب طور سے شامل کی
گئی ہیں ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی کمزوری اس سے دور ہو جاتی ہے۔
رسالہ مختصر میجر کو پڑھو۔ تم خود قائل ہو جاؤگے
(سے روپیہ علاوہ محصولڈاک)

تمام دنیا میں جسقدر ادویہ صفائی خون کیواسطے فروخت ہو رہی ہیں ان سب سے میجر صاحب کا
سارساپریلا کی بکری بہت زیادہ ہے اس سارساپریلا میں ایک نئی ترکیب سے حرارت آمیزگی
ہے تمام قسم کے گھاؤ زخم امراض آتشک جن سے جلد بدنما ہو جاتی ہے جسم پر بدنما داغ کنٹھ مالا پھوڑے
پھنسیاں پڑتی کنٹھ اس کے استعمال سے جاتے رہتے ہیں قیمت فیبوتل (عا)

یہ ادویہ کارخانہ مسرس ڈبلیو میجر اینڈ کو کلکتہ میں تیار ہوتی رہتی ہیں بتھوک
اور خوردہ فروش ایجنٹ اے برکت اینڈ کو دہلی سے طلب کرو۔
المشتہر کارخانہ مسرس ڈبلیو اینڈ کو کلکتہ۔

سر سید مرحوم

نے

ہی ہندوستان میں زیادہ تر ترکی ٹوپی کو رواج دیا تھا

بلکہ

یہ کہنا چاہیے کہ سر سید ہی اس کا موجد تھا۔ اور ان ٹوپیوں میں بھی اس نے ایک خاص فیشن ایجاد کیا تھا۔ اس قسم کی ٹوپیاں سر سید کے زمانہ میں تھوڑی سی آئی تھیں۔ جو ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے بعد نہ ویسی ٹوپیاں آئیں اور نہ کسی نے شوق سے انہیں اوڑھا۔

ویسے ضرورت پوری کرنے کیلئے

بازار میں جیسی بھی میسر آئیں لوگ اوڑھتے رہے

اب ہم نے

خاص طور پر اصل فیشن کے مطابق

سر سید پیٹنٹ۔ کرسٹی کی ساخت

ہر رنگ اور ہر قسم کی لنڈن سے منگوائی ہیں

ان میں یہ خوبی ہے

کہ دیرپا ہونے کے علاوہ۔ فیشن کے مطابق

اور زیادہ خوبصورت

قیمت علاوہ محصولڈاک صرف للعہ

ان کے علاوہ اور سب قسم کی ٹوپیاں موجود ہیں۔

عبدالرشید برادرم مرچنٹ و جنرل سپلائیر انارکلی لاہور

انتخاب مخزن یعنی مخزن کی گذشتہ نو جلدوں میں سے تمام چوٹی کے مضامین اور نظموں کے انتخاب کا مجموعہ جن شائقین کو مخزن کے پہلے نمبر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ان کے لئے یہ کتاب بہت ضروری ہے مختصراً یہ نادر کتاب بجز ان یگانہ روزگار مشہور اہل قلم اور شعرا اور اعلےٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی مشرقی خیالات کا سلسلہ ہے اس مجموعے کے ساتھ انجمن اردو کے اراکین عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد شمس العلما مولینا شبلی مولینا حالی نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور مسٹر آرنلڈ کی ولائتی چھپی ہوئی تصویریں ہیں اس انمول کتاب کی قیمت صرف عہ ہے لیکن مخزن کے خریداروں سے صرف ۸ر علاوہ محصول ڈاک -

رفیق عروس مصنفہ محمدی بیگم صاحبہ ایڈیٹر تہذیب نسواں یعنی نئی دلہن کی سہیلی جو خوشی کے وقت ہم عمر ہجولیوں کی طرح ہنسی خوشی میں شریک اور دکھ درد کے وقت درد مند بہین کی طرح مصیبت کی رفیق ہوتی ہے - ناتجربہ کاری میں پیاری ماں کی سی بزرگانہ نصیحتیں اور زمانہ کا اونچ نیچ سکھاتی ہے چوتھی مرتبہ چھپی ہے اور کئی مضمون ایزاد کئے گئے ہیں - قیمت ۱۱ر

نعمت خانہ یعنی ہندوستانی کھانوں کی سب سے اچھی کتاب - اس سے پیشتر جس قدر کتابیں اس قسم کی چھپ چکی ہیں ان سب سے اچھی ہے اور ہر گھر میں اس کا موجود رہنا ضروری ہے - یہ کتاب لڑکیوں کو امور خانہ داری کی طرف مائل کرنے کے لئے بہت مفید ہے سب قسم کے کھانوں کی ترکیبیں اس میں درج ہیں حجم دو سو صفحہ

یہ جملہ کتب مخزن ایجنسی لاہور سے بذریعہ وی - پی منگوائیے -

عورتوں کے لباس میں کیا کیا اُمور اصلاح طلب ہیں کن کن باتوں سے بیویوں اور خاوندوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہوتی ہے اور ان نا اتفاقیوں کے دُور کرنے کا کیا علاج ہے۔ ان سب باتوں کو پورے طور پر بیان کیا ہے۔ جس شخص کو اپنی والدہ بہنیں۔ بیوی اور عورتوں کے حقوق معلوم کرنے اور اُن کے ادا کرنے کا خیال ہوا سے ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئیے۔
قیمت .... ۱۲ ر

طبیب نسواں یہ کتاب ایک بڑے مستند ڈاکٹر کی تصنیف سے اخذ کر کے مرتب کیگئی ہے اس کتاب کے لکھنے سے غرض ہے کہ ہماری بے احتیاطیوں اور ناتجربہ کاریوں سے جو بہتیرے پھول سے بچے مرجھا کر رہ جاتے ہیں یا شیر خوار بچّوں کی مائیں ہلاک ہو جاتی ہیں اسکے مطالعہ سے ان بچّوں کی ماؤں کو ایسے نقصان نہ پہونچیں عورتوں کے تمام امراض کا ذکر اس کتاب میں ہے اور مستورات خود اپنا علاج کر سکتی ہیں۔ عبارت ایسی آسان ہے کہ ہر عورت پڑھ سکتی ہے۔ ہر مرد اور ہر عورت کے لئے مطالعہ ضروری ہے۔
قیمت .... ۱۰ ر

ہادی النسا مصنفہ مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ اس کتاب میں دہلی کی مستورات کی خط و کتابت کے اعلےٰ درجے کے نمونے درج ہیں بظاہر یہ خطوط ہیں مگر اس میں خانہ داری کے کل معاملات رسم و رواج لوریاں گیت غرض زنانہ زندگی کے تمام پہلو دلچسپی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ..... ۹ ر

مجموعہ نظم آزاد شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کی بے مثل مثنویوں اور بعض مشہور نظموں کا مجموعہ جن سے جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ اس مجموعے میں بہت سی نظمیں ہیں اور سب دیکھنے کے قابل ہیں مولینا آزاد اور پھر اُن کا کلام زیادہ تعریف کا محتاج نہیں۔ منگوا کر دیکھئے
قیمت .... ۱۰ ار

مکاشفات آزاد۔ پروفیسر محمد حسین آزاد کے عالمانہ خیالات کی افسوسناک الجھن سمجھئے یا عجائبات جنون
مولینا کے عالم جنون کی تصنیف بھی دلچسپی سے خالی نہیں عجیب رنگ میں یہ کتاب لکھی ہے۔ کیوں نہ ہو مولینا آزاد کا کلام ہے قیمت صرف ۴ر

عذرا۔ رائیڈر ہیگرڈ انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے ناول "شی" کا ترجمہ نہائیت سلیس اردو میں کیا گیا ہے۔ اس ناول کے مطالعہ سے آپ کے معلومات بہت وسیع ہو جائینگے اور مصر کے عجیب وغریب حالات جو اس سے پہلے آپ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے اس میں آپ کو ملیں گے اور کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کئے آپ اسے نہیں چھوڑ سکتے حجم ۲۶۲ صفحہ قیمت عمر

حقوق نسواں اس کتاب میں جو مولوی سید ممتاز علی صاحب کی تصنیف سے قرآن مجید حدیث فقہ اور دین کی اور کتابیں سندیں دیکر عورتوں کے حقوق بڑے زور شور سے ثابت کئے ہیں۔ اور مردوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الدین اور ناقابل اعتبار ہیں ان سب باتوں کا پورا جواب دیا ہے۔ عورتوں کو کہاں تک تعلیم دینی چاہئے۔ قدیم الایام میں پردے کا کیا دستور تھا

شمس العلما پروفیسر محمد حسین آزاد دہلوی کی زیارت

کا بھلا کون شخص مشتاق نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ رسالہ مخزن نے بکوشش تمام برسوں کے بعد ان کے رشحات قلم سے قدر دانوں کی دیرینہ آرزو کو پورا کیا ہے اور اب ان تمام خطوط کو جو مخزن کی پچھلی جلد میں نکل چکے ہیں ایک خوشنما کتاب کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ اس مجموعے کی

تصویر کا حجاب

ایک نہایت شاندار سرورق ہے جس کے پردے میں وہ یادگار زمانہ نثر اردو کا شہنشاہ اور علمی ذخائر کو عام نگاہوں تک پہنچانے زبردست انشا پرداز (مولینا آزاد) زمانہ اور اہل زمانہ سے چھپکر جا بیٹھا ہے یہ اصل فوٹو جس کے لئے ملک میں بہت سے شائقین کی نگاہیں ترس رہی تھیں بڑی کوشش اور تلاش سے بہم پہونچایا گیا ہے۔

اس مجموعہ کی قیمت مع تصویر صرف ۰۶ ر ہے جلد طلب فرمائے تصویریں تھوڑی ہیں +

اور جنگل اور ریاست کا ناول ہے جس کو پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم اے دہلوی ایم اے او کالج علیگڈھ نے اپنی عالمانہ خیالات سے بالکل انگریزی طرز پر ڈھالا ہے۔ لائق مصنف نے اس میں ملک اور ابنائے ملک کو دکھا دیا ہے کہ وقت۔ اس کی ضرورت اس کے تاثرات اور نئی تحقیق کی جھلکیاں اک فسانے کے رنگ میں کس کس طرح دکھائی جا سکتی ہیں۔ یہ ایک علمی ناول ہے اور عام بازاری ناولوں سے بالکل مختلف۔ یہ اپنی شان اور اپنی وضع کا بالکل نرالا ناول نہیں نہیں بلکہ سب سے پہلا باتصویر ناول واقعی شائقین کے دیکھنے دکھانے کے قابل ہے۔ اس کی نادر اور دلکش ہاف ٹون تصاویر جنہیں جگہ جگہ فسانے سے تعلق ہے انگریزی ناولوں کی طرح شامل کر دی گئی ہیں۔ حجم ڈھائی سو صفحے سے زیادہ ہے اور قیمت بہمہ اوصاف صرف عہ علاوہ محصول ڈاک شائقین جلد منگوائیں۔ کیونکہ کتابیں زیادہ نہیں چھاپی گئیں +

کلام نیرنگ

سید غلام بھیک بی اے نیرنگ کا تمام کلام جو مخزن میں چھپتا رہا ہے اُس کو جمع کر کے نہایت خوشنما ایڈیشن چھپا دیا ہے۔ اس مجموعے میں مفصلہ ذیل نظموں کے علاوہ اور بہت سی غزلیات ہیں۔ مرجھایا ہوا پھول۔ خواب یتیم۔ راحت یاس۔ ایک آنسو سے دو دو باتیں۔ خواب ناز حسن و عشق کیسکا دھیان۔ بادل اِنساں کی فریاد۔ نیرنگ شفق۔ راگ خار۔ انجام محبت۔ کوہستان کا نظارہ۔ سودائے خام۔ تلاش محبت۔ بھنورا جان شیریں وغیرہ وغیرہ نہایت دلچسپ معنی خیز نظمیں ہیں۔ قیمت .... ۶؍

مخزن پبلشنگ ایجنسی

نے اپنے معاونین کی اعانت پر بھروسہ کرکے یہ ارادہ مصمم کرلیا
ہے کہ عمدہ اور مفید کتابوں کی اشاعت کا معقول بندوبست کیا جائے
اور آج اس اعلان کے ذریعہ سے روشن دنیا کے سامنے قدردانی کے
لیے حاضر ہوتی ہے +

اس ایجنسی کی کتابیں یا علمی اشیاء کے ذخیرے حتی الوسع کم قیمت پر
ایک خاص عمدگی اور نفاست سے چھپے ہوئے اردو زبان میں بہترین اضافہ
ثابت ہونگے ضرر رسان ناولوں اور گندے خیالات کی اشاعت کی طرح یہ ایجنسی
اپنی کتابوں کی فرضی قیمت نہیں قایم کریگی بلکہ لاگت کا خیال رکھکر ہر خریدار
کی جیب کو نامناسب نقصان نہ دیکر یہ اس کی الماری اس کی میز اس مطالعہ
کے کمرے میں اپنی ایک خوشنما یادگار بھی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیگی +

اپنے ہاں کی کتابوں کے علاوہ دیگر مطابع کی بھی اُن کتابوں کی فہرست
یہ ایجنسی شایع کریگی جو مفید اور نادر ہونگی۔ اگر ہمارے معاونین نے ہماری
ہمت افزائی فرمائی تو وہ خود دیکھ لینگے کہ یہ ایجنسی کہانتک اُنکی امیدوں کو پورا کرسکیگی۔
بالفعل گو ناول سیریز ہی کو چھیڑا گیا ہے لیکن آیندہ مخزن ایجنسی وہ مقتدر کام
بھی کرسکیگی جس کی اس سے اُمید کی جانی چاہیئے چونکہ ردی تالیفات یا وقت
ضایع کرنے والی تصنیفات کی یہ ایجنسی روادار نہیں اس لئے اپنے نئے کام کی ابتداء
ایک نئی بالکل نئی روشنی کے ناول سے شروع کرتی ہے +

خواب ہستی

یہ ایک عدیم المثال فسانہ مخزن ایجنسی کا سب سے پہلا مفید زمانہ اور

یہ جملہ کتب مخزن ایجنسی لاہور سے بذریعہ وی پی منگوائیے۔

غزلِ اقبال

ہمارے مکرم منشی دُر گا سہائے صاحب سرور جہان آبادی کی تحریک بے سود نہ ثابت ہوئی آخر شیخ محمد اقبال صاحب سے ایک غزل لکھوا کے ہی رہی۔ شیخ صاحب لکھتے ہیں "کہ گو مصروفیت کا ابھی وہی عالم ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت سرور جنہوں نے میری خاموشی کو توڑنا چاہا ہے کہیں ناراض نہ ہو جائیں اسلئے انکی نظم کے شکریہ میں سر دست یہ غزل بھیجتا ہوں اُمید ہو کہ عنقریب کچھ اور بھی بھیجونگا"

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

بلندی آسمانوں میں زمینوں میں تیری پستی
روانی بحر میں اُفتادگی تیری کنارے میں

جو نکلا نالہ بنکر غنچہ منقارِ بلبل سے
وُہی نگہت چمن سے اُڑکے جا چمکی ستارے میں

مرے پہلو میں دل ہے یا کوئی آئینہ جادو کا
تری صورت نظر آئی مجھے اپنے نظارے میں

اُتارا میں نے زنجیرِ رسومِ اہل ظاہر کو
ملا وہ لطف آزادی مجھے تیرے سہارے میں

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں پھُول میں حیواں میں پتھر میں ستارے میں

مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھ کو
وہ سوداگر ہوں میں نفع دیکھا ہو خسارے میں

نہاں تھا تو تو روشن تھا چراغ زندگی میرا
مگر موجِ نفس پوشیدہ تھی تیرے نظارے میں

سکوں ناآشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یا رب چھپکے آبیٹھی ہو پارے میں

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہو مجھ فرقت کے مارے میں

رُباعی

پتھر ہے اگر علم سے بیگانہ ہے
بے عقل ہے بیہوش ہے دیوانہ ہے

کیا لہو و لعب میں آبرو پائے گا
نادان چھلکنے کو یہ پیمانہ ہے

مخالفت کا جو اُٹھتا رہا یہی طوفان
تو جانو کام بگڑتے رہینگے سب بن بن

جو انہیں ہوگا خیالِ مغائرت قایم
تو سمجھو ملک کی بربادی کے ہیں یہ لچھن

دھیان ملک کا بھی ساکنانِ ہند ذرا!
خیال ملک کا بھی اے برادرانِ وطن!

وہ ملک کون؟ جہاں مِن کبھی برستا تھا
وہ ملک؟ جو دولت کا تھا کبھی معدن

وہ ملک جسمیں تھا ہر شخص شاد اور مسرور
جہاں پھٹکنے نہ پاتے تھے درد و رنج و محن

وہ مُلک منبع فضل و کمال تھا جو کبھی
جہاں کا طفل بھی کہلاتا تھا وحیدِ زمن

وہ ملک جسمیں تھے خسرو سے شاعر یکتا
وہ ملک جو تھا کبھی والمیک کا مسکن

وہ ملک جسمیں جہالت کی اب ہی چھائی گھٹا
تمام علم و ہنر کا تھا ایک دن مخزن

تباہ قوم ہے ساری جگہ ہے عبرت کی
تمہاری نکبت و عسرت پہ ہنستے ہیں دشمن

خبر نہیں ہے تمہیں کچھ بھی غافلو اسکی
کہ شاہراہِ ترقی کے ہو تمہیں رہزن

تم اپنے ہاتھوں سے پہونچے ہو اس فلاکت کو
فضول موردِ الزام ہے یہ چرخِ کہن

عبث ہو اپنے مقدر کے رات دن شاکی
عبث ہے زاری و فریاد و نالہ شیون

نہیں بگاڑا ہے کچھ بھی تمہارا قسمت نے
نہیں زمانے کی تمسے پھری ہوئی چتون

تم آج چاہو تو کلفت تمام مٹ جاوے
درست آج ہی ہو جائے حالِ زار وطن

علاج جانتے ہو اس مرض کا تم خود ہی
تمہارے پاس ہے اس درد کی دوا و ہرن

مصیبتیں ہیں یہ ساری نفاق کے باعث
تمام آفتیں ہیں یہ نفاق کے کارن

فلاح ملک کی اپنے تمہیں جو ہے منظور
تو چھوڑنا نہ کبھی اتفاق کا دامن

ہے اتفاق ہی گر قوم کی ترقی کا
نہیں ہے اس میں کسی کو ذرا مجالِ سخن

خدا کرے رہیں مِل جُل کے ہندو و مُسلم
قبائے الفت صادق ہو اُن کے زیبِ بدن

عناد و بغض و عداوت یہ بھیجکر لعنت
مثالِ شیر و شکر دو سے ایک جائیں بن

ہے رہنمائے خلق عمل جسکے نیک ہیں　　　کافر ہو وہ عقیدہ میں یا دیندار ہو

میخانہ ایسا چاہیئے ہم مشرب و جہاں　　　کوئی نہ مست ہو نہ کوئی ہوشیار ہو
پیمانۂ شکستہ کے ٹکڑے ہوں منتشر　　　مے ہو نہ ساقی ہو نہ کوئی بادہ خوار ہو
پیر مغاں کے گرد ہو اک انجمن لگی　　　عقل جواں بھی جان سے جس پر نثار ہو
اک سوز شعلے کی طرح ایسا بھڑک اُٹھے　　　جس سے کہ دل میں آنکھ میں سر میں خمار ہو
روشن ہو نور سینے میں اِک شمع کی طرح　　　قربان اُس پہ دل میرا پروانہ وار ہو

ہاں کہہ وصاف صاف ہمایوں جو دل میں ہے
ہونٹوں میں بڑبڑاتے یہ کیا بار بار ہو

(محمد شاہدین)

ہندو مسلمانوں کا اِتفاق

ملینگے ہندو مسلماں اگر نہ مشفق من　　　رہیگی باقی جو ان دونوں قوموں میں اَن بن
نفاق و بغض و عداوت کا زور رہی جو یہی　　　ہے ایک دوسرے کا گر اسیطرح دشمن
نہ ہونگے صاف کدورت سے دل اگر انکے　　　اگر پڑھینگے نہ یہ اتفاق کی سمرن
فلاح ہند کی ممکن نہیں ہے سن رکھو　　　ہزار بات کی اک بات ہے یہ صاحب من
نہیں جو دونوں میں مضبوط رشتۂ اُلفت　　　تو سمجھو قومی ترقی کو مشکل اور کٹھن
رہیگی دونوں کی کوشش اگر نہ شامل حال　　　نہ ہوگا نام کبھی اپنے ملک کا روشن
کرینگے دونوں جو ملکر نہ اس کی رکھوالی　　　تو نذر بادِ خزاں ہوگا قوم کا گلشن
اگر نہ دونوں ملینگے مثالِ شیر و شکر　　　بنیگی کس طرح ہندوستان میں نیشن[1]؟
نہ ہوگی قایم اگر نیشنالیٹی[2] باہم　　　عروج پائیگا ہرگز کبھی نہ اپنا وطن

[1] قوم [2] قومیت -

کملانا ہی تھا پھول کو کملا نہ عندلیب کیوں داغ دل سے سینہ ترا لالہ زار ہو
یکساں ہیں ہمتوں کے لئے انبساط و غم باغِ جہاں میں آئے خزاں یا بہار ہو
دونوں کی مثل نقطۂ موہوم ہے بساط عشرت میں خوش ہو غم میں کوئی بیقرار ہو

اے مادرِ شفیق قضا کا لگے جو تیر مرگِ جوان کے غم سے نہ تو دل فگار ہو
اس صید گاہ میں وہی نکلیگا بچکے صاف جو صید سب سے پہلے اجل کا شکار ہو
جانبر نہ ہوگا کوئی بھی تیغ فنا سے یہاں گو لاکھ سخت جاں ہو توانا ہزار ہو
بڑھ جائے غم کا سلسلہ کہسار کیطرح طولانی گر یہ زندگیٔ مستعار ہو

دنیا مقام رہنے کے قابل تو ہے اگر بیگانہ ہو نہ اپنا عدو ہو نہ یار ہو
گل ہو نہ برگِ خشک ہو بلبل ہو اور نہ زاغ غم کی خزاں نہ ہو نہ خوشی کی بہار ہو
جوہر نہ ہو نہ عرض نہ کل ہو نہ جزو و کل کون و مکاں نہ ہو نہ یہ لیل و نہار ہو
حد ہو نہ جسم کی نہ کوئی روح کی ہو قید مجبور ہو نہ کوئی نہ با اختیار ہو
آزاد بندشوں سے ہو آلائشوں سے پاک بندہ بھی پھر تو بندۂ پروردگار ہو
ہُو کا ہو عالم اور نہ ہو کچھ سوائے نور اور تیر نکلے وہ میرے سینے کے پار ہو

اے ہستی سختیاں تری کب تک ہے بشر میں بیٹ دوں تجھے جو میرا اختیار ہو
کیوں غم کا ڈر خوشی سے ہمآیوں لگاؤ تم ہاں یہ بھی نذر عالم ناپائیدار ہو

رکھتی ہے اپنا لطف ہر اک طرز کیفیت غم کا نشہ ہو یا کہ خوشی کا خمار ہو
کیا لطف دیدِ گل ہو تو ہی کہدے ہمصفیر گلزار میں خزاں جو نہ بعد از بہار ہو

دخمہ تھا بلیک ہول مجھ کو — تھا تیرہ و تار مرا بسر جو
پھر چکی ہیں مجھ کو پیس ڈالا — ہر اک نے غبار یوں نکالا

القصّہ ہے میری ساری روداد
افسانۂ جور آدمی زاد

سیّد امجد علی اشہری

آزادگی

کیوں مشت خاک پہ کوئی دل داغدار ہو — مر کر بھی یہ ہوس کہ ہمارا مزار ہو
ہو کر جو ذرہ ذرہ عناصر میں جائے مل — یکساں ہے گرد راہ بنے یا غبار ہو
کیوں بیٹھے گرد آئینۂ دل پہ مثل زنگ — کیوں ذرہ ہائے خاک سے دل سنگسار ہو
آواز کی طرح جو جہاں سے نکل گیا — پتھر کی طرح سینے پہ پھر کیوں وہ بار ہو
اللہ رے خودی کہ رہے جبتک اپنا نام — کوئی تو مُردوں میں بھی اپنی شمار ہو

انساں کو بے ثباتی پہ بھی اپنی ناز ہے — نقش قدم کی طرح یہ کیوں خاکسار ہو
گھوڑے اڑائے کیوں نہ وہ سرپٹ غرور کے — مر کر بھی جسکی روح ہوا پر سوار ہو

اس بوالہوس کی موت کے قربان جائیے — جو پھر دوبارہ جینے کا امیدوار ہو
لہروں میں ڈوب مرنےکا پھر کیونکر سے وہ شوق — اک بار غرق ہو کے جو دریا کے پار ہو
ہستی کا طوق تو ہے قیامت پس وفات — یارب کہیں یہ میرے گلے کا نہ ہار ہو

پہلے مری قبر کرکے تیار — گاڑا مجھے آہ اس میں یکبار
قربان جناب کبریا کے — پھر اُس نے کھڑا کیا جلا کے
پھر خضر کی شکل میں اُٹھایا — پھر خلعت سبز میں نے پایا
کھانا ملا سفرہٗ زمیں سے — چاہا جو ملا مجھے وہیں سے
آیا وہیں آسماں سے پانی — لاکے خوشبو ہوا سُہانی
پھر مجھ پہ نیا شباب آیا — کھویا ہوا رنگ روپ پایا
پھر سنبلہ بن کے تُرّش ہوا — عالم کے لئے ہوئے گہر بار
پایا جو سبھوں نے مجھ کو خوشحال — پھر ہوکے میرے جی کے جنجال
خوشیاں لگے کرنے ابن آدم — جلسے لگے ہونے شب کو پیہم
سب ملکے لگے بہار گانے — سر پر لگے ڈھولکیں بجانے
جلسے رہے ایک ماہ سب کے — متوالے رہے وہ روز و شب کے
آخر مجھے کاٹ کر گرایا — جڑ پیڑ سے کرد با صفایا
برباد کیا مجھے سراپا — تنکا بھی نہ میرے پاس چھوڑا
چھاتی پہ چلائے بیل میرے — کوٹا مجھے اُٹھتے ہی سویرے
پھر بیچ دیا مجھے ٹکے سیر — روز روشن کے ہیں یہ اندھیر
تا جاؤں نہ میں نکل کے باہر — پہرے بیٹھے قدم قدم پر
یہ حکم محافظوں نے پائے — چڑیا بھی نہ ڈر کے مجھ تک آئے
پھر دخمہ تہ زمیں بنایا — اُس میں مجھے سربسر چھپایا
گرمی سے تھا زرد رنگ میرا — تھا دم بھی وہاں تنگ میرا
گھٹ گھٹ کے رہا وہاں کئی ماہ — پائی نہ کہیں نکلنے کی راہ
کچھ لوگوں نے کی تلاش میری — تب نکلی وہاں سے لاش میری

افسانۂ گلشنِ ارم تھا — دُرِ دانۂ معدنِ کرم تھا
تھا قدرتِ قادرِ توانا — تھا جنس میں اپنی مغز دانا
اللہ اللہ گندمی رنگ — سونا بھی تھا میرے آگے پاسنگ
کھلتا ہوا رنگ زعفرانی — اٹھتی ہوئی وہ میری جوانی
کوثر تھا مری زمین پہ بہتا — آرام سے تھا ارم میں رہتا
پانی تھا تہ زمیں سے کھینچا — نیچر نے تھا مجھ کو آپ سینچا
پروین کا جواب بالی بالی — نسرین کے مثال ڈالی ڈالی
ڈالی مری رشکِ ساعدِ حور — بالی مری جیسے شاخ بلور
تھا خلد میں ہر طرف فسانہ — انجم کا جواب دانہ دانہ
تھا دستِ نسیم مہد جنباں — گلریز بہار میرا دامان
آدم مرے گوشہ گیرِ گلشن — حوا مری خوشہ چینِ خرمن
سانچے میں ڈھلا ہوا بدن تھا — ہر وقت ہنسی سے خندہ زن تھا
باطن مرا روشنی سے پرنور — ہو میدۂ صبح دیکھ کافور
دُرِ دانۂ معدنِ زمیں تھا — داناؤں کا یار ہمنشیں تھا
وہ نشو و نما کا میرے عالم — وہ لب میرے رشکِ ابن مریم
شاخیں مری سجدہ ریز باری — جاگیرِ ارم تھی تا نکالی
سکانِ ارم بحسبِ عادت — پاتے تھے مری ہوا سے طاقت
آدم نے مجھے جو منہ لگایا — جھوٹا ہوا میں نے پھل یہ پایا
خالق نے مجھے زمیں پہ ڈالا — فردوس سے میں گیا نکالا
آدم نے کیا خدا سے مجھ کو — جنت نے دیا جواب مجھ کو
اس پر بھی نہ ان کو رحم آیا — پھر خاک میں سر بسر ملایا

گورا بھچرا سادہ چہرہ تو بھبوکا سے وہ گال　　جیسے اک اور بھی معصوم بچے کی رنگت
کولوں تک آئے ہوئے اُس کے سنہری وہ بال　　مانگ ہے یا کہ نشانے یہ بیاض قدرت
پتلیاں اُٹھی ہوئی دھیان ملا اوپر کی طرف　　چلیں نیلم کی، یہ دو تیتریاں توڑ کے چھت
یہ دہن چہرے یہ ہے یا کوئی سربند کلی　　پھول کا بوجھ اُٹھا لے نہیں اتنا بھی سکت
لعل رنگین کا دو ٹپلکا کہئے اِن ہونٹوں کو　　اب کہلی بات کسی طرح ذرا ہو حرکت
جیسے بلور چمکتا ہوا ایسی ٹھوڑی　　لمبی گردن سے صراحی کے گلے کو خجلت
چاند سا سینہ۔ بھرا جسم جوانی کا یہ جوش　　لطف آجائے اگر جھومے یہ سرو قامت
وہاں اسوقت ہی معبود کی طاعت کا دھیان　　بات کرنیکے اشارے نہ زباں میں قدرت
کہنیاں ہاتھوں کی بس رحل کی اوپر میں ٹکی　　اُنگلیاں جنکی کہ پیوستہ ہوئی ہیں اُٹ گت
ایسی صورت پہ بھی خالق کو نہ رحم آئیگا　　ایسے بندے پہ بھی کیونکر نہ کریگا رحمت

باش اے شاعر گستاخ کجی میرانی
آسمانے بہ زمین است کہ زیر قدمت

گیہوں

اے مخزن جود و لطف و اکرام　　اے مونس اہل درد و آلام
اے روح و روانِ قلبِ آدم　　اے ساکن فرش ارض اعظم
اے صورتِ تازہ آفرینش　　اے طرح نیاز آفرینش
سنئے میری سرگذشت کیا ہے　　رو داد ریاض و دشت کیا ہے
میں کون تھا ہوں کہاں سے آیا　　کیون کر مجھے آب و دانہ لایا

ہم کو کافی ہے زمیں دو ہاتھ سونیکے لئے
فرش خاکی خوب ہے اپنے بچھونے کیلئے

(از تیغین)

اک صبح کی عبادت گذار

ایک تصویر کو دیکھکر

واہ کیا صبح کا عالم ہے خدا کی قدرت — مُہرِ خاموشی بس اب توڑنے کو ہے خلقت
جھلملا کر وہ چھپے جاتے ہیں تارے دیکھو — پڑ گئی پھیکی وہ مہتاب کی گہری رنگت
بام و در سے وہ عمارات کا پردہ کم کم — وہ جھلکنے کو ہے خورشید کی بانکی صورت
آشیانوں میں چہکنے لگے خوش لہجہ طیور — بے زبانوں کی زباں پر بھی ہے سیرِ وحدت
سنکھ پھکنے لگے بجنے لگے گھنٹے گھڑیال — اُٹھی ہر قوم عبادت کو بہر حسب عادت
بندھ گئیں لاکھوں صفیں اُسکی حضوری کیلئے — وہ سنی جانے لگی بعد اذان قد قامت
مسلم و گبر و نصارا و چہ ترسا چہ یہود — پالی کی طرح سے ہر طرف قسمیں ہیں ہمصورت
ایسے عالم میں ہے اک معبدِ عالی کی نمود — سامنے منبر کے استادہ ہے اک خوش قامت
منبر کیا ہے کہ یہ اک رحل ہے قد آدم — ہے کھلی جسپہ کتاب ایک برائے قرأت
جو ورق پیش نظر ہیں وہ کھلے ہیں بالکل — باقی فیتے سے بند ہے ہیں کہ نہو کچھ وقت
پڑھنے والی کا جو انداز ہے وہ کیونکر دکھائیں — مو قلم کی نہیں ہے اپنے قلم میں قدرت
دیکھنے والا ہے تو چشم تصور ہی سے دیکھ — اس طرح کرتے ہیں خوش چشم خدا کی طاعت
بھولی بھولی سی ہے اک جینی کی مورت گویا — ہے فرشتہ کہ پری کہیئے کہ حور جنت
کسقدر کھلتا ہے اس جسم پہ یہ گون سیاہ — سینے پر جھاگ سی جھالر وہ کفوں کی لطافت

برف کی وردی میں سنگ پیر کا جاتا ہوا   موسم گلہائے رنگیں دل کو تڑپاتا ہوا

اپنے اپنے وقت پر ہر اک فنا ہو جائیگا
دیکھ لینا چند دن میں کیا سے کیا ہو جائیگا

پھر نہ بحر نیلگوں اس شان سے اترائیگا   نے کوئی جھونکا ہوا کا باغ میں لہرائیگا
ابر کا ٹکڑا کہیں صورت نہ پھر دکھلائیگا   شیشۂ دل سنگ ناکامی سے ٹکر کھائیگا

نام رہ جائیگا باقی بس خدائے پاک کا
نقش وہ مٹکر رہیگا جو بنا ہے خاک کا

جا چکی ہم سے ہمیشہ کے لئے فصل بہار   موت دروازہ پہ کرتی ہے ہمارا انتظار
چھوٹتے جاتے ہیں بزم عیش یار غمگسار   ہم کو بھی جانا پڑیگا ہوگی جب اپنی پکار

گردش چرخ بریں نیچا ہمیں دکھلائیگی
مادر گیتی ہمیں آغوش میں بٹھلائیگی

جس جگہ احباب کی اپنے رسائی تک نہیں   بزم عشرت کی صدا جس گھر میں آتی تک نہیں
نغمۂ بلبل جہاں دیتا سنائی تک نہیں   بھول کر بھی جا نسیم صبح آتی تک نہیں

ایسے ویران گھر میں ہم کو چھوڑ جائینگے عزیز
یہ مرے ہیں ہم نہیں گو یار ہیں اونکے عزیز

عالم پیری ہے چہرہ ہو گیا ہے زرد تمام   دانت رخصت ہو گئے بازو نہیں دیتے ہیں کام
جسم ٹھنڈا ہو گیا ہے موت کا ہے یہ پیام   کوس رحلت بجگیا اپنا بھی یارو والسلام

مادر گیتی یہ نہی اک دن فنا ہو جائیگی
چار دن ہیں آب و تاب اس کی ہوا ہو جائیگی

ہم نہیں دنیا میں جب باد نسیم آیا کرے   موج بحر نیلگوں سر اپنا ٹکرایا کرے
صبح عشرت آسماں سے نور برسایا کرے   شام ظلمت عاشقوں کو [illegible] ڈرایا کرے

بلبل ہے اب بھی شاخ چمن پر ترانہ سنج | قمری کنار جو ہے ترنم سرا وہی
اب بھی وہی پپیہے کے نالہ غم میں ہے اثر | آواز پی کہاں کی ہے شورش فزا وہی
[illegible] | [illegible]
پھولوں کی ہے سفید وہی ابر میں قطار | اور کالی کالی بجلیوں والی گھٹا وہی
سینہ جو تھی وہی دل عاشق پہ چوٹ ہے | اب بھی ہے رنگ نالۂ خونیں نوا وہی
اب بھی چکور کو ہے وہی حسرت وصال | اور ہے قمر کا عشوۂ ناآشنا وہی
[illegible] | [illegible]
[illegible] | نرگس کی اب بھی [illegible] وہی
[illegible] | [illegible] وہی
[illegible] | [illegible] وہی
اب بھی ہے اپنے رنگ میں دلکش وہ [illegible] گل | اب بھی ہے جوش خندۂ دنداں نما وہی
عاشق کی آنکھ اب بھی ہے خونناب ریز غم | اور کشت زعفران ہے تبسم فزا وہی
دنیا وہی ہے اور وہی دنیا کے عیش ہیں | اب بھی وہی چمن ہے چمن کی فضا وہی
محفل وہی ہے غنچۂ احباب ہے وہی | مطرب وہی ہے نغمۂ نے کی صدا وہی

دنیا کے ہیں جو عیش وہ کمبخت کم نہیں
حسرت یہ ہے لحد میں کہ دنیا میں ہم نہیں

سرور رنجور جہان آبادی

"کل شیءٍ ہالک"

سامنے آنکھوں کے دریا سبز لہراتا ہوا | پار سے جھونکا نسیم صبح کا آتا ہوا

نظارہ میساں سے تروتازہ رکھئے آنکھ
تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے

مذہب کا نام لیجئے عاقل نہ ہوجئے
جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجئے

طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
پبلک میں اُنکو موردِ الزام کیجئے

زنجیرِ فقہ توڑئے کہکر خلافِ شرع
مضمون لکھئے دعوئے الہام کیجئے

ممنوع ہے تعددِ ازدواج خاصکر
یوں گھوم پھر کے تفقیہ عام کیجئے

قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے

لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی پہل پہل
فکرِ پئے وظیفہ و انعام کیجئے

تحصیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیج کر
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے

بے رونقی سے کاٹئے کیوں اپنی عمر کو
کیوں انتظار گردشِ ایام کیجئے

جو چاہئے وہ کیجئے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعوئے اسلام کیجئے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبروں میں آرام کیجئے

ایک اجل رسیدہ کی تمنّا

گل بھی وہی ہیں موسمِ گل کی ہوا وہی
ہے شاہدِ بہار کی دلکش ادا وہی

اٹکھیلیاں وہی ہیں نسیمِ بہار کی
چلتی ہے جھوم جھوم کے بادِ صبا وہی

ہے جوشِ گل وہی۔ وہی نغمہ ان بلبلوں کش
رم جھم برس رہی ہے چمن میں گھٹا وہی

کلامِ اکبر

پیش نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے ۔۔۔ دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے
یہ گیسوئے معنبر یہ چشم سحر آگیں ۔۔۔ کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ستم ہے
سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم ۔۔۔ بتی بہت ہے مولی روغن بہت ہی کم ہے
کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع یہ راجہ صاحب ۔۔۔ بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل یہ واعظ ۔۔۔ بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ ۔۔۔ خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم ۔۔۔ تحصیل اُن کی بھی سحر و شام کیجئے
یورپ میں پھر کے پیرس و لندن کو دیکھئے ۔۔۔ تحقیق ملک کاشغر و شام کیجئے
ہو جائے طریقہ مغرب پہ مطمئن ۔۔۔ خاطر سے محو خطرۂ ایام کیجئے
پیران بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ ۔۔۔ ناحق نہ دلکو تابع اوہام کیجئے
رکھئے نہ دل دیر و کلیسا سے منحرف ۔۔۔ متروک قید جامہ و احرام کیجئے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے ۔۔۔ ہر ملت و طریق کا اکرام کیجئے
رہیے جہان میں دوست مشرب نیک نام ۔۔۔ مجھکو مرید ہندوؤں کو رام کیجئے
رکھئے سود و شہرت و اعزاز پر نظر ۔۔۔ دولت کو صرف کیجئے اور نام کیجئے
سامان جمع کیجئے کوٹھی بنائیے ۔۔۔ با صد خلوص دعوت حکام کیجئے
یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہوجیے ۔۔۔ موقع ملے تو شغل مئے جام کیجئے
چشم و لب بتان سے بھی غافل نہ ہوجیے ۔۔۔ تکمیل شوق پستہ و بادام کیجئے

مقتضی ہے اور اظہار شکر کا یہ ایک غیر ارادی مگر انتہا درجہ کا مخلصانہ پیرایہ ہے ظرافت کی اس سے بڑھکر اور کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ یہ خدا کی دین ہے جو بہت کم مصنّفوں کے حصّہ میں آتی ہے۔ اور جنہیں نصیب ہو جاتی ہے۔ اُنکے تمام عیوب کے لئے ملمع اور خوبیوں کے لئے سہاگے کا کام دیتی ہے۔ بعض لوگ اعتراض کرینگے کہ سرشار نے ظرافت کو حد کے درجے تک پہونچا دیا ہے۔ یہ الزام بالکل سچا ہے لیکن سرشار کے اکثر نقادوں نے اس پر ضرورت سے زیادہ زور دیا ہے۔ ظرافت جب تک تہذیب و متانت کے دائرے سے باہر قدم نہ رکھے۔ ایسی غذا ہے جس سے کبھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

اُردو ناول نویسی کی عمارت ابھی کھڑی نہیں ہوئی۔ صرف بیرونی حصّہ کچھ کچھ تعمیر ہوا ہے اور اُس حصّے کے شرر و سرشار۔ بڑے رکن ہیں۔ تاہم اِن ارکین کی عظمت و نفاست سے توقع کیجاتی ہے کہ عمارت ضرور دلکش و شاندار ہوگی ✢

محمد سعید

شعلہ زن مجھ میں کسی کی نگہِ اوّل ہے — میرے پہلو میں بھڑکتی ہوئی اِک مشعل ہے
آگے پیچھے میں پھرا کرتا تھا جسکی کل تک — ہائے وہ آج نگاہوں سے میری اوجھل ہے
وصفِ ابرو جو کیا منجھ گئے الفاظ میرے — آبِ شمشیر تری میرے لئے صیقل ہے
اُڑ گئی جب میرے صحرا کے نکل جانیکی — مسکرا کر کہا کمبخت بڑا پاگل ہے
تم نہیں ہو تو مجھے خار ہے ایک ایک کلی — ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے
پھیلتا جاتا ہے کیوں حرص و ہوا میں دامن — یہ بھی کیا یار کی آنکھوں کا کوئی کاجل ہے
لڑکھڑاتا ہوا میں بزم میں آیا تو کہا — دیکھنا آج سواری یہ ہے یا پیدل ہے
عہد باندھا ہے محبت کا بڑی مدت میں — دیکھنا توڑ نہ لینا یہ بچری کونپل ہے
داغ کے بعد نہیں لطفِ غزل کا شاعر — یوں تو کامل ہے کوئی اور کوئی اکمل ہے

اُس آخری بیان سے ایک اور نتیجہ منترتب ہوتا ہے جو شرر کے مرتبہ کو بہت ارفع بنا دیتا ہے +

وہ یہ کہ سرشار اپنی جدت کی وجہ سے ممتنع الجواب ہے لہذا اُس کا کوئی اصلی و واقعی اثر اردو علم ادب پر نہیں پڑا - اکثر ناتجربہ کار مصنف اُسکی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں - لیکن افسانہ نویسی کی خار دار وادیوں اور خطرناک گھاٹیوں میں وہ بجائے خضر کے چھلاوہ کا کام دیتا ہے - اور راہنمائی کے بدلے انہیں راہ راست سے بہت دور لیجاتا ہے - برخلاف اس کے شرر نے نومشق مصنفوں کے لئے ایک نہایت قابل قدر و معتبر نمونہ پیش کیا ہے - اُس کی تقلید انہیں اگر کامیابی کی اعلےٰ ترین چوٹی پر نہیں پہونچائیگی تو کم از کم ناکامی کے گڑھے میں بھی نہیں گرائے گی +

ابتک ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ شرر و سرشار کے مابین کیا اہم اختلافات ہیں جو ایک کو دوسرے سے متمیز بناتے ہیں - لیکن ان اہم اختلافات کے علاوہ بعض جزوی اختلافات بھی ہیں جنہیں سب سے زیادہ قابل ذکر ظرافت ہے - سرشار کا افسانہ ظرافت کی کان ہے - شرر کے ناول ظرافت و مذاق کی چاشنی سے بالکل خالی ہیں - اور اس معاملے میں بھی سرشار کو ترجیح و توقیت کا پورا استحقاق ہے +

اصلی و سچی ظرافت مصنف کو تنگ ظرفی کے الزام سے بچاتی ہے - جو شخص ہنس نہیں سکتا اُس نے دنیا کو دیکھا نہیں یا اگر دیکھا ہے تو زاہد خشک مغز کی آنکھوں سے + دنیا کا قاعدہ ہے کہ ان صفات کو جو خدا کی طرف سے عطا کی گئی ہیں زیادہ مقبولیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے - اور ان صفات سے اعلےٰ و برتر تصور کرتی ہے جو اکتساب کی گئی ہوں شان عبودیت ایسی کی

یا ناول ہے تو شاید دنیا میں سرشار سے پہلے ان الفاظ کا مفہوم کسی
بشر کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

مندرجہ بالا سطور میں ہمنے شرر و سرشار کی تصانیف پر افسانہ نویسی کی
حیثیت سے ایک اجمال نظر ڈالی ہے۔ لیکن اُن کی رفعت پوری طرح ذہن نشین
کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُن کے اسلوب تحریر کو مطالعہ کیا جائے۔ اس
میں بھی سرشار کو ایک خاص قسم کی فوقیت اپنے حریف پر حاصل ہے۔ سرشار
کا اسلوب انوکھا ہے لیکن اس کا انوکھا پن بناوٹ کی وجہ سے نہیں۔ اسکی
پر مذاق طبیعت کا یہ رنگین طرز تحریر قدرتی جامہ ہے۔ سرشار کا ایک
ایک فقرہ شوخی سے معمور ہے۔ لفظ لفظ سے ظرافت ٹپکتی ہے۔ ترکیبوں
کی رنگینی سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سفید روشنی کی شعاعیں کسی سہ
پہلو شیشے میں سے گذر کر قوس قزح کی بہار دکھا رہی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی
اُس میں ایک عیب بھی موجود ہے وہ یہی کہ قوس قزح کے رنگوں کی
طرح اُس کا اسلوب غیر معین ہے۔ الفاظ کوئی خاص معنی نہیں رکھتے۔
انکی ندرت وجدت توجہ کو اصلی مفہوم سے مستغنی کر دیتی ہے۔ برخلاف اسکے
شرر کا اسلوب صاف اور سنجیدہ ہے۔ اُس کی ترکیبیں غور و فکر کا پتہ دیتی
ہیں۔ اُس کے الفاظ انتخاب کی شہادت دیتے ہیں۔ اور سرشار کے
اُسلوب کے برخلاف اُس کی طرز تحریر علاوہ افسانہ و ناول کے علمی مضامین
کے لئے بھی موزوں ثابت ہو سکتی ہے لیکن سرشار کا اسلوب اپنی
ایجاد ہے۔ شرر کی تحریر محنت کا نتیجہ ہے۔ سرشار کو نقل کرنا شفق و قوس
وقزح کے رنگ اڑانے کی کوشش کرنا ہے۔ لیکن شرر کے ناقلوں کی تعداد
روز افزوں ترقی پر ہے +

زبردست ہے گو ضرورت دلچسپی کا عذر ہماری نظروں میں ہرگز اُس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ ہے لیکن اگر دوسرے رخ پر نگاہ ڈالئے تو شرر کو سرشار پر ایک خاص قسم کی فوقیت حاصل ہے جسے کوئی علم ادب کا نقاد نظر انداز نہیں کر سکتا۔ علم ادب کو اکثر فن تعمیر سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح معمار ہر ایک اینٹ کو تراش کر موقعہ موقعہ سے بٹھاتا ہے اور نہ صرف اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ عمارت کا ایک ایک حصہ فرداً فرداً خوبصورت ہو بلکہ کل عمارت کو ایسے عمدہ اسلوب پر تمام کرتا ہے۔ کہ تیار شدہ عمارت بحیثیت مجموعی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے اسی طرح مصنف ایک ایک لفظ کو جانچتا اور تولتا ہے۔ اور اُسے ترکیب میں اس طرح بٹھاتا ہے کہ مرغوب طبع ہو۔ علاوہ بریں وہ اس امر میں بھی ساعی رہتا ہے۔ کہ جب اُس کی کتاب یا مضمون تکمیل کو پہونچے تو مکمل ہو کر پڑھنے والوں کو اُس میں کسی طرح کمی نہ معلوم ہو۔ بلکہ کسی پسندیدہ عمارت کی طرح وہ تمام وکمال از سرتا پا بھلی معلوم ہو اس فن کو علم تنقید کے بنانے والوں نے بہت ارفع مرتبہ دیا ہے۔ اور ہمیں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے بہت مسرت ہے کہ شرر نے بہت کچھ اس فن کا اکتساب کر لیا ہے ان کے پلاٹ بہت موزوں ہوتے ہیں۔ اور قصہ کو اس طرح اول سے لیکر آخر تک تمام کرتے ہیں کہ اُس میں کوئی نقص محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ ذوق سلیم کو پوری طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سرشار کے تصانیف میں اس فن کا وجود بالکل عنقا ہے۔ اگر فسانہ آزاد جیسی معجون مرکب ہی نام افسانہ

گئے ہیں اور ان کو مختلف الالوان بنانے کے لئے انہوں نے اپنے وسیع علم کو بدرجہ غائیت استعمال کیا ہے۔ لیکن اس اختلاف الوان سے کیا فائدہ جب کہ ہم رنگ میں خود حضرت شرر کی ذات والاصفات کو موجود پاکر یہ شعر زبان پر لاتے ہیں ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

شرر میں یہ بڑا عیب ہے کہ وہ اپنی قوت مشاہدہ کو استعمال نہیں کرتے اور اپنے قصوں کی ترتیب میں اپنی ذاتی آرائے و تعصبات کو بیجا دخل دیتے ہیں برخلاف اس کے سرشار نے اپنے کیریکٹرز کے پیچھے خود کو پورے طور پر چھپا لیا ہے بلکہ یوں چاہیئے کہ اپنی شخصیت کو بالکل محو کر دیا ہے۔

شرر کے سب قابل قدر ناول بلا استثناء تاریخی افسانے ہیں تاریخی افسانوں کے علاوہ جو ناول انکے قلم سے نکلے ہیں۔ وہ کسی طرح اُن کی شہرت میں کچھ اضافہ نہیں کرتے۔ دلچسپ تو خنجر غنیمت ہے لیکن دلکش میں سوائے اس کے کوئی خصوصیت نہیں کہ شائد کسی اصلی واقعہ کی بنا پر لکھا گیا ہے بدر النسا کی مصیبت اور بیوہ تلخ بد قسمتی سے شرر کی تصنیف ہیں اور شائد جس قدر نقصان ان کو ان دو قصوں کی تصنیف سے پہونچا ہے اُس کی تلافی ان کا مقبول سے مقبول ناول بھی نہیں کرسکتا تاریخی ناولوں پر اصولاً ہمیں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ انکے ذریعہ سے غلط خیالات عوام میں رائج ہو جاتے ہیں۔ اور لوگ خلاف واقعہ امور کو تاریخی واقعات تصور کرنے لگتے ہیں عوام کو گمراہ کرنے کا الزام اس قدر

ہے تو ہمیں سرشار کی فوقیت کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہیں
یہ نہیں کہتا کہ شرر اس سے بالکل محروم ہے یا سرشار کو اس علم کا کوئی غیر معمولی
حصہ ملا ہے - دونوں میں کچھ وسیع فرق نہیں - لیکن پھر بھی فرق ہے
اور اس فرق کی وجہ سے سرشار کا پلہ بھاری ہے +

اُس کی نگاہ گو بالعموم ظاہری نمائش و آرائش کی طرف رہتی ہے اور
عبارت آرائی اُس کا خاص شیوہ ہے - تاہم اُس کی ذہانت اُسے زبردستی
اس معراج پر پہونچا دیتی ہے جو کبھی شرر کو نصیب نہیں ہوا - اس کے اشخاص
فسانہ غیر معمولی آدمی ہیں اور ہمیں شبہ ہے کہ آزاد و خوجی جیسے آدمی دنیا
میں تلاش کئے سے بھی بمشکل ملیں گے تاہم وہ آدمی ہیں - انکی رفتار و
گفتار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکی رگوں میں انسانی خون دوڑ رہا ہے
انکے خیالات میں اگرچہ بہت عمق نہیں لیکن انسانیت کی بو ضرور آتی ہے
اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ سرشار کا ہر ایک کیریکٹر اپنی ذاتی
خصوصیات کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ نمایاں معلوم ہوتا ہے - برخلاف
اس کے شرر کے سب ہیرو ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں اُن کے
خیالات کی پرداز ایک ہے - ان کی رفتار و گفتار کا انداز ایک ہے -
اگر کوئی اختلاف ہے تو لباس کا منصور کے جسم پر افغانی لباس ہے - عزیز
کے جسم پر بربری زیاد کے جسم پر عربی لیکن انکی باہمی مشابہت اس قدر
زیادہ ہے کہ سب سگے بھائی معلوم ہوتے ہیں - بلکہ کسی کے بھائیوں
میں بھی اختلاف ہوتا ہے - یوں کہنا چاہیئے کہ وہ مختلف سوانگ ہیں جنکے
پردے میں ایک ہی ایکٹر اپنا ہنر دکھاتا ہے بعض لوگ اس بیان سے
چونکیں گے کیونکہ شرر کے ناول بظاہر ایک دوسرے سے بہت مختلف رنگ

کرتے ہوئے تو یہ امر بالکل ہی نظر انداز کر دینا چاہیے کہ ان دونوں میں قومیت کا کوئی فرق ہے۔ بلحاظ اپنی تصانیف کے دونوں مسلمان ہیں۔ کیونکہ دونوں نے اُس زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے جو مسلمان گھرانوں میں رایج ہے۔ سرشار نے فسانہ آزاد کے دیباچہ میں اس امر کا قطعی طور پر فیصلہ کر دیا ہے کہ صحت زبان کے بارے میں صرف مسلمان شرفا کا روزمرہ سند ہے اور جس کسی کو زبان سیکھنی منظور ہے۔ اسے انہی کی صحبت سے فیض اٹھانا چاہیئے علاوہ بریں سرشار نے نہ صرف اپنے خیالات کو اسلامی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ بلکہ خود ان خیالات کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھال لیا۔ مسٹر برج نرائن چکبست نے اپنے اُس جامع و بسیط مضمون میں جو رسالہ زمانہ میں شایع ہوا تھا اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ سرشار اہل ہنود کے طرز معاشرت۔ رفتار و گفتار رسم و رواج سے بالکل ناآشنا تھا۔ اگر ہمارے ناظرین کو یہ منظور ہے کہ وہ شرر و سرشار کی نسبت کوئی صحیح رائے قایم کر سکیں تو انہیں تعصب کو اپنے خیالات میں جاگزین نہ ہونے دینا چاہیئے۔ کیونکہ تعصب وہ شے ہے جو فہم کو مخالف کے محاسن کے احساس سے قاصر بنا دیتی ہے۔

ہماری رائے میں دو ایسے مصنفین کے کلام کا (جنکا طرز تحریر بالکل علیحدہ ہو) مقابلہ کسی محدود دائرے میں کرنا سراسر ناانصافی ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ مقابلہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی نیت سے ہو۔ ترجیح دینے میں کوئی عیب نہیں لیکن ترجیح اُسی عالمگیر علمی اصُول کو مد نظر رکھ کر دینی چاہیئے۔ جسے واضح کرنے کی ہمنے تمہید میں کوشش کی ہے۔ اگر ہم اس امر کو مان لیں کہ شہرت دوام کی کنجی فطرت انسانی کا علم

ساتھ شمولیت کا فخر دے سکیں حکیم محمد علی صاحب طبیب کے ناول ایک خاص طبقے میں ضرور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ یعنے اُس طبقے میں جو خاص انشا پردازی لفظی و معنوی رعایات تشبیہ و استعارات کا دلدادہ ہے۔ مگر شرر و سرشار کے فسانوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اُنکے پسند کرنے والے ہر فرقے و ہر طبقے میں موجود ہیں۔ اور اُن کی بھلک ہر کہ و مہ کے پسند خاطر ہے۔ بالخصوص موخرالذکر کے شہرہ آفاق افسانے نے تو نہ صرف ناول خوانی بلکہ ناول نویسی کی مشق کو بھی عام کر دیا ہے۔ اور ان سینکڑوں ناولوں میں سے جو ہر روز ناتجربہ کار ہاتھوں سے نکلتے ہیں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جسمیں فسانہ آزاد کی جھلک نہ دکھائی دیتی ہو +

گذشتہ ایام میں ان دونوں نام آوروں کے متعلق مضامین سے اکثر رسالوں کے صفحے سیاہ ہو چکے ہیں۔ لیکن ان سب مضمون نگاروں نے کبھی اس بات سے چشم پوشی نہیں کی کہ ایک ہندو ہے اور ایک مسلمان۔ اور اُنکے علمی اعتراضات کے پردے میں قومی تعصب کی آگ صاف بھڑکتی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم حکیم برہم صاحب کا ایک اعتراض پیش کرتے ہیں جو اُنھوں نے سرشار پر وارد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سرشار نے فسانہ آزاد میں کونسی انوکھی[لہ] بات پیدا کی ہے۔ مختلف حرفہ و پیشہ کے لوگوں کی زبان کو صرف بلاکم و کاست لکھ دیا ہے ہم حیران ہیں کہ یہ اعتراض ہے یا تعریف اور اگر اعتراض یہ ہے تو سوائے برہمیت کے اور کس دلیل پر مبنی ہے۔ علمی تحقیقات کے لیئے یہ لابدی ہے کہ آئینۂ دل کو تعصب کی کدورت سے بالکل صاف کر دیا جائے۔ اور بالخصوص شرر و سرشار پر محاکمہ

[لہ] - الفاظ ہمارے ہیں۔ لیکن انکے اعتراض کا مفہوم یہی ہے۔

وعجیب کتاب اَلف لیلیٰ کی ہے۔ حالانکہ اسمیں بعید از قیاس واقعات ہیں لیکن چونکہ اُس کی اکثر حکایات فطرت انسانی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور اُس حکمت سے مملو ہیں۔ جو انسانی خواص و خصائل کے مطالعہ و مشاہدہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کی دلچسپی ابتک برابر قایم ہے ہم پھر کہینگے کہ ناول نویس کا یہ فرض ہے کہ فطرت انسانی کا مطالعہ کرے۔ اس عجیب و غریب کل کے تمام پرزوں پر نگاہ ڈالے۔ اور اس امر کی کوشش کرے کہ اُس کے اشخاص فسانہ کی رفتار و گفتار سے پڑھنے والے کو اُس کل کی پیچیدہ ساخت کے سمجھنے میں کچھ مدد ملے۔ اگر اس امر کی کوشش کریگا تو یقین ہے کہ وہ کامیابی حاصل کرے گا جو اُس سے بہتر ادیبوں کو کبھی خواب میں بھی نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن اس کوشش میں کامیاب ہونا ہر شخص کا کام نہیں جب تک انسان کو قدرت سے وہ غایر نظر نہ ملی ہو۔ جو کسی شئے کی ظاہری صورت سے آگے بڑھکر اُس کے باطن تک سے آگاہ ہو جاتی ہے تب تک کبھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

اس تمہید سے یقین ہے کہ ہمارے ناظرین کے یہ امر ذہن نشین ہوگیا ہوگا۔ کہ مطالعہ فطرت انسانی ناول نویس کا اصلی مقصد ہونا چاہیئے۔ اور شروع میں ایک ایسا معیار قایم کر دینے سے شرر و سرشار کا موازنہ کرنے میں بہت کچھ آسانی ہو جائے گی +

اس میں تو کسی کو کلام کی گنجایش نہیں کہ اردو فسانہ نویسی کے آسمان پر جو آب و تاب ان دونوں ستاروں نے دکھائی ہے۔ اُس کے آگے اور چھوٹے موٹے ستاروں کی چمک ماند پڑگئی ہے۔ اسوقت ہمارے ذہن میں کوئی نام ایسا نہیں جسے قبولیت عامہ کے لحاظ سے ہم ان دونوں کے

اگر لوگ سیدھے اور صاف الفاظ کو بہترین اُسلوب خیال کرتے ہیں لیکن طلسم ہوشربا کی بے قدری محض رنگینیٔ عبارت کی وجہ سے نہیں۔ اس کی قدر کو اس امر نے کھو دیا کہ تعلیم یافتہ لوگ محض تخیل کے کرشموں میں دلچسپی لینے سے قاصر ہیں۔ ان کی نظروں میں صرف وہی عمارت جنچ سکتی ہے جسے تخیل کا معمار واقعات کی بنا پر کھڑا کرے۔ غیر تعلیم یافتہ دماغ کی مثال بالکل ایک بچے کی سی ہوتی ہے۔ جو جنوں اور پریوں کی داستانوں کو تیقن کے ساتھ سنتا ہے۔ اور ناممکن الوقوع باتوں کو اپنی سادگی یا سادہ لوحی کی وجہ سے سچا تصور کرکے انمیں وہ حظ پاتا ہے۔ جو ایام طفولیت سے باہر قدم رکھکے مدت العمر میں پھر کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے تعلیم یافتہ قصوں میں بھی ممکن وغیر ممکن کا سوال درمیان میں لاتا ہے۔ علاوہ بریں تعلیم یافتہ آدمی یا یوں کہیئے کہ وہ آدمی جس کے دماغی قویٰ کو پوری نشوونما کا موقعہ ملا ہو۔ صرف ان امور ہی میں دلچسپی لے سکتا ہے جو انسان و فطرت انسانی سے متعلق ہوں۔ محض فرضی معاملات میں دلچسپی لینا صرف انہی لوگوں تک محدود ہے جو زندگی کو بجائے ایک جائے امتحان کے بازیچۂ اطفال تصور کرتے ہیں۔ کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ انسان کے لئے بہترین مضمون مطالعہ خود انسان ہے۔ اور یہ ایسا قول ہے۔ جس کی صداقت کی دلیلیں دنیا کے ہر ایک ملک کے علم ادب کی تاریخ میں مل سکتی ہیں۔ بالخصوص ناول نویس کا یہ فرض ہے کہ اپنے قصے میں اس قول سے فائدہ اُٹھاکر تمام واقعات کو ایسے پیرائے میں لکھے جس سے اُس کی تکلیف ہر زمانے و ہر ملک کے لوگوں کے لئے دلچسپی کا سرمایہ بہم پہنچا سکے۔ اس عالمگیر اصول کو واضح کرنے کے لئے ہمیں بہترین مثال جو مل سکتی ہے۔ وہ اس عجیب

شرر و سرشار

اگرچہ شرر و سرشار ہماری طرف سے کسی تقریب کے محتاج نہیں لیکن ان دونوں مشاہیر کی تصویریں پیش کرتے ہوئے یہ بے موقع نہ ہوگا اگر ہم چند ریمارکس ان کی تصانیف کے محاسن و معائب کی نسبت اپنے ناظرین کی توجہ کے لئے پیش کریں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ جب لوگوں کے مذاق میں تبدیلی ہوئی۔ تو بوستان خیال و طلسم ہوشربا کی پرلطف داستانیں پھیکی معلوم ہونے لگیں۔ اور اس بات کی ضرورت مختلف اہل قلم کو محسوس ہوئی کہ اُن زبانوں کے لئے جو قصہ خوانی کی چاٹ پر لگی ہوئی تھیں۔ انگریزی مطبخ سے ایسی غذا لائی جائے جو ناگوار نہ گذرے سب سے پہلے اُردو ناول نویسی کے بنا ڈالنے والوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوئی کہ وہ کونسی بات ہے۔ جسے طلسم ہوشربا کی داستانوں کو موجودہ نسل کے لوگوں کی نگاہ میں مبغوض بنا رکھا ہے۔ اُن کے ناپسند ہونے کی وجہ یہ تو ہو نہیں سکتی کہ وہ دلچسپ نہیں۔ کیونکہ اگر انصاف کی رو سے دیکھا جائے تو خاص خاص مقامات کو چھوڑ کر جہاں رطب و یابس نے دلچسپی کو کم کر دیا ہے۔ طلسم ہوشربا کے اکثر مقامات اپنے رنگ میں انوکھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ تخیل کی ان میں کمی نہیں بلکہ شاید اگر تخیل کو واقعیت کا متضاد و تصور کیا جائے۔ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طلسم ہوشربا کے مصنف یا مصنفین کا تخیل کسی نئے رنگ کے فسانہ نویس کو حاصل نہیں ہوا۔ زبان بھی چنداں بری نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنی طرز میں لاجواب ہے۔ ہم نے مانا کہ آج کل یہ رنگ مفقود ہے

ہم سید صاحب کو اس کتاب کے شائع کرنے پر مبارکباد دیتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ انتخاب مراثی بھی جلد شایع فرما کر شایقین کو ممنون کریں گے +

سوانح عمری مولینا روم حال ہی شمس العلما مولینا مولوی محمد شبلی صاحب نے نامی پریس کانپور سے شایع کی ہے اس کتاب میں مولانا روم کے زہد و تقوے ۔ ریاضت خلق و انکسار ۔ علم و فضل تصوف کی ان باتوں کے جو زمانۂ حال کی دریافت سمجھی جاتی ہیں ماہر ہونے اور مطالب قرآن و حدیث پر عبور رکھنے کا اچھا ثبوت ۔ واقعات ۔ رایوں ۔ دلائل اور خود مولانا کی تصانیف سے دیا گیا ہے ۔ چنانچہ مولینا شبلی لکھتے ہیں کہ مولانا شیخوالی سے دور تھے ۔ دس دس بیس بیس دن تک لگاتار روزہ رکھتے تھے ۔ شاہانہ تحایف سے انکار کر دیتے تھے ۔ گالیاں کھا کر بھی رنجیدہ نہیں ہوتے تھے ۔ جو کچھ پاس ہوتا سائل کو دیدیتے تھے ۔ نہ کسی کو دُکھ دیتے اور نہ کسی کی تکلیف کو دیکھ سکتے تھے ۔ جب آپکی زوجہ نے لونڈی کو سزا دی تو آپ نے زوجہ کو چشم نمائی کی ۔ جب ایک شخص نے کہا کہ شیخ صدرالدین کو تو اس قدر وافر تنخواہ ملتی ہے مگر آپکو صرف ۱۵ دینار ۔ تو فرمانے لگے کہ یہ پندرہ دینار بھی شیخ صاحب ہی کو ملنے چاہئیں ۔ مولانا نے اپنی مثنوی میں مسائل تجاذب اجسام ۔ تجاذب ذرات ۔ تجدد امثال اور ارتقاء کا بھی ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ مولانا کی رائے یورپ کے موجودہ علماء کی رائے سے ملتی تھی ۔ معجزہ کی نسبت آپکی رائے یہ تھی کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے وحدت الوجود کی بابت آپکا یہ خیال تھا کہ خدا کائنات میں شامل ہے ۔ اور کائنات اُس کا مظہر ہے ۔ مقام سلوک وفنا ۔ روح اور دینی مسائل پر بھی مولانا نے جابجا رائے قایم کی ہے ۔ مولانا نے اپنی مثنوی شیخ عطار کی مثنوی منطق الطیر کی تقلید میں لکھی تھی ۔ غزل گوئی میں آپ عراقی اور سنائی کے ہم پایہ تھے ۔ اس صنف میں آپ نے توحید کو داخل کر کے مجاز کے اوپر حقیقت کا پہلو غالب کر دیا ۔ فارسی زبان کی چار مشہور کتابوں شاہنامہ گلستان ۔ دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم میں سے صرف مثنوی ہی سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے ۔ جس کا خاص سبب یہ ہے کہ اُس میں تصوف و طریقت کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے ۔ مولوی شبلی نے ذیل کی باتوں پر واقعات اور دلائل سے خوب روشنی ڈالی ہے +

۱ ۔ مولانا روم کی شمس تبریز سے ملاقات ۔ اور مولانا کا شمس تبریز سے تصوف میں فیض حاصل کرنا ۔

۲ ۔ جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے وہ مولانا ہی کی طبع کا نتیجہ ہے ۔

۳ ۔ مثنوی کا چھٹا دفتر خود مولانا نے تصنیف کیا تھا ۔

کتاب بہت اچھی ہے ۔ اور تحقیقات کے اصول کو مد نظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہے جو لوگ تصوف کا شوق رکھتے ہیں ان کو اس سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیئے ۔ علاوہ مطلا و رنگین سرورق کے حجم ۲۰۰ صفحہ ۔ بڑی تقطیع ۔ کاغذ لکھائی ۔ چھپائی سب اعلے درجہ کی کیوں نہ ہو ۔ منشی رحمت اللہ رعد کے نامی پریس کانپور سے شایع ہوئی ہے ۔
قسم اول ـــ دوم ـــ سوم ۱۰ اور چہارم +

اور جو کچھ وہ اس زمین میں کہہ گئے وہ ہماری زباندانی کی ترقی کے لئے ایک مستقل سرمایہ ہے۔

مرثیہ کے ساتھ رفتہ رفتہ سلام اور رباعی ضروری جزو بن گئے مجالس عزا میں آج تک یہ رواج ہے کہ پہلے ایک آدھ رباعی پڑھی جاتی ہے جو عموماً نصیحت آمیز یا اخلاقی مطالب سے پر ہوتی ہے - اور اس کے بعد سلام جو ایک قسم کی غزل ہے جس میں تعشق کے مضامین کی بجائے مذہبی - اخلاقی اور روحانی اشارات ہوتے ہیں - یا مصائب اہل بیت کی تاریخ بہ صورت اجمال درج ہوتی ہے جو مرثئے میں بہ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب اصناف سخن اپنی اپنی جگہ قیمتی ہیں مگر ان میں رباعیات اس اعتبار سے نہائیت قابل قدر ہیں - کہ چار مختصر مصرعوں میں بسا اوقات ان صاحب کمالوں نے وہ مضمون ادا کئے ہیں - جو معمولی طور پر ایک مستقل نظم میں ادا کئے جا سکیں - یا جنہیں نثر نگار کسی کتاب کے ایک علیحدہ باب یا فصل میں لکھیں - یوں گرانبہا نصائح منظوم کا جو ذخیرہ اردو میں موجود ہے - اس میں انیس کی سی رباعیاں اور کہیں شاید ہی ملیں - اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ سید محمد حسن صاحب بلگرامی سوڈ یٹر ریلوے معدنیات سرکار آصفیہ نظام نے اردو خوان جماعت پر احسان کیا ہے کہ رباعیات انیس کا انتخاب شائع کرنے میں یہ اہتمام کیا ہے - کہ کتاب کی ظاہری صورت ایسی ہی دلکش ہو جیسے اس کے مضامین دلنشین ہیں - سرورق کے بعد ایک نہائیت عمدہ تصویر میر انیس مرحوم کی درج ہے جو کتاب کی دلچسپی بڑھاتی ہے -

سید محمد حسن صاحب دیباچہ میں لکھتے ہیں - کہ انھوں نے ایک سو پینتالیس رباعیات عام مذاق کے لحاظ سے انتخاب کر کے اس مجموعے میں شائع کی ہیں۔ جتنی مل گئیں غنیمت ہیں - لیکن ان کو پڑھنے کے بعد جی چاہتا ہے کہ کچھ اور ہوتیں -

رباعیاتِ انیس

معلوم ہوتا ہے کہ اب اُردو علم ادب کی ترقی کا دور شروع ہونے کو ہے کہ اس کی عمدہ کتابیں کمال خوبی سے چھپ کر دلپسند پیرصورت میں ہدیۂ شائقین ہونے لگی ہیں۔ اس کتاب میں جو کچھ عرصہ ہوا شایع ہوئی ہے تین ایسی خوبیاں ہیں۔ جو بہت کم کتابوں میں یکجا ہوتی ہیں۔ اول کلام ایسے نامور سخنور کا جس سے بڑھ کر اس کے صیغے میں کوئی نہیں ہوا۔ دوسرے انتخاب ایک ایسے بزرگ کا جس کا ذوق سلیم حسن انتخاب سے ظاہر ہے تیسرے چھپائی ایک ایسے مطبع کی جو اس وقت اردو فارسی کی چھپائی میں ملک بھر میں لاجواب ہے × ہنرمند کاتب نے خوش قلمی کی داد دی ہے۔ اور مطبع نے خوبصورت جلد سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ اب اس قسم کی مفید کوششوں کی حوصلہ افزائی اہل ملک کا کام ہے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنا فرض خوشی سے ادا کرینگے۔

میر انیس مرحوم اس جہان سے اُٹھ گئے۔ مگر ان کا نام زندہ ہے۔ اور جب تک اردو علم ادب زندہ ہے۔ اور اردو دنیا میں بولی اور سمجھی جائیگی۔ مرثیہ کو ہندوستان میں میر انیس مرحوم اور ان کے معاصرین کے زمانے میں وہ عروج حاصل ہوا۔ جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ اور گو اردو سے پہلے فارسی زبان میں بعض بہت دردانگیز اور پرتاثیر مرثئے موجود تھے۔ اور اردو شاعری عموماً بہت کچھ فارسی شاعری کی تقلید کرتی رہی۔ اور فارسی کے بل پر بڑھی۔ پھر بھی مرثئے کا جو اندازہ باکمالان لکھنو نے نکالا۔ وہ انہی کا حصہ تھا

× مطبع نامی کانپور میں منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے اہتمام سے چھپی ہے بلاقیمت مؤلف سے مل سکتی ہے

چلانے لگی۔ وہ مشکل سے بول چکی ہوگی کہ اس کے پیر زمین میں نصب ہوگئے
اُس کا خوبصورت لچکدار جسم ایک درخت کے تنے کی صورت ٹھوس اور سخت
ہوگیا اُس کے خوشنما بال ہوا میں اُڑکر اور لہرا کر پتّوں اور شاخوں کی شکل بنگئے!!
دریا کے دیوتا نے اُسے لارل× کے درخت میں مسخ کر دیا! تب اپالو نے
اُس کے پتّوں کا تاج اپنے سر پر رکھا اور عہد کیا کہ میں ہمیشہ اس درخت کو
متبرک مانوں گا۔ علاوہ ازیں اُس نے دعا کی کہ اس درخت کی پتیاں میرے
ناشاد عشق کی یادگار میں ہمیشہ سرسبز رہیں۔

(ترجمہ از انگریزی) **شیدا** (از کیمبرج)


Laurel

× یہ درخت شمالی افریقہ اور جنوب یورپ میں پہلے ہوا کرتا تھا
مگر عرصہ سے انگلستان میں بھی اچھے باغوں میں لگایا جاتا ہے
اس کی پتیاں ہمیشہ سبز رہتی ہیں اور ان میں تیز میٹھی خوشبو ہوتی ہے
اس کا پھل ارغوانی رنگ کا ہوتا ہے اور مدت سے پتیاں
اور پھل دونوں دواؤں میں استعمال کئے جاتے ہیں جو بہت
مفرح اور ہاضم ہوتے ہیں۔ پُرانے زمانے میں بہت بڑے
بڑے بہادر عالموں وغیرہ کو اس کا تاج پہنایا جاتا تھا اور
اب بھی اس سے نیک نامی اور شہرت مفہوم ہوتا ہے جیمس اوّل کے عہد سلطنت میں
جو سونے کا سکہ سنہ ۱۶۱۹ء میں مسکوک ہوا تھا اس کو بھی لارل کہتے تھے کیونکہ اس بادشاہ
کو لارل کا تاج پہنایا گیا تھا۔

یہ ہندوستان میں بھی میں نے دیکھا ہے مگر افسوس کہ اردو نام مجھے یاد نہیں رہا غالباً
کوئی صاحب اس کی تصویر اور کیفیت ملاحظہ فرما کر اس کا نام بتا سکیں گے۔ (شیدا)

اپنی ممنونیت کے اظہار میں اس کے نام سے ایک مندر بنا دیا۔

گو اپالو تمام دیوتاؤں سے زیادہ ہنس مکھ اور روشن دماغ تھا مگر قسمت ہمیشہ اس پر خندان نہ رہی۔ پتھیاں کے مارنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ کیوپڈ نامی عشق کے دیوتا پر جو اپنے تیر انسانوں کے دلوں میں چبھوتا پھرتا تھا ہنسا اور بطور تمسخر اس سے کہا کہ ایسے ہتھیار دل ستانی سے افعی کُش کے لئے زیادہ موزوں ہیں"۔ کیوپڈ کو یہ مذاق برا معلوم ہوا اور اس نے بہت غضبناک ہوکر کہا کہ اے افعی کش کیوپڈ کا تیر تیرے دل میں بھی شگاف کریگا" یہ کہکر وہ کوہ پرناسس کی چوٹی پر بھاگ گیا اور اپنے ترکش میں سے دو تیر نکالے ایک سونے کا تھا جو عشق پھونکتا تھا اور دوسرا سیسہ کا جو نفرت پھونکتا تھا۔ سیسہ کا تیر تو ایک حسینہ جمیلہ عورت ڈیفنی نامی کے سینہ میں چبھو دیا اور سونے کے تیر سے اپالو کا دل گھائل کیا۔

قصہ مختصر۔ ایک دن اپالو سایہ میں لیٹا آرام کر رہا تھا کہ یہ عورت پاس سے نکلی وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا اور پیچھے ہو لیا۔

اگر سیسہ کے تیر کا اثر نہ ہوتا تو شاید وہ اس کی نیلی آنکھوں کو دیکھ کر اسپر عاشق ہو جاتی مگر اب تو نفرت نے اس کے پیروں میں پر لگا دیئے اور وہ ہوا سے بھی زیادہ تیز بھاگنے لگی۔ اپالو بھی اس کے پیچھے اوتنا ہی تیز بھاگتا تھا اور اس کو ہر پیارے نام سے پکارتا اور خوشامد کرکے ٹھہرنے کے لئے کہتا جاتا تھا۔ ڈیفنی کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا اوسے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے آلیا ہے اور چند لمحوں ہی میں اس کے مضبوط فتحمندانہ بازو جو شوق میں پیچھے پھیلے ہوئے تھے اُسے پکڑ لیں گے وہ مایوسی سے ہانپ رہی تھی اور بھرائی ہوئی آواز میں" باپ پینس مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ" کہہ کر

تازگی سے چمکتا تھا۔ تھیمس سے کہنے لگا کہ مجھے ایک ستار[1] اور کمان دو۔ سنہری ستار سے میں دل بہلاؤنگا اور جھکی ہوئی کمان سے جی خوش کرونگا اور الہام کے ذریعہ سے میں آیندہ کا حال بتاؤنگا۔ کوہِ اولیمپیس پر دیوتاؤں نے اس کا نہایت خوشی خیر مقدم کیا اور سورج کی شاندار گاڑی اُس کی سواری کے لئے دی۔

یونانیوں نے خیال کیا کہ سورج ایک سنہری گاڑی ہے جو روز آسمان پر مشرق سے مغرب کو ہنکائی جاتی ہے اور چونکہ اپالو اس کا ہنکانے والا تھا اس لئے اس کو سورج کا دیوتا کہنے لگے۔ اور انہوں نے اوسے موسیقی کا بھی دیوتا مانا کیونکہ سورج جب جنگل میں اپنی سنہری کرنیں ڈالتا ہے پرند اپنی سریلی اور رنگ برنگ کی آوازوں سے اوسے گونجا دیتے ہیں اپالو کو دواؤں کا بھی دیوتا قرار دیا کیونکہ پرانے زمانے کے یونانی طبیب جانتے تھے کہ سورج کی روشنی اور سنہری کرنیں کتنی بیماریوں کو رفع کرتی ہیں وہ پیشین گوئی کا بھی دیوتا تھا کیونکہ یہ اُس نے تھیمس سے کہدیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ زمانہ کیا گل کھلانے والا ہے۔ بایں ہمہ یونانی خاص طور پر اوسے سورج کا دیوتا خیال کرنا پسند کرتے تھے جو اپنے سنہری خوشنما گھوڑے موسم گرما کے نیلے بادلوں میں دوڑاتا پھرتا تھا یا اپنے سنہرے ستار پر رسیلے راگ گاتا ہوا جنگلوں میں گھومتا پھرتا تھا۔

ایک دن اس نے ایک بہت بڑا سانپ مارا جس کا نام پیتھن[ل] تھا اور جو آس پاس کے ممالک میں بہت خوفناک تھا۔ وہاں کے باشندوں نے

[1] لائر - کے لئے اردو لفظ مجھے ستار سے بہتر نہیں ملا اس میں سات تار ہوتے تھے اور ساخت میں ستار سے بہت کچھ ملتا ہوا ہوتا تھا۔ (مترجم)

قدیم یونانی توہمات اور اُن کی دلچسپ کہانیاں

(۱)

اپالو - سُورج کا دیوتا

اپالو سورج کا دیوتا اور دائنا چاند کی دیوی - بھائی بہن جڑے ہوئے پیدا ہوئے - انکی کم سنی ہی میں اُن کی جوان ماں پر مصیبت آئی یعنی زیوس کی (جو دیوتاؤں کا باپ خیال کیا جاتا تھا) بیوی ہیرا نے اُسے بہت ظالمانہ طور پر ستایا وہ بیچاری جگہ جگہ بچّوں کو لئے ہوئے بھاگتی پھری آخرکار ایک خضر سیرت تھیمس نامی نے اوسپر ترس کھایا اور اُس سے کہا کہ اپالو کو میری نگرانی میں چھوڑ دے - مرتا کیا نکرتا وہ بیچاری راضی ہوگئی - تھیمس نے بچّے کو بندوں دار کپڑے پہنائے اور یہ سمجھ کر کہ یہ روز بروز گورا اور مضبوط ہوتا جائیگا اس کو وہ لطیف اور مقوی کھانے دیدئے جو یونانی دیوتاؤں کی غذا سمجھی جاتی تھی لیکن جونہی یہ بہشتی کھانا اُس کے ہونٹوں سے لگا اپالو فوراً تمام بند وغیرہ توڑ کر کھڑا ہوگیا اور تھیمس کی حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے بچّے سے لڑکا اور لڑکے سے ایک نہایت شکیل اور جمیل جوان بن گیا - اُسکی آنکھیں گہری نیلی تھیں اُس کے بال لانبے اور سنہرے اور اُس کا چہرہ تندرستی اور

دروازہ کے آگے دو مندر ہیں جو غدر سے پہلے ایسے اراستہ نہ تھے جیسے اب ہیں۔ اُن کی آرائش کے اسباب کی روز بروز افزائش ہوتی ہے ایک جینیوں کا دوسرا دسہریوں کا مندر ہے۔ مادھو داس کی باغیچی کا مندر پہلے کی نسبت بہت اچھی حالت میں ہے۔ دو ایک مندر نئے بھی بن گئے ہیں بعض پرانے مندر ڈھہ گئے ہیں۔ غدر کے بعد شہر میں چھوٹے چھوٹے بہت سے مندر بنے ہیں مگر کوئی بڑا مندر نہیں ہے۔ لیکن نیل گڑھ میں ایک دھرم سالہ لاکھ روپیہ میں رلے امراؤ سنگھ نے بنوایا ہے جس میں سدا برت اُس لاکھ روپے کی آمدنی سے تقسیم ہوتا ہے جو اس کے والد ماجد رلے چھنا مل نے وقف کیا تھا۔ جہاں مندر ہیں وہاں بندر بھی بہت رہتے ہیں کھانے کو خوب ملتا ہے

مسجدوں اور مندروں کی دروشا

میں نے جو اوپر لکھا ہے کہ مندروں کی دروشا ہوی اور زینت المساجد سیاہ کا باورچی خانہ اور جامع مسجد لشکر کی فرودگاہ چند روزہ بنی۔ فتحپوری کی مسجد کی جائداد وقف نیلام ہوئی اور کوتوالی کے چبوترہ کی مسجد ایک ٹھاکر دوارے میں شامل ہوئی اور بعض اور مساجد نیچے کی دکانیں نیلام ہوئیں تو اُس کا سبب یہ ہے کہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جب کوئی زوردار فاتح کسی شہر کو فتح کرتا ہے تو اُس کو یہ ضرورت آنکر پڑتی ہے کہ وہ اپنی صولت وسطوت وشوکت وجاہ جلال دکھانے کے لئے اور مفتوحین کے دلوں میں اپنی ہیبت ودہشت جمانے کے واسطے ان چیزوں کی تذلیل وتحقیر کرتے ہیں جسکو مفتوحین مقدس ومتبرک سمجھتے ہیں۔ اس لئے دہلی میں مساجد ومندروں کی تذلیل وتحقیر ہونی لازمی تھی۔

ذکا اللہ

عیسائیوں کے معابد

شہر میں غدر سے پہلے کشمیری دروازہ کے پاس صرف ایک سینٹ جیمز چرچ تھا جو ۱۸۲۶ء میں نوے ہزار روپیہ میں تعمیر ہوا تھا غدر میں باغیوں نے اس کو بہت شکستہ کر دیا تھا اور اس کا سارا اسباب لوٹ لیا تھا۔ اس کے برج پر جو چمکدار مدور کلس صلیب دار لگا ہوا تھا اس کو گولیوں کا نشانہ بنایا جب انگریزی عملداری آئی تو یہ کلس اُتار کر گرجا کے صحن میں رکھدیا اور اس کی جگہ برج پر ایک نیا کلس صلیب لگا کے لگا دیا اور بالکل اس کی مرمت کر دی۔ اب غدر کے بعد یہ تین نئے گرجا بنے ہیں سینٹ سٹیفن چرچ کیمبرج مشن کا ملکہ کے باغ کے سامنے دوسرا بیپٹسٹ چیپل بیگم کے باغ کے قریب تیسرا رومن کیتھلک چرچ مورسرائے کے مشرق میں سوا انکے دریا گنج میں بیپٹسٹ مشن نے ایک ہال بنایا ہے جس میں ہندوستانی عیسائی نماز پڑھتے ہیں مگر ابتک عیسائی اس کو گرجا نہیں کہتے لیکن عوام میں اس ہال کا نام گرجا مشہور ہے۔ اس میں ایک دوائی خانہ بھی ہے۔

ہندوؤں کے مندر

ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے دہلی کو فتح کیا تو انگریزی سپاہ نے کل مندروں کے اسباب اور مورتوں کو لوٹ لیا وہ سب ہندوؤں کے دہرم کے بھرشٹ ہو گئے انکو پیچھے ہندوؤں نے پوتر کیا۔ شہر میں جینیوں کے دوسرے مندر تھے انکی عمارتیں تو بدستور جاتی رہیں لیکن ٹھاکر ان کے اپنی جگہ پر نہ ٹھیر سکے۔ سراگیوں نے انکو پھر ستھاپن کیا۔ قلعہ کے لاہوری

نہیں پڑھتے تھے کہ وہ حرام کے پیسے سے بنی تھی - غدر کے بعد سرکار نے اس کو ضبط کر لیا اور مدرسہ کو پولس کی چوکی میں جو اس کے پاس تھی ملا دیا - مگر پھر انجمن مؤید الاسلام نے کوشش کرکے مسجد کو ضبطی سے نکالا اور اس کی مرمت بہت اچھی طرح کر دی اب وہ آباد رہتی ہے اس کی دوکانوں کی آمدنی بھی اچھی ہے -

مسجدوں کا مسمار ہونا اور انکا معاوضہ ملنا

میں نے بڑی مسجد نیل اکبر آبادی مسجد و اورنگ آبادی مسجد اور مولوی محمد حیات کے مسجدوں کے مسمار ہونے کا ذکر کیا ہے ان کے سوا اور قلعہ کے آگے میدان بنانے اور ریل کی سڑکوں کی تعمیر میں پندرہ بیس چھوٹی چھوٹی مسجدیں مسمار ہوئیں سرکار نے جو مکانات مسمار کیے تھے ان کے مالکوں کو جنہوں نے بدخواہی نہیں کی تھی باغیوں کے مکانات کی قیمت سے جو نیلام ہوئے تھے معاوضہ دیا تھا اس بنا پر مسلمانوں نے کہ جب ان کے گھروں کا معاوضہ ملتا ہے تو خدا کے گھروں کا معاوضہ کیوں نہ ملے سرکار سے ان مساجد مسمار شدہ کا معاوضہ مانگا اور عرض کیا کہ اس زر معاوضہ سے ہم اور مساجد جہاں ان کی ضرورت ہوگی بناوینگے - لیکن سرکار نے مساجد کا معاوضہ ان کو خانہ خدا سمجھ کر ان کے گھروں کے معاوضہ کی طرح نہیں دیا +

میں نے خاص شہر شاہجہان آباد کی مسجدوں کا ذکر کیا ہے قلعہ اور بیرون شہر کے مساجد کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا -

اور اب بھی بہت آباد رہتی ہے - مدرسہ میں اس کے طلبہ عربی پڑھتے ہیں اس مسجد کے ایک واعظ کی مسلمانوں نے کچھ مذمت کر دی تھی جس کے سبب سے اس نے ضد میں آ کر اپنی ایک جدا اس مسجد کے سامنے گڑھے میں دس بارہ ہزار روپیہ چندہ سے جمع کر کے تعمیر کرائی ہے غدر کے بعد کوئی اس سے بڑی مسجد نہیں تعمیر ہوئی اس میں مدرسہ طلباء ہے جس میں عربی طلباء پڑھتے ہیں - مسجد جامع کے نیچے ان دو مسجدوں کا ہونا مسلمانوں کے نفاق اور بغض ان کے مولویوں کی خود مطلبی و خود پرستی کو بتلاتا ہے کہ اپنی مسجد جامع میں متفق ہوکر نماز تک پڑھنی نہیں پسند کرتے جدا جدا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانی چاہتے ہیں

شاہجہان آباد کی باقی اور مساجد

دریبہ کے بازار میں نواب شرف الدولہ نے محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۳ء ایک مسجد تعمیر کرائی تھی - اس کا بیچ کا برج بالکل گر گیا تھا وہ پھر بنوایا گیا ہے - ایک اور مسجد فیض بازار میں قاضی واڑہ دھول کی منڈی میں ہے جس کو محمد شاہ کے عہد میں نواب روشن الدولہ ظفر خان نے بنوایا تھا - پہلے اس مسجد کے تینوں برج سنہری تھے جو اکھڑوا کر کوتوالی چبوترہ کے پاس کی سنہری مسجد میں لگے ہیں - یہ مسجد ویران رہتی ہے - بہت جگہ سے شکستہ و خراب ہو گئی تھی اس کی مرمت بخشی انعام اللہ خان کی بی بی نے آپ کرائی ہے اور شہر میں صرف ایک بڑی مسجد نواب حامد علی خان کی شیعوں کی اور ایک چھوٹی مسجد پنجہ میں ہے ایک اور مسجد بالکل سنگ سرخ کی بہت خوبصورت بنی ہوئی قاضی کے حوض کے پاس سرکی والوں میں ہے جس کو جرنیل اختر لونی ریزیڈنٹ دہلی کی مسلمان بیوی مبارک النساء نے بنوایا تھا اور اس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تھا مگر غدر سے پہلے مسلمان اس میں نماز

جنید نے اس کو گرو دروازہ میں ملا کر اس کو فراخ کیا - برٹش گورنمنٹ کی تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے کہ مسلمانوں کی مسجد ہندوؤں کو مندر میں ملانے کے لئے دی گئی زمانہ انتقام میں مسلمانوں نے بھی بہت سے مندروں کو ڈھا کر مسجدیں بنائی تھیں اب انکی مسجد گرکر مندر میں ملائی گئی

فخر المساجد

کشمیری دروازہ کے پاس گرجا کے مقابل یہ چھوٹی سی مسجد بہت خوبصورت بنی ہوئی ہے اس کو فخر النسا بیگم زوجہ شجاعت خاں نے ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸ء میں تعمیر کرایا تھا - حوض و فوارہ اس کا تو غدر سے پہلے ہی ٹوٹ گیا تھا اب وہ بہت جگہ سے شکستہ ہوگئی تھی اس کی انجمن مؤید الاسلام نے مرمت کرائی ہے -

حسین بخش کی مسجد

غدر سے پہلے وہابیوں کا زور دہلی میں ایسا ہوا کہ انھوں نے مسجد جامع میں نماز پڑھنے کو ناجائز جانا - وہابیوں میں حسین بخش بڑا دولت مند تھا اور دین کے کاموں میں اپنی دولت کے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا - اس نے مسجد جامع کے نیچے وہابیوں کے لئے جدا مسجد بنوائی اور اس کے ساتھ مدرسہ بنوایا - اس مسجد کا نام وہاب گڑھ مشہور ہوا - ایک قدیمی پاگل خانہ کی حویلی ڈھائی گئی تھی اسکا مسالہ خرید کرکے اس مسجد میں لگایا تھا لوگ کہتے ہیں کہ اس کا اثر اس کے دماغ پر تھا جو بے ضرورت یہ مسجد بنوائی - گو یہ مسجد خاصی ہے مگر مسجد جامع کے ہمسایہ میں وہ وقعت نہیں رکھتی - وہ غدر سے پہلے

معلوم ہوتا ہے ۔ یہ مسجد ویران پڑی رہتی ہے ۔ اذان نماز نہیں ہوتی
ایک اور سنہری مسجد کوتوالی کے پاس ہے اُس کا ذکر ہم کوتوالی کے بیان
میں لکھینگے ۔

مولوی محمد حیات کی مسجد

اُردو بازار میں قلعہ کے لاہوری دروازہ کے پاس ایک بڑی وسیع مسجد
تھی گو عمارت کے اعتبار سے کوئی اس میں ندرت نہ تھی مگر اس میں
بہت طلباء علوم معقول و منقول پڑھتے تھے اس مسجد کے تعلیم یافتہ بڑے
بڑے عالم متبحر مولوی رحمت اللہ اور مولوی عبدالرحمن نابینا تھے یہ عالم نابینا
سارے علوم پڑھاتا تھا تحریر اقلیدس کی شکلوں کو اپنی انگلیوں پر شکلیں
بنا کے سمجھاتا تھا ۔ قلعہ کے آگے میدان ہونے میں یہ مسجد بھی بالکل بے نام
نشان ہو گئی مگر اس کے اندر رہنے والوں کا نام مولوی محمد حیات و مولوی
رحمت اللہ و مولوی عبدالرحمن کا مدتوں تک یاد رہے گا ۔

کوتوالی چبوترہ کی چھوٹی سی مسجد

یہ مسجد بہت چھوٹی سی ایک دالان اور تنگ صحن کے گردنیع بہادر کے
گردوارہ سے پیوستہ بنی ہوئی تھی ۔ جب انگریزوں نے دہلی فتح کی تو سکھوں
نے اس کو ڈھا کر اپنی پیشاب گاہ بنالیا ۔ مسلمان شہر بدر کئے گئے تھے
انکو اس کی خبر نہ ہوئی ۔ گورمنٹ نے یہ مسجد مہاراجہ جیند کو گمٹ سمجھ کر
بنظر خیر خواہی دیدی تو مسلمانوں نے دیوانی عدالت میں اپنا استغاثہ
دائر کیا اور ڈگری پائی مگر گورمنٹ نے اس ڈگری کو منسوخ کر دیا اور مہاراجہ

ہے اس لیئے اس میں مدتوں تک نماز نہیں ہوئی - مسجد اندر سے بہت مضبوط بنی ہوئی ہے ان کی چھتوں پر چھوٹے چھوٹے لداؤ کے برج بنے ہوئے ہیں جنکے سیاہ ہونے کے سبب سے اس کا نام کالی مسجد بجائے کلاں مسجد کے مشہور ہوگیا ہے یہ مسجد بھی دیکھنے کے قابل تھی اب عجیب طرح کی بھدی و مستحکم بنی ہوئی ہے اس میں مینار نہیں ہیں - اس مسجد میں سے غدر ۱۸۵۷ء میں اس کے بانی ...... اور بانی کے باپ کی قبریں مٹ مٹا گئیں - یہ مسجد اور مسجد بیگم پور اور گھر کی مسجد پٹھانی عمارتیں کہلاتی ہیں جو مضبوط بہت ہیں مگر بھدی و بدشکل ہیں -

سنہری مسجد جاوید خاں

قلعہ کے دلی دروازے کے پاس سنہری مسجد ہے جس کو ۱۱۶۵ھ ہجری مطابق ۱۷۵۱ء جاوید خان خواجہ سرائے نواب قدسیہ بیگم والدہ احمد شاہ نے تعمیر کرایا تھا اس کو سنہری مسجد اس سبب سے کہتے تھے کہ اس کے تینوں برجوں پر تانبے کے پترے سونے سے ملمع کیئے ہوے لگے تھے - یہ ملمع جابجا سے اکھڑ پکھڑ گیا تھا اس لیئے ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں بہادر شاہ بادشاہ دہلی نے ان پتروں کو اتروا کر تینوں برج سنگ باسی کے بنوادے - مسجد ساری سنگ باسی کی بنی ہوئی تھی - جب غدر کے بعد قلعہ کے آگے میدان کیا گیا تو اس میں اس کا حوض اور بعض اور مکانات گرد کے مسمار ہوگئے دروازہ و دالان و مینار باقی رہے جنپر سنہری کلسیاں اب تک جگمگا رہی ہیں یہ مسجد بہت خوبصورت ہے ورنگل علاقہ نظام میں ایک مسجد اس کی نقل بنائی گئی ہے مگر اس کے آگے صحن ایسا وسیع رکھا ہے کہ وہ ناموزون

آتا ہے اس کو نماز پڑھا دیتا ہے ورنہ دروازہ بند رہتا ہے غرض یہ خوشنما والا شان مسجد فقط سیر کے لئے رہ گئی ہے عبادت الٰہی کے لئے نہیں رہی - شہر میں یہ چار مسجدیں ایسی بڑی تھیں کہ ہندوستان کے کسی اور شہر میں نہیں تھیں ان کے سوا اور مساجد جو غدر کے سبب سے یا کسی اور وجہ سے قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں -

اورنگ آبادی مسجد

ان چار مسجدوں کے بعد اورنگ آبادی مسجد تھی جس کو اورنگ آبادی بیگم زوجہ اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۱۱۴ھ ہجری مطابق ۱۷۰۳ء میں پنجابی کڑہ کے اندر تعمیر کرایا تھا اس لئے وہ شہر میں پنجابی کڑہ کی مسجد کے نام سے مشہور تھی - اس میں طلبہ بہت رہتے تھے - اس مسجد کا صحن بہت وسیع تھا اس کو اکثر لوگوں نے اپنے گھروں میں ملا لیا - پنجابی سوداگروں کے سبب سے اس مسجد کے ملانے بڑے مرفہ الحال رہتے تھے - اب وہ ریل کی سڑک سے بالکل مسمار ہو گئی -

کالی مسجد یا مسجد کلاں

جیسی شاہجہان آباد کی مسجد جامع شہر کے وسط میں ہے ایسی یہ مسجد بھی جب شہر فیروز آباد آباد تھا اس کے وسط میں تھی یہ مسجد جامع ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ء میں تعمیر ہوئی تھی - مگر جب فیروز آباد ویران ہو گیا اور شاہجہان آباد آباد ہوا تو وہ اس کے ایک کونہ میں ترکمان دروازہ کے پاس گئی اس کی کرسی ایسی اونچی ہے کہ ۳۲ سیڑھیاں ہیں جنپر چڑھنا مشکل

وہ ان کی خاطر خواہ نگرانی کرتی ہے۔ مسجد میں سامان فرش دری کا اور روشنی کے شیشے آلات عمدہ موجود ہیں عیدین اور الوداع اور جمعہ کی نمازیں اس میں ہوتی ہیں۔ غدر سے پہلے کی نسبت اب اسکی حالت سب طرح سے اچھی ہے

زینت المساجد

فتحپوری کی مسجد کے بعد زینت المساجد کا نمبر شہر کی عظیم الشان مساجد میں ہے۔ اس مسجد کو ۱۱۲۲ھ ہجری مطابق ۱۷۱۰ء میں زینت النسا بیگم بنت عالمگیر نے شہر کی فصیل کے اندر دریا جمنا کے قریب تعمیر کرایا تھا اور اس کے اندر اپنے دفن ہونے کا حجرہ بنایا تھا۔ جب زینت المساجد کی کھڑکی کے قریب جمنا کا پل کشتیوں کا تھا تو پل پر آنے جانے والوں کے سبب سے مسجد کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی اور اس میں سے مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ تیراک جو دریا میں تیرنے جاتے تھے وہ اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے تو اس مسجد میں رونق رہتی تھی مگر جب دریا کا پل یہاں سے اٹھ کر سلیم گڑھ کے نیچے چلا گیا تو پھر یہاں سناٹا رہنے لگا۔ مسجد کے پاس مسلمانوں کی آبادی نہ تھی کہ وہ اس مسجد کو آباد رکھتے۔ جب غدر میں ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے دہلی کو فتح کیا تو اس مسجد کو اپنی چھاونی کا مسکوٹ بنایا مسجد کے دالانوں کو توڑا پھوڑا انہیں چوکھٹیں کواڑ لگائے اور کمرے بنائے انپر نمبر لگائے۔ حجرہ کو اکھڑوا دیا حوض کی بھی جس میں پانی کنوئے سے بھرتا تھا پروا نہ کی۔ جب مس کوٹ سے مسجد خالی ہوئی تو دریا گنج کی چھاونی کی چیکپ گھر بنی پھر وہ مسلمانوں کو واگذاشت ہوئی۔ اب وہ انجمن مؤید الاسلام کے سپرد ہے جس نے اس میں ایک موذن نوکر رکھ چھوڑا ہے جو کوئی نمازی

اس کی ساری جائیداد موقوفہ دکانیں صحن وغیرہ نیلام کردیا رلئے چھنا مل مہاجن دہلوی نے اس کو چالیس ہزار روپیہ کو خریدا اور اس کی دکانوں اور مکانوں کی مرمت ایسی کی کہ اس کا کرایہ ساٹھ روپیہ ہو گیا۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں دربار قیصری ہوا تو مسجد کی جائیداد موقوفہ کو گورنمنٹ نے واگذاشت کیا۔ رائے چھنا مل کو ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کے نوٹ جنکا سود چار روپیہ سیکڑہ کے حساب سے جائیداد کے کرایہ کی وصول آمدنی کے برابر ہوتا تھا دیدیا اس مسجد کی کمیٹی منتظمہ مسلمانوں کی مقرر ہوئی اس نے اس مسجد کی آمدنی سے اول مسجد کی مرمت کرائی اس کی دونوں میناروں کی برجیاں بنوائیں چھتوں کے نیچے دلاسے ڈلوائے جسنے مسجد کی صورت تو خوشنما نہیں رہی مگر چھتیں گرنے سے تھم گئیں۔ پھر نئی دکانوں کو بنوایا ان کی چھتوں پر پختہ اور چوبی مکانات بنوائے جنکے سبب سے مسجد کی جائیداد کی آمدنی ساٹھ روپیہ ماہوار بالفعل ہے۔ اس میں ایک مدرسہ جاری ہے جس میں عربی کا درس سلسلہ نظامیہ کے موافق ہوتا ہے فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے مدرسوں کی تنخواہ بیس قرار دی ہے طلبہ کو آٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مدرسہ کا انتظام ایسا اچھا نہیں کہ اتنے لائق طلبہ طیار ہوں کہ وہ دین و دنیا کے کاموں میں اپنی لیاقت دکھائیں اس مسجد کی حالت بہ نسبت شہر کی اور مساجد کے اعتبار سے اچھی ہے کہ اسکی آمدنی بڑی ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ہزاروں روپیہ بنک میں امانت کا بے سود جمع ہے۔ ایک عربی مدرسہ جس کے برابر کوئی اور مدرسہ شہر میں نہیں ہے جاری ہے۔ ایک کمیٹی منتظمہ ہے جس سے اور چار مواقف کھجور کی مسجد۔ کالی مسجد۔ گدن یعنی کھوتس کی مسجد۔ فخر المساجد کے متعلق ہیں۔

دہلی کے مساجد و معابد کی سرگذشت

(۵)

فتحپوری کی مسجد

اکبر آبادی مسجد کی عمارت کے بعد فتحپوری کی مسجد کی عمارت گنی جاتی تھی - اس کو سنہ ۱۰۶۰ہجری مطابق سنہ ۱۶۵۰ء میں فتحپوری بیگم زوجہ شاہجہان نے تعمیر کرایا تھا اب غدر میں اس کی دو سو برس کی عمر ہوئی تھی - جس کے سبب سے اُس کی صورت میں زوال آنے لگا تھا - سنہ ۱۸۵۹ء میں حاجی قطب الدین پنجابی سوداگر نے اُس کی مرمت بقدر ضرورت کرادی تھی کہ گرنے سے بچ گئی - غدر سے پہلے ان کے دونو میناروں کی برجیاں گر گئی تھیں - اس کے سو مربع گز صحن کے گرد ۶۹ حجرے طلبہ کے رہنے کے لئے بنائے گئے تھے اُنکی بھی صورت بدل گئی تھی کہ کھاری باؤلی اور چاندنی چوک کی طرف ان کے دروازہ پھوڑ کر دکانیں بنا دی تھیں جنکی آمدنی بادشاہی خزانہ میں جاتی تھی اور اس سے مسجد کا خرچ اٹھتا تھا - اس کے تین ایوان در ایوان میں مفت خورے ملانے بھرے رہتے تھے - جو مسلمان ملا سے کھلاتے وہ ان کو ضرور دعوت میں بلاتے - مُردوں کی فاتحہ کا کھانا ضرور ان ملانوں کے لئے مسجد میں - پھولتے روز اس میں دیگیں کھانے کی آیا کرتی تھیں - یہ مسجد خیرات خانہ تھا جس میں مسلمان بھوکے ملانوں کا پیٹ بھر جاتا تھا - جب سنہ ۱۸۵۷ء میں غدر کے بعد انگریزوں نے دہلی کو فتح کیا تو

چین دن کو ہے نہ راتوں کو قرار — میری بے چینی نہیں ہوتی ہے کم
ہر گھڑی صورت بدلتی ہے مری — ہر گھڑی قسمت میں میری پیچ و خم
مجھ سے جو پوچھے کوئی تو کون ہے — اصلیت کا اپنی دے کچھ تو بھرم
صاف کہدوں کیوں چھپاؤں اپنا حال — شعر مولانا پڑھوں یہ دم بدم

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام
مثل سبزہ بارہا روئیدہ ام

آغا شاعر قزلباش

رسوم جاہلیت مولفہ مولوی نجم الدین صاحب سوہاری - یہ کتاب زمانہ اسلام سے پیشتر کے عربوں کی جملہ رسوم کا ایک مفصل تذکرہ ہے جس میں ان کے عقائد و اعمال۔ عبادات و معاملات۔ وہمیات۔ وتخیلات اور ان کے تہوار۔ میلوں وغیرہ امور کو بتفصیل تمام بیان کیا ہے تمام کتاب اوّل سے آخر تک دلچسپ ہے اور اردو زبان میں اس مضمون پر پہلی کتاب ہے۔ لکھائی۔ چھپائی کاغذ بھی عمدہ ہے۔ اور عہ قیمت پر منیجر دار الکتب ایجنسی لاہور سے مل سکتی ہے۔

سفیر اسلام بجانب اقوام یعنی وہ لیکچر جو علامہ **محمد فرید وجدی** مصر کے نامور مسلمان عالم نے حقانیت اسلام کے ثبوت میں لکھ کر جاپانی کانفرس مذاہب کے دفتر میں ارسال کیا تھا اس کا ترجمہ نہایت سلیس اردو میں جناب مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی نے حال میں شائع کیا ہے ہر مسلمان کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے شائقین مولوی محمد حلیم صاحب انصاری (پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور سے بقیمت ۳ر طلب فرما سکتے ہیں۔

مختلف اشیا مجھ سے آن ملیں۔ مینے اپنے ذرات کی کشش سے ہر طرف ریشہ دوانی پیدا کی چنانچہ آب وہوا اور نیچر کی ان صد ہا وسائل سے جو صرف اسی کام کیلئے آسمان اور زمین کے درمیانی حصہ میں ہر وقت متحرک اور سیال رہتے ہیں مجھے پوری مدد دی اور میں نے پھر اپنے اجزا کو کہیں لالہ و گل بنایا کہیں سبزے کی لہک میں شامل کیا ۔ کہیں جنگلوں کے کانٹوں کو آب دیا ۔ بھیڑیوں اور شیروں کے بھٹ آباد کیئے ۔ آگ میں جا ملا ۔ نباتات ۔ جمادات سے گذر کر حشرات الارض یعنے رینگنے والے کیڑے بنگیا غرض میں کبھی سرولب جو کہلایا ۔ کبھی چنار کی آگ میں خود جلنے لگا ۔ کبھی پروانہ بنا کبھی شمع کی لو گویا میرے ہی سینے سے نکلی ۔ کبھی خشکی کبھی دریا کبھی پہاڑ کبھی معدن ہر چیز پر میرا جزو شامل تھا اور ہزار ہزار تبدیلیاں تھیں جو امتداد زمانہ کے ساتھ میری شکلیں بھی بدلتی جاتی تھیں یہاں تک کہ خاک پہاڑ بنگئی صحرا دریا ہوئے ۔ دریا بگولے بنگئے اور ان تمام طوفانوں کے ساتھ میرا انقلاب بھی بدستور جداگانہ صورتیں اختیار کرتا گیا لیکن اچانک پھر میرے کچھ ذرے اکدن کسی ذریعے سے کھاد میں جا ملے کھاد کھیت میں پڑی کھیت سے اناج پھر کسی انسان نے کھایا اور میں پھر اکدفعہ انہی اناج سے خون بنکر اپنے پرانے دورے پھر نئے سرے سے طے کرنے لگا ۔ یہی تغیر و تبدل ازل سے میری سرنوشت ہے اور اسی سلسلے کو میں اسوقت تک جاری سمجھتا ہوں جبتک اجرام اجسام کو ایک رفتار و ہیئت پر رکھنے والا اپنے کام کو شروع رکھے +

ہمنشیں تجھ سے کہوں کیا درد و غم ‏ ‏ ‏ میں ہوں چکر میں تو لغزش میں قدم
نقل سے بیٹھا بھی گھڑی بھر کو تو پھر ‏ ‏ ‏ لے چلی مجھ کو بہا کر موج یم

وقت نے اس میں تیزآب شامل کیا اور اسکی حدت کو اس درجہ بلند کیا کہ بخارات اُٹھنے لگے جو جذبات کی بھاپ سے تھے اور میں اپنے سینے کی بھڑکتی ہوئی مشعل کی روشنی میں اب اپنے ادھر اُدھر کسی اور ہم جنس کو ڈھونڈنے لگا۔ اس لئے کہ میں اس کو پیار کروں اور وہ بھی مجھے میری محبت کا جواب دے بے اختیار ہاتھ بڑھنے لگے اور کسی کو آغوش میں کھینچنے کی آرزو پیدا ہوئی دل جگر میں طاقت۔ اعضا میں قوت۔ جسم میں جان۔ مزاج میں برقی حدت گھڑی گھڑی ترقی کرنے لگی اور آخر اس گھبراہٹ اور آپا دھاپی میں کچھ سمجھ میں نہ آیا آنکھوں پر کسی نے پردے ڈال دے۔ کانوں میں سیسہ بھر دیا اور میں دنیا کے اندھے کوئیں میں بالکل اندھا ہو کر جا گرا۔ شادی ہوئی بیاہ ہوا۔ اور اولاد ہو گئی۔ اور اولاد سے دنیوی محبت کے خزانے میں اک نیا مال بڑھا اور وہ مہر پدری تھی جس نے بال بچوں کی بھولی بھالی صورت پیاری پیاری باتوں کا مشغلہ دیکر مجھے زندگی کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرنے کے قابل بنا دیا مگر آخر یہ زمانہ بھی گذر گیا اور پھر ایکبار گی اس مٹی کے کھلونے کے ٹوٹنے کے دن آ گئے ضعیفی آئی ہاتھ پاؤں سے کسی نے انس نکال لیا۔ بال سفید ہو گئے دانت ٹوٹ گئے۔ آنکھیں بے نور ہوئیں دم اکھڑنے لگا۔ اور زمانہ کے زبردست تبدل نے مجھے اک دن بے حس و حرکت کر کے مٹی کے اندھیرے گڑھے میں ڈال دیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر گردش اور تبدیلیوں کا وہی زور شور تھا جو اول دن سے میرے ساتھ لپٹی چلی آتی تھیں۔ میں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ جلا دیا گیا۔ یا بہا دیا گیا بہر نہج ہر طرح سے آخر میں مجھے خاک ہونا پڑا۔ خاک ہوتے ہی پھر زمانہ گذرنے لگا۔ انقلاب پیدا ہوئے۔ تبدیلیوں پر تبدیلیاں ہونے لگیں۔ اور میرے آس پاس کی

آہا اب تو میرے تعلقات بھی ہو گئے - اک انسان مجھکو بیٹا کہکر پیار کرنے لگا - دوسری اور اک خدا کی بنائی ہوئی محبت کی پاک دیوی - رحم کی مجسم تصویر میری ماں ثابت ہوئی اور میرے ماں باپ کے ہم شکل و وضع مجھپر ہاتھوں ہاتھ چھاؤں کرنے کو تیار نظر آئے - میں خوشی خوشی بڑا ہوتا گیا اور یہ بتدریج بڑا ہونا یا آہستگی لئے ہوئے تیز تیز تبدیلی جو ہر انسان میں واقع ہوکر جاری رہتی ہے اور روزانہ اک شئے کو یکساں دیکھنے والی نگاہیں اُسے کبھی نہیں محسوس کرتیں برابر اپنے رنگ بدلتی رہی یہاں تک کہ اب مجھے عقل و ہوش آئے مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ میں انسان ہوں میرا کیا فرض ہے - میری جیسی ہزاروں جانیں پیدا کرنے والے نے مجھے بنایا ہے یاں باپ میرے یہاں آنیکے باعث ہوئے ہیں اور وہی مجھکو اولاد کے نام سے پال رہے ہیں لیکن خدا جانے یہ کیا بات تھی کہ جس چیز کی طرف قدرتی طور پر میرا رجحان ہوتا تھا اُسی طرف سے مجھے روکا جاتا تھا اور جن چیزوں میں مجھے مطلق اپنی طرف کھینچنے کا مادہ نہوتا تھا انپر جبراً توجہ کرنے کے لئے مجھے سخت ہدایت کی جاتی تھی اِس کشش اور روک ٹوک سے میرا دم گھبرانے ہی کو تھا کہ عمر کی بیل بڑھ گئی اور دفعتاً میری آنکھوں میں اک نیا تند و تیز اثر پیدا ہوا جس نے دیکھتے دیکھتے تمام جسم میں بجلی کی طرح سرایت کی اور اک نہایت ہی شورا شور شر انگیز کیفیت نے دل و دماغ سے لیکر اعضا اعضا پر اپنے پہرے بٹھا دئے یہ شور انگیز ہی بد مستیاں لئے ہوئی تھی اور میں گویا اس نشے میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوکر بالکل جھومنے لگا - اس نشے میں جھومنے سے اک اور تبدیلی ہوئی یعنی وہی خون جس کا میں کبھی اک قطرہ تھا اب دریا دریا ہوکر جوش مارنے لگا -

کا ملہ سے نے مجھے اس انقلاب کے بعد اندھیرے سے نکال کر اوجالے میں لا کھڑا کیا یہاں آکر کچھ دن تو میرے سامنے کے رخ لگے ہوئے شیشے دھندلے دھندلے رہے لیکن نہیں شدہ شدہ میرا دل یہان بہلنے لگا۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور اک عجیب بہار نظر آئی جس کو دیکھ کر نہ گردن جھکتی تھی نہ آنکھیں تھکتی تھیں نہ جی بھرتا تھا اور میں حیرت کا پُتلا بنم ہوکر رہ گیا تھا مگر اس بیخودی کے ساتھ انقلاب اور تبدل کا قدیمی دور دورہ یہاں وہ حد سے زیادہ دیکھا کہ عقل حیران ہوگئی۔ صبح شام دوپہر پچھلے پہر ۔ جاڑا۔ برسات ۔ گرمی ۔ ہر وقت ہر گھڑی اور ہر پل یہاں کی ہر چیز کو تبدل تھا۔ یہان ہر چیز حرکت کرتی تھی اور پاؤں تلے کی زمین ہر وقت نکلی جاتی تھی۔ دیر تک نظام عالم پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ نیرنگیاں نہیں ہیں بلکہ دقت اک تماشے والا ہے جس نے مجھے اپنے سٹیج کے سامنے کھڑا کر دیا ہے وہ بار بار پردے گراتا ہے مختلف نظارے دکھائی دیتے ہیں گوناگوں راگ بجتے ہیں ۔ حیرت ۔ غم ۔ غصہ ۔ خوشی مایوسی اور اُمید وضع وضع کے اثرات پڑتے ہیں اور مختلف شعبدے دکھا دکھا کر بے چین کرنے والی تصویریں پھر چھپالی جاتی ہیں۔ میرے پہلو میں جو اک نازک پھول (دل) رات دن ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے جھومتا رہتا تھا۔ اس کو یہان کی بہت سی چیزیں بھلی معلوم ہوئیں آنکھوں سے نکلتی ہوئی روشنی (نظر) کو بڑا چین ملا ۔ وہ اعلےٰ اور ارفع بغیر رنگ و احساس کثافت وجسامت شکل وضع سے بری مگر ورثی مادہ (روح) خوش ہونے لگا۔ اور میں کئی برس گذرتے ہی گیند بلا کھیلنے کے لئے اپنے ہم جولیوں کے ساتھ میدان میں نکل آیا ۔

تناسخ یا تبدّل

اک قطرۂ خون کی سرگذشت

میں پہلے پہل رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی ایک بوند تھا جسے کبھی کسی وقت اک ثانیہ کے لئے بھی گردش نہیں چھوڑتی تھی - اکدن میری بیقراریوں نے مجھے وہاں سے اک اور مقام پر دفعتاً بدل دیا جہاں مجھے گو نہ قرار ملا اس قرار کا زمانہ جو واقعی میری تمام تبدیلیوں میں یادگار اور بہت ہی آرام کا وقت تھا - مجھے خوب یاد ہے کہ پورے ۲۷۴ دن تھے - مگر میری گردش نے آخر مجھے یہاں بھی نہ ٹکنے دیا اور ایکا ایکی مجھے اک کھلی ہوئی دنیا میں بھیجدیا گیا - یہاں پہونچتے ہی بہت سی آوازوں - طرح طرح کی روشنیوں اور ہزارہا قسم کے حرکت کرتے ہوئے ذرّات مجھے گھیرے ہوئے تھے - یہ انقلاب انقلاب عظیم تھا اور اب جو میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو میں اسفل سے طبقہ اعلےٰ کی طرف صعود کر رہا تھا اور مجھ میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا میں کچھ اور ہی چیز تھا اور اس دھیمے مگر حیرت ناک انقلاب نے میری قدو قامت - طرز و ہیئت وزن وجسامت غرض ہر چیز میں اک خاص تبدیلی پیدا کردی تھی اور اب میں اس نقطہ سُرخ سے ترقی کرکے نہایت ہی نازک شفاف - رنگ و روپ لئے ہوئے گول گول ہاتھ پاؤں آنکھ ناک منہہ اور کان جسم وجان والا خوبصورت پیکر انسانی تھا - گو نیچر یا اس گورکھ دہندے کے جاری رکھنے والی قدرت

کے شوق کو ترقی ہوگی۔

یہ کہنا غالباً تحصیل حاصل ہے کہ اسلام کی پوری سیاسی تاریخ لازماً اُس وقت تک عسیر الفہم اور پس پردہ رہیگی۔ جب تک کہ تمدنی تاریخ اُس سے علیحدہ رکھی جائیگی۔ (باقی آئندہ)

ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی

مخزن کی دو قسموں کے جاری کرنے سے یہ غرض تھی کہ کسی شخص کو مخزن کی مقررہ قیمت ادا کرنے میں گرانی نہ محسوس ہو۔ اگر کوئی شخص عمدہ لکھائی چھپائی اور نفیس کاغذ کا شائق ہے تو تین روپیہ میں قسم اعلےٰ خریدے اگر کفایت مدنظر ہے تو دو ہی روپے میں قسم دوم سے مستفید ہو سکے اسپر بھی طلبا اور دیگر اصحاب رعائت کے لئے مصر ہوتے تھے۔ اور ہمیں تخفیف کی گنجائیش نظر نہیں آتی تھی۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ۶۴ صفحے کی ایسی نادر کتاب معہ تصویر تین آنے یا چار آنے میں ہرگز گران نہیں ہوسکتی۔

تاہم ہمیں چونکہ اُردو زبان کی اشاعت مطلوب ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ کسی باذاق شخص کا ہاتھ اردو زبان کے اس روح و روان رسالہ مخزن سے محروم نہ رہے اس لئے

آج سے ہم یہ اعلان کرتے ہیں

کہ دسمبر سے مخزن کی ایک تیسری قسم بھی جاری کردی گئی ہے جس کا چندہ علاوہ محصولڈاک

صرف ایک روپیہ سال بھر کے لئے ہوگا

اب اس سے زیادہ اور کیا ارزانی ہوگی ۔۔۔۔۔ خود ہی غور کیجئے کہ اب اور بھی ارزانی کی کوئی گنجائیش باقی رہ گئی ہے؟

اس موقع سے بھی آپنے فایدہ نہ اُٹھایا تو ہمارا قصور نہیں یہ واضح رہے کہ یہ قسم صرف اسی حالت میں جاری رہ سکتی ہے کہ اس کی اشاعت کافی ہو جائے ورنہ ہم سے خسارے کیساتھ زیادہ دیر تک نہ جاری رکھی جا سکیگی

پہلی دونوں قسموں کی چھپائی کا اہتمام اور کاغذ اور بھی عمدہ کر دیا گیا ہے قسم سوم کا کاغذ معمولی سا ہوگا۔ اور یہ قسم تصویر سے بھی معرا ہوگی لیکن مضامین میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ **مینیجر مخزن۔**

کا تجزیہ کر سکے تو وہ جس قسم کا امید فزا اور صحیح منظر ہمارے سامنے پیش کرے گی وہ اُس سے بالکل مختلف ہوگا جو آجتک ہمارے خیال میں رہا ہے۔ اس لئے میں نے تاریخ اسلامی کی انہی خصوصیات کو ابھار کر دکھایا ہے جنمیں بیرونی اثرات زیادہ تر محسوس ہوتے ہیں۔ اور جن میں قدیم تمدنوں کے باقیات الصّالحات نے گردروزگار میں ملنے کے بعد بھی مٹے مٹے نقش پا چھوڑے ہیں۔ اس طرح سطح کاغذ پر گویا ایک قسم کی پچی کاری ہوگئی ہے۔ گو سچ یہ ہے کہ جو مُرقع میننے اس رسالہ کی مختصر وسعت میں کھینچا چاہا ہے بہتیری حیثیتوں سے وہ بمشکل کامل کہا جا سکتا ہے میننے صرف دور خلافت تک اپنی تحقیقات محدود رکھی ہے اور ارتقاء مذہبی کے ساتھ انؔ معاشرتی تغیرات کے دکھانے کی بھی کوشش کی ہے جو بیرونی اثرات سے وقوع میں آئے۔

نزول قرآن کی تاریخ کے متعلق ڈاکٹر اسپرنگر نے مفصل بحث کی ہے اس لئے میں اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن مختصراً میننے جو کچھ کہا ہے وہ اس امر کے اظہار کے لئے کافی ہے کہ جس حد تک چاہیئے یہ بحث پورے طور پر طے نہیں کی گئی۔ کتب یہود اور زرتشت کا مطالعہ اگر بالموازنہ کیا جائے اور عیسائیوں کے ابتدائی صدیوں کے لٹریچر کے ساتھ فرقہ ہائے عیسوی اور یہود کی تاریخوں پر ایک گہری نظر ڈالی جائے تو میرا خیال ہے بڑے بڑے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ میرا موضوع بحث آئندہ زمانہ میں ایک مدت تک خلافت کا عروج و زوال ہوگا اور میں یہ اُمید کرنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے رسالۂ مختص الموضوع کے ذریعہ سے جو ایک محدود حلقہ علما کے مذاق کی چیز ہوگا۔ مشرقی زندگی کے دایرہ میں نئے سر سے ایک طرح کی دلچسپی پیدا ہو جائیگی اور اُس زمانہ کی صحیح واقفیت

ہوتا تھا۔ سب سے قدیم طریقہ صف آرائی یہ تھا کہ فوج کی تربیت میمنہ میسرہ اور قلب الجیش کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ بعد میں مقدمہ اور ساقہ کا اضافہ ہوا۔ رومیوں کے اثر کا اس سے بھی زیادہ تر اندازہ اُن آلاتِ حرب سے ہوتا ہے جن کو عرب محاصرہ کے وقت استعمال کرتے تھے یعنی منجنیق یا عرادہ یہ ایک آلہ خاذف تھا جو قلعہ شکنی کے کام میں لایا جاتا تھا۔ کبش سے حصار کو منہدم کرتے تھے۔ اور دبابہ کی پناہ میں محاصرین شہر پناہ تک پہونچ جاتے تھے۔

چونکہ میرا قصد ہے کہ دوسرے موقع پر تفصیل کے ساتھ خلافت کے فوجی نظام سے بحث کروں۔ اس لئے میں اس کتاب میں جزئیاتِ متعلق کی تصریح زائد سے دست کش ہوتا ہوں جینے اس بحث کو اس لئے چھیڑا ہے کہ ان واقعات کی طرف اوروں کی توجہ مائل کر سکوں اور یہ دکھا سکوں کہ محققانہ تفتیش و تلاش کے لئے کس قدر وسیع اور نتیجہ خیز جولانگاہ موجود ہے۔ ہم کو آیندہ پورے طور پر ٹھنڈے دل سے اُن واقعات پر نظر ڈالنی ہوگی جنسے اسلامی تمدن کی تاریخ کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ اور صرف اسی طریقہ سے ہم ان دلچسپ اور اہم مسائل کی نسبت تیقن کی حالت پیدا کر سکینگے۔ آج ایک محقق جیالوجی جس طرح مختلف طبقات ارضی کی ترتیب سے اشیار مدفون کے زمانہ کی تعیین کر سکتا ہے۔ یا جس طرح ایک ماہرِ السنہ قطعیت کے ساتھ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی زبان کے اجزا میں قدرتی حصہ کے ساتھ باہری میل کتنا ہے۔ ہم کو بھی کوشش کر کے اپنے تاریخی فن کو اسی سطح ارتفاعی پر لانا ہے۔

اسلام کی مذہبی اور تمدنی تاریخ۔ اگر ہم اُس کے وطنی اور بیرونی عناصر

کے روزمرہ سے لئے گئے ہیں یہانتک کہ دفتر خراج کے لئے جو لفظ تھا اور جس کا اطلاق بعد میں حکومت کے تمام دفتروں پر ہونے لگا یعنی "دیوان" یہ بھی آرامی یعنی فلسطین کے شمال مشرقی خطہ کی زبان کا لفظ ہے کیونکہ خلیفہ ثانی نے مفتوحہ ممالک میں اس محکمہ کو جس طرح پایا تھا بغیر کسی قسم کے تغیر کے بحال خود رہنے دیا۔ اور اسے اپنی ضروریات کے لئے نافع بنالیا۔

فوجی امور میں عربوں نے بہت کچھ عجمیوں سے لیا لیکن اس قدر یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد۔ ابتدائاً ان کا طریق جنگ بالکل بدوی فرقوں سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن بہت جلد وہ ایک عمدہ تر فوجی تنظیم کے فوائد سے آگاہ ہو گئے۔ خلفائے اُمیہ نے اس صیغہ پر خاص توجہ کی رومیوں کے تمام ضروری آئین جنگ اختیار کر لئے جن سے شہنشاہان مشرق کی لڑائی میں انہوں نے واقفیت حاصل کی تھی۔ فوجی مستقل چھاؤنیوں کا دستور اوائل ہی میں جاری ہو گیا تھا۔ رومیوں کی طرح عرب کے جنرل بھی روزانہ کوچ کے بعد جہاں اپنے خیمے نصب کرتے تھے۔ خندقوں اور حصاروں سے ان کی مورچہ بندی کر لیتے تھے پہلے عربوں کا قاعدہ تھا کہ زمانہ کی سی سیدھی صفوں میں ہوکر لڑتے تھے پھر تعبیہ کی حیثیت سے انہوں نے صف آرائی شروع کی یعنی ایک فوجی مربع کی شکل اختیار کی جسے یونانی زبان میں کرادیس کہتے ہیں۔ فوج کی صف آرائی بیشتر قبیلہ وار ہوتی تھی پھر بلا امتیاز قبائل۔ فوجی حیثیت سے اُسکے علیحدہ علیحدہ دستے کر دئے گئے۔ ہر دس آدمی پر ایک افسر ہوتا تھا۔ جسے عریف کہتے تھے۔ پچاس پر ایک خلیفہ اور سو سپاہیوں پر ایک قائد

بیرونی اثرات کا احساس مذہبی دایرہ کے سوا معاشرت اور مسلمانوں کے سیاسی نظامات میں بھی ہوتا ہے جنپر بالتخصیص مستقل اور گہرا نقش پڑا ہے۔ گو عربی دماغ۔ اپنے دعوئے خودسری اور قوت خلاقیہ کے اظہار سے قاصر نہیں رہا۔ مثلاً عمر کا سیاسی نظام جو مساوات و اخوت عامہ پر مبنی ہے۔ تاریخ کا ایک عظیم الشان اور عجیب وغریب مظہر ہے اور عہد سلف اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا ہے۔ تمام مسلمان کامل مساوی حقوق رکھتے تھے اور کل مداخل سلطنت معہ اراضیات مفتوحہ اسلامی جماعت کی ملک عام تھیں۔ یہانتک کہ اخوت اسلامیہ کے ہر فرد کو خزانۂ عامرہ سے سالانہ ایک وظیفۂ مقررہ ملتا تھا عربوں کو حصول جائیداد ارضی اور زراعت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ صرف ایک فوجی جماعت تھی اور یہ مفتوحہ اقوام کا فرض تھا کہ وہ کھیتوں کو جوتیں بوئیں اور سامان رسد پہونچاتے رہیں۔

لیکن باوصف اس کے کہ حضرت عمر میں سیاسی حیثیت سے ایک طرح کی اجتہادی قوت اور آزادی تھی۔ اُنہوں نے اپنے دَور حکومت میں ہر محکمہ کے لئے بہتیرے عجمی اور رومی آئین سلطنت کو پسند کر کے رواج دیا۔ مثلاً نقود یعنی سکوں کا رواج صوبہ جات کی عاملانہ تقسیم۔ ٹیکس کے سلسلہ میں جزیہ اور خراج کی تعین۔ یہ سب گویا اُن کے تقلیدی اجتہادات تھے۔ ٹیکس جائیداد (جو ٹیکس غربا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ کیونکہ شروع شروع اس صیغہ کے محاصل غریب مسلمانوں میں صدقات۔ زکوۃ۔ عشر کے نام سے تقسیم ہوتے تھے) ایک ایسا نظام ہے جو قدیم سے قدیم زمانہ میں کنعانیون اہل فنیشیہ اور کارتھیج والوں کے ہاں پیشوایان مذہبی کی امداد کے لئے محصول ذیرہ کے نام سے وصول کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ الفاظ صدقہ اور زکوٰۃ یہودیوں

ہٹا دے - ارکان نماز - سجدے - وضو اور روزے کی تاریخ کا جہانتک تعلق ہے ہمارے معلومات ایک حد تک غیر متعین مذبذب اور بالائی ہیں روزہ عاشورہ آنحضرت سے پہلے بھی موجود تھا - لیکن رمضان کے روزے کرسچین لینٹ سے ماخوذ ہیں - وضو سجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالاشتراک یہود و نصاریٰ یا فرقہ مانویہ سے لئے گئے - جس طرح بانی مذہب عربی نے مختلف ماخذوں سے فائدہ اُٹھایا - اسلام نے آنحضرت کی وفات کے بعد اُس زمانہ میں بھی جب تکمیل کی حیثیت سے مذہب میں ایک طرح کا "انجماد" پیدا ہوگیا تھا - اصول اخذ کو بدستور جاری رکھا مثالاً واقعہ معراج کو لیجئے جس کا کچھ یونہی[۵۷] سا اشارہ قرآن میں پایا جاتا ہے - سنہ ہجری کی پہلی ہی صدی میں اس پر شاعرانہ رنگ چڑھ چکا تھا اور رفتہ رفتہ یہ اسلامی عقاید کا ایک جزو غیر منفک ہوگیا - اس واقعہ کی بنیاد عیسائیوں کی ایک معتبر روائت یعنی پیغمبر شعیاء کے سفر آسمانی پر رکھی گئی ہے - یہ اُس وقت گھڑی گئی تھی جب شہنشاہ نیرو کے ظلم و تعدی سے عیسائی بالعموم نالاں ہو رہے تھے - پارسیوں سے غالباً بہ توسط یہود یہ روائت پہونچی کہ حشر کے روز موت ایک مینڈھے کی صورت میں ذبح کیجائیگی - اور اس کے بعد انسان دائمی زندگی سے لطف اُٹھائے گا - یہ خیال باحتمال غالب پارسیوں کے اُس قصہ سے ماخوذ ہے جو **تلمود** میں "**ہدایوس** کے بیل" کے متعلق موجود[۵۸] ہے -

---

۵۷ - یوں ہی تو نہیں صاف تصریح ہے لیکن وہ درحقیقت ایک خواب تھا جیسا کہ احادیث سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے

۵۸ ہم احادیث کی ذمہ دار نہیں ہیں لیکن قرآن مجید میں اس قصہ کا کہیں ذکر نہیں ہے -

شعائر مذہبی کی نسبت اس قدر صاف اور طے شدہ ہے کہ طواف اور حج کعبہ کے تمام ارکان - اسلام میں قریب قریب بغیر کسی تصرف کے وہی چلے آتے ہیں جو ایام جاہلیت سے پہلے تھے - یعنی کعبہ کی تمام رسومات وہی ہیں جو ۱۵ سو برس پیشتر تھیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک مکی نے جو بیروت سے مصر تک جہاز میں میرا ہمسفر تھا مجھسے کہا کہ "نحن اولاد الشمس و خدا مین الحرم" اور یہ صحیح ہے کہ ایام جاہلیت کے خیال کے مطابق آج بھی اہل مکہ اپنے کو خادم حرم سمجھتے ہیں - حج کعبہ کی ابتدا کا سراغ جیسا کہ خوب معلوم ہے قدامت بعیدہ میں ملے گا - جو لوگ طواف کعبہ کرتے تھے انکو جاہلیت کی رسم کے مطابق برہنہ ہونا پڑتا تھا - عورتیں بھی بلا استثنا رلباس عریانی میں ہوتی تھیں - غرض زایرین کو سات مرتبہ کعبہ کے گرد چکر لگانا ہوتا تھا قریش تنہا لباس کے رکھنے اور اجنبی زایرین کو مستعار دینے کے مجاز تھے جس سے اچھی خاصی تجارت پیدا ہو گئی -

آنحضرت نے تغیر کی حیثیت سے جو کچھ اضافہ کیا وہ زایرین کے لئے لباس مخصوص یعنی دو چادریں تھیں جنمیں سے ایک زیر کمر لپیٹی جاتی تھی اور دوسری شانہ اور سینہ پر پڑی رہتی تھی لیکن سر کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا کیونکہ قدیم الایام میں بالوں کو ایک حس دار شے کی مدد سے "ٹوگ" کی قطع کا بنا رکھتے تھے آج بھی حاجیوں کا لباس مجوزہ یہی ہے - زیارت کعبہ کے بعد جاہلیت میں یہ بھی رسم تھی کہ کوہ صفا و مروہ کو جایا کرتے تھے جہاں دو بت بھی رکھے ہوئے تھے - آنحضرت نے رسم جاہلیت کی یہانتک رعایت کی کہ صفا و مروہ کا جانا بدستور قایم رکھا[1] - صرف یہ کیا کہ بت

[1] - صفا و مروہ کی رسوم حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ہیں بت ان کے بعد قایم کیے گئے - اس لیئے آن حضرت نے صفا و مروہ کی رسوم قایم کرنے میں حضرت ابراہیم کی تقلید کی ہے نہ جاہلیت کی +

اور سائینٹفک تحقیقات بتدریج ہم کو اُس شاہ راہ پر ڈال دے گی جہاں سے منزلِ مقصود چنداں دور نہیں۔ جس میں سب سے مقدم اصول استقرائی کا استعمال ہے اسلام یعنے پیغمبر مکہ کا مذہب نسبتاً کم تر مشکلات پیدا کرتا ہے۔ یہ تمام مذاہب میں کم عمر ہے۔ اور اس کی اصلیت کے متعلق بہتیری دستاویزات مصدقہ۔ لائق حصول ہیں جن سے ہم اُس کے آغاز اور نشو و نما کی تدریجی رفتار کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ اسلام نے بہت کچھ مذاہب یہود و نصاریٰ اور زرتشت سے اخذ کیا ہے اور غالباً مذہب مانوی سے بھی مستغنی نہیں ہے۔ اس نے پارسیوں سے بالذات اور بوسائط دونو طرح فائدہ اُٹھایا ہے۔ بہتیرے زرتشتی عقائد۔ اسلام میں کتب یہود خاصکر **تلمود** کی طرف سے داخل ہوئے۔ عقیدہ حشر و نشر۔ بہشت و دوزخ کے متعلق اکثر روایات اور شیاطین وغیرہ کے متعلق جس قدر جزئیات قرآن میں موجود ہیں تمام و کمال مذہب یہود کا عطیہ ہیں۔ اسی طرح[۵۱] عذاب قبر اور تصورات متعلقہ منکر نکیر یہودیوں سے لی گئی ہیں۔ پل صراط کا خیال جو بال سے زیادہ باریک ہے اور قعرِ جہنم سے ہوتا ہوا بہشت کو گیا ہے۔ قطعاً پارسیوں سے ماخوذ ہے جو **مِدرِش** کے ذریعہ سے قرآن[۵۲] تک پہونچا ہے۔ لیکن اسلام نے براہ راست بھی زرتشت سے اخذ کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا ہے۔ یہ ایک قطعی امر ہے کہ "دین" کا لفظ جو متواتر قرآن میں آیا ہے۔ پارسی کتابوں سے لیا گیا ہے[۵۳]۔ **ہُوزوَرش** میں یہ لفظ بعینہ اسی ہیئت سے پایا جاتا ہے۔

۵۱ ۔ عذاب منکر نکیر کی متعلق ایک حرف بھی قرآن میں مذکور نہیں۔

۵۲ ۔ قرآن مجید میں پل صراط کا نام و نشان بھی نہیں ۔

۵۳ ۔ توافق لسنہ کی دوسری بات ہے ورنہ دین کا لفظ عربی زبان میں اسلام سے بہت پہلے موجود تھا اور دین کے موجودہ معنے اس کے سیکنڈری معنے ہیں۔

ساتھ اُڑتا پھرتا ہے۔ اُس کی گہری زعفرانی جلد زمین کے رنگ سے کتنی ملتی جلتی ہے کہ ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہی حال جہازِ صحرا یعنی اونٹ اور اُس کے کلغی دار" برادر نصف" شترمرغ کا ہے۔ چند چھوٹے اور سوکھے ساکھے خاردار درخت جو کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں وہ بھی خاک آلودہ ہوتے ہیں۔ ذرا خالص الاصل بدوی کی جلد اور اُس کے لباس کو دیکھئے۔ کس قدر اُس پاس کے آثار و کیفیات سے ملتا جلتا ہے کہ غیر عادی نگاہ تھوڑے فاصلہ سے بھی وہاں کی خاک اور ان چیزوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتی۔ لیکن جس طرح یہاں کے باشندوں کے طبعی حالات اور خصائص میں باہم ایک جچتی ہوئی مطابقت ہے۔ یہی مناسبت مادی اشیاء سے گذر کر اُن چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے جو دماغی اور اخلاقی ہیں یہ موزونیت متحد الاصل طبعی اسباب کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہزارہا سال کے روابط و تبادلہ خیالات کا نتیجہ ہے جو مغربی ایشیا کی سامی اور آریا قوموں میں ہوتا رہا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ فرداً فرداً ہر مذہب کے نظامات کی جانچ اور اُن اجزا کی تحلیل جنہیں مختصاتِ مذہب کے ساتھ کچھ خارجی عناصر بھی ہیں کس قدر مشکل ہے۔

اس زمانہ تحقیق سے اس قسم کے موضوعاتِ غیر مُثبتہ سے کام نہیں چلنے کا کہ تمام مذاہب کسی ایک ہی درخت کے پھول پتے اور دنیا کے قدیم سے قدیم صحیفے یعنی وید سے ماخوذ ہیں۔ جس طرح ہم یہ نہیں مان سکتے کہ توحید ہمیشہ سے صرف سامیوں کے حصہ میں تھی۔ کیونکہ یہ مسلمات ایک طرفہ۔ سائنس کے مصرف کے نہیں ہیں۔

قبل اس کے کہ تجزیہ عناصر سے اس قسم کے کلیات کا استخراج ممکن ہو ہم کو پہلے خاص خاص امور کے متعلق نہایت دقیق تحقیقات کرنی ہوں۔

گھروندے بنتے بگڑتے رہے۔ بعضوں کے فنا کرنے والے اجرام ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ بعض ایسے تھے جو پھولے پھلے اور آئندہ نسلوں کے لئے اُن سے قلمیں لی گئیں۔

مشرقی تمدن کے طبقات مختلفہ کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے متعدد تہیں تلے اوپر جمائی ہوئی ہوں جنمیں ایک طرح کی ہیئت مجموعی پائی جاتی ہے۔ یہ اتصال آسانی سے اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ تمام بڑے ایشیائی مذاہب ایک حد تک ہیت متماثلہ اور خاندانی مشابہت رکھتے ہیں جس سے قریب قریب یہ خیال مستحکم سا ہو گیا ہے کہ بانیان مذاہب کا وجود صرف مغربی ایشیا کے معتدل خطہ کے لئے گویا مخصوص تھا۔ ہم قریب قریب اس کلیہ کے تسلیم کر لینے کی طرف مایل ہیں کہ شمالی عرب فلسطین۔ عراق عرب اور فارس کی وادی مرتفع کے طبعی خواص جولانۂ متحد ہیں۔ اُن کی ایک جھلک ان ملک کے رہنے والوں کی دماغی استعداد اور خاصکر مذہبی حسیات میں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی جس طرح ان ممالک کے رنگ روپ مقامی اور ایک ساں ہیں۔ دماغی مخلوقات میں بھی اسی امتیاز کا پتہ چلتا ہے۔ پارسیوں کی مقدس کتابوں میں بہتیری باتیں ہیں جو انجیل کو یاد دلاتی ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں اور مسلمانوں کے آسمانی صحیفوں میں بھی ایک طرح کی مماثلت قریبہ ہے۔

صحرائے عرب پر ایک نگاہ دوڑائیے تو جس چیز سے آپ دفعتاً پہلے پہل متاثر ہونگے وہ مخلوقات کے رنگ کی حیرت انگیز ہم طرحی ہوگی۔ ارض صحرائی کے ساتھ نباتی۔ حیوانی بلکہ انسانی مخلوقات بھی غیر مستقل ریت کے مائل بہ زردی۔ باریک ذرات کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس سے آفتاب کی چمکتی ہوئی شعاع میں آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ غزالہ عربی جو صحرائی بگولوں کے

طرح سمجھنے بوجھنے کے لئے (جو اسلام کی بنا پر قائم ہوئے اور جو ہزاروں برس تک اسلامی ہیئت اجتماعیہ یعنی سوسائٹی کا سنگ بنیاد رہے) ہم کو سائنس کی اور شاخوں کی طرح سے بھی منطقی حیثیت سے جانچنا اور جزئیات سے کلیات کا استقرا کرنا ہوگا۔

اسلام کی عمارت گذشتہ تمدنوں کے کھنڈر پر اٹھائی گئی ہے۔ اس نے پرانے عناصر کو اپنے ساتھ مخلوط کر لیا۔ کچھ ان کی صورت بدلی۔ کچھ اپنی طرف سے جدید اضافے کئے ان اجزاء ترکیبی کی تحلیل و ترتیب اور ان کے باطنی تعلقات و روابط کی تنقیح ورشیہ دوانیاں۔ اس آزاد اور غیر طرفدار علم کا کام ہے جو صرف سچائی کا حامی ہے لیکن مشرقی مذاہب اور تمدنوں کے مطالعہ کے سلسلہ میں۔ بعض اوقات ان مختلف الجنس اجزا میں تمیز کرنا (جو پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں اور جو باہم ایک دوسرے کو مسخ اور کبھی بالکل بدل دیتے ہیں) اور ان کی اصلیت کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ گو بادی النظر میں ایسا معلوم نہیں ہوتا۔

مغربی ایشیا میں مذہبی ایجادات کی بھرمار رہی ہے اس میں چار عظیم الشان مذاہب نے جنم لیا اور ایسی زمین سے بے شمار مذہبی فرقے۔ فلسفیانہ نظامات اور مذہبی قانون قاعدے پیدا ہوئے۔ یہیں سے مذہبی خیالات کی زبردست متوج سے وہ چشمہ ہائے رواں نکلے جن سے "دنیائے تاریخ" سیراب ہوگئی۔ یعنی یہودی۔ پارسی۔ عیسائی اور اسلام جنہیں سے ہر مذہب نے انسانی خیالات اور احساسات میں ایک قومی تحریک پیدا کر دی۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ظاہرا ایک خوش ترتیب نظم اور باقاعدگی کا وجود پایا جاتا ہے کہ یہ مذاہب یکے بعد دیگرے مقررہ فصل کے ساتھ وجود پذیر ہوتے گئے یعنی حضرت موسیٰ حضرت عیسےٰ سے ۱۵۰۰ برس پہلے۔ زرتشت ۶ سو برس قبل المسیح۔ اور آنحضرت مسیح سے ۶ سو برس بعد دنیا میں آئے۔ ان درمیانی وقفوں میں جانے کتنے مذہبی

کی تقریب کے لئے کافی ہیں۔ اصل اقتباسات کے شروع کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس امر کا فیصلہ **علامہ شبلی نعمانی** فرمائینگے کہ اسلام کے مؤثرات میں مذاہب غیر اور خاصکر عیسائیت کو جس حد تک قرآن کریم نے پیش پیش رکھا ہے۔ یہ جذبۂ تحقیق کہانتک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے اور فاضل مورخ کو اپنے فلسفانہ اجتہادات اور نتائج استقرائیہ میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے؟

تمدّن اسلام

میرا ارادہ تھا کہ اپنی ایک جدید تصنیف کے آخر میں اسلام کی تاریخ و تمدن کے چند منتخب اور ضروری مضامین ضمیمہ کی حیثیت سے بڑھا دوں۔ میں بالتخصیص ان مضامین کو ایک جا کرنا چاہتا تھا جنسے عرب کے مذہب و اخلاق پر بیرونی اثر کا اندازہ ممکن ہو۔ لیکن اس انتخاب کے سلسلہ میں مینے معلوم نہیں کہاں کہاں سے ریزہ چینی کی۔ جس سے بڑھتے بڑھتے ایک پاکیزہ مرقع طیار ہوگیا اور میری شیفتگی یہانتک بڑھی کہ اسے ایک مستقل وجود کی حیثیت سے پیش کرنے کا خیال راسخ ہوگیا۔ میرا مخاطب صحیح۔ گو درحقیقت میرا ہم مشرب اور ایک محدود حلقہ مستشرقین ہے تاہم یہ پیرایہ بیان۔ معلومات مشرقی کے صرف ایک خشک مجموعہ کے مقابلہ میں ہر طرح لایق ترجیح ہوگا۔ موجودہ تالیف میری گذشتہ تصنیفات سے نسبت قریبہ رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ ان کے مضامین کی متمم اور شارح ہے مجھے اپنے سلسلہ انکشافات میں اگر یہ معلوم ہوتا کہ میری کوئی قائم کردہ رائے غیر صحیح ہے تو میں اپنی غلطی کے علانیہ اعتراف اور اس سے دست بردار ہونیسے بالکل نہ شرماتا۔ لیکن یہ صورت پیش نہیں آئی۔ بلکہ مقدمات ذہنی ذیل میں اندھیتے گئے تاہم ابھی بہت کچھ نوٹہ لگانی ہے اسلام کے ساتھ اس کے سیاسی نظامات کو اچھی

نے اسلام پر ایک ارتقائی نظر ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ اُس کی ترکیب اور ساخت میں دوسرے مذاہب کا کتنا حصّہ ہے: یعنی یہودی - عیسائی - پارسی اور مانوی مذاہب نے کس حد تک دُنیا کے سب سے نوعمر مذہب پر اثر ڈالا ہے - یہ بحث نہائت دلچسپ ہے اور آجکل کے محققین کا خیال ہے کہ یہ رسالہ مختص الموضوع اپنی جامعیت اور محققانہ تلاش کے لحاظ سے اُس کی اور تالیفات میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے - جس میں امور زیر بحث کا ایک طرفہ فیصلہ نہیں کیا گیا ہے - بلکہ جو کچھ ہے خالص عالمانہ نکتہ سنجی کا نتیجہ ہے - قرآن کریم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ صرف تاریخی راز کی پردہ دری کرنے والا ہے - کسی خاص فرقہ کا نقیب نہیں ہے - اور یہی وجہ ہے کہ حق کی تلاش کے سوا اسکی خامہ فرسائی کی کوئی غائت نہیں ہے - اُس نے صرف مذہبی مباحث تک اپنی توجہ محدود نہیں رکھی - بلکہ نہائت بیدار مغزی سے مسلمانوں کی معاشرت پر بھی ساتھ ساتھ نظر ڈالی ہے - یعنی جہاں اُس نے مختلف اسلامی فرقوں کی ابتدا اور اُن کی نشوونما کی جزئیات دکھائی ہیں - اگلے پچھلے مسلمانوں کی معاشرت کا خاکہ بھی کھینچا گیا ہے - اُس سے اُن کی تدریجی تغیرات کا سُراغ ملتا ہے جن سے ایک قدامت پسند صحرائی گروہ کی کایا پلٹ ہوگئی اور عرب کے سیدھے سادھے نظامات زندگی کی جگہ - رفتہ رفتہ رومیوں اور عجمیوں کی شائستگی گھر گھر پھیل گئی -

پچاس برس ہوئے مجموعہ تحقیقات عالم وجود میں آیا لیکن باوصف اُس غیر منقطع تحریک کے جو مشرقی تحقیقات کے متعلق یورپ میں جاری ہے - یہ کتاب ایک زبردست مستشرق کی بہترین یادگار ہے جو بلحاظ نوعیت اب بھی بےنظیر سمجھی جاتی ہے - لایق مترجم کے مفصل دیباچہ اور اُن کے تاریخی انتقادات پر آئندہ نظر ڈالی جائیگی - سردست یہ چند سطرین غالباً تالیف زیر بحث

افاداتِ وان کریمر

متعلق

تمدن اسلام

۱

مسٹر صلاح الدین خدا بخش ایم اے - بیرسٹر ایٹ لا نے تاریخ الاسلام کے متعلق انگریزی میں ایک مجموعہ رسائل شایع کیا ہے جس میں جرمن کے نامور مورخ وان کریمر کی ایک بے مثل اور جامع تالیف کا ترجمہ خصوصیت کے ساتھ لایق ذکر ہے وان کریمر کی نسبت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عربی دان تھا یا نہیں تاہم چونکہ مسلمانوں کی تمام قدیم اور نایاب تاریخی تصنیفات - قریب قریب ترجمہ کے ذریعہ سے یوروپین زبانوں میں منتقل ہو گئی ہیں - یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ وان کریمر نے جو کچھ لکھا ہے اول درجہ کے ماخذوں سے لکھا ہے - اس نے متعدد کتابیں متعلقات اسلام پر جرمن زبانوں میں لکھی ہیں اور آج یوروپ میں اس حد تک اس کی تحقیقات کا لوہا مانا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فاضل اور پروفیسر بھی اس کی تحقیقات کے نتائج سے بے نیاز نہیں رہ سکتے اور ادبی (لٹریری) گروہ میں یہ ایک رواج سا ہو گیا ہے کہ استشہاداً جہاں جہاں کھپت ممکن ہوتی ہے - اس کے خیالات سے جدید تالیفات کی وقعت بڑھائی جاتی ہے -

بہر حال جس تالیف کے اقتباسات اسوقت پیش کرتے ہیں اس کا موضوع خاص یہ ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب سے کہاں تک فائدہ اٹھایا؟ وان کریمر

ہوں۔ تاکہ اہل نظر دیکھیں کہ حکمت کے کیسے کیسے دفتر ان مختصر فقروں میں بند کئے گئے ہیں۔

۱ ۔ ہمارا طریق ہے نہ مانگیں اور نہ پھیر دیں اور نہ جمع کر رکھیں ۔

۲ ۔ دعویٰ تکبر کا نتیجہ ہے ۔ دل اس کی برداشت نہیں کر سکتا اور اُسے زبان کی طرف پھینک دیتا ہے ۔ احمق زبان اسے کہہ بیٹھتی ہے ۔

۳ ۔ تھوڑا ادب اچھا ہے اُس علم و عمل سے جس کے ساتھ ادب نہ ہو۔

۴ ۔ تیرا بھائی وہ ہے کہ تیرا نفس اُس پر بھروسا کرے اور تیرے دل کو اس سے آرام ہو اور تجھ کو خدا سے باز نہ رکھے ۔

۵ ۔ اللہ کے ساتھ رہ بصورت موافقت ۔ خلق کے ساتھ بہ خیر خواہی ۔ لیکن نفس کے ساتھ بر سر پرخاش ۔

۶ ۔ امید کا کوتاہ کرنا زہد ہے ۔ نہ کہ کملی پہننا ۔ اور موٹا کھانا ۔

۷ ۔ جس نے صبر کی زرہ پہنی ۔ شتاب کاری کے تیروں سے بچ گیا ۔

۸ ۔ حق خاص و عام کے دلوں میں پوشیدہ ہے خواہ وہ حق پر ہوں خواہ باطل پر

۹ ۔ اعمال کے محرابوں کی مرمت خیال کے ہاتھوں سے نہیں ہو سکتی ۔

۱۰ ۔ بندۂ زر نہ خدا کا بندہ ہو سکتا ہے نہ خلقِ خدا کا دوست ۔

۱۱ ۔ مروت کے معنے یہ ہیں کہ اپنے نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالے ۔

۱۲ ۔ جب علم کسی راہ میں منزل بناتا ہے تو جہل کو وہاں سے کوچ کرنا پڑتا ہے

۱۳ ۔ خوش خلقی فایدہ مند تجارت ہے ۔ قناعت خزانہ ہے ۔ دنیا کی محبت میں گرفتار نہ رہنا آبرو ہے ۔ توکل پناہ ہے اور عقل کشتی نجات ۔

۱۴ ۔ عذاب کی تلخی گناہ کی شیرینی کو بھلا دیتی ہے ۔

۱۵ ۔ دانشمند کا چراغ کبھی گل نہیں ہوتا ۔ اور نہ اس کی آبرو کی پردہ دری ہوتی ہے ۔

عبدالقادر

مخزن

نصائح رفاعیہ

مجھے استنبول کے سفر میں جو صحبتیں نصیب ہوئیں - ان میں سب سے گہرا نقش دل پر اس بزم مختصر نے چھوڑا - جو شیخ محمد ابوالہدٰے سردار طریقت رفاعی کے ہاں دیکھی - یہ بزرگ تیس سال سے مقربین بارگاہ سلطانی میں ہیں اور دنیا کا زرد مال ان کے لئے ہر وقت حاضر ہے اس پر تواضع اور حسن خلق کا نمونہ ہیں اور دن رات سوائے یاد حق اور تلقین شرع کے کوئی شغل نہیں رکھتے - ان کے دیکھتے دیکھتے کئی مجلسیں بنیں اور کئی بگڑیں - کئی لوگ بڑھے اور کئی گرے - مگر انہیں کسی سے سروکار نہ رہا اور نہ ہے - ع - رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیان سب سے الگ - ایک دن انہوں نے مجھے ایک چھوٹا سا رسالہ اردو میں لکھا ہوا عنایت فرمایا جس میں طریقہ مبارکہ رفاعیہ کے سب سے بڑے سرتاج حضرت سید احمد الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سو اقوال کسی نے عربی سے ترجمہ کئے ہیں - میں نہیں چاہتا کہ اس نعمت سے اکیلا مستفید ہوں - اس لئے ارادہ رکھتا ہوں کہ اس رسالے کو شائع کر دوں - پیشتر اس کے کہ وہ رسالہ علیحدہ چھپے اور لوگ اس کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوں - ان نصائح میں سے بعض جو ہر ملت و مذہب کے اصحاب کے لئے یکساں دلچسپ ہیں - یہاں نقل کر دیتا -

[illegible]

ظاہر کی تھی۔ دواؤں کی خوبی اور ان
کے اوصاف کرنے کی بجائے ہم آپ
دوا کے ساتھ آپ کو ایک بنک

پنجاب کوآپریٹو بنک لمیٹڈ لاہور

کے نام دینگے۔ دوا کے باقاعدہ استعمال
کے بعد اگر آپ کو فائدہ نہ ہو
تو آپ یقیناً اس امر کے مجاز
ہیں کہ وہ چیک براہ راست
مذکورہ بالا بنک میں بھیج کر اپنے
کھلے ہوئے حساب میں سے
روپیہ واپس لے لیں۔ بس
اس سے زیادہ آسان اور
[illegible]

[illegible]


مخزن
اردو نظم اور نثر کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ
بمبئی
حیدرآباد دکن
کل شی ھالک
تناسخ یا تبدل - حضرت آغا شاعر
دہلی کے مساجد و معابد کی سرگذشت
ایک صبح کی عبادت گذار
ہندو مسلمانوں کا اتفاق
رباعیات
غزل اقبال - شیخ محمد اقبال

ممیرے کا سرمہ

پیٹنٹ اینڈ رجسٹرڈ نام — بحکم گورنمنٹ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے ضعف بصارت - تاریکی چشم - دھند - جالا - پڑوال - غبار - سبل - سرخی - پھولا - ابتدائی موتیا بند - پانی بہنا - خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کی مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں - چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہتی - بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے - قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ عام و خاص اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں - قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ ممیرے کا سرمہ مفید اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ ۲ روپیہ ہے - خاص ممیرہ فی ماشہ عہ مصری ممیرہ فی تولہ ۴ر خرچ ڈاک ذمہ خریدار

المشتہر :- پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور -

ان سے بڑھ کر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سرمہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر کہ جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کے واسطے جنکی آنکھوں سے پانی جاتا رہتا ہے اور دھند - غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے +

راقم ڈاکٹر سیح لال گھوس رانیہاوئیل - ایم بی اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور و آنریری سرجن جنرل ہند -

(۲) میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ تیار کیا ہے اپنی زیر علاج کئی ایک قسم کے مریضوں پر استعمال کیا میری رائے میں بینائی قائم رکھنے اور آنکھوں کی بیماریوں سے بچنے کے لئے ممیرے کے سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے -

راقم خان بہادر ڈاکٹر امیر شاہ آئی - ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور - ملک پنجاب +

پانچ ہزار روپے انعام — اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے اس کو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور کے پنجاب بینک میں اسی مطلب کے لئے تاریخ ۶ ۱۹۰۶ء سے جمع کیا گیا ہے +

میں کیمیاگر ہوں

اسلئے کہ سینکڑوں روپے ایک دوائی کی بدولت کماتا ہوں جسکی کثرت فروخت نے پھولا پھلا کر دیا ہے جسکی جادو بھری تاثیروں نے ملک میں دھوم مچا دی ہے۔ انڈیا بھر کے باشندے بچے سے لیکر بوڑھے تک اس کے نام سے واقف ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی کمزوری کے دفعیہ کیلئے ہندوستان میں یہ ایک ہی بے ضرر اور بے خطا دوائی ہے جس کا نام **روح حیات** ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ جس کا نام مشہور ہے۔

میں جادوگر ہوں اس لیے کہ کمزور دل کو وہ قوت دے سکتا ہے۔ کہ پہلوانی کریں۔ اور جن کے جسم پر گوشت نہ آتا ہو۔ یا اُن لوگوں میں وہ طاقت کم ہو جس کی وجہ سے مرد کو مرد کہہ سکتے ہیں۔ جن کے دل و دماغ اور اعصاب ضعیف ہوں ان کے لئے میرے پاس جادو اثر دوائی موجود ہے۔ جس کا نام اسم بامسمّٰی **روح حیات** ہے۔

روح حیات کے مصدقہ خواص ضعف مثانہ۔ ضعف اعصاب۔ ضعف دماغ۔ قلب۔ ضعف جگر۔ ضعف معدہ۔ ذیابیطس اور اختلاج قلب کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ دو یوم میں ہی کمزوری اور قبل از وقت علامات پیری کیلئے بنظیر ہو جاتی ہیں۔ ان سب سے کامل نجات ہو جاتی ہے۔

روح حیات کے مفید ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اسکی کثرت فروخت سے میں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کی جائداد پیدا کر لی ہے جس میں۔ مکانات۔ کوٹھیاں۔ اور اراضی شامل ہے۔ **روح حیات** کی تیاری اور حساب کتاب رکھنے کے لئے میرے دفتر میں کلرکوں کی خاص جماعت کام کرتی ہے۔ جس میں ہندو۔ مسلمان۔ اور عیسائی مذہب کے لوگ ملازم ہیں۔ اور کارخانہ روح حیات پنجاب بھر کے اشتہاری طبیبوں اور ڈاکٹروں سے زیادہ انکم ٹکس ادا کرتا ہے۔

میری آمدنی کی نسبت ایک دفعہ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دریافت کیا تھا جس پر صاحب موصوف کی خدمت میں تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر جو ڈاکخانہ سے بنک میں وصول ہوئی۔ بمعہ چٹھیات بنک میں بھیجی گئی۔ جس کی نقل بالاختصار بغرض اطمینان خلایق درج ہیں۔:

میری تین یوم کی آمدنی (بذریعہ منی آرڈر)

۲- اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء			۱۰۷ روپے	۱۳	آنے
״	״	״	۷۸ ״	۷	״
۳	״	״	۱۴۷ ״	۴	״
״	״	״	۵۵ ״	۱۵	״
۴	״	״	۲۲۸ ״	۵	״
״	״	״	۱۵۲ ״	۲	״
میزان			۸۸۳ روپے	۱۴	آنے

اس چٹھی پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لاہور تحریر فرماتے ہیں۔ "میں آپ کی چٹھیات اور دیگر کاغذات متعلقہ دیکھنے کے بعد واپس کرتا ہوں"۔ (دستخط) سی۔ ایچ۔ اٹیکنس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء

ناظرین! آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ روح حیات کی قدر دانی ملک میں کس قدر بڑھ گئی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ اس لئے اب کوئی وجہ نہیں کہ اس کے فائدوں میں آپ کو ذرا بھی شک ہو اور اس زندگی بخش مگر سستی دوائی کے خریدنے میں تامل کریں (قیمت فی شیشی روح حیات ۲ روپیہ)

پتہ:- حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر کیمیاگر پیرو پیرا ٹسر شفاخانہ عام چوک نواب صاحب لاہور

آدویلا اینیں پچاس ہزار مریض کس طرح صحت یاب ہوئے ہیں

طاقت بخش حسن افزا روح نما مرکب!

اعصاب میں حواس حرکت اور دماغ میں عقل و فراست وغیرہ قوتیں خدائی ہیں اور اعضائے رئیسہ میں جو مغز کام کرتا ہے وہ ہر ایک برقی مادہ خدائی جسم میں پیدا کیا ہے اسی سے یہ کل (جسم) اور کل کے پرزے کام دیتے ہیں۔ جب ہماری یہ قوتی ہے وہ مادہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو اندرونی عضو وہ کام کرنا بھول جاتے ہیں۔ کثرت شراب اور عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہو جاتا ہے دل و دماغ جگر اور برقی سسٹم و نظام خون وغیرہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح چانڈو، افیون، بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعصاب میں وہ مادہ دوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ منفذ عروق و اعصاب کی راہ خراب ہو جاتی ہے۔ یہ مرکب گویا روح روان اعضائے رئیسہ ہے اس کے وجود سے حیات روح ہوگی۔ ورنہ روح بیمار جسم کے لئے وبال جان ہوتی ہے۔ یہ مرکب سستی اعصاب کا اکسیر علاج ہے۔ اسکی ایک دو شیشی سے چہرہ سرخ اور جسم فربہ ہو جاتا ہے جس سے بھوک خوب لگتی ہے۔

قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ)

سرمہ میرہ کراماتی۔ دافع ضعف بصارت۔ نزول الماء۔ دھند غبار۔ آب رواں۔ سرخی وغیرہ فی تولہ۔ دو روپے (عا)	سیلان الرحم (سیلان دار) عورت کی صحت بحال۔ درد کمر کا فور قیمت دو ہفتہ دو روپے (عا)
حب دافع قبض دائمی رات کو ایک گولی کھانے سے قبض دور ہو جاتی ہے۔ ۲ درجن (عہ)	سیخ و بعد از غسل چہرہ پر دو قطرے ملنے سے چھائیاں وغیرہ دور چہرہ گلفام فی شیشی (عہ)
جوہر عشبہ مصفی خون پھوڑے پھنسیاں، چنبل، ناسور، خنازیر، بد وغیرہ دو شیشی خورد (عہ) کلاں (عہ)	نو دعلی نور۔ اسکے لگانے سے چند منٹ میں بال دور ہو جاتے ہیں جلد کو ہرگز ضرر نہیں ہوتا۔ ۲ تولہ قیمت (عہ)

دوائی خارش خشک (عہ)

زود کش۔ اس کے لگانے سے ... بال ...

حب قائم مقام افیون دافع افیون و چانڈو۔ (عہ)

دافع بخار ...

حب دافع ضیق النفس ...

دوائی ایام ماہواری ...

پتہ: مخزن الحکماء حکیم و ڈاکٹر غلام نبی حافظ صحت ایلکٹرو بیالہ موچی دروازہ لاہور

تصدیق (۱) جناب محمد غوث بخش صاحب ... ضلع ... آپ کا خضاب میں نے استعمال کیا ... عمدہ ... براہ مہربانی دو شیشی خضاب اور بھیجدیں

تصدیق (۲) جناب غلام محمد صاحب نائب ... سرشتہ منصفی کیتھل کرنال - واقعی آپ کا خضاب بے نظیر ہے براہ مہربانی دو شیشی خضاب اور بھیجدیں

تصدیق ... جناب ... صاحب ... خضاب ... عمدہ ... دو شیشی ...

تصدیق (۴) جناب منشی ... صاحب ... آپ کا خضاب ... شیشی ... بھیجدیں

پانچسو روپیہ انعام (۵۰۰)

جوہر حنا و وسمہ

خضاب ہو تو ایسا ہو - عمدہ کا عمدہ - ارزاں نہ باندھنے کی حاجت نہ گھڑی - دو گھڑی کی وقت - نہ نزلے کا خطرہ نہ سردی کا ڈر - نہ جلد سیاہ ہو جانیکا اندیشہ نہ بالوں کے سخت کرخت ہونیکا خدشہ - لیا اور لگایا - لحظہ بھر میں نیا رنگ - نیا ڈھنگ شباب کا عالم - جوانی کی امنگ - بال سفید فوراً اصلی رنگ کیطرح سیاہ اور ملائم اور سیاہی ایک ماہ تک قائم - یہ خضاب مہندی و وسمہ کا جوہر کشید کرکے تیار کیا گیا ہے - ہاتھ سے معمولی تیل کیطرح لگایا جاتا ہے - برش وغیرہ کی حاجت نہیں پڑتی - معزز احباب نے فضول خضابوں کو چھوڑ کر اس خوشبودار عرق کی خریداری ہمیشہ کے لئے منظور فرمائی ہے - چند سرٹیفکیٹ برائے ملاحظہ درج ہیں - اصل قیمت عہ نصف قیمت ۱۴

نوٹ: جو شخص مہندی و وسمہ کا جوہر نکالکر ہمارے خضاب سے بڑھکر زود اثر خضاب ہمکو تیار کرکے دکھائے گا ہم اسکو ۵۰۰ روپیہ انعام دیا جاویگا

تصدیق (۶) جناب ... پوسٹ ماسٹر ... ضلع ... پیشتر ازیں ایک بنڈل ... آپکا خضاب ... مہربانی ایک بنڈل بذریعہ وی پی ارسال فرماویں

تصدیق (۵) جناب مولوی غلام ستار صاحب از دفتر ... بندہ تسلیم چونکہ خضاب حق الحقیقت ... دنیا کے خضابوں سے عمدہ اور ارزاں ہے ... ایک بنڈل خضاب وی پی ... عنایت کیجئے

پتہ: ہیلچ حسن اینڈ کو کارخانہ خاں محمد شاہ صاحب خان بہادر — رسالہ کا حوالہ ضرور دیں

تاریخی و ادبی کتابیں

یادگار دربار:۔ دربار ہائے تاجپوشی و تخت نشینی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں بیش بہا کتاب تیار ہوئی ہے جسمیں اول تو شہنشاہ کی مفصل سوانعمری اور پھر دربار ہائے لنڈن و ہندوستان کے تفصیلی حالات دئے گئے ہیں اور ساتھ ہی شاہی دربار یعنی شہنشاہ و ملکہ لارڈ و لیڈی کرزن لارڈ کچنر ڈیوک و ڈچس آف کنیاٹ امپیریل گیڈٹ کور نظام دکن والیان ریاستہائے کشمیر اودیپور بڑودہ میسور گوالیار وغیرہ وغیرہ اور معزز مہمانان دربار مثلاً نواب فتح علی خان قزلباش و راجہ امیر حسن آف محمود آباد وغیرہ وغیرہ کی عکسی گراف ٹون تصویریں بھی معہ انکے حالات کے درج کتاب ہیں۔ کتاب کا حجم سات سو صفحہ اور تصاویر و نقشہ جات ایکسو کی تعداد میں اسکے علاوہ بریں کتاب مذکور کی قدردانی میں پنجاب و ہندوستان کی لوکل گورنمنٹوں والیان ریاست اور روسائے علمدوست نے جو قابل قدر حصہ لیا ہوا ہے۔ اسکی خوبی کی اعلےٰ دلیل ہے۔
قیمت ۶ معہ محصول ڈاک +

یادگار وکٹوریہ: ملکہ وکٹوریہ متوفیہ کی مکمل لائف یوم پیدائش سے وقت آخر تک اس جامعیت کیساتھ لکھی گئی ہے کہ ساتھ ہی انکے عہد سلطنت کے تاریخی واقعات اور وسعت مقبوضات پر بھی نظر جاتی ہے ساتھ ہی ملکہ کی مختلف طرزوں کی تین اور ان کے فرزند موجودہ شہنشاہ بیگم کی تصویریں بھی درج کتاب ہیں۔ حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت عہ +

یادگار تاریخ دربار لاہور ۱۸۶۴ء: میں لارڈ ایلگن نے جو شاندار دربار لاہور میں منعقد کیا تھا۔ اسکے جملہ حالات انتظامات معہ ریاستہائے پنجاب یعنے کشمیر پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ نابھہ کپورتھلہ۔ فریدکوٹ نابیں۔ سرمور اور سر فنش میکلوڈ لفٹنٹ گورنر پنجاب و لارڈ ایلگن کی تصویر کے درج ہیں۔ قیمت آٹھ آنہ (۸) حجم قریباً ایک سو صفحہ۔

یادگار سعدی:۔ اس کتاب میں شیخ سعدی کے مفصل حالات زندگی لکھکر اور انکی طور و انداز زندگی پر بحث کر نیکے بعد کلیات شیخ میں سے حکایات و نکات و غزلیات و قصاید قطعات کا ایک قابل قدر ترجمہ درانتخاب دیا گیا ہے جو امیر غریب حاکم محکوم چھوٹی بڑی مبتدی استاد کار آمد اور حسب حال ہے۔ زیادہ تعریف فضول ہے مختصر یہ ہے کہ اسکو مفید تصور فرما کر قریباً تمام سکولوں میں تقسیم انعامات اور لائبریریوں کیلئے (حجم ..... صفحہ قیمت عمر)

یادگار دوستی:۔ ناول تو آپ نے سینکڑوں دیکھے اور اشتہاروں میں انکی تعریف بھی بہت پڑھی ہوگی مگر یہ لاجواب ناول کچھ اور ہی ڈھب کا ہے۔ اسمیں اخلاق و تجربہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے یا سانانی یا زبانی یا جانی کے صحیح لیٹریری فوٹو پولیس کے ہتھکنڈے عشق و محبت کی داستانیں بے تکلفانہ شیریں اور پھیکی باتوں میں دبے ہوئے اخلاص و مروت کی تصویریں اس عمدگی سے کھینچی ہیں کہ لطف آجاتا اور عمروں کے تجربہ گھر بیٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس پر ہنسی مذاق ہی ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ تجربات کی کڑواہٹ دور کرنے کو ناول کا پیرایہ پسند کیا گیا ہے۔ اور سفارش کی جاتی ہے۔ کہ ہر ایک تعلیم یافتہ شخص کو اسے ضرور دیکھنا چاہیے حجم قریباً ۲۰۰ صفحہ قیمت معہ محصول ڈاک عہ ایک روپیہ تین آنے +

شاہنامہ ہند:۔ یہ فارسی نظم ہے جسے مہارا جہ گھوبر جنگ بہادر نے شاہ ظفر کی نذر کیلئے امیر تیمور سے آخر حکمران آنکے حالات میں لکھا گیا تھا۔ اور اسکا اصل نسخہ بڑی قیمت پر ایک پرانے کتبخانہ سے خرید کر چھاپا گیا ہے۔ قیمت معہ محصول ڈاک (عہ) جملہ کتابوں کے یکجائی خریدار کو صرف ۱۰ روپیہ ویلیو کیا جائے گا۔

اگر قسمت نے آپ کو کسی مصرف کا نہیں رکھا تو ایک لائق تجربہ کار کا بنایا ہوا مرکب یعنی ڈاکٹر میتھرس ماڈرویل الکینر اس مرض کو جڑھ سے کھودیتا ہے۔ کچھ پروا کی بات نہیں۔ خواہ مرض کیسا ہی شدید ہے۔ جونہی اس اعجاز نما دوا کو ایک بار لگایا۔ اور اس نے فوراً اکسیر جیسا اثر دکھلایا وزن گھٹنا شروع ہوا + قیمت فی بوتل (عہ) ایک روپیہ آٹھ آنہ۔ علاوہ محصولڈاک۔

کمزور مضبوط ہو سکتے ہین

یہ فقرہ خاصکر اُن لوگوں کو مخاطب کر کے لکھا جاتا ہے جو کمزوری کا ہر طرح سے علاج کر چکے ہیں یا جنہوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ناظرین میں سے کسی نے اپنے تئیں مایوس العلاج تصور کیا ہے تو سخت غلطی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ غلطی ہوگی کہ باوجود گذشتہ کوششوں کے ناکامیاب ہونے پر اب بھی نئی ذو شہر کیطرف متوجہ نہیں ہوئے۔ دیکھو چکے آزما چکے یہ آزمودہ آزمودن جہل است ڈاکٹر میتھر کے ڈنیٹلیس کے استعمال سے زائل شدہ طاقت بحال ہوتی ہے اس میں ادویہ مناسب طور سے شامل کی گئی ہیں ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی کمزوری ہو اس سے دور ہو جاتی ہے رسالہ تحفہ میتھر کو پڑھو تم خود قائل ہو جاؤ گے۔

(ے) علاوہ محصولڈاک

تمام دنیا میں جسقدر سارا دویہ صفائی خون کیواسطے فروخت ہو رہی ہیں ان سب سے میتھر صاحب کا سارسا پریلا کی بکری بہت زیادہ ہے۔ اس سارسا پریلا میں ایک نئی ترکیب سے عملی کی حرارت آمیز کی گئی ہے تمام قسم کے گھاؤ زخم امراض اسفل جن سے جلد بد نما ہو جاتی ہے جسم پر بدنما داغ کنٹھ مالا پھوڑے پھنسیاں پڑتی کنٹھ اسکے استعمال سے جاتے رہتے ہیں قیمت عہ فی بوتل یہ ادویہ کارخانہ مسرس ڈبلیو میتھر اینڈ کو کلکتہ میں تیار ہوتی ہیں۔ تھوک اور خوردہ فروش ایجنٹ اے برکت اینڈ کو دہلی سے طلب کرو +

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی دواسازان ڈیٹریٹ ملک امریکہ کی مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس وائن آف کاڈ لور آئیل

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتہ فولاد۔ پاکیزہ۔ بلا بو اور مالش۔ مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج ۱۲؍ ۔ عا

اسٹرنس میڈ ایک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر اور یقینی فائدہ رساں دوا۔ نقلی مت خریدو۔ صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲؍

اسٹرنس میٹھا لائڈ ٹبلیس

کیسی ہی مثانے کی بیماری ہو اس کے استعمال سے دور ہوجاتی ہے بہترین ادویہ میں کامیابی ہوئی ۴۰ گولیوں کی شیشی قیمت عا؍

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب دافع سستی و تکان صرف تازہ اور بغیر کی ہوئی گریں سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار اور خوشگوار خوراک (سلے)

اسٹرنس سینٹرا ہیس

غذا ہضم کرنیکے لئے بہترین دوا نہایت سستی زود اثر۔ کاش طور سے آلا۔ ہضم کو درست کرتی ہے فی شیشی عا

اسٹرنس کف کیور

کھانسی کو چند گھنٹوں میں آرام کرتا ہے۔ افیون اور مضر اجزا سے پاک خریدنے کیوقت بعد ہو جبے کہ اسٹرنس کی ہو فیتول ۱۲؍

رسالہ رفیق مریضان جسمیں انکو علاوہ دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈ اٹرائٹ ملک امریکہ کی شرح حالات ہیں۔ اسٹرنس اینڈورٹائیزنگ ڈپو کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو

کشمیر کے تمام انگریزی اشیاء کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

خاتون

یہ امر اب طے ہو گیا ہے اور ملک کے تمام اہل الرائے اصحاب پر متفق ہو گئی ہیں کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسواں ہے۔ کہ کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی اس وقت تک وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔ ایشیا کے ترقی نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے اب تک اس راز کو سمجھا نہیں تھا۔ آپ اب جاپان کو دیکھیے کہ وہاں کی عورتوں میں عالمہ تعلیم رائج ہو گئی ہے۔ اس لئے اس کے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے تو پہلے ہی اسکو ماں کا آغوش ملتا ہے جہاں اسکی ابتدائی تربیت ہوتی ہے اور تربیت بھی کیسی جسکا اثر مدت العمر زائل نہیں ہو سکتا۔ پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہونگی تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہو گی۔ عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اس کے اندر راسخ ہوں گے اور اس کی تعلیم کی جڑ مضبوط رہے گی۔

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے جو لوگ وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اسکے اعلیٰ اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اندر دیانتداری۔ راستبازی۔ خوش خلقی۔ معاملہ فہمی اور دور اندیشی وغیرہ تمام اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں وہی کورس پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں میں وہ اثرات نہیں پیدا ہوتے۔ اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش ہی سے ان اوصاف سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں سے کورے رہتے ہیں۔ آغوش مادر کی اعلیٰ تربیت اول نمبر ہے اور بی۔ اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری دوسرے نمبر پر۔

اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی عورتوں کی جہالت ہے۔ اسی قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں پر ادبار نازل ہے۔ اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں۔

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کے تلافی کیطرف مائل کرنے کے لئے ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسواں کیطرف سے رسالہ خاتون ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے جسکا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسواں کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرنے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلانے اور اور علم کیطرف ان کی سچی رہبری کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ عصمت کا زبردست حامی ہے۔

الحمد للہ کہ اس تین سال کے قلیل عرصہ میں اس رسالہ نے اپنے مقاصد میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور ملک کے تمام معزز گھرانے اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اور تعلیم نسواں کیطرف سرعت کیساتھ طبیعتوں کا میلان بڑھ رہا ہے۔

چونکہ یہ قومی رسالہ ہے اس لئے اسمیں قوم کے تمام بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک۔ شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء مولانا حالی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ایل ایل ڈی پروفیسر ابو الحسن بی اے انعام الحق بی اے اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنؤ کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بیبیوں کے نفیس مضامین چھپتے ہیں جو سوائے اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ اس کا کاغذ۔ چھپائی۔ لکھائی سب اعلیٰ قسم کی ہے حجم ماہوار ۶۴ صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ۔ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ۔

المشتہر شیخ عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں و ایڈیٹر خاتون علیگڈھ

چنبیلی یا بیلہ

[illegible] تیل کیطرح سفید بالوں کو
سیاہ کرنے والا خوشبودار [illegible]

[illegible]

بال اڑانیکا اصل صابون

یوں تو ہر ایک شخص بڑے دعوے سے اپنی چیز پبلک کے روبرو پیش کرتا ہو۔ مگر اصلی نقلی کی تمیز پبلک کا فرض ہو۔ اور تجربہ سب سے زبردست شہادت ہے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ہمارا ہی ایسا صابون ہے۔ جو آناً فاناً بال اڑا دیتا ہے گویا ادھر صابون لگا ادھر بال اڑ گئے۔ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیا جادو ہے۔ ہماری ٹکیہ انگریزی صابون کیطرح خوبصورت ہے اور اس پر انگریزی حروف میں ہمارا نام کندہ ہے۔ صابون خوشبودار ہونے کے علاوہ بے نظیر بھی ہے آپ نمونتہً ایک ٹکیہ منگوا کر دیکھیں۔ اگر عمر بھر کیلئے گرویدہ نہ ہو جاویں۔ تو ہمارا ذمہ۔ غرضیکہ یہ حیرت انگیز بال اڑانے کا صابن ہے۔ جسکی جادو بھری تاثیر کو دیکھ کر قدردانان ملک دن بدن اسکے موجد کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں

قیمت

فی ٹکیہ چھ آنہ ۔ فی بکس جس میں تین ٹکیہ ہیں ۔ محصول ڈاک خریدار
عمر

جادو کی انگشتری

محرم ہم پیالہ و ہم پیالہ ہم کیا ہے ساقی
اگر کوئی غائبانہ بات دریافت کرنا چاہیں
تو عجب طریقہ آپ پوچھیں گے کہ انگشتری
بتا دیں۔ جو آپ دریافت کرنا چاہیں
وہ ایک بات دیگا۔ کوئی کیسی ہی دریافت
بات ہو یا کوئی امر غائبانہ راز ہو یا کوئی
مزید مخفی بات دریافت کرنی ہو
تو اس سے بڑھکر کوئی اور چیز آپ
کو ہرگز نہیں مل سکیگی۔

قیمت

فی انگشتری عمہ

حکیم جوتشی گنگاداس شرما امرتسر بازار سرکی بنداں

اس پتہ سے منگائیے۔ ایس۔ اے۔ جی بخشی اینڈ کو کلکتہ

لطفِ زندگی یا کمپونڈ ڈمیانہ پلز

کمپونڈ ڈمیانہ پلز (۱) کوئی دیسی دوائی نہیں ہے جسکے منگانے میں آپکو پس و پیش کرنا چاہئیے۔ بلکہ ولایت کے ایک بڑے تجربہ کار ڈاکٹر کی بنائی ہوئی ہے کمپونڈ ڈمیانہ پلز میں نہ جواہرات ڈالے جاتے ہیں نہ جنگل پہاڑ وغیرہ کی جڑی بوٹیوں سے کام لیا جاتا ہے مگر ہاں جو اجزا اسمیں شامل ہیں وہ بذات خود جواہرات وغیرہ سے بہت زیادہ مفید اور طاقتور ہیں۔ جس کے سبب سے یہ بات اس کمپونڈ ڈمیانہ پلز میں ہے۔ کہ حلق سے اترے اور ایک گھنٹے کے اندر آپکو امتیاز ہوگیا کہ کمپونڈ ڈمیانہ پلز نے اپنا فائدہ شروع کر دیا اس سے بہتر مقوی دوا آپ کو دنیا میں میسر نہیں ہوسکتی اور کسی قسم کا نقصان اس سے نہیں ہوسکتا۔ پھر حافظہ اس سے بڑھتا ہے اور روح تازہ رہتی ہے ضعف دل و دماغ کی اصلاح اس کر بہتر کوئی دوائی نہیں کر سکتی۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر موسم ہر فصل ہر وقت میں آپ اسکا استعمال کر سکتے ہیں۔ کمپونڈ ڈمیانہ پلز جن جن قیمتی دواؤں سے طیار کیگئی ہے وہ حسب ذیل میں درج ہیں۔

اول ڈمیانہ اکسٹراکٹ دوم کوکا سوم نکس وامیکا چہارم فاسفورس۔

اب آپ کسی ڈاکٹر سے ان چاروں اجزا کا حال دریافت کریں اکسیر گو ان کے سامنے ہیچ بتلائے گا۔

کمپونڈ ڈمیانہ پلز جبکہ ساری دنیا کے علم طبقے نے یہ تسلیم کیا ہے کہ کمپونڈ ڈمیانہ پلز سے بڑھکر دنیا میں مقوی کوئی دوائی نہیں ہے تو مجھے افسوس ہوگا اگر آپ نعمت غیر مترقبہ سے محروم رہینگے۔ کمپونڈ ڈمیانہ پلز کو خریداروں کی بابت صرف ایک مرتبہ روانہ ہوئی ہے بلکہ مکرر سہ کرر لوگ اس سے فائدہ اٹھا کر اسکو منگاتے ہیں اور واقعی یہ بھی قابل قدر چیز

قیمت فی بکس جسمیں چھتیس ۳۶ گولیاں ہیں صرف دو روپے۔ محصول ڈاک وغیرہ چار آنہ

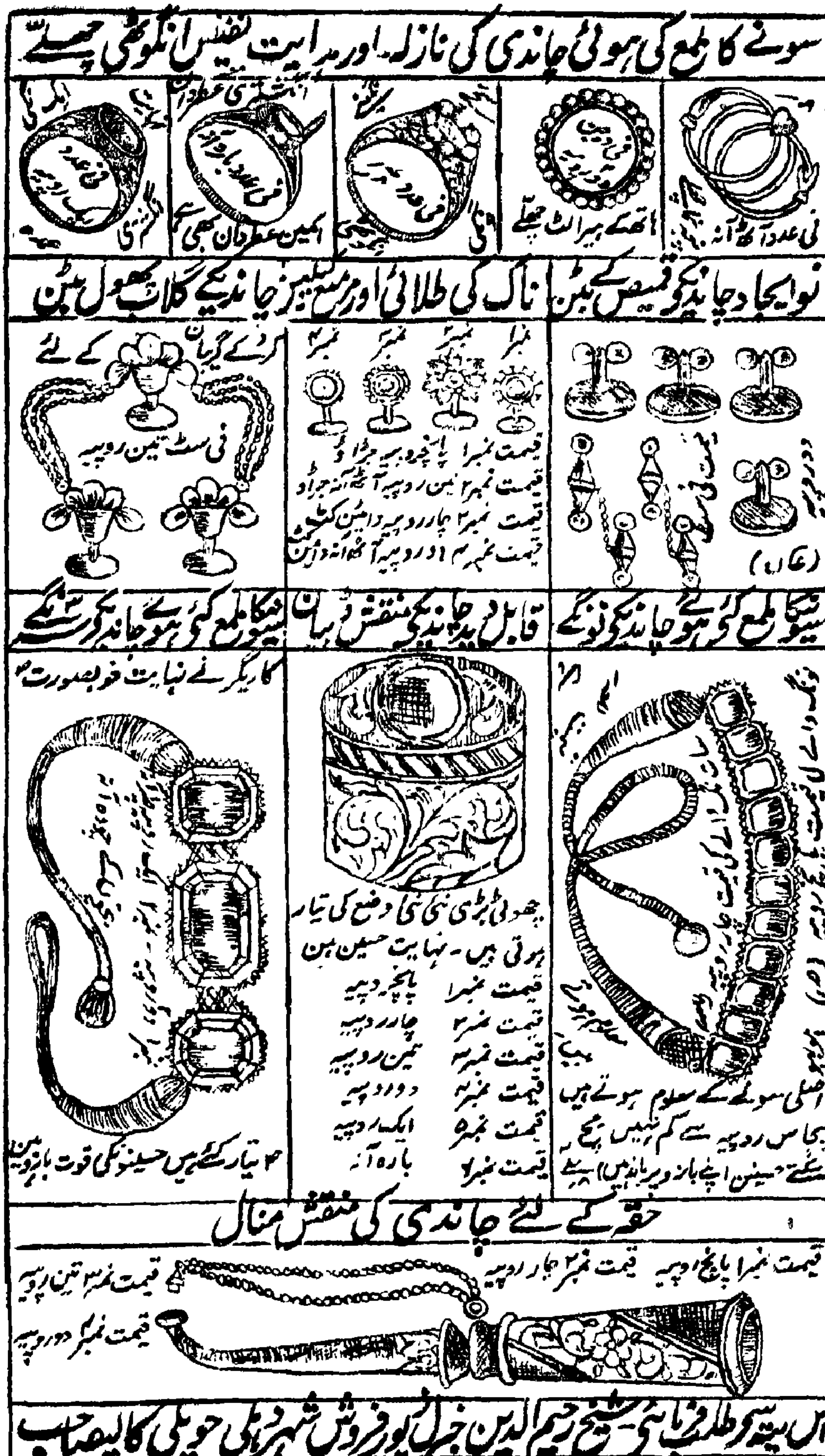
سچا انعام مفید ہے۔

کمپونڈ ڈمیانہ پلز۔ کو ہر دلعزیز اور مشہور کرنیکے لئے مندرجہ ذیل انعام آخر نومبر سنہ ۱۹۱۰ء تک دیا جائیگا۔ اس کے بعد بند کیا جائیگا تین بکس کے خریدار کو ایک سچا ٹائم پیس گارنٹی دو سال مفت ملیگا۔ اور چھ بکس کے خریدار کو ایک جیبی ریسٹ واچ گارنٹی دو سال انعام میں ملیگی اور بارہ بکس کے خریدار کو ایک گھڑی دوہرے ڈھکنے کی نہایت مضبوط گارنٹی چھ سال انعام میں مفت ملے گی۔ دیکھئے اس سنہری موقع کو غنیمت ورنہ پھر افسوس کرنا ہوگا۔

چند سچی شہادتیں۔

(۱) محمد ذکر اللہ صاحب بدر قمطراز ہیں کہ تین بکس کمپونڈ ڈمیانہ پلز اور ایک عدد گھڑی انعامی سے نہایت ہی مسرور ہوا اور کمپونڈ ڈمیانہ پلز مفید ہے جیسا کہ اشتہار مذکور میں تحریر ہے (۲) نوازش علی صاحب وکیل ریاست پٹیالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ جناب نے جو کمپونڈ ڈمیانہ پلز کا ایک بکس جو مجھے آپنے روانہ فرمایا تھا وہ پونچا نہایت ہی اس نے فائدہ بخشا اس لیے آپکو تکلیف دیتا ہوں کہ ایک بکس اور ڈمیانہ پلز کا بہت جلد روانہ فرمائیے +

اس پتہ سے منگائیے۔ ایس۔ اے۔ جی بخشی اینڈ کو ۱۲۴ ہالیڈے سٹریٹ ڈاکخانہ بازار کلکتہ



سونے کا ملمع کی ہوئی چاندی کی نازک اور نہایت نفیس انگوٹھی چھلے
ہاتھ کے ہیرالٹ چھلے
فی عدد آٹھ آنہ
نو ایجاد چاندی کے قمیص کے بٹن
ناک کی طلائی اور مرصع کیلیں
چاندی کے گلاس کے پھول بٹن
کرتے کے گریبان کے لئے
فی سٹ تین روپیہ
نمبرا
نمبر۲
نمبر۳
نمبر۴
قیمت نمبرا پانچ روپیہ جڑاؤ
قیمت نمبر۲ تین روپیہ آٹھ آنہ جڑاؤ
قیمت نمبر۳ چار روپیہ درجن
قیمت نمبر۴ دو روپیہ آٹھ آنہ درجن
سیتو کا ملمع کیے ہوئے چاندی کے نونگے
قابل دید چاندی کی منقش ڈبیاں
سیتو کا ملمع کیے ہوئے چاندی کے
کاریگر نے نہایت خوبصورت
چھوٹی بڑی نئی نئی وضع کی تیار ہوتی ہیں - نہایت حسین ہیں
قیمت نمبرا پانچ روپیہ
قیمت نمبر۲ چار روپیہ
قیمت نمبر۳ تین روپیہ
قیمت نمبر۴ دو روپیہ
قیمت نمبر۵ ایک روپیہ
قیمت نمبر۶ بارہ آنہ
اصلی سونے کے معلوم ہوتے ہیں
پچاس روپیہ سے کم نہیں بچ سکتے
تیار کئے ہیں حسینوں کی قوت بازو
حقہ کے لئے چاندی کی منقش منال
قیمت نمبرا پانچ روپیہ
قیمت نمبر۲ چار روپیہ
قیمت نمبر۳ تین روپیہ
قیمت نمبر۴ دو روپیہ
اس پتہ سے طلب فرمائیے - شیخ رحیم الدین جنرل یو فروش شہر دہلی حویلی کابل صاحب

عورت نے پہلو کا تیر

وہ آدمی کہ جس کے بال سفید ہو گئے ہوں مگر یہ عالم ہر انسان پر وارد ہوتا ہے۔ لیکن قبل از وقت

ہونا اور بھی قیامت ہے کہ موئے سیاہ سفید ہوئے ہیں۔ شباب میں ارے زندگی ابھی سے چراغ سحر نہ ہو۔

جوانی انسانی طاقت کا بہتر حصہ ہے۔ نہایت ہی قیمتی وقت ہے اور اس کے بعد انسان پھر برائے نام ہی انسان رہ جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں بال سفید ہوئے۔ اور شیخوخیت نے آ کر سلام کیا۔ بوالہوس بیوی چھٹنوں سے کھینچی پڑا۔ یہاں تک کہ عورت کی نظر میں بھی کھٹکنے لگے گویا مرد کے بال کی سفیدی عورت کی کلیجے کو دو ٹکڑے کر دیتی ہے اب اگر بات کی تو بیہودہ سے ہنستے ہوئے تو مخفی بناوٹ۔ اور اگر پاس بیٹھے تو پہلو کا تیر ہو کر بیٹھے۔ مطلب کوئی نہ کہے وہ اور بات ہے ورنہ مرد کی وضع میں تو وقت فرق آ گیا جب کہ اس کے بال ہوئے۔ اس زہر آلود تیر کے نکال دینے کے لئے اس ٹوٹے ہوئے دل کے جوڑنے کے لئے اس گئی ہوئی جوانی کے پھیر لانے کیلئے۔ اگر کوئی چیز دنیا میں مانی ہوئی ہے تو وہ صرف حنا و وسمہ یعنی قدرتی موجد کا اصلی خضاب ہے کہ حکمائے سلف نے صد ہا نسخے ترتیب دئے عقلائے حال نے علوم مغربی کے تمام زور لگا کر اکثر رنگ آمیزیاں کیں۔ مگر جب امتحانی کسوٹی پر کسا تو حنا اور وسمہ کی آمیزش نے سب کا رنگ پھیکا کر دیا۔

مگر افسوس

خضاب کے متعلق آجکل کی دنیا عجیب عجیب رنگ لا رہی ہے اصل و نقل کی کوئی پہچان ہی نہیں رہی بعض حضرات اس اعلان سے اپنی ہمت بڑھاتے ہیں کہ فلاں مشتہر خضاب پٹھو بچو بھاگو کوئی ڈھنگ زمانہ دے۔ اور پھر خود ہی نہایت بے شرمی سے اس مشتہر کی جگالی کرتی ہیں بعض ان سے بھی زیادہ دون ہمت اور سفلہ ہیں۔ وہ تو مشتہر کے تمام دکمال نقل کر دیتے ہیں۔ اور پیچھے جھٹ اپنا نام ٹانک دیتے ہیں قیمت کا یہ حال کہ دو روپے کا روپیہ اور روپے سے کہ جو دو آنے مفترض ہر طرح سے پبلک اور مشتہرین بدنامی پیدا کرتے ہیں۔ خوب یاد رکھنا چاہئے سانچ کو آنچ نہیں ہوا کرتی ہے جو مال بذاتہ اچھا ہے اس کے خریدار بہت ہیں۔

ہمارا خضاب جوہر حنا و وسمہ

آج بفضلہ دس برس سے اس قدر کامیاب ثابت ہوا ہے اور ہو رہا ہے کہ باوجود وسمہ پرداز اندازیوں کے بھی ہم نہایت زور اور وثوق سے پوری تحدی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہندوستان بھر میں جس قدر خضاب کے کارخانے ہیں۔ ہمارا خضاب ان سب سے زیادہ یکتا ہے۔

ہمارا خضاب

جس کی اکثر مہربانوں نے بڑی بے شرمی سے نقل لی ہے ایک لطف خیز عرق ہے یہ مہندی اور وسمہ کا جوہر ہے جسکو نکتہ اجزا دیگر پورے ایک چلہ کی کاوشوں کے بعد مشین کے ذریعہ سے کھینچا گیا ہے اس میں ماء اللذیذ کی ضرورت ہے نہ مہندی اور نیل کی بتوکی ترجمانی کی حاجت یہ بالوں کی نرمی عطر انگیزی اور دلفریب سیاہی میں یکتا ہے معمولی خضابوں سے سیاہی رنگت کے تبدیل کا یہ عالم کہ جہاں عرق لگایا اور بال کالے بھونرا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ استقرار کا یہ رنگ کہ اگر مہینے کے بعد دوبارہ لگایا جائے تو زندگی کے دشمن پھر مہینوں نہیں لائیں حلیہ کا خراب ہونا۔ داغ دھبہ توبہ توبہ ایک شیشی کیور میاں پھر چلتی ہے اور یہی وہ خضاب ہے یہی وہ جانکا جوہر حنا و وسمہ ہے جسکے استعمال سے مرد سرد ہو جاتا ہے اور جی جاتا ہے جس سے پہلو عورت کے پہلو میں باز دیتا ہے لگاتے ہی نیش سے نوش ہو جاتا ہے۔

نوٹ - یہ خضاب ہاتھ سے معمولی تیل کی طرح لگایا جاتا ہے اور اس میں مستعمل خضابوں کی طرح برش وغیرہ کے مطابق ضرورت نہیں (وقت فرمائش اس رسالہ کا حوالہ ضرور دیں)۔

قیمت فی شیشی دو روپے۔ (۲؎) اور محصولڈاک ۶ ؍ + نوٹ دو دو روپیہ والی فی شیشی کیلئے تین شیشیوں سے لیکر چار تک۔ اور پانچ شیشیوں سے ۶ تک ۱۳؍ محصولڈاک دینا پڑے گا +

حکیم ڈاکٹر ایم ڈی **خورشید عالم** بی ایم ایس موجد ایسٹرن ڈریس دیو امرت باجی شفاخانہ **امرتسر**

موجد خضاب جوہر حنا و وسمہ

سرسید مرحوم

نے

ہی ہندوستان میں زیادہ تر **ترکی ٹوپی** کو رواج دیا تھا

بلکہ

یہ کہنا چاہیے کہ سرسید ہی اس کا موجد رہا - اور ان ٹوپیوں میں بھی اس نے ایک خاص فیشن ایجاد کیا تھا - اس قسم کی ٹوپیاں سرسید کے زمانہ میں تھوڑی سی آئیں تھیں - جو ہاتھوں ہاتھ بک گئیں - اس کے بعد نہ ویسی ٹوپیاں آئیں اور نہ کسی نے شوق سے انہیں اوڑھا

ویسے ضرورت پوری کرنے کیلئے

بازار میں جیسی بھی میسر آئیں لوگ اوڑھتے رہے -

اب ہم نے خاص طور پر

سرسید پیٹنٹ کرسٹی کی ساخت

ہر رنگ اور ہر قسم کی لنڈن سے منگوائی ہیں -

ان میں خوبی یہ ہے

کہ دیرپا نے میں - فیشن کے مطابق اور زیادہ خوبصورت -

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف للعہ

عبدالرشید برادر مرچنٹ و جنرل سپلائیر انارکلی لاہور

نیز دیگر ہر قسم کی ترکی ٹوپیاں موجود ہیں -

بہار افروزیِ رنگِ شبستانِ شمعِ غم سے ہے
نشاطِ مے پرستانِ فا کیفِ الم سے ہے

مجھے ہے ناز اس بارِ امانت کے اُٹھانے پر
وفا اپنا گراں باریِ زنجیرِ الم سے ہے

روانِ ہر مکاں ہر اتصالِ نقل کی قوت
قیامِ جنبشِ دل جذبِ جنون بارِ غم سے ہے

خیالِ رفتگاں میں خوابِ آسائش نظر آیا
عقیدت سی ہمیں عزلت نشینانِ عدم سے ہے

خدا جانے اثر ہے کس کے یہ پائے نگاریں کا
نمودِ صد خیاباں کیوں ہر اک نقشِ قدم سے ہے

کبھی شرمندۂ احساں بھی اپنا مجھ کو کرتے ہیں
کہ طرزِ دلنوازی بھی اداہائے ستم سے ہے

جنوں ہم کو نہیں جو خندۂ احباب بخیہ ہو
دریدہ جامۂ صد آرزو خارِ الم سے ہے

علاج دردِ ہے درد اور الم کا ہے الم افسوس
کشودِ خاطرِ محزوں کلیدِ خارِ غم سے ہے

قلم کاریِ قدرت سے نہیں کچھ کلکِ شاعر کم
جو ہے افزائشِ تمکینِ حسنِ یار ہم سے ہے

مرا خط ہے شکستِ رنگِ روئے یار کا باعث
نگارشِ دل کے مقصد کی نقوشِ کلکِ غم سے ہے

وہ سنگیں دل کہ تھا آئینۂ تیغِ قضا اک دن
وہی اب طوطیِ بسمل ہمارے عکسِ غم سے ہے

دماغ آسودگی کا اب کسی کمبخت کا ہوگا
یہ گلگشتِ نشاط آہنگ شورِ شہائے غم سے ہے

سراغِ خوابگاہِ شامِ تنہائی ملا کیونکر؟
دلیلِ بسترِ سیلاب موجِ اشکِ غم سے ہے

ہم اپنے بادۂ معنی سے ہیں سرمست اے فطرت
کہ رنگِ میرزا غالب عیاں نقشِ قلم سے ہے

(تفضل حسین فطرت از کلکتہ)

کیوں سختیاں کرتے ہو اب اتنا تو نہیں میں
انسان ہوں فولاد کا پُتلا تو نہیں میں

یہ کیا کہا جو پیار سے دیکھو تو ہمیں کو
عاشق ہی معشوق کسی کا تو نہیں میں

میں بھی نہیں ملنے کا جو دشمن نہیں مرتا
اُٹھ جاؤں گا جو تم ہی سے وہ پردا تو نہیں میں

جب میں نے یہ کی عرض چلا لیجئے مجھ کو
ہنس کر کہا اے شخص مسیحا تو نہیں میں

جاتی رہی پہلو میں رہا کرتی تھی ایک چیز
تربھر نہ ہوں کچھ آپ سے کہتا تو نہیں میں

ہستی مری ہے نیستیوں سے متشکل
اس فکر میں رہتا ہوں کہ دھوکا تو نہیں میں

اچھوں پہ بُری بنتی ہے شاعر یہ سُنا ہے
صد شکر کسی بات میں اچھا تو نہیں میں

(آغا شاعر قزلباش، دہلوی)

تازہ غزلیں

ابو المعظم مرزا سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی داماد جناب فصیح الملک داغ مرحوم

ہے گوارا دل سے جو کچھ ہو پریشانی مجھے
مدعا یہ ہے کہ شہرت عشق میں پانی مجھے

دستِ وحشت سے میسّر ہو گی آسانی مجھے
پیرہن کی قید سے بھاتی ہے عریانی مجھے

فصلِ گل آتے ہی وحشت ہے گریباں گیر پھر
پھر برنگِ گل ہوا ہے ذوقِ عریانی مجھے

وعدہ دشمن کو بھولا یار مرے گھر آگیا
ہے اداؤں سے تری ظاہر پشیمانی مجھے

میں کرونگا لاکھ میں اپنی خطا پر اعتراف
حُسنِ یوسف ہو کبھی حاصل جو کنعانی مجھے

یاد آتی ہے وہی زلفِ سمن بو آج بھی
بوئے گل سے اور ہوتی ہے پریشانی مجھے

نا سمجھ کہہ کر اسے لینے کے دینے پڑ گئے
اُس نے اُلٹا دیدیا الزامِ نادانی مجھے

منہ نہیں موڑا وفا سے سو جفا سہکر کبھی
میں نے جانا دوست تم نے دشمنِ جانی مجھے

حُسنِ معنی مجھ میں ہے میں حُسنِ ظاہر کیا کروں
گل کو گر ہوتی تو ہوتی فکرِ عریانی مجھے

کاش مجھ میں بھی تو دیکھیں اپنے جلوے مہ جبیں
آئینہ ساں رات دن حاصل ہے حیرانی مجھے

تشنہ کام آرزوئے قتل ہوں قاتل پلا
چشمۂ شمشیرِ جوہر دار کا پانی مجھے

دیدہ و دل رو رہے ہیں نام لے لیکر مرا
اپنے دردِ ہجر کا کہتے ہیں بانی مجھے

میرے مطلب کی نہیں کچھ بات اگر سن لو تو لو
تم سے کہنا ہے تمہارا رازِ پنہانی مجھے

کر نہ دے مشہورِ عالم کر نہ دے رسوائے دہر
جامہ زیبی تیری تجھ کو میری عریانی مجھے

بیگناہی پر بھی ہوں مستوجبِ رحمت کہ اب
ہے گنہگاروں سے بھی بڑھ کر پشیمانی مجھے

ساقی کوثر سنا کرتا تھا میں کوثر کا نام
وہ بھی چشمہ ہے تو پلوائیے پانی مجھے

کس کا بیٹا کس کا پوتا نام سائل واہ واہ
کیا سے کیسا کر دیا اے خانہ ویرانی مجھے

پھیلا جلال پا یا نزدیک و دُور تیرا
اندھا تھا خود وُہ جسکو سُوجھا نہ نور تیرا

تو رنگ بن کے ظاہر یا بو بنا چھپا تھا
تیری چمک نہیں تھی تو پھر گلوں میں کیا تھا
دیدِ جہاں میں دیکھا جس مہ جبیں کا ماتھا
اسکی جھلک میں بینک پرتو ترا پڑا تھا
اس جسمِ زار میں بھی کچھ تھا وہ نور تیرا
کہتے تھے نور جس کو ہم تھا وہ نور تیرا

جب شمع انجمن میں ہمدم جلا کے لائے
پروانے لو لگائے جانسوز بنکے آئے
پروا نہ جان کی تھی دم بھر نہ جینے پائے
کیا شے تھی شمع جس کو رکھتی تھی سر چڑھائے
روشن تھا اس میں جلوہ ربِّ غفور تیرا
تھا شمع کی ضیا میں رخشندہ نور تیرا

جب کان میں گئے ہم اِک لطف آ رہا تھا
دیکھا کہ اختروں کو ہیرا چھکا رہا تھا
نیلم سے چرخِ نیلی چکرا یا جا رہا تھا
ہر لعل لالہ رویوں کو خوں رُلا رہا تھا
تھا اِن جواہروں میں حسن و فور تیرا
جسمِ بلور میں بھی لامع تھا نور تیرا

ہے خاکدان خالی۔ ہے آسمان خالی
گر تو نہیں تو ہیں سب کون و مکان خالی
تجھ سے نہیں خدایا کوئی جہان خالی
کافی ہے رمز داں کو تیرا نشان خالی
قائل تھا زندگی بھر جس طرح تُور تیرا
طالب بھی دیکھتا ہے ہر شئے میں نور تیرا

(طاؤس مور) (طالب بنارسی)

سوتے تھے جتنے سبزے چادر فلک کی تانے جاگ اُٹھے اک سرے سے سب نامِ حق جگانے
گاتے تھے گلستاں میں نغمہ طیور تیرا
جس گل کا چہرہ دیکھا اُس پر تھا نور تیرا

یوں شوق مجھ کو لایا لہرا کے سوئے دریا پیاسے کو جس طرح سے ہو جستجوئے دریا
تھا غرقِ بحرِ حیرت ہیں دو بدوئے دریا جن گوہروں سے افزوں تھی آبروئے دریا
اُن میں کبھی غائبانہ دیکھا حضور تیرا
دُرِّ خوشاب میں بھی ظاہر تھا نور تیرا

بالائے کوہ جب میں مانندِ کاہ آیا سنگ و شرار دونوں کو ایک ساتھ پایا
باندھے کمر کھڑا تھا کوہ گراں - خدایا تحمید کا مُصلّا صحرا کو تھا بنایا
جلوہ دکھا رہا تھا جو کوہِ طور تیرا
اُس پر بھی بہرِ موسیٰ چمکا تھا نور تیرا

جب چھوڑ کر کلیسا سوئے کنشت آیا حُسنِ ازل کا عالم روئے صنم میں پایا
گویا خدا نے اپنے ہاتوں اُسے بنایا اسکی جھلک سے جھک کر میں یہ بات لایا
رحمان گنج تیرا - ہے رام نور تیرا
دیر و حرم میں یکساں پھیلا ہے نور تیرا

جب دشتِ پرخطر میں مانندِ قیس بھٹکا آنکھوں میں ہر بگولا کانٹے کی طرح کھٹکا
خودرو گلوں نے بھی واں دامن نہ تجھ سے جھٹکا نکلی صدائے اللہ غنچہ جو کوئی چٹکا
جپتا تھا ہر درندہ نام طہور تیرا
نورِ شہاب میں تھا رخشندہ نور تیرا

صحرا میں بھی خضر نے پایا نشان تیرا کشتی پہ وجد کرتا تھا بادبان تیرا
اور نگ حُسنِ قدرت تھا آسمان تیرا جلوے دکھا رہا تھا سارا جہان تیرا

یہاں ننھی جوہی کی اِک کلی — جو بہار کے نازوں کی تھی پلی
مجھے لگتی تھی جس کی ادا بھلی — مجھے کنج میں تھی بُلا رہی
یہاں گل شگفتہ تھے جا بجا — یہاں ننھا ڈیزی تھا ہنس رہا
یہاں مُسکراتی تھی موتیا — یہاں چمپا ادا تھی دکھا رہی
نہ گلوں میں بُوئے وفا رہی — نہ وہ دل فزائے ادا رہی
نہ چمن رہا نہ فضا رہی — نہ وہ دن رہے نہ ہوا رہی
نہ روش ہے اب وُہ سپہر کی — نہ گلوں میں بو ہے وہ مہر کی
کہ ہوا ہے گلشن دہر کی — مجھے سبز باغ دکھا رہی

سرور جہان آبادی

نورِ آلٰہی

سُلطانِ شرق (آفتاب) جس دم تختِ فلک پہ آیا — جب فوجِ اختری کو خورشید نے بھگایا
لیلائے شب نے ڈنکا جب کوچ کا بجایا — جب حکم مہر و مہ نے عزل و نصب کا پایا
لایا ہر ایک ذرہ ظاہر ظہور تیرا
خورشید بن کے چمکا جو۔ تھا وہ نور تیرا
جب رات کا اندھیرا عالم پہ آکے چھایا — خورشید نے افق میں جب بستر لگایا
قندیلِ ماہ لیکر زنگیٔ شب جو آیا — جب فرش چاند تارے کا چرخ نے بچھایا
انجم دکھا رہے تھے ظاہر ظہور تیرا
ہر نجم کی ضیا میں روشن تھا نور تیرا
جب باغ میں گیا میں گلگشت کے بہانے — نکلے شجر کے پتے تیرا پتا بتانے

بھونرے کی بیقراری

نہ وہ کیتکی کی پھبن رہی — نہ وہ موتیا کی ادا رہی
نہ وہ نسترن نہ سمن رہی — نہ وہ گل دہے نہ فضا رہی
نہ گلوں کے اب ہیں وہ قہقہے — نہ وہ بلبلوں کے ہیں چہچہے
نہ غزل سرا وہ کوئی رہے — نہ وہ قمریوں کی صدا رہی
نہ وہ سرو ہے نہ وہ آبِ جو — نہ وہ ہمصفیر ہیں خوش گلو
نہ بنفشہ ہے نہ وہ ناز بو — نہ وہ جعفری نہ حنا رہی
نہ وہ صبح کی ہیں تجلّیاں — نہ شفق کی آہ! وہ جھلکیاں
نہ وہ اودی اودی ہیں بدلیاں — نہ وہ بھینی بھینی ہوا رہی
نہ اُمنگیں ہیں وہ شباب کی — نہ وہ پتیاں ہیں گلاب کی
نہ ہوا میں بُو ہے شراب کی — مجھے مست تھی جو بنا رہی
وُہ کنول غضب کے تھے دل رُبا — جہاں اُڑتے تھے مرے ہم نوا
مگر اب نہ اُنکی ہے وہ ادا — نہ وہ بو رہی نہ صفا رہی
لبِ آب جو تھی فضا غضب — وہ بہار کی تھی ہوا عجب
مرے کنج میں مجھے روز و شب — مے بیخودی تھی پلا رہی
وہ غضب کی کوکو وُہ زمزمہ — وہ سُریلی درد بھری صدا
سرِ شام سرو پہ فاختہ — مجھے لوریاں تھی سُنا رہی
ہیں کنول کی خنک جو پتیاں — مری خوابگہ تھی کبھی یہاں
یہیں شب کو دے دے کے تھپکیاں — تھی نسیم مجھ کو سُلا رہی

کون سمجھاتا تھا ہمیں سبق سخن | تم ولی تھے نہ ظاہرا کوئی
اب بھلا مرد راہ تھے حضرت
ہاں سیادت پناہ تھے حضرت

الوداع اے کلیم طور سخن | ہم ہیں اب اور درد و رنج و محن
رہ گیا تیرا مرثیہ کہنا | نہ مذاق سخن نہ لطف سخن
خانہ بربادیوں کا ذکر ہی کیا | حجرہ حجرہ ہے گھر کا بیت حزن
دیکھ کر حالتیں بزرگوں کی | نقش حیرت ہیں بچے سب ہمہ تن
اک کہتی ہے سو گئے ابا | ایک کہتی ہے مر گئے وہ بہن
بڑہ کیا جانیں موت ہے کیا چیز | کھیل کے دن ہیں انکو اور بچپن
ہے سمجھدار کوئی تو اس کا | خشک ہے اشکوں سے خون بدن
کسکو بہلاؤں کسکو سمجھاؤں | پاس حسرت بنی ہیں قفل دہن
دیکھوں اس جنگ کا ہو کیا انجام | مجھ سے خارش پہ ہے چرخ کہن
ایک دل اور ہزار تیر الم | ایک سر اور لاکھ سنگ محن
جائے ماندن نہ پائے رفتن ہے | تجھکو دوزخ ہے موطن کہ دکن
یا الٰہی وطن کی آئی ہو | نہ رہا جب وہ جان نثار وطن
لعبہ لکھنؤ کو جو کہتا تھا | آہ اس کا دکن ہوا مدفن
تھا یہی کیا نوشتہ تقدیر
ایک تو ہوں حبیب و داغ و منیر

بس کر اے ضامن حزیں بس کر | منہ کو آتا ہے بار بار جگر
دل ہیں جو ہے زباں پہ کیونکر آئے | جانگزا سانحہ ہے مرگ پدر
تھی یتیمی نصیب میں لکھی | کیجئے کیا مشیت داور
چارہ جز صبر اب نہیں کوئی | دھوئینگے کیا یہ داغ دیدۂ تر
ایک دن یونہیں سبکو مرنا ہے | سب کو طے کرنی ہے یہ رہگذر
ہو خطاکار یا ہو نیکوکار | موت سے یاں نہیں کسیکو مفر
اے خوشا بخت اُسکی جس نے کیا | اُجڑے گل کیطرح جہاں سے سفر
خدمت آخری کا بھی نہ ہوا | اپنے بیگانے کا جو دست نگر
نیک بندے خدا کے ایسے کم | آتے دنیا سے جنت میں ہیں نظر
مست حب ولائے آل تھا وہ | تھا ثنا خوان سبط پیغمبر
حیدری تھا محب کا فرقہ | از دم نزع تا دم محشر
تیر ہیں حوض پر قیامت میں | اُسکا ہاتھ اور دامن حیدر

شد ثنا در ولا و بہر بقا
دخل الجنۃ ہی الماوی ٭
۱۳۲۱ ھ

٭ یہ مادہ تاریخ مرحوم کے شاگرد عزیز منشی سید عبدالرؤف صاحب جعفری المتخلص بہ شوق نے استخراج فرمایا ہے اور جناب موصوف کی اجازت سے راقم نے یہاں تضمین کیا۔

سید ضامن کنتوری

نیک دل نیک نفس نیک نہاد
سر بسر نیکیوں کا پتلا تھا

ہو عداوت کسی سے یا الفت
کھوٹ دل میں کبھی نہ رکھتا تھا

تھا جو سندانہ پن تو با اعلان
بے ریا تھا جو زہد و تقویٰ تھا

کام تھا گنبہ پروری اس کا
ہاتھ تھا تنگ دل کشادہ تھا

ایک کی آمد اور دس کا خرچ
ہمت اسکی تھی اور دل اسکا تھا

تھی گوارا نہ اور کی تکلیف
آپ تکلیف جھیل جاتا تھا

آپ کو سوخت غیر کو لذت
یہ وتیرہ اسی کو آتا تھا

گرچہ تھا قنعوں میں تھا جز رس
گھر میں عالم سے بھی زیادہ تھا

ہموطن ہو عزیز ہو کوئی ہو
سب پہ در اسکا رات دن وا تھا

ایسا سردار خانداں نہ رہے
کام کیا پھر رہے جہاں نہ رہے

گرچہ فانون زندگی ہے یہی
کہ بسر دیکھے داغ بے پدری

ہم نے مانا کہ جانیوالے تھے آپ
مگر ایسی بھی تھی کیا جلدی

نہ قویٰ کچھ ضعیف تھے ایسے
نہ مرض کوئی تھا نہ بیماری

تھی فقط چار ماہ پچپن سال
باغ ہستی کی سیر فرمائی

ابھی مرنے کے دن نہ تھے ہرگز
ملک الموت کو یہ کیا سوجھی

گھر کا رستا بتا دیا کس نے
کام کیا موت کا تھا کیوں آئی

چلتے پھرتے یہ کیا ہوا یا رب
کیا بلا آسماں سے ٹوٹ پڑی

مر فرنے سے دو گھڑی پہلے
مانگی دفتر کے جانے کو گاڑی

یک بیک پھر خیال کیا آیا
باگ جو خلد کی طرف موڑی

کونسی ایسی بات آئی پیش
طبع نازک پہ جو گراں گزری

جان دے دی اس طرح جنگل میں
ہائے کنتور کا وہ شیدائی

حیدرآباد میں لاتھی احباب
اُف رے یہ بیکسی و تنہائی

یوں ہی پردیس میں جو مرنا تھا
مجھ کو تو اطلاع کرنا تھا

مجھ سے دیکھی تھی گر خطا کوئی
کیا نہ تھا اور دوسرا کوئی

کیا ہوا تھا برادر جانانہ
جس سے تم کو نہ تھا سوا کوئی

جو پرے سے بھی تھا گرامی تر
جیسا کم ہوگا با وفا کوئی

آپ کا وہ پچاس سال کا دوست
دور ایسا بہت تھا کیا کوئی

لکھ کے خط کیا اُسے بلایا تھا
تار برقی دیا تھا یا کوئی

کیوں نہ آئے عدیل اور بہنوئی
تیری خدمت سے تھا بڑا کوئی

کاش اتنا تو منہ سے فرماتے
لے مظفر ہی کو بلا کوئی

بدنصیبی سے ہم سا ہوگا کون
نہ ہوا حق ترا ادا کوئی

غیر گھر والوں سے جو تھی نفرت
پاس تھا یار آشنا کوئی

تجھے شاباش سلام عالم شوق
بار خدمت میں پاسکا کوئی

نوحہ خواں تھا بجز ہمدم
ہمنشیں وقت رحم تھا کوئی

[illegible]

[illegible]

اس سے تھی رونقِ جہانِ کمال | تھا زمین پردۂ آسمانِ کمال
اسکی اک ایک بات جوہرِ نطق | اسکا اک ایک حرف جانِ کمال
اسکی تحریر حرزِ جانِ سخن | اسکی تقریر داستانِ کمال
اُس سے شاداب تھا ریاضِ کلام | اُس سے سرسبز بوستانِ کمال
اسکا ہر غنچہ مضامین تھا | گلِ صد برگ گلستانِ کمال
اُسکے دلدادہ معنی و حسنی | اس کے وارفتہ عاشقانِ کمال
وہی خلاق تھا معانی کا | تھا کلام اسکا ارمغانِ کمال
خاکِ کنتور اسکے دم سے بنی | غیرتِ خاکِ اصفہانِ کمال
زندہ تھا اسی سے نامِ نیشاپور | تھا نظیری دمِ بیانِ کمال سلہ
فخر تھا اسکو عشق و ناسخ پر | تھی مگر یہ بھی ایک شانِ کمال ملہ
اب جسے چاہیں لوگ ٹھہرائیں | اوستادِ سخن زمانِ کمال
اسکے مٹنے سے لٹ گیا لیکن | صفحۂ دہر سے نشانِ کمال

رونقِ بزمِ شاعری نہ رہی
سب رہا نکتہ پروری نہ رہی

اُسکا دل تھا ہزار نغمہ نگار | کب فقط ریختہ تھا مایۂ ناز
فاضلِ کامل و ادیبِ اریب | ناظم و ناثرِ بدیع طراز
تھا ظہوری کی طرح سے جو دبیر | نثر نثری سے نثر تھی اعجاز

کس نے لکھا معاملہ ایسا | ہوتا ابوالفضل کا نہ کیوں ممتاز
فیصلے اسکے ہوتے گر مشہور | رشکِ محمود جانتا ہر ایاز لہ
اسکی تفسیر پاتی گر تکمیل | دیتی فیضی کی روح یہ آواز کہ
مرحبا مرحبا حبیبِ لبیب | اینکہ انجام یافت آں آغاز
اگر آہنگِ فارسی چھیڑا | ہوگئے بند سنکے اہلِ حجاز
عاشقانہ غزل پڑھی جو کبھی | دلِ سامع تھا مثلِ شمع گداز
لی ثنائی سے دادِ حسنِ بیاں | حکمت آمیز گر ہوا انداز
گل کھلائے اگر نصیحت کے | تازہ کی روحِ بلبلِ شیراز
قلم اُٹھا اگر تصوف میں | کردیا وا درِ خزینۂ راز

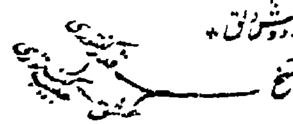
باغِ معنی کھلا دیا اُس نے
مثنوی کو بھلا دیا اُس نے

کس سے کہیے وہ کیا تھا کیسا تھا | فرد تھا بے بدل تھا یکتا تھا
ڈھونڈھیے عمر بھر جو لیکے چراغ | نہ ملے مثل اسکا ایسا تھا
جیسی صورت تھی ویسی سیرت تھی | دل بھی روشن مثالِ سیما تھا

لہ مسٹر سید محمود مرحوم سے مراد ہے ۱۲

کہ مرحوم نے تفسیر لکھنی شروع کی تھی۔ جس کے کچھ اجزا انکے مسودات میں موجود ہیں۔ اسکی شانِ نزول بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ مرحوم کی عربیت معمولی درسیات تک محدود تھی ۱۵ برس ہوئے خطاطی کی مشق کا شوق ہوا جو خطِ نسخ پر قادر ہونیکے باعث بہت جلد تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس بنا پر خیال پیدا ہوا کہ بطور ثواب خطِ ثلث میں قرآن مجید لکھیں۔ مدت تک یہ خیال محض خیال ہی رہا۔ جب اورنگ آباد میں تبادلہ ہوا اسوقت عملی صورت پکڑی۔ چونکہ نرے نرے کاتب ہی نہ تھے بلکہ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ صاحبِ علم بھی تھے معہ حواشی لکھنے کا شوق ہوا۔ غرضکہ از سرِ نو طالب علمی شروع کی صرف و نحو اور معانی و بیان کا دورہ ختم کرکے حدیث و تفسیر کی جانب رجوع ہو کر اور بالآخر تفسیر لکھنی شروع کی تھی مگر حیف جلد پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا۔ اور اب اس مجاہدۂ علمی کا ذکر صرف

سلہ ہمارا یعنی سادات کنتور کا خاندان نیشاپوری الاصل ہے چنانچہ مرحوم خود ایک نظم میں فرماتے ہیں ؎ بداں گر نشاپوری اصل من است
گلِ نغمہ ہایم ازاں گلشن است ÷ منم ہمچناں نظیری بخلق۔ گرفتم زخیالم بر دوش دلق ÷

ملہ ناسخ


سنتے ہیں اک وجود وہمی پر | چشمۂ خضر کے بیاں کیا کیا
خبر اسکی مگر نہیں کہ ہی موت | متقاضی برائے جاں کیا کیا

کیا کرے کوئی لے کے آب حیات
مرگ تعبیر جب ہی خواب حیات

کیا ہوا دل جو بیقرار ہے آج | سینہ کس زخم سے فگار ہے آج
آسماں کیا زمیں پہ ٹوٹ پڑا | شور محشر جو آشکار ہے آج
ہو نظر میں نہ کیوں جہاں سیاہ | منقلب رسم و نگار ہے آج
ابر غم ہی نہیں یہ ابر بہار | چشم ہر اختر اشکبار ہے آج
تیرگی ہی نشان شال عزا | خود جہاں ہی کہ سوگوار ہے آج
لٹ گیا ہائے کس کا باغ وجود | کہ خزاں سی خجل بہار ہے آج
سیر گلشن نصیب ہے عیاں | داغ سینے پہ لالہ زار ہے آج
حسرت جاوداں کی بار آئی | رخصت عیش مستعار ہے آج
پہلے تھی خار آرزو کی خلش | غم کی برچھی جگر کے پار ہے آج
اختلال حواس ایک طرف | کہ عناصر میں انتشار ہے آج
کیا عجب روح پر ہو جسم جو بار | جسم پر خود ہی روح بار ہے آج
رخصت اے آہ جاں گسل رخصت | اپنی ہستی سے مجھ کو عار ہے آج

دشمنوں کو یہ دن نصیب نہ ہو
ہیں زمانے میں ہوں حبیب نہ ہو

ہائے کس کا زباں پہ نام آیا | رگ جاں نے جو نیشتر کھایا
ہو کہاں میرا مایہ دار کہ جو | کہے اب مجھ کو اپنا سرمایہ
تم بھی کیا ہو کہ کم کہ اٹھ جائے | سر سے بیٹے کے باپ کا سایہ
نہ کہ جو باپ ہو حبیب باپ | نام آیا کہ جس نے چمکایا
جو کہ تھا وجہ نازش اسلاف | جس سے اخلاف نے شرف پایا
نیر اعظم سپہر کمال | عرفی و انوری کا ہمپایہ
نازش اس کے کلام کا زیور | حکمت اس کے سخن کا پیرایہ
باب علم نبی کا پوتا تھا | علم ورثے میں اس کے تھا آیا
اس کے روشن سواد خط دوام | رات تم مہر و مہ کو شرمایا
اف رے آتش زبانیاں اسکی | ہر دل سرد جس سے گرمایا
گو کہ ایمان شاعری ہو جھوٹ | پر نہ وہ راستی سے باز آیا
بارہا اسکا رنگ حکمت ریز | روح سعدی کو وجد میں لایا

اٹھ گیا دفعتہً وہ جان سخن
آہ ویران ہوا جہان سخن

ہاشمی و کاظمی و فاطمی و جعفری — مردِ فاضل فردِ کامل اہلِ دیں اہلِ یقیں
مومنِ بیجدل و ہم شاعرِ معجز نگار — مدح خوان و ذاکرِ اولادِ ختم المرسلیں
دفعتہً دل از جہاں بگرفت تا گردوں بذوق — ہم نوائے نغمہ پردازانِ فردوسِ بریں
سالِ ہجری بد ہزار و سہ صد و بست و چہار — بست و پنجم روز دوشنبہ ربیع دومیں
در ورنگل جان بحق شد حیدرآبادش ولے — گشت مدفن تا شود زیں راہ از جنت قریں

خواند رضوانش حبیبی عندلیب سدرہ نیز
شد نوا پرداز طبتم فادخلوھا خالدین
۱۹۰۶ء

ترکیب بند

اے فلک ایکدم کو رخصت آہ — میری حالت سے ہے خدا آگاہ
کجروی نے تری کیا دلتنگ — راتدن دیکھتا ہوں کی راہ
ہے چمن زار اشک خون دامن — نفس سرد ہے نسیم پگاہ
آہ جانسوز برق خرمن صبر — رگ ابر بہار تار نگاہ
بجھ گیا دل برنگِ شمع سحر — رنگِ ہستی کو دیکھ کر واللہ
لفظِ ہستی ہے شرح حرفِ عدم — کوئی باقی نہیں بغیر اللہ
تختِ طاؤس گر ہو تختۂ مرگ — ہے نتیجہ وہی غم جانکاہ
ہے سراب خیال کا دھوکا — بحر خضرا اور مہر و اختر و ماہ
ہے یہ وہمِ ضعیف کا پرتو — باغ و بستان و نخل و برگ و گیاہ
سہ موالید اور عنصر چار — سب کا حاصل ہے صفر سے کوتاہ
نام کو ہفت رنگ ہے دنیا — مگر اس میں بھی ہے شک و اشتباہ
عدم اوّل ہے اور عدم آخر — اس پہ ہیچ در مشاہدات گواہ

چشمہ زندگی ہے بحرِ فنا
ہے جہانِ حدوث شہرِ فنا

رنگ لاتا ہے آسماں کیا کیا — دیکھیں نیرنگیاں یہاں کیا کیا
ہو گئے صرفِ دستبردِ خزاں — چمن و باغ و بوستاں کیا کیا
بے نشانی سے کیوں نہ رکھو کام — نامیوں کے لئے نشاں کیا کیا
زیرِ قصرِ فلک ہے یاد رکھو — ہوسِ بام و آستاں کیا کیا
ہیں مکینانِ خانہ بیدر — آرزوِ مسندِ پاسباں کیا کیا
دیکھتے ہیں کہ منذرِ دستِ اجل — ہوتے ہیں پیر و نوجواں کیا کیا
پھر بھی اکسیر کی تمنا میں — وقت کھوتے ہیں رائیگاں کیا کیا
گو نفس ہے نشیدِ خاموشی — سازِ ہستی پہ ہیں گماں کیا کیا
ہے بقا گرچہ نقش پائے فنا — خاک اڑاتے ہیں کارواں کیا کیا
رکھتے ہیں پیروانِ اسکندر — خواہشِ عمرِ جاوداں کیا کیا

کچھ عرصہ کے بعد کنتور مع مواضعات متعلقہ کے جاگیر دربار تعلق سے ملی - اگرچہ زمانہ کے نشیب و فراز کے ساتھ دنیاوی ثروت تو روز بروز گھٹتی گئی - مگر سادات کنتور کا خاندان کبھی اہل علم و کمال سے خالی نہیں رہا - مرحوم کو نہایت صغرسنی سے شاعری کا مذاق تھا - طالب علمی سے فارغ ہوتے ہی ہمہ تن اسی طرف مشغول ہو گئے اور اس میں جو کمال پیدا کیا اسکا شاہد خود اُن کا کلام ہے جو اکثر مخزن میں چھپتا رہا ہے - دنیاوی افکار بھی ابتدا ہی میں لاحق ہو گئے تھے - اس لئے باوجود بڑے کے مرض صعب میں مبتلا ہونے کے - بیس برس کے سن میں گھر سے تلاش روزگار نکل کھڑے ہوتے - مختلف رجواڑوں میں نوکریاں کرنے کے بعد سنہ ۹۷ ہجری میں حیدر آباد آئے اور محض اپنی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے ابتداً ایک معقول عہدہ ملا - جہاں سے ترقی کر کے اب ضلع ورنگل کی اسسٹنٹ کلکٹری تک پہنچے کہ ۲۵ ربیع الثانی سنہ حال دنیائے فانی سے عالم جاودانی کا راستہ لیا اور اعزہ و احباب کو داغِ مفارقت دیگئے - مرحوم کی تصنیفات میں علاوہ دیوان مطبوعہ کے ایک دیوان غزلیات - دیوان قصائد - مکاتیب فارسی - مجموعہ مراثی اسوقت مکمل موجود ہیں اور بہت سی متفرق تحریریں جو مسودات کی صورت میں پریشان ہیں انکے چھپنے کی نوبت ابھی نہیں آئی - مرحوم کے خلف الرشید سید ضامن کنتوری نے جنکے نام سے ہمارے ناظرین پہلے ہی آشنا ہیں - ایک مرثیہ لکھ کر بھیجا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے

قطعۂ تاریخ

بلبلِ کنتور و نیشاپوریاں کاظم حبیب قبلۂ اربابِ معنی قبلہ گاہِ این حزیں

اس خاک پہ دیوار اُٹھانے نہیں پاتے
ہم گھر میں بھی گھر اپنا بنانے نہیں پاتے

ہر سال اُتر جاتا ہے بوجھ اپنے سروں کا
کُل تیس کروڑ ہوتا ہے محصول گھروں کا

بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں فوجوں کے رسالے
اس بار کو اللہ ہی سنبھالے تو سنبھالے

مہمان کوئی آئے تو دعوت بھی ہماری
سر بھی ہے ہمارا ہی تو دولت بھی ہماری

ہم اپنی زمینوں سے بھی سیر ہو نہیں سکتے
ہم اپنے لئے تخم خورش بو نہیں سکتے

ہم ریلی برادر کے ہیں ممنون کچھ ایسے
آذوقہ بھی دیتے ہیں لے لیتے ہیں پیسے

غلہ وہاں من بھر نہ چڑھے لاکھ سلب میں
جاتا ہو جہاں ستر ہزار ایک ٹرپ میں

اُسکا وہ نتیجہ ہے کر اور اُلٹے ہیں روکھے
اسکا ہے یہ ثمرہ کہ مرے جاتے ہیں بھوکے

چوبیس (۲۴) تھی سن بیاسی (۱۸۸۲) میں اموات کی تعداد (فی ہزار)
اور بانویں (۱۸۹۲) میں ہو گئی چونتیس (۳۴) تک ایزاد

سچ کہتے ہیں شاعر کے طرفدار نہیں ہیں
پھر بھی ہمیں دشمن ہیں وفادار نہیں ہیں؟

— ازنتائج غلام بھیک نیرنگ

ذِکرِ حبیب

ناظرین مخزن کو یہ سُنکر بہت رنج ہوگا کہ ہمارے کرمفرما سید محمد کاظم حبیب کنتوری (جنکی تصویر بھی مخزن میں شائع ہوچکی ہے) گذشتہ ماہ جون میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم ایک بڑے باکمال اور کہنہ مشق اُستاد تھے اور مخزن کے بڑے محسن تھے۔ آپ ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۶ھ ہجری کو قصبہ کنتور میں پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ انکے جدِ اعلیٰ شاہان تغلق کے زمانے میں نیشاپور سے آئے

ہندوستانی فقیر کی صدا

کیا بات ہے اس دہر میں انصاف نہیں ہے
انصاف تو یہ ہے کوئی دل صاف نہیں ہے
اس درجہ ہوئے لطف و کرم اٹھ نہیں سکتے
دل کانپتا ہے اب تو ستم اٹھ نہیں سکتے
لیجائے مکاں کی کوئی دیوار فلک تک
جلنے لگے جسمیں مہ و خورشید کی چمک
لیکن نہیں انصاف جو بنیاد میں اس کی
گر جائیگی فی الفور عمارت ہی وہ ساری
تاخیر نہ ہوگی کبھی دم بھر کی بھی اصلاً
کافی ہے اسے نبض کا عورت کے دھڑکنا
اس پر یہ تماشا ہے کہ منہہ سے بھی نہ بولیں
لیجائے گڈریا ہمیں جس سمت کو ہولیں
آزادی کا ہے نام مگر بند گراں ہیں
آزادیاں قسمت میں غریبوں کے کہاں ہیں
وعدے کئے ہر شخص نے پہلے تو بہت سے
لکھ لکھ کے دیئے حاکم اعلیٰ نے مچلکے
لیکن نہیں گذری تھی ابھی پوری صدی بھی
انکار نے اقرار کی صورت ہی بدل لی
جھکنے لگے سب پیٹ کی جانب ہی کو گھٹنے
بٹنے لگے پھر خون سے مظلوموں کے بٹنے

انصاف تو یہ ہے کوئی دل صاف نہیں ہے
انصاف کے گھر میں بھی تو انصاف نہیں ہے

باہر سے چلے آتے ہیں سب ڈگڈگی والے
گھر میں کوئی اتنا نہیں جو اُف بھی نکالے
پیسے کی جگہ اٹھتے ہیں تو پیسے برابر
لیکن ہیں آدھی کی بھی ملتی نہیں چوکر بھی
ہم علم نہیں رکھتے وجاہت نہیں رکھتے
اپنوں پہ بھی ہم اپنی حکومت نہیں رکھتے
کم ہم سے تو حشں کبھی اصلاً نہیں ہوتا
ہم میں کبھی لائق کوئی پیدا نہیں ہوتا
سچ تو ہے بتائے کوئی؟ کس کام کے ہم ہیں؟
ہم ڈارونی نسل سے بھی رتبے میں کم ہیں

کیسے گرے جیسے کبوتر دانے پر یا بچے بیدانے پر الوپ تلاؤ دیکھا اشرفیوں سے بھرا تھا۔ دم بھر میں اُڑ گیا۔

قلیچ۔ واہ وا۔ واہ وا۔ ہمارا بادشاہ عجیب ہفت رنگی بادشاہ ہے۔ فرنگی انجیل لائے تو سر آنکھوں پر۔ آتش پرست آئے تو آتشخانے گرم۔ پر یہ نیا رنگ ہے۔

پنڈت۔ مہاراج! اب اور ہی پرکاش ہے۔ گو کا آدرمان۔ جزیہ معاف۔ اتوار کا ذبح۔ جرو پر ناروا ظلم موقوف۔

(پنڈت جی رخصت)۔ آغا زمانہ آئے۔

مرزا بداق۔ لو! ڈاڑھی کے شوقین آئے۔ ذرا اسے پانی لگا رکھئے۔

آغا زمانہ۔ تر بتر ہے بات تو کہئے۔

قلیچ۔ بس صفا چٹ۔ آج کا خواب اور تعبیر کیا۔

آغا زمانہ۔ خیر یہ وہم کچھ نئے تو نہیں۔ محلوں میں ہون ہوتا تھا۔ دسہرہ کو راکھی بندھتی ہی تھی۔ ہاتھ پر باز بیٹھتا ہی تھا۔ اب کھلم کھلا سہی۔

آغا بداق۔ ابوالفضل فیضی بھی کچھ نہیں کرتے۔

آغا زمانہ۔ واہ! وہ؟ بڑے گرو ہیں۔ پیروں میں پیر۔ عالموں میں عالم۔ شاعروں میں شاعر۔ مسخروں میں مسخرے۔ سپاہیوں میں سپاہی۔ آتشکدہ میں موبد کون تھی؟ ابوالفضل۔ انجیل کے مترجم کون تھے؟ ابوالفضل۔ دین الٰہی کے خلیفہ کون؟ ابوالفضل۔ دونوں آفت ہیں فتنہ ہیں قیامت ہیں

بداق۔ کیوں صاحب یہی اکبر ہے۔ فتوے بغیر ٹکرا نہ توڑتا تھا۔

زمانہ۔ وہ پچھلی رات اکیلا میدان۔ ذکر الٰہی میں صبح کرنا۔ تو سحر سے دم بھرنا۔ حاجی بننا۔ اگر سے اجمیر تک پیدل چلنا۔

قلیچ صاحب! جسدن حج کو قافلہ رخصت کیا۔ خود احرام باندھ کر تھوڑی دور ساتھ ہوا۔ او پکارا کہ لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر) اسوقت کی تاثیر اللہ اکبر! دلوں سے ایک شور اٹھا کہ پتھر بھی پانی پانی ہوگئے

آج ہی بادشاہ کو جوتش کی ساعت بموجب پوجا کروا کر برہمن لایا۔ تخت پر بٹھا کر ڈنڈوت کی اور بولا کہ مہابلی بادشاہ سلامت۔

قلیچ۔ ہیں یہ کیا ہوا۔

آغابداق۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ ادنیٰ تو یہ ہے کہ ڈاڑھی رخصت ماتھے پر تلک کا ساتیہ بیٹھا۔

قلیچ۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ ۔

آغابداق۔ ایک بادشاہ ؟ حضرت ! کتنے ہی چہرے صفا چٹ ہو گئے۔

برگوتھم پنڈت سامنے سے آ گئے۔

آغابداق اور قلیچ سرگوشی۔

پس ان لوگوں کی بن آئی ہے۔

آغابداق۔ بندگی پنڈت جی ! بندگی۔ کہئے کہاں سے ؟

پنڈت۔ دربار سے۔

قلیچ۔ مبارک ہو صاحب ! آج تو بڑی دھوم دھام کی۔

پنڈت۔ دھن پرمہاتما۔ دھن پرمہاتما۔ دین دھرم کانٹے کی تول۔ اور شیر بکری ایک گھاٹ ہو گئے۔ مرجاجی ! بڑے آنند رہے۔

قلیچ۔ بھلا پنڈت جی کچھ آپ تو کہئے۔

پنڈت۔ اکبر دولہا۔ سر پر راجپوتی چیرا۔ اس پر مکٹ دھرا۔ ماتھے پر ٹیکا۔ چہرہ صفا بہ صفا۔ ہاتھ میں کنگنا۔ گلے میں جامہ۔ جب سنگھاسن پر بیٹھا۔ بس نرنکار ہی نرنکار تھا۔ کیوں مرجاجی !

آغابداق۔ واہ پنڈت جی ! بادشاہی تو نہیں خدائی تھی۔ یہ سب تمہارا ہی ظہور تھا

پنڈت۔ جب کشتیاں لائے اور اشرفی جواہر کے مینھ برسائے۔ امیر اُمرا

ابوالفضل - راجہ جی! معرکہ آپ نے مار لیا ہے - پر اس وقت کو جانے نہ دینا -
ابوالفضل - مہاراج! ہمارے دھرم مورت راجہ جی کچھ کم ہیں؟
مہاراجہ - ہرے ہرے - مالا کے دانے دیکھ لو سب برابر ہیں -
فرمایئے دھرم مورت - پر جو کہئے شاستر سے کہئے -
بیربل - مہاراج! آپ کا دھرم شاستر راج مت - اسکا بوستھا یہی کہ جو مہابلی کی خوشی -
ابوالفضل - بس راجہ جی - آگے کہنے کی کچھ حاجت نہیں - شبھ لگن مبارک گھڑی دیکھ کر ٹیکا دیجئے اور مہابلی کو مبارکباد کی عرضی لکھیے -

---

(آغا بداق قلیچ بیگ پرگھوتم پنڈت آغا زمانہ)

آغا بداق - السلام علیکم -
قلیچ بیگ - وعلیکم السلام - فرمایئے کدھر سے؟
آغا بداق - دربار سے جشن تھا - وہیں دوڑ دوڑ کر ساری رات پامال کی ہے -
قلیچ - ہاں کچھ حال تو سنایئے -
آغا بداق - خاک! تیموریہ کی ترکی تمام ہو گئی -
قلیچ - خیر باشد؟
آغا بداق - خدا کی قدرت ہے - تیموری دربار چنگیزی جشن - بنیوں کی برات ہو گئی - ایک وہ وقت تھا کہ بادشاہ دوگانہ پڑھکر تسبیح ہاتھ میں لئے آتے تھے - شیخ الاسلام ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے تھے - پہلے فاتحہ پڑھ کر خود نذر دیتے تھے - پھر کہتے تھے کہ ظل اللہ کو آداب بجا لاؤ - غل ہوتا تھا کہ جہاں پناہ بادشاہ سلامت

بیربل۔ مہاراج! جن لوگوں نے دوئی کو دل سے اُٹھا دیا ہے وُہ تو ایک کو مانتے ہیں۔ اور ایک کو پہچانتے ہیں۔ وہی اندھیرے میں۔ وُہی اُجالے میں۔ وُہی گورے میں۔ وہی کالے میں۔ مہابلی کی دیا اور آپ کی کرپا سے آج دین اور دھرم ایک ترازو میں تُل رہے ہیں۔

ابوالفضل۔ مہاراج! یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں۔ نہیں تو وہی رام۔ وُہی رحمان۔ نام الگ ہیں۔ انجام ایک ہے۔ دو آنکھیں ہیں نظر کا کام ایک ہے۔ خواہ کھڑک کہیں۔ خواہ تلوار کہیں۔ جوہر وہی آب وہی۔ کاٹ وُہی گھاٹ وُہی۔

بیربل۔ مہاراج۔ راجپوت اور ترک کا تو ذکر ہی نہیں۔ اگر ہے تو راج اور تاج کا پیوند ہے۔

دیوان۔ اچھا اگر یہ پیوند اتحاد اور یگانگت بڑھانے کے لئے ہے تو۔ مہابلی ایک نہیں بیسیوں دفعہ دیکھ چکے اور سارا عالم دیکھ چکا کہ مہاراج کو جان و مال سے کسی حال میں دریغ نہیں۔ پھر اس بات کی کیا ضرورت

ابوالفضل۔ حضور کی یہ خوشی ہے کہ دو دو مٹھاس جدا جدا ہیں۔ شیر و شکر ہوجائیں شیریں ہیں۔ شیریں تر ہوجائیں۔

دیوان۔ اس ان میل پیوند سے حاصل کیا؟

ابوالفضل۔ دیوان جی بے حاصل نہ کہو۔ دو درخت جدا جدا اُگتے ہیں۔ جُدا جُدا پھولتے پھلتے ہیں۔ پر جب دونوں کا پیوند ہوتا ہے۔ تو پھل کے رنگ روپ بُو باس کا اور لذت کا کیا عالم ہوجاتا ہے۔

مہاراجہ۔ دیوانجی! دیکھتے ہو سامنے کون کون ہے۔ ان سے تقریر میں کون جیتے گا۔ اس معاملہ کو پنڈتوں کے بوستھے پر چھوڑ دو۔

(سرگوشی)

اور محبت پر ہے وہ کسی پر نہیں۔ کیوں راجہ جی؟
بیربل۔ ہاں اُس دن شکار سے پھرتے ہُوئے۔ جو آپ کا وکیل سامنے آگیا تو ہنسکر بولے کہ ان لوگوں نے بزرگوں کا وطن ہم سے چھڑادیا ورنہ ترکستان کے باغوں کا درخت ہندوستان میں کب ہرا ہوا ہے؟
مہاراجہ۔ سب مہابلی کی دیا ہے۔ ہم سے کیا خدمت ہوسکتی ہے۔
ابوالفضل۔ مہابلی کو بھی معلوم ہے کہ آپکو شہزادے سے دلی اُلفت ہے۔ بلکہ اُنکی تو آرزو یہ ہے کہ تیموری تاج کو اس طرح سجائیں جس سے راج اور سلطنت کا ایک کاج ہو جائے۔
بیربل۔ ہاں۔ پر ایسی باتیں۔ مہاراج ہی کی خوشی پر چھوڑی ہیں فرماتے تھے کہ اس معاملہ میں اپنی خوشی کو ہم نے ایسا رکھا ہے جیسے بڈھا چاہے جوان ہوجائے۔ سورج چاہے آسمان ہوجائے۔
مہاراجہ۔ ہرے ہرے ہرے۔
دیوان۔ گنوانو! بدھیانند دانو! تم سوچو پیوند سے پیوند ہوتا ہے۔ ترک اور راجپوت کا پیوند سو کیا؟
ابوالفضل۔ مہاراج راجپوت اور ترک کا کیا ذکر ہے۔ اب تو جو وہ سو آپ مہابلی کا تو ہر وقت یہی کلام ہے۔ ع من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
ابوالفضل۔ راجہ جی (بیربل سے) ایک دُسہرے کا جشن یاد ہے؟ جس وقت تم مہابلی کو پوجا کروا کے لائے اور ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا۔ نرنکار کا پرکاش نظر آتا تھا۔
ابوالفضل۔ (راجہ سے سرگوشی) شہزادوں کے ختنے قطعاً موقوف۔ فرمائیے مسلمانی کہاں گئی۔

مہاراجہ۔ سب ایشور کا فضل ہے۔ تم صاحبوں کے مزاج۔
راجہ بیربل اور ابوالفضل۔ سب مہاراج کی کرپا ہے۔
مہاراجہ۔ کہئے ہمارے مہابلی کا مزاج اچھا ہے؟
ابوالفضل۔ مہاراج! سب فضل خدا ہے۔ جہاں آپ جیسے نیک نیت باصفا رفیق رنج راحت کے شریک ہوں۔ وہاں خدا کا فضل ہی ہوگا
راجہ بیربل۔ مہابلی نے بھی بہت اشیرباد فرمائی ہے اور کھیم کشل۔
ابوالفضل۔ مہابلی نے نہایت اشتیاق کے ساتھ مہاراج کا مزاج پوچھا ہے اور ارکانِ دولت کے ساتھ راج پاٹ کی سلامتی کی دُعا فرمائی ہے
مہاراجہ۔ سب ایشور کی دیا اور مہابلی کا اقبال ہے۔ ہمارے راج کنور کو مہابلی کے سایہ میں۔ ایشور پروان چڑھائے۔ وہ آج کل کس ملک کے بندوبست میں ہیں۔
راجہ بیربل۔ پورب دسا میں ہیں۔
دیوان۔ ایشور کی دیا سے جو جو باتیں راج کماروں اور شہزادوں کو چاہئیں سب موجود ہیں۔ ہمت کے بلی۔ ہاتھ کے سخی۔ نیت کو ولی
مہاراجہ۔ صورت کیسی موہنی ہے۔ دیکھے سے پیار آتا ہے۔ ہم نے دو دفعہ درشن کئے تھے۔ ایک دفعہ شیر کے شکار میں۔ پھر مہابلی کے سامنے تیر لگا رہے تھے۔
دیوان۔ مہابلی تو ٹھاکر دوارے میں ہیں۔ راج کنور کی تصویر ہر دم سامنے ہے
بیربل۔ مہاراج! دل کا درپن دل ہے انہیں بھی آپ کا ذکر کرتے اکثر سُنا ہے۔
ابوالفضل۔ مہابلی کو تو آپ سے بڑی محبت ہے۔ جو بھروسہ آپ کے اخلاص

اور راجہ سے جو گفتگو ہو ہمیں مفصل لکھو

مہاراجہ۔ دیوان۔

اُودے سنگھ۔ راج کاک۔

دیوان۔ راجہ بیربل اور ابوالفضل باغ میں داخل ہو گئے۔

مہاراجہ۔ دیوان جی جاؤ اور لے آو پر کچھ مطلب بھی تو پاؤ۔

دیوان۔ بہت خوب۔

دیوان۔ مہاراج وُہ حاضر ہیں۔

راجہ۔ اچھا خلوت میں کچھ نبض بھی دیکھی ؟

دیوان۔ وُہ تو کب کھلتے ہیں۔ پر دربار کے پرچہ نویس نے کچھ قربت کا اشارہ کیا تھا۔ شاید وُہی ہو۔

مہاراجہ۔ ہری ہری۔ اب تدبیر ؟

دیوان۔ مہاراج خود دانا ہیں۔

مہاراج۔ جہا ننک بنے ٹالو نہیں تو (دل میں کہا) سنگ آمد وسخت آمد۔

دیوان۔ ہاں۔ آخر راجہ بہاڑا مل نے کیا کیا (خود اکبر کو بیٹی دے ہی دی)۔

راجہ۔ اچھا۔ اندر لاؤ۔

دیوان۔ بیربل اور ابوالفضل کو لیکر حاضر ہوا۔

بیربل۔ اشیر باد۔

مہاراجہ۔ نمشکار۔

ابوالفضل۔ اقبال بامراد۔ عمر دراز۔ دولت زیاد۔

مہاراجہ۔ براجیئے براجیے۔

راجہ بیربل۔ حضور کے مزاج ؟

اکبر - ابوالفضل! کیا صلاح ہے؟ راجہ پہلو تو نہ بچائے گا؟

ابوالفضل - جہاںپناہ کے اقبال نے دلوں میں دلداری کے نہال ایسے پرورش کئے ہیں کہ جو چاہیں وہی پھل لائیں۔ مگر شہزادے کی طبیعت کیطرف سے ذرا خیال ایسا نہ ہو کہ کریں کچھ اور۔ اور ہو جائے کچھ اور۔

ٹوڈرمل - حضور! عمر بھی ایک اثر رکھتی ہے۔ خدا حضور کا سایہ سر پر سلامت رکھے۔ آپ ہی سمجھ جائینگے۔

اکبر - آخر ہم ہمیشہ بڈھے ہی تو نہ تھے۔ جب ہم نے گجرات کی یلغار میں ۲۷ منزل کو ۹ دن میں طے کیا تو ہماری کیا عمر تھی۔

خانخاناں - حضور کوئی ۳۰ - ۳۱ برس کی۔

اکبر - اللہ اکبر خانخاناں۔ دیکھو! کل کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو تجھے خوب یاد ہے کہ حملہ کے وقت نشان تمہارے ہاتھ میں دیا اور تمہیں تیرھواں برس تھا۔ جب ہیمو کا معرکہ مارا ہے تو ہم بھی ۱۳ ہی برس کے تھے۔ مگر یقین جاننا کہ ایسی ایسی باتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آیا۔

ٹوڈرمل - جہاںپناہ! کہاں وہ اور کہاں آپ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اکبر - ابوالفضل! ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں صندل ہو۔ اور بیربل کے ہاتھ سے اس مبارکبادی کا ٹیکا لگے۔ اور حق یہ ہے کہ تمہاری سربراہی کے بغیر یہ معاملہ رو براہ نہ ہوگا۔

ابوالفضل - جو جہاںپناہ کا حکم ہو۔ غلاموں کی عین سعادت ہے۔

اکبر - بیربل! دیکھو تو لگن کیا ہے۔

بیربل - جہاںپناہ! لگن تو وہ ہے کہ کبھی برسوں ہی کے بعد آئی ہوگی۔

اکبر - اچھا تو تم سدہ گنیش اور ابوالفضل بسم کریں۔ آج ہی پا نزاب کر جاؤ۔

اکبر۔ تم نے سنا۔ شیخو جی نے دکن کا بندوبست اچھا کیا۔
حکیم ہمام۔ سب حضور کا اقبال ہے۔ شہزادے کی طبیعت نے کمال صلاحیت کے ساتھ انقلاب کیا۔
اکبر۔ جی چاہتا ہے کہ اب تو شیخو جی کے سر پر سہرا بندھا دیکھئے۔
بیربل۔ مہابلی! حضور کا جی چاہا ہے تو ہو ہی جائیگا۔
اکبر۔ ابوالفضل! مناسب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مہارانی ہو جو بادشاہ بیگم بنکر حکمرانی کرے۔
ابوالفضل۔ مہابلی۔ عین مناسب ہے۔ اور چند در چند مصلحتوں سے مناسب ہے۔
اکبر۔ دیوان جی۔ تمہیں یاد ہے جس دن جودہ پور کے حساب کا کاغذ تم نے پیش کیا تو ہم نے تم سے کہا تھا کہ راجہ اودے سنگھ کے ہاں کا حال دریافت کرو۔ اور ہو سکے تو تصویر منگاؤ۔
ٹوڈرمل۔ مہابلی غلام نے اسی دن تعمیل کی تھی۔ تصویر حاضر ہے اور حال بھی دریافت کیا تھا۔ صورت۔ سیرت۔ شرم حیا کا طور طریقہ جو رانیوں اور شہزادیوں کو چاہئیے۔ سب خوبیاں موجود ہیں۔
اکبر۔ بیربل! یہ تصویر تو دیکھو۔ اس لڑکی کا قیافہ کیا کہتا ہے؟
بیربل۔ حکیم جی تم دیکھو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیشانی میں جو اقبال ستارہ کی طرح چمکتا ہے۔ صاف کہتا ہے کہ تاج کو اس کے خاندان سے باہر نہ جانے دونگا۔
حکیم ہمام۔ فی الحقیقت عجب نور اقبال ہے اور آنکھ میں حیا ہے کہ طبیعت کے تحمل مزاج کی بردباری سے خبر دیتی ہے۔ چہرے پر رعب داب شاہانہ ہے۔ آئندہ اقبال خداوندی سب پر غالب ہے۔

...مان سنگھ۔ غلام بھی سُنتا تو ایسا ہی ہے۔ مگر خدا حضور کو سلامت رکھے۔ شہزادے کے بھی یہی عیش کے دن ہیں۔ جو باتیں ہیں مقتضائے سن ہیں۔

...بر۔ آخر ہم بھی تو کبھی اس سن میں تھے۔ جب ہمارے سامنے یہ بے باکیاں ہیں تو ہمارے بعد کیا کچھ کرینگے۔ سخت مشکل ہے۔

...فضل۔ جہاںپناہ مشکل تو یہ ہے کہ شراب کی طرف بہت رغبت ہوگئی ہے اور خدا نہ کرے جو کچھ کہ اس کا انجام نظر آتا ہے۔

...بر۔ ایسی باتوں میں مصاحبوں کی تدبیر کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ انکو لکھو۔

...فضل۔ جہاںپناہ! انہی خانہ خرابوں کی تو خرابیاں ہیں۔ نادان دوست ہیں۔ بے مغز پوست ہیں۔ وقت کے یار ہیں۔ انجام کے عیار ہیں۔ عارف روم انہی کے حق میں کہتا ہے۔ ؎ اے برادر دُور باش از یارِ بد - یارِ بد بدتر بود از مارِ بد + مارِ بد تنہا ترا بر جاں زند - یارِ بد بر دین و بر ایماں زند +

...بر۔ شیخو جی تو شراب پیتا نہ تھا۔ یہ بلا کہاں سے اس کے پیچھے لگ گئی؟

...سنگھ۔ لوگ حکیم صاحب کی حکمت کہتے ہیں۔ یہ بھی حضور میں حاضر ہیں۔

...ہم۔ ہمام۔ بلاگردان شاہ۔ ؎ مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است - بلکہ مے میشود از صحبت ناداں بدنام۔ غلام وقتیکہ تجویز کردہ بود۔ اوّل گفتہ بود کہ شراب دوا ست۔ نہ کہ ہمیں آب وہمیں غذا۔

...سنگھ۔ حضور۔ اس کمبخت میں عیب یہی ہے کہ دوا ہوکر رہ نہیں سکتی۔

...بر۔ ابوالفضل اچھا شیخ جی کو ہماری طرف سے خط لکھو۔ اور شیخو جی کو تم خط لکھو کہ ان نادان دوستوں کو دفع کرو۔

اس پر ناز کرو اور اتراؤ۔

مصاحب۔ حضور! بندے روسیاہ کیا ناز کرینگے۔ کریم الرحیم کی رحمت پر ناز ہے۔ ؎ پی لاکھ بار ساقی کی لاکھ بار توبہ - اب کرچکا میں توبہ توبہ ہزار توبہ ؎

جہانگیر۔ چلو بس بہت کفر بک چکے۔ اب مجھے بھی نیند آئی ہے۔ تم بھی جاکر آرام کرو۔

مصاحب ؎ ملک ہوویں یاور فلک یار ہووے۔ تو سویا کرے بخت بیدار ہووے + مے عقل و دانش سے جوں نورِ خورشید - ترا ساغرِ عقل سرشار ہووے +

تیسرا ایکٹ

پہلا سین

اکبر۔ ابوالفضل! دکن کا روزنامچہ دیکھ لیا؟

ابوالفضل۔ مہابلی۔ دیکھ لیا۔ اقبال شاہنشاہی ہے۔ سب فضلِ الٰہی ہے۔

اکبر۔ شیخ جی کا بھی کوئی خط آیا۔

ابوالفضل۔ مہابلی۔ آج ہی آیا ہے۔

اکبر۔ شیخ جی کیا لکھتے ہیں۔ اور ہمارے شیخو جی کیا کرتے ہیں۔

ابوالفضل۔ شیخو جی شیخ جی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ خلوت پسند کرتے ہیں۔ دربار کم کرتے ہیں۔ تمام اہلِ دربار اور دکن کے سردار آتے ہیں۔ بیٹھ بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

جہانگیر۔ اچھا سب کا فتویٰ یہی ہے تو تم ہی جاؤ۔ جلد آؤ۔
مصاحب۔ حضور! عرق حاضر ہے۔
یہ حاضر ہے۔ سبحان اللہ۔ شیشہ کو تو ملاحظہ کیجئے۔ کیا زعفرانی رنگ ہے۔ گل پر شبنم ہے۔ ساقی کے ہاتھ پر جام جم ہے۔ دیکھنے ہی سے آنکھوں میں نور آتا ہے۔ پینے سے دل کو کیا سرور نہ ہوگا! حضور۔ یہ وہ شے ہے کہ آگ کے لئے ہوا ہو جائے قطرہ میں پڑے تو دریا ہو جاتے۔ جان کو روشن کرے۔ دل کو چمن۔ چمن کو گلشن کرے۔ عقل کو پر لگائے۔ آنکھوں پر عینک چڑھائے۔ پرستان کی سیر دکھائے۔ پری کو شیشے میں اُتار لائے۔

ایک جام پیا۔ اور مصاحب کی طرف دیکھا۔
لبوں پر تبسم۔ مصاحب نے ادب سے سلام کیا۔

جہانگیر۔ فی الحقیقۃ عجب عالم سرور ہے۔ آج تک یہ لُطف حاصل نہ ہوا تھا۔ حرام کیونکر ہوگئی۔ گلاب۔ کیوڑہ۔ بیدمشک سب عرق ہی ہیں۔ عرق انگور نے کیا گناہ کیا کہ حرام ہوگیا۔
مصاحب۔ دم مارنے کا مقام نہیں۔ شاعر ہندی بھی یہی تعجب کرتا ہے کہ
؎ زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں۔ کیا ڈیڑھ چلّو پانی سے ایمان بہ گیا۔
مُلّانوں کی باتیں ہیں۔ شاعر فارس کہتا ہے۔ ؎
مے خوردے خور کہ شوی رستگار آتش دوزخ نکند بر تو کار
گر نشود این سخنم باورت دست بہ مے ترکن و بر شعلہ دار
جہانگیر۔ ارے ظالمو ڈرو خدا سے۔ اگر گناہ سے باز نہ رہو تو شرماؤ۔ نہ کہ

ہے۔ جہانگیر شہزادہ سارے دن شکار کھیلا ہے۔ شام کو تھکا ماندا پھر کر آیا ہے۔

جہانگیر۔ آج تو بدن چور چور ہو گیا۔

مصاحب۔ حضور! شہاب کو بلاؤں ؟ چپی کرے۔

جہانگیر۔ بدن کی چپی سے کیا ہوتا ہے۔ دل تھک گیا ہے۔ جان تھک گئی ہے۔ ایسی تھکن میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

مصاحب۔ کہہ تو نہیں سکتا۔ لیکن۔ تھوڑا سا عرق انگور نوش فرمائیں تو ساری کلفتیں ابھی دور ہو جائیں۔

جہانگیر۔ شراب؟ شراب؟ آج تک تو خدا نے محفوظ رکھا ہے۔

مصاحب۔ حضور چاہیں سو فرمائیں۔ مگر یہ تو وہ شے ہے کہ بہشت کی نعمتوں میں داخل ہے۔ کیا عرض کروں۔ بادشاہ پیئے تو ہفت اقلیم زیر قدم ہو جائے۔ وزیر پیئے تو جہان زیر قلم ہو جائے۔ بزدل کو دلیر مرد کو جوانمرد بنائے۔ ہمت کو چڑھاتی ہے۔ حوصلہ کو بڑھاتی ہے۔ دل کو بہلاتی ہے۔ بڈھے کے لئے جوانی ہے۔ جوانی کی زندگانی ہے۔ بہادر اسی سے تلوار لڑتا ہے۔ آدمی شیر کو شکار کرتا ہے۔ بے ہمت ملّا نے مسجدوں میں کیوں پڑے ہیں؟ زاہدوں کے چہرے زرد کیوں پڑے ہیں؟

حضور! دوا کے لئے تو مضائقہ نہیں۔ آج کل حکیم ہمام نے ایک مرکب نسخہ جہاں پناہ کے لئے کھچوایا ہے۔ اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

جہانگیر۔ ہاں؟

مصاحب۔ حضور جہانبانی نے منظور فرمایا تو پھر کیا مضائقہ۔

اکبر

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

اقبال خواجہ سرا شیخوجی کو لیکر حاضر ہوا۔

اکبر۔ شیخوجی! کل تم نے مینا بازار میں کسی کو گلدستہ دیا؟

جہانگیر۔ مہرالنسا کل روش پر چلی جاتی تھی اُس نے مجھے نہایت ادب سے جُھک کر سلام کیا۔ میرا جی خوش ہوا ہاتھ میں گلدستہ تھا وُہی دیدیا۔

اکبر۔ کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں۔

جہانگیر۔ ہاں یہ بھی پوچھا تھا کہ تمہیں یہ باتیں کس نے سکھائیں۔ وُہ بولی کہ بزرگوں کی تربیت نے۔

اکبر۔ بس اَور تو کچھ نہیں؟

جہانگیر۔ اَور تو کچھ یاد نہیں۔

اکبر۔ آے شیخوجی (اور رو بہ فلک) دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔

دُوسرا ایکٹ

ایک طرف حسن ابدال کا گلزار ہے۔ قدرتی بہار ہے۔ پھُول جھُمہاتے ہیں۔ سبزے لہلہاتے ہیں۔ قدرتی نہریں۔ آبِ رواں کی لہریں۔ دُوسری طرف اٹک کا کنارہ۔ پہاڑ کا اُتارا۔ دریا کے زور۔ موجوں کے شور۔ بیچ میں دامنِ کوہ ہے۔ اکبری فوجوں کا انبوہ ہے۔ خدائی شان و شکوہ

(۱۴)

وہ اُماستی رائو مالدیو کے مرنے کی خبر سُنکر سُورج کی طرف مُنہہ کر کے آگ اور دھوئیں میں بیٹھی اور سر سے پاؤں تک جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئی +

بال مُکند گپت

بتوں کی یاد سے کہدو جو دل میں تو آئے — خدا کا گھر اسے کہتے ہیں با وضو آئے
نہ سمجھے تھے کہ یہ عالم ہے خانۂ حرماں — ہزاروں لے کے عبث دل میں آرزو آئے
سنوں ہیں خاک پسِ پردہ لن ترانی کو — جسے ہو حُسن کا دعوٰی وہ روبرو آئے
ہزار شکر کہ قاتل کے رعب تیغ سے ہم — سپید رہ گئے مقتل سے سُرخرو آئے
دماغ دے جو خدا گلشن محبت میں — ہر ایک پھول سے تیری قبا کی بو آئے
پسِ فنا ہے وُہی رابطہ حسینوں سے — فرشتے گور میں بھی بنکے خوبرو آئے
زباں دراز سناں زخم ہیں دریدہ دہن — کہیں نہ دونوں میں رنجش کی گفتگو آئے
خدا کرے کسی نا آشنا ستمگر پہ — ہماری طرح ترا دل بھی تند خو آئے
مزہ تو جب ہے شہادت کا میں ادھر سے بڑھوں — اُدھر سے تیغِ ستم چل کے تا گلو آئے
جیئے وہ خستہ جگر کیا کہ جسکی آنکھوں سے — گھڑی گھڑی عوض اشک تر لہو آئے
کمال دل کو تنفر ہے ہجر میں ساقی — نہ شیشہ آئے نہ آگے مرے سبو آئے
عدم سے صورتِ اشکِ چکیدہ وائے نصیب — ڈبونے بحرِ محبت میں آبرو آتے

دکھائیں حسن بیاں شاعری میں کیا تسلیم
زباں آئے نہ اندازِ گفتگو آئے

(۱۰)

بھونرے سی بھنویں کیلے سی رانیں چمپا کلی سی نازک انگلیاں۔کنول کی شاخوں کی سی باتیں۔کویل کا سا گلا۔چاند سا چہرہ۔باسک ناگ کے پیٹ کے مانند نرم جسم۔مونگے سے ہونٹ انار دانے سے دانت یہ سب اُس نے آگ میں جلا کر خاک کر دیئے۔

(۱۱)

ہنس کی سی چال۔ہرن کی سی آنکھیں خوبصورت جسم سنہرا رنگ کوئل کا سا گلا۔ہاتھی کا سا جھومنا ۳۲ لچھن اخلاق ناز حیا کیا یہ سب گن جلنے کے لئے ہی اُس میں جمع ہوئے تھے ؟

(۱۲)

اس نے نیچی ہو کر نہ خاوند کی خوشامد کی نہ مخالفت۔نہ نیچی ہو کر سہاگ لیا نہ عزت حاصل کی۔نہ نیچی ہو کر قدموں سے لگی۔بلکہ جو ہٹ اُس نے کیا تھا اسکو مالدیو جیسا بہادر دُنیا کو فتح کر کے بھی فتح نہ کر سکا۔سانپ کے من کی طرح اس کا وہ مان (ضد) ہمیشہ اُونچا ہی رہا۔

(۱۳)

جو مان محبت کو بگاڑ دیتا ہے۔جو مروت کو توڑ دیتا ہے۔جو مان جُدائی کا باعث ہوتا ہے۔جو مرد اور عورت میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔جو مان گھر بگاڑ دیتا ہے۔دوست کو دشمن بنا دیتا ہے۔جو مان تارک الدُّنیا مرتاضوں کا شیوہ ہے اُسی کو رانی اُما دیوی نے اختیار کیا نورا وَ مالدیو کے آگے بھی نہ چھوڑا۔اُسے ساتھ ہی لیکر جل گئی !

نہا نہا کر آؤ۔ آج اُما ستی چتا پر چڑھتی ہے۔

(۷)

اُما نے سولہ سنگار کئے ہیں اُس کے عضو عضو سے پارسائی جھلک رہی ہے اُس کا چہرہ سُورج کی طرح چمک رہا ہے۔ اُس نے گنگا جل سے نہا کر پاکیزہ کپڑے پہنے ہیں۔ وُہ گھوڑی پر سوار ہے اُس کی زلفیں اور چوٹی کھُلی ہے۔ وُہ ہنس کی چال چلکر بیکنٹھ کو جا رہی ہے۔ اُس کے خاوند کا دِل آج خوش ہے۔ بھٹانی رانی جو راؤ مال دیو سے روٹھی تھی وُہ آج مَن گئی ہے۔

(۸)

جس کی ہنس کی سی چال ہے۔ راؤ مال دیو جس کے دِل میں بسا ہُوا ہے جس کی ہرن کی سی آنکھیں آبحیات سی باتیں چاند سا چہرہ ناگن سی چوٹی ہے۔ پتی برتا ہے پدمنی ہے خوبصورت ہے سچی ہے۔ لکشمی کے سے جس کے نشانات ہیں پاربتی جیسی پاک ہے۔ وہ بڑی ستی اُما دیوی راؤ مال دیو کو بلند کرنے کے لئے اپنے جسم کو جان سے الگ کرتی ہے۔ آٹھوں طرف کی آگ کے شعلوں کو برداشت کرتی ہے

(۹)

وُہ کپڑوں سمیت نہاتی ہے۔ برہمنوں کو سونے کا دان دیتی ہے۔ دونوں خاندانوں کو روشن کرتی ہے۔ دُنیا کی محبّت چھوڑتی ہے۔ جلتی آگ کے شعلوں کے سنگھاسن پر بیٹھتی ہے۔ اپنے جسم کو پاک کرکے بہشت کو جاتی ہے اور وہاں جا کر اپنے راؤ سے میل کرتی ہے۔ اور رُوٹھنا دُور کرتی ہے۔

(۳)

جس غیرت سے ہمیر چوہان رن تھمبور گڑھ پر لڑکر مرا جس غیرت سے پاتل راجہ پاواگڑھ پر ختم ہوا۔ جس غیرت سے راؤ چونڈا راٹھوڑ نے ناگور میں جان دی اور جس غیرت سے کانڑ دیو چوہان جالور میں اور راول دودا جیسلمیر میں شہید ہوا۔ اسی غیرت سے راول لون کرن کی بیٹی اُما بھی راومال دیو کے لئے مرتی ہے کیونکہ بڑے گھروں کی غیرت بھی بڑی ہوتی ہے۔

(۴)

موت کے ڈر سے راون نے اپنی جان سُورج کی کرنوں میں باندھ دی تھی۔ موت کے ڈر سے دریودھن غیرت چھوڑ کر پانی میں جا چھپا تھا۔ مرنے کے خوف سے پانڈون نے ہستنا پور کا قلعہ چھوڑ دیا تھا۔ مرنے کی آنچ بہت بُری ہوتی ہے۔ مگر اُما ستی ماڈیچی (جیسلمیر والی) نے اپنے مرحوم خاوند کے لئے خوشی سے مرنا گوارا کیا۔

(۵)

مندوری نے راون کو اکیلا چھوڑا۔ کنتی پانڈو کے ساتھ نہ جلی۔ گوپیاں کرشن کے ساتھ اور کوشلیا دسرتھ کے ساتھ چِتا پر نہ چڑھی مگر اُما کہتی ہے وہ سب اس اچھے موقع پر چوک گئیں۔ جلتی آگ کے شعلوں سے ڈر گئیں۔ مگر میں یہ ثواب کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دونگی۔

(۶)

گوبند گُرڑ پر چڑھو۔ شنکر بیل پر چڑھ کر آؤ۔ اندر تم بھی اپنا ایراوت ہاتھی تیار کرو۔ برھما ہنس پر بیٹھو۔ دیوی شیر پر سواری کرو۔ سُورج اپنے سات سر کے گھوڑے کی لگام پکڑو۔ اپسراؤ اپنے اپنے بمان سنبھالو۔ دیوتا

چتا میں آگ لگائی گئی۔ روٹھی رانی اپنی سب سے بڑی سوت کے ساتھ۔ راؤ مالدیو کی پگڑی لیکر جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔ روٹھی رانی کی یہ غیرت اور محبت دیکھ کر سب عش عش کرنے لگے۔ اس طرح شادی کے بعد ۲۷ سال تک رانی زندہ رہی خاوند سے ملنا تو کیا ایک دفعہ منہہ سے بولی تک نہیں۔ ہاں راؤ مالدیو آتے تو یہ تعظیم کو کھڑی ہوجاتی مگر منہہ سے کچھ نہ بولتی۔ لیکن خاوند کا مرنا سنتے ہی اُسی دن اس کی پگڑی کے ساتھ جل گئی۔

آساجی بارہٹ نے اس رانی کے ستی ہونے کی بابت سُنکر مارواڑی زبان کی نظم میں اُس کی جو تعریف کی تھی وہ آجتک بہت لوگوں کی زبان پر جاری ہے میں اس کا مطلب نیچے لکھ دیتا ہوں۔ اگر اس سے مخزن کے ناظرین کی کچھ ضیافتِ طبع ہو تو اس مضمون کے لکھنے کا مطلب حاصل سمجھونگا۔ یہ ۳۴۳ سال کی بنی نظم ہے:۔

(۱)

جس نے نقارہ بجاکر جیسلمیر کا درجہ بڑہا دیا تھا اور چتوڑ گڑہ کو ہلا دیا تھا وہ نو ہزار گاؤں کا مالک منڈور[۱] کا راجہ جب مرا تو اس کی پگڑی کو اپنے گلے سے باندھکر اُمادیوی ستی جلنے کو تیار ہوئی۔

(۲)

خوشبودار کاٹھ اگر تگر ملیا گری چندن کی چتا بنوائی۔ اُس میں دھوپ اور کافور ڈالا گیا۔ گھی سینچا گیا۔ ۳۳ کروڑ دیوتا اُس کی نیکنامی کا شہرہ عالم بالا میں لیجانے کو آئے۔ آج چاند جیسی اُماستی اپنی لولہ کلاؤں سے گانگا کے بیٹے راؤ مالدیو اور راول کرن دونوں کے خاندانوں کو روشن کرتی ہے۔

---

[۱] جودھپور سے پہلے منڈور مارواڑ کا دارالخلافہ تھا۔

گیا تھا۔ اُنکو اپنی پگڑی سنبھالنا مشکل ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں پیغامِ اجل پہنچ گیا۔ ۲۱ رانیاں اور خواصین وغیرہ راؤ صاحب کی لاش کے ساتھ ستی ہوگئیں۔ راؤ مالدیو کی وفات کے تین دن بعد اُن کی ایک پگڑی کاتک سُدی ۱۵ کے دن موضع کیلوہ[1] میں پہنچی جو اس وقت میواڑ کی علداری میں تھا اور اب بھی میواڑ میں دوسرے درجہ کی جاگیر ہے۔ روٹھی رانی اسوقت وہیں تھی۔ پگڑی کو دیکھتے ہی روٹھی رانی کا غصّہ کافور ہوگیا۔ بولی اب رُوٹھنا کس سے؟ جس سے روٹھی تھی وُہی نہ رہا تو جی کر کیا کرونگی۔ وہ بھی ستی ہونے کو تیار ہوگئی۔ یہ خبر جلد دُور دُور تک پھیل گئی۔ بہت لوگ روٹھی رانی کا ستی ہونا دیکھنے کو جمع ہوگئے۔ ستی نے چتا میں آگ لگانے کے لئے اِدھر اُدھر اپنے خاوند کے خاندان کے کسی آدمی کے لئے نظر دوڑائی۔ کوئی نظر نہ آیا۔ آخر ایک غریب راٹھور راجپوت ملا جو مارواڑ سے جلاوطن ہوکر میواڑ میں دن کاٹتا تھا۔ اُسی نے روٹھی رانی کے حکم سے چتا میں آگ لگائی۔ رانی کے ساتھ اس کی بڑی سوت لاچھل دیوی بھی تھی۔ اس کا بیٹا رام راج کے لالچ سے ماں کی چتا میں آگ لگائے بغیر ہی چلدیا تھا۔ چتا میں آگ لگائے جانے سے پہلے روٹھی رانی نے اپنے منشی کو بلوا کر میواڑ کے مہارانا کو خط لکھوایا کہ موضع کیلوہ رام سے چھین کر اس راجپوت کو دیا جائے۔ کیونکہ وہ ناخلف اپنی ماؤں کی چتا میں آگ لگانے سے پہلے ہی چلدیا۔ اب ہمارا لڑکا یہ راجپوت ہوا۔

---

[1] راؤ مالدیو کا بڑا لڑکا رام باپ سے ناراض ہوکر میواڑ میں چلا گیا تھا۔ وہ میواڑ کے رانا اودے سنگھ کا داماد تھا۔ رانا نے یہ گاؤں اس کے رہنے کو دیا۔ رام کی ماں کے ساتھ ہی روٹھی رانی اُسوقت وہاں رہتی تھی۔

مارواڑی زبان کی شاعری

جیسلمیر کے راول لون کرن جی کے جو سمت ۱۵۸۶ بکرمی مطابق ۱۵۲۹ء میں گدی نشین ہوئے تھے ایک ایسی لڑکی تھی جس کی عفت و عصمت کے گیت اسوقت تک راجپوتانہ میں گائے جاتے ہیں۔ لڑکی کا نام اُما دیوی تھا۔ اس کی شادی بیساکھ سودی ۴ سمت ۱۵۹۳ بکرمی کی شب کو مارواڑ کے راؤ مال دیوجی سے ہوئی تھی۔

شادی ہونے کے بعد پہلی ہی شب کو رانی اُما دیوی کو راؤ مالدیو کی کوئی حرکت ایسی ناپسند آئی کہ اُس نے راؤ سے بولنا بند کر دیا اور روٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایسی روٹھی کہ جیتے جی پھر نہ منی۔ اجمیر کے قلعہ میں دکن کی طرف ایک برج ہے جو روٹھی رانی کا برج کہلاتا ہے۔ اس میں بہت دن یہ رہی تھی۔

باوجود روٹھنے کے بہادری میں بھی یہ رانی بے نظیر تھی۔ شیر شاہ سے ہار کر ہمایوں بھاگا تو راؤ مالدیو نے مارواڑ سے اُسے صحیح سلامت نکال دیا۔ اس سے شیر شاہ نے بگڑ کر راؤ پر چڑھائی کی۔ اُسوقت روٹھی رانی موضع کوسانہ[1] میں خفا ہوئی بیٹھی تھی۔ اُس سے کہا گیا یہاں سے چل کر جودھپور کے مضبوط قلعہ میں ہو۔ مگر اُس نے کہا کہ میں اپنی آپ حفاظت کر لونگی۔ اس جگہ پر شیر شاہ کا ایک افسر خواص خاں نامی گیا تھا۔ رانی کی دھمکی سے وہ بغیر جنگ کئے ہی ٹل گیا۔ رانی اپنی جگہ سے نہ ٹلی۔

کاتک سمت ۱۶۱۹ بکرمی میں راؤ مالدیو کا انتقال ہو گیا۔ اُسوقت اکبر کا زمانہ تھا۔ اکبر کے تخت نشین ہونے اور زور پکڑنے سے راؤ مالدیو کی فتوحات کا سیلاب رک

[1] جودھپور سے مشرق کو ۱۵ کوس کے فاصلے پر یہ جگہ ہے ۱۲

اس کے اندر صدر کے دالانوں کے محرابوں پر باہر کی طرف سنگ مرمر کے پتھروں پر قرآن شریف کی سورہ والفجر قاضی عصمت اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کندہ تھی۔ قاضی صاحب خطِ نسخ میں ایسے کامل خوشنویس تھے کہ انکے برابر شاید ہی دو چار خوشنویس ہوئے ہوں جب یہ مسجد مسمار ہوئی تو اس کے یہ بے نظیر کتابے مرزا الٰہی بخش کو گورنمنٹ نے دیدیئے۔ سرسید ان کتابوں کے بڑے قدر شناس تھے۔ جب اُنہوں نے علی گڈھ کالج میں مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو صاحب عالم سے فرمایش کی کہ ان کتابوں کو کالج کی مسجد میں نصب کرنے کے لئے مرحمت فرمایئے۔ صاحب عالم نے جواب دیا کہ جب آپ اپنے مدرسے میں اکبرآبادی مسجد جیسی مسجد بنوائینگے تو میں ضرور آپ کو یہ کتابے دیدونگا کہ وہاں وہ نصب ہوکر مسجد کو رونق دیں۔ صاحب عالم کا اِنتقال ہوگیا تو سرسید نے پھر اُن کے فرزند مہین مرزا سلیمان شاہ سے ان کتابوں کے عنایت کرنے کی فرمایش کی۔ مرزا صاحب نے اپنے والد ماجد کی طرح حجت نہیں کی۔ علی گڈھ میں کتابے بھجوا دیئے۔ بھلا علی گڈھ کالج میں تو ایسی وسیع الاشان مسجد کب بن سکتی تھی۔ کہ اس کے محرابوں پر یہ کتابے لگتے۔ اس لئے سرسید نے کتابوں کی سطروں کی قاشیں کتر کر اور جوڑ کر مسجد میں چسپاں کیں۔ جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ سرسید کو دعا دینی چاہئے کہ اُنہوں نے ان بے مثل کتابوں کو سنگ ریزہ ہونے سے بچاکر ایک خانۂ خدا سے دوسرے خانۂ خدا میں منتقل کردیا۔

(باقی دارد)

کر کے بنوایا تھا وہ ماہ رمضان ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کے دالان بڑے شاندار تھے اس کے آگے چبوترہ اور چبوترے کے آگے حوض تھا۔ مسجد کے صحن کے گرد طالب علموں کے پڑھنے کے لئے حجرے بنے ہوئے تھے۔ دروازہ کے اوپر کتبہ سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کا کھدا ہوا تھا۔ جس میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا تھا" کہ اگر مرمّتِ ایں امکنہ احتیاج افتد آنچہ از حاصل موقوف بعد التزمیم باقی ماند بخدمۂ مسجد و حمام و طلبہ علم برسانند و الّا تمام را بجائے مسطور بدہند" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں حمام و سرا بھی تھے۔ جب سے یہ مسجد بنی تھی اس کی مرمت نہیں ہوئی تھی۔ اِس لئے اس دو برس کے عرصہ میں وہ فرسودہ اور شکستہ ہو رہی تھی۔ مَیں نے اسکو ۱۸۵۰ء میں اس حال میں دیکھا کہ اس میں ابابیلیں بستی تھیں۔ چمگادڑیں بیٹ کرتی تھیں۔ اس کے پاس بگوا بادی ایک محلہ تھا۔ اس میں کشمیری رہتے تھے۔ وہ اس کے ٹوٹے پھوٹے حجروں میں کارچوب پر شال بافی کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس مسجد کا نام کشمیری کٹرہ کی مسجد زیادہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس میں جاڑے کے موسم میں کشمیری کابلی پشمینہ فروش اُترتے تھے۔ ان لوگوں کے کرایہ سے مسجد کے خرچ چلتے تھے۔ جب مولوی رحمت اللہ اس مسجد میں کچھ دنوں رہنے کے لئے آجاتے تھے تو دس پانچ طلبہ ان سے پڑھنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے مولوی صاحب عیسائی مذہب کے برخلاف مباحثات میں ایسے نامور تھے کہ جب وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکّہ معظّمہ تشریف لے گئے تو سلطان المعظّم روم نے قسطنطنیہ میں بلوا کر عیسائی مذہب کے رد میں ایک کتاب اظہار الحق لکھوا کر شائع کرائی۔

غدر کے بعد جب سرکار انگریزی کو قلعہ کے آگے میدان بنانے کی ضرورت ہوئی تو اس میدان میں یہ مسجد مسمار ہو کر بالکل بے نام و نشان ہوئی مگر

لاٹھیوں سے دس پانچ ہندوؤں کے سر پھوڑ دیئے اور انگریز سپرنڈنٹ پولیس کو بھی گھوڑے سے گرا دیا اور یہ کام پھرتی سے کر کے خود چلتے بنے۔ پولیس کے ہاتھ نہیں آئے۔ پولیس نے گو مسلمان تماشائیوں کو بے تحاشا مارا اور کوتوالی کی حوالات میں بٹھایا۔ سختی کی پر بس نہ چلا گدہیا کے کان اینٹھے۔ تین روز تک ہندو مسلمانوں کے درمیان گلی کوچوں میں سر پھٹول رہی۔ سارے بازاروں میں ہڑتال رہی۔ ایک دو مسلمانوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ جامع مسجد کے منبر پر سؤر کا پلہ رکھا گیا۔ غدر سے پہلے جامع مسجد میں ہندوؤں کے جانے کی ممانعت تھی۔ مگر غدر کے بعد انکو جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ جب یہ سور کا پلہ مسجد میں رکھا گیا تو جامع مسجد پر اشتہار چسپاں ہوا کہ جو ہندو مسجد میں جائیگا۔ وہ مداخلت بیجا کا مرتکب ہوگا۔ انتظامی زائد پولیس تعینات ہوا اسکا خرچ ستائیس ہزار روپیہ قرار پایا۔ شہر والوں سے انکے مکانوں کی قیمت پر یہ زرتاوان پھیلا کر وصول ہوا۔ معابد بھی اس تاوان سے نہیں بچے۔ جامع مسجد نے ۲۳۔ اگست ۱۸۸۷ء کو تحصیل میں مبلغ ۱۱۱ ؎ اپنی آمدنی سے زرتاوان داخل کیا۔ قید تنہائی تو کئی سال تک اپنے عزیز مسلمانوں سے جدا رہنے کی پہلے ہو چکی تھی۔ اب یہ جرمانہ اور بھگتا۔ یہ جرمانہ سب سے زیادہ اسکو اس سبب سے دینا پڑا کہ شہر میں کوئی دس لاکھ روپے کی اور عمارت نہ تھی۔ ع سچ ہے کہ برا ہوتا ہے اچھا ہونا۔

اکبر آبادی مسجد

عمارت کی شان و شوکت کے اعتبار سے مسجد جامع کے بعد اکبر آبادی مسجد شمار ہوتی تھی۔ اسکو شاہجہان کے حکم سے اسکی زوجہ نواب اعزالنسا بیگم عرف اکبر آبادی محل نے شاہجہان کے بازار فیض بازار میں دو برس میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف

مسجد کمیٹی منتظمہ جامع مسجد کے سپرد ہے پہلے مسجد میں سارا اختیار بادشاہی اہلکاروں کے سپرد تھا۔ بادشاہ کی طرف سے مسجد میں ملازمین یہ رہتے تھے:۔ داروغہ جامع مسجد۔ واعظ جامع مسجد۔ مؤذن۔ خادمان آثار شریف۔ مدح خوانان آثار شریف۔ فراشان۔ دربانان مسجد و چراغ بتی۔ روشنی کرنے والے ملازم مسلمان تھے مگر ہندو برہمن گھڑیالی نوکر تھے جو شمالی اور جنوبی دروازوں میں گھڑیال بجایا کرتے اور پتر سے لکھا کرتے تھے۔ اور بعض مسلمانوں کے پرشنوں کا اتر دیا کرتے تھے۔ اب گھڑیالی کا کام دربان کرتے ہیں۔ پہلے نہ بازاری کی نگرانی کرنیوالے بعض چپڑاسی ہندو تھے۔ اب کوئی ہندو اس مسجد کا ملازم نہیں۔

دسہرہ و محرّم میں ہندو مسلمانوں کا فساد اور اسکا اثر جامع مسجد پر

غدر سے پہلے گو دہلی میں سرکار کمپنی کی عملداری تھی مگر برائے نام ایک مسلمان بادشاہ بھی رہتا۔ جس کی سرکار کے بہت سے ہندو مسلمان ملازم تھے۔ قاعدہ ہے کہ ہم ملازمت میں مختلف المذاہب کے دینوں میں بھی انحاد ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس شہر میں ہندو مسلمان آپس میں اُلفت رکھتے تھے۔ اُنکا چولی دامن کا ساتھ مشہور تھا۔ مگر جب غدر ہوا مسلمان بادشاہ نہ رہا۔ ہندو مسلمانوں میں رشتۂ اُلفت ٹوٹ گیا۔ بقرعید میں گائے کی قربانی پر آپس میں لڑائی جھگڑا ہونے لگا۔ اتفاق سے ۱۸۸۶ء میں مسلمانوں کا عشرۂ محرم اور ہندوؤں کا دسہرہ ایک ہی دنوں میں واقع ہوا۔ ایک کے ہاں ماتم تھا۔ دوسرے کے ہاں شادی۔ دسہرہ کے دن رامچندر کی سواری باجے گاجے کے ساتھ چاندنی چوک میں جاتی تھی کہ دس بیس مسلمانوں نے

لیجائی جائیں تو مجبور ختم ہونے اس تقریب کے جس کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی انکو وہاں سے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔

۹۔ مذہبی بحث کی مسجد کے اندر اجازت نہیں ہے نہ سوائے اغراض نماز کے اور کسی مجمع کی اجازت ہے۔ اور بلا اجازت کمیٹی منتظم مسجد کے اندر وعظ کی بھی ممانعت ہے۔

۱۰۔ دروازہ ہائے شمالی اور جنوبی پر دو کانسٹبل تعینات رہیں گے اور انکی ذمہ واری ہوگی کہ اُن قواعد کی تعمیل ہوتی رہے +

مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۶ء

بموجب حکم منتظم کمیٹی جامع مسجد

دستخط

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع دہلی

آمد و خرچ جامع مسجد

غرب و جنوب کی جانب جو دکانیں ہیں جنکا کرایہ تقریباً دو سو روپیہ ماہوار وصول ہوتا ہے مسجد جامع کا خرچ جو تقریباً ماہوار کا ہے چلتا ہے۔ رقم پس انداز بنگال بنک مین جمع ہوتی ہے۔ پہلے جامع مسجد کا خرچ بادشاہ کے خزانہ سے اُٹھتا تھا اور گذری اور چوک کی تہ بازاری اور حوالی والوں کی دکانوں کی آمدنی شاہی خزانہ میں جاتی تھی۔ تہ بازاری کی آمدنی ڈیڑھ دو سو روپے ماہوار کی تھی۔ اب دوکانوں کے کرایہ کی آمدنی بہت بڑھ گئی اور تہ بازاری کی آمدنی بہت گھٹ گئی ہے۔ مگر اور آمدنیاں مسجد کی زیادہ ہوگئی ہیں۔ امام مسجد کو دو سو روپیہ ماہوار مشاہرہ سرکار نظام سے ملتا ہے اور ریاست رامپور اور ریاست بھوپال سے بھی اسکو وظیفے ملتے ہیں۔ اور ہزاروں روپے کے عطیات مسجد میں آتے رہتے ہیں جو پہلے کبھی نہیں آتے تھے۔ اب سارا کاروبار

ساتھ اجازت دے۔ کسی اور شخص کو رات کے وقت مسجد کے اندر رہنے کی اجازت نہیں۔

۲۔ تمام اہل یورپ کو جو مسجد کے دیکھنے کے واسطے جائیں۔ چاہئیے کہ مسجد کے اس حصہ میں جو بشکل گنبد مغربی سمت چوک میں واقع ہے داخل ہونے سے پیشتر اپنے بوٹوں پر غلاف چڑھا لیں۔ جو اُن سیڑھیوں پر ملینگے جنکے ذریعہ سے اُس حصہ میں آمد و رفت ہوتی ہے۔

۳۔ سپاہیانِ اہل یورپ (گورہ) کو بلا پاس کمان افسر یا دفتر برگیڈ کے مسجد میں جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

۴۔ کسی باشندۂ ایشیا کو جو مسلمان نہ ہو بلا حصول پاس جو ڈپٹی کمشنر بہادر یا منتظم کمیٹی نے عطا کیا ہو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ایسے آدمیوں کو دربان بتائیگا کہ پاس کہاں سے ملیگا۔

۵۔ مسجد کے اندر حقہ پینے کی اجازت نہیں۔ سیر کنندگان کو تتار حقہ سازِ سرود (باجہ) اور ایسی دیگر اشیا کہ جو بروئے اصول اسلام ناجائز ہوں مسجد کے اندر لیجانے کی ممانعت ہے۔

۶۔ جو اشخاص مسجد کے اندر عکس اُتارنا چاہیں انکو لازم ہے کہ کمیٹی منتظم سے خاص اجازت حاصل کرلیں۔

۷۔ سیر کنندگان کو چاہئیے کہ جو اہل اسلام نماز میں مشغول ہوں اُن کے سامنے سے نہ گذریں اور نہ اُنکے آگے کھڑے ہوں۔ اور نماز کے وقت شرقی حصہ مسجد میں ٹھہرے رہیں۔

۸۔ مسجد کے اندر کرسیاں یا بنچ لیجانے کی بلا اجازت منتظم کمیٹی کے ممانعت ہے۔ اور اگر کسی تقریب میں اجازت حاصل کرنے کے بعد

ہوئیں۔ جن کی نقل ذیل میں ہے۔

ہدائیت

۱۔ بعد نماز پڑھنے کے سب آدمی مسجد سے باہر چلے جائیں۔

۲۔ کوئی شخص رات کو مسجد میں نہ رہے سوائے موذن اور امام مسجد کے۔

۳۔ قوم ہنود اندر مسجد کے جاویں کچھ مزاحمت نہیں۔ مگر ادب سے جاویں۔

۴۔ افسران صاحب سول ملٹری و دیگر صاحبان انگریز کو اجازت اندر جانے کی ہے کچھ جوتا اتارنے کی احتیاج نہیں ہے اِلّا اتنبہ ہے کہ کتا ساتھ نہ ہوگا اور چرٹ وغیرہ نہ پئیں گے۔

۵۔ گورہ لوگ فوج کے اندر نہ جانے پاویں گے۔ بلا پاس افسر کمان یا حاکم ضلع کے۔

۶۔ دو دو سنتری دو دروازہ پر متعین رہیں گے بطرف جنوب و شمال اور انکی تنخواہ ذمہ مہتممان مسجد کے ہوگی۔

یہ ہدائیت نامہ واسطے آگاہی جملہ کسان خاص و عام کے چسپاں کیا گیا ہے دروازہ مسجد پر تاکہ اس ہدائیت مندرجہ بالا کے بموجب عملدرآمد رہے اور جو کوئی خلاف اس کے کریگا۔ اس سے موجب مواخذہ کا ہوگا۔ (۲۷ نومبر ۱۸۶۲ء)

(۴) کمیٹی جامع مسجد کی درخواست پر لارڈ کرزن بہادر کے عہد میں ہدائیت نامہ ترمیم ہوا اور بجائے اس کے دوسرا دستور العمل دروازہ ہائے مسجد پر آویزاں رہنے لگا۔ جس کی نقل حسب ذیل ہے۔

قواعد متعلقہ جامع مسجد دہلی

۱۔ بجز خادمان مقررہ و موذن اور اُن اشخاص کے جنکو کمیٹی منتظمہ خصوصیت کے

۲ - اگر کوئی مقدمہ متعلقہ مسجد کی بابت واقع ہو تو ہم بطورِ خود اسکا فیصلہ کرینگے۔

۳ - کوئی امر شورش کا اندرونِ مسجد کہ موجبِ تحقیر و اہانت یا بدخواہی سرکار ہو نہ ہونے پائیگا۔ اگر اتفاقاً کوئی بات وقوع میں آئے اور ہمارے تدارک و اختیار سے باہر ہو اس کی اطلاع بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کرینگے۔

۴ - مرمت شکست و ریخت کی کرتے رہیں گے اور حساب و کتاب کرایہ دکانات و تہ بازاری وغیرہ مال وقف کا بخوبی درست رکھیں گے۔

۵ - منجملہ ہم مہتممان کے جو کوئی کم ہو جائے کسی سبب سے تو اس کی جگہ دوسرا بہ تجویزِ خود ہا مقرر کرینگے۔

۶ - اقرار کرتے ہیں کہ اگر خلافِ مرضی سرکار کوئی امر ظہور میں آئے تو سرکار کو اختیار ہے کہ دروازہ مسجد بند کر دے۔

المرقوم ۲۴ - نومبر ۱۸۶۲ء

العبد	العبد	العبد
مرزا آلہی بخش عفی عنہ	محمد صدر الدین	محمد ابراہیم

العبد	العبد	العبد	العبد
محمد حسین	نصیر الدین	تراب علی	حافظ داؤد

العبد	العبد	العبد
محمد تفضل حسین	محبوب بخش	حافظ میر محمد امام

(بقلم تراب علی)

افسوس کہ ان ممبروں میں سے اب کوئی زندہ نہیں

(۲) - چند دفعات متعلق ہدایت سرکار کی طرف سے در وازہ ہائے مسجد کو دینا

دہلی کے مساجد و معابد کی سرگذشت

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

(۴)

جامع مسجد کا ضبط اور واگذاشت ہونا

جب کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں غدر کا ہنگامہ برپا ہوا تو یہ مسجد جہادیوں کی سرا بنی۔ اسی مسجد میں بخت خاں باغی صوبہ دار بریلی نے جو اپنے ساتھ مولویوں کو لایا تھا دہلی کے مولویوں سے جہاد کے فتوے پر دھوکے سے مہریں کرائیں۔ مولوی میر محبوب علی اور مولوی خواجہ ضیاء الدین نے اس فتوے پر مُہر نہیں کی۔ ان کے نزدیک اس فساد میں شرائطِ جہاد نہیں پائی جاتی تھیں۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے دہلی فتح کرلی اور جامع مسجد کو اپنے لشکر کی فرودگاہ بنایا۔ چند روز کے بعد مسجد کو سپاہ سے خالی کردیا مگر مسلمانوں کے لئے اس کے دروازے بند کردیئے۔ نہ انکو نماز پڑھنے دی نہ انکو اس کے اندر جانے دیا۔

(۱) ۱۸۶۲ء میں جامع مسجد دہلی واگذاشت ہوئی۔

(۲) دس مہتمم مقرر کرکے اُن سے سرکار نے حسب ذیل اقرار نامہ لکھوالیا۔

اقرار نامہ

ہم اشخاص مفصلہ ذیل جو باتفاق ہمہ گر مہتمم جامع مسجد قرار پائے۔ ساتھ کمال شکر گذاری سرکار ابد پائیدار بخوشی و رضا و رغبت اقرار کرتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ ہم لوگ ذمہ وار ہیں کہ کچھ دنگا و فساد مسجد میں نہ ہونے پائے گا۔

جذبہ موجود ہے بلکہ یہ بھی کہ وُہ اپنی ذات میں مادہ آخذہ بھی رکھتا ہے۔ جس طرح اپنا اثر دوسروں پر ڈالتا ہے۔ اِسی طرح دوسرے مواد اور دُوسرے اجزائے عائدہ سے خود بھی اثر قبول کرتا ہے۔ اور یہ دادوستد محض اس طبعی خاصہ یا سرشتی اور تخمی وجہ سے ہوتی رہتی ہے۔ جو قدرت نے نیچر میں ودیعت کر رکھی ہے اور جو شروع سے لیکر اخیر تک مختلف مدارج میں نمایاں ہے۔ ان خواص سرشتی میں نسبتاً یا مقابلتاً فرق ہوتا ہے۔ جو اتفاقی نہیں ہے۔ بلکہ بعض اسباب واقعی اُو ضروریات پر مبنی ہیں ✦

سُلطان احمد ازمیانوالی پنجاب

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وصف اپنے سُنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز — جدھر ڈھل گئے۔ ہو رہے بس اُدھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اُٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مُجرے میں بیٹھو تو اُٹھو نہ جب تک — کہ اُٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پِل پڑے چوسر اور گنجفہ پر — تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑے مُرغ بازی کا لپکا تو جانو — کہ بس ٹھن گئے عزم جنگِ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پہ — تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑینگے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی — رہیں پاؤں کے ہوش جسمیں نہ سر کے
جو کھانا تو بیحد تو پینا تو اَنت گت — غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

جنہیں نیک صحبتیں نصیب ہوتی ہیں وہ بھی بگڑ جاتے اور رسوا ہوتے ہیں اور بعض بدصحبتوں میں رہنے والے بھی کندن ہو سکتے ہیں۔ یہ فرق اسی وجہ سے ہے کہ سرشت اور تخم تاثیر میں امتیازی نسبتیں ہوتی ہیں۔

رہی یہ بحث کہ تخم میں یہ تاثیر آ کہاں سے جاتی ہے۔ عام اس سے کہ نباتاتی تخم ہو یا جماداتی اور حیوانانی۔

بعض نے اس بارہ میں یوں لکھا ہے کہ :۔

"ہر تخم کی بناوٹ میں باعتبار انکے بناوٹی اجزائے ابتدائیہ کے ایسی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے"۔

"اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قانون عامہ کی تعمیل میں ہر تخم اور ہر سرشت میں یہ تاثیریں رکھی گئی ہیں۔ یعنی خود قدرت نے ہی ہر سرشت اور ہر تخم میں جداگانہ میلان اور جداگانہ تاثیریں رکھ دی ہیں"۔

ایک پنجابی ضرب المثل ہے۔

اس کا مفہوم بھی قریبًا یہی ہوسکتا ہے کہ تخم کی تاثیر ضرور ہوتی ہے۔ خواہ کسی رنگ میں ہو۔ تاثیر کا مفہوم دونوں پہلوؤں پر تاویل کیا جاتا ہے۔

"تاثیر کرنا بھی"۔

"تاثیر قبول کرنا بھی"۔

ہر تخم میں دو طاقتیں یا دو جذبات ہوتے ہیں۔ ایک طاقت اور ایک جذبہ وہ ہے جو دوسروں پر تاثیر کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو خود تاثیر قبول کرتا ہے جب کبھی۔

"جملہ تخم تاثیر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تو صرف اس کا یہ مفہوم نہیں لینا چاہئے کہ اس میں صرف دوسروں کے مقابلہ میں یا دوسروں کے واسطہ تاثیری مادہ یا تاثیری

صفحۂ دل متکلف ہو جاتا ہے۔

بعض کا یہ مذہب ہے ہر ایک انسان کی ایک سرشت ہوتی ہے اور ہر ایسی سرشت کا وجود ایک انسانی تخم سے ہوتا ہے۔ یا یہ کہ ہر تخم بجائے خود ایک جداگانہ سرشت کا بانی اور واضع ہے۔ اور ہر سرشت اپنے تخم سے ایک قوتِ جاذبہ اور تاثیر ورثہ میں پاتی ہے۔ جس طرح ایک نباتاتی وجود اپنی سرشت کی تبعیت سے اجزائے عائدہ اور موثرہ کا اخذ کرتا ہے۔ اِسی طرح انسانی سرشت یا انسانی تخم بھی کرتی اور اپنی کیفیت کے مطابق عموماً دوسری کیفیتیں کر لیتی ہے۔

یا یہ کہ جو کیفیت اس میں جاتی یا حلول کرتی ہے اُسی کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ جو نیک سرشت رکھتا ہے وہ ہمیشہ نیکی کا ہی تبادلہ کرتا ہے اور نیکی ہی کا آخذ ہوتا ہے۔ اس میں اگر احیاناً بر مواد بھی چلا جاوے تو اس کی تاویل نیکی کے قالب میں ہی کی جاتی ہے۔ بد سرشت نیکی کی کیفیت بھی بُرائی میں لیجاتی ہے۔

ہر وجود اور ہر ہستی ایک مقناطیسی قانون کے تابع ہے اور ہر وجود میں یہ جذبہ کم و بیش پایا جاتا ہے اور یہ مقناطیسی جوہر تخم اور عمل تخمی سرشت میں مودعہ ہے۔ جدھر کسی کی کشش ہوتی ہے اُسی طرف وہ جاتا ہے اور وہی کیفیت قبول کرتا ہے۔

باوجودیکہ سب لوگ نیکی اور بدی دونو کا معائنہ کرتے ہیں پھر بھی کوئی نیک ہوتا ہے اور کوئی بد۔ کسی پر نیک امور موثر ہوتے ہیں اور کسی پر بد۔ کوئی بُرائی کی طرف جاتا ہے اور کوئی نیکی کی جانب۔

اگر تخم تاثیر یا سرشت اور میلان طبعی ایک ہی کیفیت کا ہے تو ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کیوں سارے انسان ایک ہی کیفیتِ ہستی رکھتے اور کیوں سب کا ایک ہی سرشتی رنگِ ہستی ہے۔

جمادات کا گو بظاہر کوئی تخم نہیں مگر دراصل وہ کیفیت ضرور ہے کہ جس سے ان کا نشوونما اور تولید عمل میں آتی رہتی ہے۔ اور وہی اس کا تخم ہے۔

حیواناتی تخم میں تو کوئی تشبیہ ہی نہیں اور سلسلہ حیوانات سے نوعِ انسان کی کیفیت خاص طور پر قابلِ بحث ہے۔

انسان کی نسبت بھی باعتبار اخلاق یا نیکی اور بدی کے یہ بحث ہے کہ

"آیا انسان کسی خاصہ طبعی کی وجہ سے جداگانہ کیفیتیں رکھتا ہے۔

"یا اجزائے بیرونی اور مواد خارجی کے ذریعہ سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔

"اجزائے خارجی اور مواد بیرونی اس میں حلول کر کے اپنا اثر کرتے ہیں یا خود اس کی طبعی کشش اور میلانِ طبعی انہیں اپنے رنگ پر لے آتا ہے۔

بعض کی یہ رائے ہے کہ دراصل انسان ایک پھل کی طرح ہے۔ اس میں کوئی خاص خاصیت یا کشش نہیں ہے۔ جس قسم کی بیرونی طاقتوں اور بیرونی ماخذات سے اُسے سابقہ پڑتا ہے۔ اسی قسم کے اس کے افعال۔ اخلاق اور خیالات ہونے جاتے ہیں۔ جب انسان نیکوں کی صحبت میں بیٹھتا اُٹھتا ہے تو وہ عموماً نیک ہو جاتا ہے۔ اور جب اشرار کی صحبت میں رہتا ہے تو شریر بنجاتا ہے۔ جس شئ کا غلبہ ہوتا ہے اُس میں رنگا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی طبیعت میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو دُوسری کیفیتوں کا تبادلہ کر سکتی ہو۔

بعض نے یُوں بھی لکھا ہے کہ :-

"انسان کی طبیعت یا نیچر بالکل صاف واقع ہوئی ہے جیسے کہ ایک کورہ اور سفید کاغذ جس طرح کاغذ پر ہر ایک قسم کے رنگ سے ہر ایک قسم کی بُری بھلی تحریر کیجا سکتی ہے اور ہر چاپ میں وہ چھپ سکتا ہے۔ اسی طرح ہر بیرونی کیفیت سے

رکھتے ہیں۔ ہر نباتاتی ہستی وہ اجزا چھوڑتی جاتی ہے۔ جو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک قسم کے مواد کی ہر ہستی آخذ ہو تو پھر ان کی کیفیت ایک دوسرے سے جداگانہ نہ ہو۔

بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ ہر تخم کی طبیعت میں سرے سے اُس کی خاصیت اور اثر بھی پیدا کر دیا گیا ہے۔ چاہے کسی قسم کے مواد ماخوذہ ہوں اُنکا نتیجہ اور اثر انکی اپنی طبیعت اور خاصیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا اپنا میلان طبعی سب مواد اپنی طبیعت یا خاصہ کے مطابق یا اپنی کیفیت میں تبدیل کر لیتا ہے۔ چونکہ اس خاصہ طبعی کی مقدار یا طاقت کشش نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس واسطے سب قسم کے اجزا کا اُسی طرف میلان ہو جاتا ہے۔

آم اور نگترہ سے صرف اس واسطے ہی جی خوش نہیں ہوتا کہ باہر کے اجزا اُسے اس مرحلہ پر لے آتے ہیں بلکہ اس واسطے بھی کہ خود ذات آم اور ذات نگترہ میں بھی یہ شیرینی رکھی گئی ہے یا یہ کہ انکی اپنی طبعی خاصیت اور کشش اپنی ذات میں انہیں تبدیل کر لیتی ہے۔

عمل پیوند بھی اس پر کسی قدر روشنی ڈالتا ہے جب ایک پودے کا دوسرے پودے سے پیوند کرتے ہیں تو سریع العمل جذبہ پیوند کی کیفیت دوسری بطی العمل کیفیت پیوند پر غالب آکر اپنا رنگ جما لیتی ہے۔

یہ تخمی عمل یا تخمی تاثیر صرف شعبہ نباتات سے ہی وابستہ نہیں ہے۔ جمادات اور حیوانات میں بھی یہ عمل اپنے اپنے رنگ میں پایا جاتا ہے۔ جمادات اور حیوانات کا بھی ایک تخم یا برگ و بار اور ریشے ہوتے ہیں۔ جس طرح نباتاتی دنیا یا نباتاتی ہستی زمین ہوا پانی وغیرہ مواد سے پرورش پاتی اور اجزائے متناسبہ کو اخذ کرتی ہے۔ اسی طرح جماداتی اور حیواناتی دنیا کا بھی حال ہے۔

اور پتیوں یا پتوں کی رگوں کے اجزائے آخذہ بھی مختلف طاقت اور مختلف مذاق کے مطابق اخذ کرتے ہیں اور اس کے مطابق اس کی طبیعت اور خاصیت بھی ہو جاتی ہے۔

" یا یہ کہ جو جو اجزا زمین سے حاصل کئے جاتے ہیں انکی اصلاح دیگر عناصری اجزا کر دیتے ہیں۔ اور دیگر عناصری اجزا کی اصلاح زمینی اجزا کرتے ہیں جس سے انکی کیفیت بدل جاتی ہے۔

زمین میں ایک قسم کے اجزا نہیں ہیں۔ کڑوے۔ کھٹے۔ میٹھے سب قسم کے اجزا ہیں۔ ہوائی یا آبی اور آتشی مواد بھی مختلف صورتیں اور مختلف کیفیتیں رکھتے ہیں۔ سورج چاند کی روشنی بھی کچھ ایسی ہی تاثیر رکھتی ہے۔

بعضوں نے یہ بھی تجربہ کیا ہے کہ سورج اور چاند کی روشنی سے بھی موجودات پر ایک اثر ہوتا اور اثمار میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسی کیفیت کبھی ترشی مائل ہوتی ہے اور کبھی شیریں۔ کبھی اس سے حلاوت پیدا ہوتی ہے اور کبھی عفوصیت

اس جواب کے باوجود بھی سوال کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ بعض نازک خیال حکموں نے یہ توجیہہ کی ہے کہ دراصل خود تخم ہی میں قدرت نے چند ایسی مختلف اور خاص خاصیتیں یا جذبات رکھ دیئے ہیں کہ جن کی طبیعت سے ہر تخم زمین یا ہوا اور پانی سے بذاتہ یا بذریعہ اپنے پتیوں اور پتوں کی رگوں کے اپنی خاصیت اور ضرورت کے مطابق مواد اخذ کرتا رہتا ہے اور انہیں کے مطابق اسکی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

آم خلاف نارنگترہ کے اور سیب خلاف خوبانی کے انہیں اجزا کی کشش کرتا ہے جو اس کے خاصہ کے مطابق واقعہ ہوتے ہیں۔ گلاب کا پھول انہیں اجزا اور انہیں بخارات سے ترکیب پاتا ہے۔ جو اس کے خاصہ سے ایک نسبت

" باوجود اس کے کہ ہر ایک تخم یا ہر ایک پتا یا پتیوں کی رگیں ایک ہی قسم کے ماخذ سے مواد حاصل کرتی اور ایک ہی قسم کے ذخیرے سے پرورش پاتی ہیں۔ انکی لذتوں۔ مزوں۔ مزاجوں۔ طبیعتوں۔ خاصیتوں میں کیوں فرق ہے۔

" ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین میں آم۔ رنگترہ۔ سیب۔ خرمانی پرورش پاتی اور غذا حاصل کرتی ہیں۔

" ایک ہی تختہ میں گلاب۔ موتیا چنبیلی اُگتے اور ایک ہی آب ہوا میں پھولتے اور نشو و نما پاتے ہیں۔ پھر اُنکے مزوں۔ ذائقوں۔ رنگ و بو چمک دمک میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

لذتوں اور مزوں میں ہی فرق نہیں ہوتا۔ اشکال۔ اوضاع میں بھی فرق ہے آم کی کچھ اور ہی خاصیت ہے۔ مزہ اور شکل بھی مختلف ہے۔ رنگترہ کچھ اور ہی کیفیت اور لطف رکھتا ہے۔ سیب اور خرمانی اس قدر مختلف ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ گلاب اور چنبیلی کی خوشبو۔ رنگت۔ تاثیر۔ مہک میں ایسا بین فرق ہے کہ بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی اُنکے تمیز کرنے میں مشکل نہیں پاتا۔

یہ صرف پھلدار اور مثمر درختوں یا پودوں پر ہی موقوف نہیں۔ دوسرے اجناس کی بھی یہی کیفیت ہے۔ گیہوں۔ چنے۔ جو۔ مٹر ایک ہی قسم کی زمین میں پیدا ہوکر مختلف رنگ و خاصیت۔ مزے کیفیت رکھتے ہیں۔ اونٹ کٹارہ ببول۔ ایک ہی سرزمین میں نشو و نما پاکر مختلف کیفیات اور خصائص سے شناخت کئے جاتے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ

" جیسے زمین۔ ہوا پانی وغیرہ مواد کے اجزا مختلف ہیں۔ ایسے ہی تخم یا پودوں

بعضوں کے نزدیک تخم کا عمل نشو ونما کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور پتے یا رگیں یا ریشے یا دیگر اجزا اندرونی اور بیرونی خوراک گیس جو ہوا میں اُڑتی پھرتی ہے کھاتے پیتے ہیں۔ پودوں کی تازہ خوراک اس طریق سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ایک پتلا پتہ بذریعہ خوردبین کے دیکھا جاوے تو پتہ لگے گا کہ اس کی بالائی سطح پر چند خانوں کی ایک تہ ہے جنہیں چند شفاف دیواریں یا رگیں ایک دوسرے سے جُدا کرتی ہیں یہ خانے پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور پتے کی چوٹی پر بمنزلہ ایک محفوظ ڈھکنے کے ہیں۔ ان آبی خانوں کے عین نیچے سبز خانوں کی ایک تہ پائی جاوے گی جس میں پودوں کا جاندار سبز مادہ بھرا ہوتا ہے۔ جو بتدریج مختلف مواد کا اخذ کرتی رہتی ہے۔

یہ سبز مادہ پودوں کی رُوح ہے اور تمام جاندار مادوں کا ماخذ ان دونوں رایوں یا قیاسات بالا سے خواہ کوئی سی رائے اور کوئی سا قیاس صحیح اور حقیقی مانا جاوے اس سے یہ نتیجے پیدا ہونگے:۔

"تخم یا اُس کے پودے کسی خارجی مواد سے پرورش پاتے ہیں۔

"اپنی اپنی طاقت یا فطرت کے مطابق اُنکا اخذ کرتے ہیں۔

"اگر زمین سے پرورش پاتے اور نشو ونما حاصل کرتے ہیں تو انہیں مواد یا انہیں اجزا کا جو خود زمین کے اندر مودعہ ہیں۔

"اور اگر ہوا یا پانی سے اخذ ہیں تو وہی اجزا یا وہی مواد جو ان ماخذ میں قدرت نے ودیعت کر رکھے ہیں۔

"یا اگر تمام مواد اور تمام ماخذ سے ہی اُن کی پرورش اور بالیدگی ہوتی ہے تو جو کچھ ان سب میں اخذ کرنے کے قابل ہے اُسے اخذ کرتے ہیں۔

اس کے ماننے کے بعد یہ سوال ہوگا کہ

پتّیوں میں ایک ریشہ یا ایک رگ ہوتی ہے جو انہیں دو حصّوں میں تقسیم کرتی ہے اس رگ کی سطح عموماً چوڑی چپٹی ہوتی ہے تاکہ اس پر سورج کی روشنی پڑ سکے اس کا یہ کام ہے کہ ہوا سے کاربانک ایسڈ اخذ کر کے سورج کی روشنی سے اُسے ہضم کرے۔ اس گیس کی ایک خفیف یا ایک لطیف سی مقدار ہمیشہ ہوا میں اُڑتی پھرتی ہے اور پودے اُسے طبعی کشش کی وجہ سے حتی الامکان اپنے تصرّف میں لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ پودوں کا ٹھوس اور مادی حصّہ زمین سے ہی پیدا ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ پودوں کی نشو و نما کا اصل مخرج زمین ہے غلطی ہے گو زمین پودوں کے نشو و نما سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہے لیکن ہم اسے پوری وقعت اور اہلیت نہیں دے سکتے کیونکہ پودے براہ راست ہوا سے کاربن۔ پانی سے ہائیڈروجن۔ اور اکسیجن حاصل کرتے ہیں اس کے ثبوت میں یہ مثال پیش کی جاتی ہے کہ اگر ایک چھوٹی سی جھاڑی اچھی طرح سے خشک کر کے جلائی جاوے تو ثابت ہوگا کہ جھاڑی کا ایک بڑا حصّہ غائب ہو گیا یا بالفاظِ دیگر ہوا میں مل گیا ہے۔ جھاڑی کے کاربن اور اکسیجن کے ملنے سے تو کاربانک ایسڈ پیدا ہوگی اور ہائیڈروجن اور اکسیجن کے ملنے سے سٹیم یا پانی کا بخار بن گیا۔ اس عمل سے تھوڑی سی راکھ باقی رہ جاتی ہے جو زمین میں واپس جاتی ہے۔ یہ راکھ پودے کا صرف وہی حصّہ ہے جو اس نے زمین سے حاصل کیا تھا۔ اس کے باقی اجزا گیس۔ اور بخارات ہوا اور پانی کی شکل میں منتقل ہو جاتے ہیں جنہیں پودے نے ہوا اور پانی سے اخذ کیا تھا یہ طریق عمل یقین دلاتا ہے کہ پودے زیادہ تر ہوا اور پانی سے پرورش پاتے یا غذا حاصل کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کے خیال میں صرف تخم ہی ہر ایک قسم کی غذا حاصل کرتا اور اس سے اس کے بیرونی یا اندرونی دیگر اجزا کی نتیجتاً پرورش ہوتی رہتی ہے اور

وہ اپنے تئیں دوسرے سے تمیز کرتا ہے۔ تخمی تاثیر سے ہماری مراد محض خاصیت نہیں ہے بلکہ وہ خاصہ جس سے ایک تخم اور مادۂ تولیدی اپنی ذات میں خواص امتیازیہ کا اجتماع اور جذب کرتا ہے اور اس انجذاب کی جہت سے اُسے مقابلتاً ایک تمیز دیجاتی ہے۔

جب تخمی تاثیر کے متعلق بحث ہوتی ہے تو فلسفی نگاہوں میں اس کا صرف یا اثر یا منشا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ صرف سردی۔ گرمی۔ خشکی یا تری رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ وہ کون کون مواد جذب کرتے ہیں اور کن کن مواد سے انکی وصفی ترکیب عمل میں آتی ہے۔

انجذابات تخمی کے بارہ میں دو مختلف رائیں ہیں اور ممکن ہے کہ کسی اور بعد کی تحقیقات سے کوئی اَور تھیوری بھی نکل آئے اور اس بحث پر مزید روشنی ڈالے۔

بعض ماہرینِ فنِ نباتات کا یہ خیال ہے کہ

"تخم اور پودے زمین سے ہی اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اور اجزائے ارضی سے ہی اُن کا نشوونما ہوتا ہے۔ ہر تخم اور ہر پودہ پر دو زمانے آتے ہیں ایک وہ زمانہ جس میں وہ تخم کے ذریعہ سے ارضی مواد چوستا اور جذب کرتا ہے اور انہیں کی تغذیت سے اس کی لگاتار پرورش ہوتی ہے۔ دُوسرے زمانہ میں جب ایک تخم زمین کے اندر سے پھُوٹ کر نکلتا ہے تو پودے کے پتے کونپلیں شاخیں ریشے زمین کے اجزا چوستے اور جذب کرتے رہتے ہیں۔ اچھے اور زوردار اجزا سے انکی اچھی پرورش اور اچھا نشوونما ہوتا ہے اور ردی مواد سے انکی طاقت اور انکے نشوونما میں بھی فرق آجاتا ہے۔

دُوسرا فریق اس امر کا قائل ہے کہ

"پودے پتیوں کے ذریعہ سے کھاتے ہیں جو در اصل اُن کا منہ اور معدہ ہیں

کوئی کم مدت میں، کوئی سال میں ایک دفعہ اور کوئی دو تین دفعہ بچے دینے والی اصناف کا بھی یکساں حال نہیں۔ کسی کی مدت حمل کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ کوئی ایک ہی بچہ دیکر رہ جاتی ہے اور کوئی ایک ہی جھولی میں دس دس بچے رکھتی ہے۔

موجودات کی ہر ایک جزو یا صنف کا جیسے طریقہ تولید یا نشو و نما ایک جدا گانہ قانون کا تابع ہے ایسے ہی ہر موجود یا ہر ہستی کوئی نہ کوئی تخم رکھتی ہے یعنی ہر ہستی مخلوقہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی بیج یا ذریعہ ظہور ابتدائی ہو۔

جس طرح حیوانات اور نباتات کا بیج ہوتا ہے اسی طرح جمادات کا بھی ایک بیج ہے۔ جس طرح دوسری مخلوق کسی نہ کسی قسم کے بیج سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جمادات کی تولید بھی ایک قسم کے مادہ سے ہوتی ہے جو اس کا ایک بیج کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے پاس اگر جمادات کی کوئی ابتدائی تاریخ ہوتی تو ہم ایک تشریح سے کہہ سکتے کہ ان کا شروع کس کس مادہ سے ہوا ہے اور ان سب کی ماں زمین ہے۔ جمادات کے مختلف اجزا جو زمین سے نکلتے ہیں۔ دراصل وہ اُس میں سے پیدا ہوتے ہیں اور اُن کی پیدائش اپنے بیجوں سے وابستہ ہے۔ ہیرے۔ لعل۔ زمرد۔ زمین کے پیٹ سے نکلتے اور اسی کی گود میں پرورش اور نشو و نما پاکر شہیر عالم ہوتے ہیں اگر اُنکے بیج اور اسباب تولید جداگانہ نہ ہوں تو انہیں جدا جدا ناموں اور جدا جدا خاصیتوں سے کیوں موسوم کیا جاتا۔

تخم کی یہ تعریف نہیں ہے کہ وہ سیال یا بستہ ہی ہو تخم وہ ہے جس سے ایک دوسرا وجود وجود میں آسکے خواہ اس کی شکل اور نمونہ کچھ ہی ہو۔ اجزائے ارضی میں ایک خاص قسم کے مادے پیدا ہوتے اور اُن سے بتدریج لعل ہیرے بنتے ہیں جو انکی ابتدائی ترکیب ہر ذی ان کا بیج ہے۔

ہر بیج اور ہر مادہ تولید میں قدرت نے ایک تاثیر رکھی ہے جس سے

تخم تاثیر

موجودات کی بھی کئی ایک صنفیں ہیں ایک صنف دوسری صنف سے نہیں ملتی۔ ہر صنف باعتبار اپنی جداگانہ تاثیر کے اپنے تئیں دوسری صنف سے ممتاز اور جدا کرتی ہے۔ موجودات کی کوئی سی جزو لے لو اس کی یہی حالت اور یہی کیفیت ہوگی۔ گو ہم اس وقت تک موجودات کے سلسلوں سے کماحقہٗ واقف نہیں ہو سکے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابھی اصناف موجودات کا بہت سا حصہ ہمارے حیطۂ ادراک اور حیز دریافت سے باہر ہوگا۔ لیکن پھر بھی جس قدر اصنافِ موجودات سے ہمیں واقفیت اور شناسائی ہو چکی ہے اس کے بھروسے پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر جزو موجودات کی ہستی ایک خاص طریقہ یا خاص اصول پر بطن عدم سے منصۂ ظہور میں آتی ہے۔

ہر ایسی ہستی جس کے طریقۂ نشو و نما یا ضابطۂ تولید و ظہور سے ہم واقف ہیں۔ اور ہر ایسی ہستی جو ہمارے ضابطۂ ادراک کے نیچے آ چکی ہے اپنے ظہور۔ تولید۔ نشو و نما کا ایک خاص طریقہ یا ڈھنگ رکھتی ہے اور ہر ایسا طریقہ یا ڈھنگ دوسری صنف کے طریقے یا ڈھنگ سے نسبتاً مغائر اور جداگانہ ہے۔

انسان کی پیدائش اور دیگر حیوانات کی تولید اور نشو و نما کا طریقہ گو کسی قدر آپس میں الحاق رکھتا ہے مگر پھر بھی اگر واقعی حالات اور تحقیقات طبی پر اعتبار کیا جائے تو اس میں بھی گونہ مغائرت ہے۔ اکثر صنفیں انسانی طریقہ سے ملتی جلتی ہیں۔ اور اکثر بالکل جداگانہ ڈھنگ رکھتی ہیں کوئی صنف انسان کی طرح بچے ہی دیتی ہے اور کوئی انڈے سے کر بچے نکالتی ہے کوئی کچھ طرز تولید رکھتی ہے اور کوئی کچھ بعضے کشف صنفیں بھی ایک ہی طرز پر نہیں واقع ہوتیں۔ کوئی زیادہ انڈے سیتی ہے اور

جماعتوں میں جاتے دیکھے۔ سب کی ایک وردی تھی۔ سیاہ صدری۔ اور سیاہ کوٹ۔ کوٹ کی تراش بالکل وہی تھی جو انگلستان میں عام طور پر شام کے لباس کے ساتھ پہنا جاتا ہے۔ یعنی جو آگے سے چھوٹا اور پیچھے کی طرف لمبا ہوتا ہے۔ آج کل غالباً موسم گرما کی وجہ سے سب خود رنگ فلالین کی پتلونیں پہنے تھے۔ اس لباس سے یہ بہاں ہوں پہچانے جاتے ہیں۔ اور یہ یکرنگی بھلی معلوم ہوتی ہے۔

طلبہ کی بود و باش کے لئے ہیرو میں کوئی بڑا بورڈنگ نہیں ہے۔ اور نہ اُن کے قیام کی کوئی جگہ مدرسہ کی کسی تعمیر سے ملی ہوئی ہے۔ بلکہ اس کی بجائے یہ انتظام ہے۔ کہ قصبہ بھر میں جابجا مکان مدرسہ والوں کی منظوری سے مقرر ہیں۔ جن میں ہر ایک میں بیس تیس طلبہ کی رہائش ہے اور ہر گھر میں ان کی نگرانی کے لئے ایک ماسٹر مقرر ہے۔ افسوس کہ ان گھروں میں سے کسی کو دیکھنے کا ہمیں موقعہ نہ تھا۔ اور اس لئے اس طریق کے حسن و قبح پر کچھ رائے دینا مشکل ہے۔

جمناسٹک کی ورزش کے لئے ایک مکان قریب ہی موجود ہے۔ مگر گیند بلے وغیرہ کے لئے نہایت وسیع زمین کسی قدر فاصلہ پر ہے۔ لڑکے کھیلتے بھی ہیں۔ پڑھتے بھی ہیں۔ ایک دوسرے سے علمی ترقی میں مقابلہ بھی کرتے ہیں اور اسی طرح رفتہ رفتہ دنیاوی زندگی کی جدوجہد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ انگلستان کے ان بڑے مدارس کے طریق تعلیم پر بعض اعتراضات بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اُن کے لئے علیحدہ مضمون درکار ہے +

عبدالقادر

ہر اعتبار سے یہ کمرہ ایسا ہے ۔ جس میں بیٹھ کر پڑھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔
کتب خانہ کے قریب ایک دوسری عمارت ہے ۔ جو اس مدرسہ کا عجائب خانہ ہے ۔ یہاں یہ دستور ہے کہ ہر مدرسہ کے ساتھ سبق الاشیاء کے طور پر ایک عجائب خانہ رہتا ہے کہ جن چیزوں کا ذکر طالب علم پڑھیں انکو اپنی آنکھ سے دیکھ بھی لیں۔ تاکہ جو کچھ پڑھیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے ۔ مگر یہ عجائب خانہ اس مدرسہ کی شان کے لائق ہے ۔ کیونکہ مدرسوں کے معمولی عجائب خانوں سے زیادہ وسیع پیمانے پر ہے ۔ ایک حصہ علوم طبعیات جدیدہ کے لئے مخصوص ہے اور دوسرا کلاسیک یعنی علوم قدیمہ کے لئے ہے ۔ اور دونو کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں
اس کے قریب ایک گرجا ہے ۔ جو یہاں ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ہونا لازم سمجھا جاتا ہے ۔ اس گرجے میں طلبہ اور اساتذہ ہر اتوار کو عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں ۔ اس کی تعمیر بھی مذہبی خیال کے لوگوں کے چندہ سے ہوئی تھی یہ بات مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوئی ۔ کیونکہ یہ بعینہ اسی خیال کا پرتو ہے ۔ جس سے بہت سے مخیر ہمارے ملک میں تعلیم گاہ کی مد پر اُس تعلیم گاہ کے احاطہ میں ایک عبادت گاہ بنانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کارکن اُن کی امداد کو بھی خوشی سے قبول کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ بھی ضروری کام ہے اور ہر شخص حق رکھتا ہے کہ اس چیز میں مدد دے جو اس کے خیال میں زیادہ وقعت کے قابل ہو ۔ ذرا سی تلاش سے یہاں اور وہاں کی بہت سی باتیں مشترکہ ملتی ہیں ۔ اور کیوں نہ ہو فطرتِ انسانی تو آخر ہر جگہ ایک ہی ہے ۔
ہیرو کے مدرسہ کے طلبہ کی موجودہ تعداد پانچ اور چھ سو کے درمیان ہے ۔ اُن کے جھنڈ کے جھنڈ ہم نے جماعتوں سے نکلتے یا

دے کر کھسکتے جاتے ہیں۔ یہ سیڑھیاں اتر کر ایک خاصہ وسیع صحن ہے۔ جس میں پکا فرش ہے۔ مگر سڑک سے جو مدرسے کے پاس جا رہی ہے یہ صحن بھی مرتفع ہے۔ اور مدرسہ کی تعمیر کی دوسری طرف بہت نشیب میں ہے۔ اِس لئے اس ضمن میں کھڑے ہوکر دُور تک گرد و نواح کے سبزہ زار کا نہایت فرحت بخش نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اس عمارت اور مدرسہ کے متعلق ایک اور چھوٹی سی عمارت کے درمیان ایک ٹکڑا زمین کا کوئی سات آٹھ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا بیکار پڑا ہوا ہے۔ جس پر کوئی عمارت نہیں۔ ہم نے پوچھا کہ یہ کیوں بیکار پڑا ہے۔ تو جواب ملا کہ محض قدامت پرستی کی وجہ سے۔ ایک زمانے میں یہ لڑنے کی جگہ تھی۔ کہ مدرسہ میں اگر دو طالب علم کسی وجہ سے لڑیں تو اور کسی حصہ میں لڑنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر اس چھوٹے سے ٹکڑے پر کھڑے ہوکر لڑنا اور ایک دوسرے کو مکّے مارنا مُباح تھا۔ اب وہ رسم عرصہ سے موقوف ہوگئی مگر اس کا نام "قطعہ زد و کوب" ہی رہا اور اس لئے کوئی اس پر عمارت بنانے کی جرأت نہیں کرتا۔ ہندوستان میں یہ بات عام طور پر معلوم نہیں ہے کہ انگریز قدامت پرستی اور اپنی پرانی رسوم بلکہ توہمات تک کی پابندی میں کسی سے کم نہیں۔ یہاں اگر کوئی غور سے دیکھے تو چپے چپے پر ان کے پابندِ رسوم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

پُرانے مدرسے سے نکل کر کتب خانے کی طرف آیئے۔ ان دونو عمارتوں کے درمیان سڑک حائل ہے۔ کتب خانہ کی عمارت نسبتاً نئی اور زیادہ خوشنما ہے۔ اس کا موقع نہایت ہی عجیب واقع ہوا ہے اور اس کی کھڑکیوں سے وسطِ انگلستان کی قدرتی سبزی کا بہترین نمونہ نظر آتا ہے۔ کتب خانہ میں تمام نامور طلبہ اور اساتذہ کی بڑی تصویریں آویزاں ہیں۔ اور کوئی گیارہ ہزار کتابیں مختلف علوم کی موجود ہیں۔ اور دو اڑھائی سو کتابیں بالاوسط ہر سال نئی خرید کے بڑھائی جاتی ہیں۔ بعض پرانے خطوط اور شیکسپیر کی اور نشانیاں اسی کمرہ میں شیشہ کی الماریوں میں سجی ہوئی ہیں۔ اور

ہمارے قومی کالج اور مدرسے اور ان کے منتظمین بھی اس نسخہ کو برت کر دیکھیں۔

خیر ہجوم خیالات کا ذکر تو پھر بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت سیر کی کیفیت کا بیان مقصود ہے۔ تقریر کے کمرہ سے نکل کر ہم پرانے مدرسے میں گئے۔ مدرسہ کا یہ حصّہ سُرخ اینٹوں کی ایک نہایت سادہ سی عمارت ہے جس کے اندر لکڑی کی بنچیں لگی ہیں جو زمین سے کوئی دو بالشت اونچی ہونگی۔ گھس گھس کر اُن میں نشیب و فراز پیدا ہو گئے ہیں۔ جو نہایت چھوٹے پیمانے پر اردگرد کے قدرتی منظر کے نشیب و فراز سے مشابہ ہیں۔ ان چھوٹی بنچوں پر خدا جانے کتنی پُشتوں سے طالب علم بیٹھتے رہے ہیں۔ دیواریں لکڑی کے تختوں سے منڈھی ہوئی ہیں۔ اور اُن تختوں پر اکثر طلبہ اپنا اپنا نام کندہ کر گئے ہیں۔ اسی کمرہ میں ایک تختہ پر ولیم جونز نے بھی اپنی طفولیّت میں اپنا نام لکھا ہے۔ نام قائم رکھنے کا یہ شوق بھی قدرت نے ہر سینہ میں عجیب چیز پیدا کی ہے۔ طرح طرح سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لیکن مشہور عمارات کی دیواروں پر نام کریدنا اس کی عام ترین اور شاید سب سے ادنیٰ صورت ہے۔ بعض تو ایسے نام ایسی دیواروں پر کندہ ہیں۔ کہ دنیا اُن سے بے خبر ہے۔ اور دیواریں بھی کچھ نہیں بتاتیں کہ وہ لوگ کون تھے اور کیا ہوئے۔ لیکن کئی ایسے بھی ہیں۔ کہ وہ دیواروں سے اُڑ کر صفحۂ ہستی پر منقوش ہو گئے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ولیم جونز کا نام بھی انہی ناموں میں ہے۔ بچپن میں جب اُستاد اور ہم سبق دونوں کی نظر بچا کر دیوار پر نام کرید رہا ہوگا۔ اسے کیا خبر ہوگی۔ کہ تقدیر اس کا نام علوم مشرقی کی لوحِ پائیدار پر کندہ کر رہی ہے اور اُس نام کو حیاتِ جاوید کا خلعت بخشا جا رہا ہے۔

پُرانے مدرسہ کی سیڑھیاں اس تعلیم گاہ میں ایک خاص رسم سے منسوب ہیں۔ ایک اُستاد دن میں دو دفعہ اُن پر کھڑا ہو کر حاضری پکارتا ہے اور لڑکے اپنی اپنی حاضری

ایک کرسی کمرہ کی نذر کر دے - اور اُس کی پُشت پر اپنا نام لکھوا دے - تاکہ مدرسہ میں اس کی یادگار بھی رہے اور مدرسہ پر بوجھ بھی نہ پڑے - یہ ترکیب بہت کامیاب ہُوئی - اور آٹھ سو سے زیادہ کُرسیاں اس طرح پُرانے طلبہ سے آ چکی ہیں - ابھی پچھلی قطاروں میں چند بے جوڑ کُرسیاں رکھی ہیں - مگر وُہ بھی اب رفتہ رفتہ اُٹھتی جاتی ہیں -

اس تقریر کے بعد لاسیل صاحب ہمیں پُرانے مدرسہ کی طرف لے گئے - کمرہ سے نکلتے وقت ہم میں سے ہر ایک ایک خاص اثر اپنے دل پر لایا - جو خیالات میرے دل میں اُس وقت تھے وُہ یہ ہیں :-

۱- ہیرو جیسے نامی اور بڑے مدرسہ کی بھی ابتدا معمولی ہی تھی - پس معمولی ابتدا کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے - کون جانتا ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم کی سرزمین میں جو چھوٹے چھوٹے پودے لگائے جا رہے ہیں - اُن میں سے کتنے ہیرو اور ایٹن بن جائینگے - اگر ہمیں زمانہ نے مہلت دی اور ہمارے قومی باغبان اُن پودوں کی خبرگیری سے غافل نہ ہو گئے -

۲- ہیرو کو بھی آج تک روپیہ کی ضرورت ہے - اور قوم گھبراتی نہیں اور روپیہ دئے جاتی ہے - اور ہیرو میں بھی چندہ مانگنے کے لئے سب وہ تدابیر کرنی پڑتی ہیں - جس سے ہمارے ہاں کے تعلیمی کارکنوں کو سابقہ پڑتا ہے اور جن سے وُہ کبھی کبھی اُکتا جاتے ہیں پس اُنہیں اُکتانا نہیں چاہیئے -

۳- انگلستان میں بھی پہلے تعلیم گاہیں مکتب اور پاٹ شالا کی طرح ہی تھیں - رفتہ رفتہ مکتب اور پاٹ شالا ترقی کرتے کرتے بڑے بڑے سکول اور کالج اور یونیورسٹیاں بن گئے ہیں - اور انکو بھی مذہبی تعلیم کی جگہ - نئی سائنس کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ کے داخل کرنے میں وہی مشکلات پیش آئی ہیں - جن کا ہم کو اس وقت سامنا ہے -

۴- کُرسیاں جمع کرنے کا چٹکلا خاص رہا - کبھی کسی ایسی ہی ضرورت کے لئے

کی خواہش کرنے لگے - اس پر مدت تک بحث رہی - کہ کیونکہ مدرسہ کے اصلی مدعا میں خلل اندازی کرنے کے بغیر اور کسی مضمون کی پڑھائی اس میں ممکن ہے - مگر آخر فیصلہ یہی ہوا - کہ ریاضی - تواریخ - جغرافیہ وغیرہ پڑھائے جائیں - اور یہ مقاصد وسیع ہوتے ہوتے یہ نوبت پہنچ گئی ہے - کہ اب قریب قریب سب مضمون یہاں پڑھائے جاتے ہیں اور علوم جدیدہ اور طبعیات وغیرہ عملی چیزوں کی تعلیم بھی جاری ہو گئی ہے - البتہ طالبعلموں کو اختیار ہے - چاہے السنۂ قدیمہ کے علم ادب کا نصاب پسند کر لیں اور چاہے زیادہ عملی اور مفید نصاب طبعیات وغیرہ کا لے لیں - لائل صاحب نے یہ بھی بیان کیا - کہ عام طور پر گمان کیا جاتا ہے کہ ہیرو بہت دولتمند تعلیم گاہ ہے مگر حقیقت یہ ہے - کہ اسکے پاس سرمایہ بہت ہی برائے نام ہے - اور وقتاً فوقتاً اوعمارات بڑھانے اور زمینیں خریدنے اور اور فوائد زیادہ کرنے کے لئے روپیہ چندہ کے ذریعے سے مدرسہ کے معاونوں اور ہوا خواہوں سے مانگنا پڑتا ہے اور مدرسہ بالکل مکمل نہیں سمجھا جانا چاہئے - چنانچہ یہ "سپیچ روم" ہی خاص چندہ سے تیار کیا گیا ہے کیونکہ بڑے مجمعوں کے لئے اس کی اشد ضرورت تھی اور اب سال کے سال اس میں ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے - جس میں ملک کے اکثر شرفا شوق سے آتے ہیں اور لڑکوں کو انعام ملتے دیکھتے ہیں اور ان کی مفید تقریریں سنتے ہیں - اسی واسطے اس دن کو "سپیچ ڈے" یعنی روز تقریر کہتے ہیں - کرسیوں کی طرف دیکھ کر لائل صاحب بولے - کہ ابھی اس کمرہ میں کرسیاں بھی تو ہمارے حسب منشا موجود نہیں ہیں - چاہتے یہ کہ سارے ہال میں عمدہ لکڑی کی یک رنگ کرسیاں ایک ہی وضع قطع کی موجود ہوں - اس سے جگہ بھی کم رکتی ہے اور وہ خوشنما بھی زیادہ معلوم ہوتی ہیں - اس سامان کے لئے روپیہ کی فکر تھی - ایک مہربان خاتون نے تجویز پیش کی کہ مناسب ہے کہ مدرسہ کے پرانے طلبہ سے درخواست کیجائے کہ ان میں سے ہر شخص جو چاہے اور توفیق رکھتا ہو

ہمارے لئے یہ سیر نہایت پُرلطف اور مفید ثابت ہوئی۔ مدرسہ کے کتب خانہ کے محافظ مسٹر لائیل صاحب جو فضلیت اور خوش خلقی کے جامع معلوم ہوتے تھے۔ مدرسہ کے دروازہ پر ہمیں ملنے کے لئے تشریف فرما تھے۔ اور سب سے پہلے ہمیں ایک بڑے کمرہ میں لے گئے۔ جسے اس مدرسہ میں "سپیچ روم" یعنے تقریر کا کمرہ کہتے ہیں اس میں ایک ہزار آدمی کی نشست کی جگہ تھی۔ گو اس کا رقبہ بادی النظر میں یہ اُمید نہ دلاتا تھا۔ لیکن انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں جو جا بجا تمام ایسے مقامات میں تھیٹر کے طریق پر سیڑھیاں سیڑھیاں بنا کر اور تعمیر کی صورت گول رکھ کر تھوڑی جگہ میں بہت سے آدمی بٹھانے کی ترکیب مروّج ہے۔ اس سے یہاں بھی کام لیا گیا تھا۔ یہاں ہمیں بٹھا کر لائیل صاحب نے کہا کہ اس مدرسہ کو ہندوستان سے چند خاص تعلقات حاصل ہیں۔ اوّل تو حکام ہند میں ایک معقول تعداد سالہا سال تک اس مدرسہ میں جاتی رہی ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور اس ضمن میں لارڈ لٹن سابق وائسرائے ہند کا نام خصوصیت سے لیا۔ سب سے زیادہ جوش کے ساتھ جو نام ہماری جماعت نے سُنا۔ وہ سر ولیم جونز مرحوم کا نام تھا۔ جس نے علوم سنسکرت کی تحصیل میں کمال پیدا کیا اور علوم مشرقی کی قدر دانی کی بنیاد اپنے ملک میں ڈالی۔ ولیم جونز نے اسی چار دیواری میں ابتدائی تربیت پائی تھی اور اس وسیع علم کا جس کے سبب سے وہ مشہور ہے۔ بیج سب سے پہلے اس کے دل میں یہیں بویا گیا تھا۔ اس تمہید کے بعد لائیل صاحب نے مدرسہ کی ابتدائی کیفیت ہمیں سُنائی۔ کہ پہلے یہ مدرسہ ایک شخص لائن نامی کی وصیت سے بہت ہی چھوٹے پیمانے پر اور بہت ہی محدود غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ اس کا ابتدائی منشا مذہبی تھا اور چونکہ اس زمانے میں لوگ لاطینی زبان کو بہت مقدس مانتے تھے۔ وصیت اس کی صرف لاطینی پڑھاتے جانے کے متعلق تھی۔ رفتہ رفتہ جب مدرسے کو وسعت ہوئی اس کے مقاصد بھی بڑھنے لگے اور طالب علم او مضامین سیکھنے

مخزن

ہیرو کا مشہور مدرسہ

ضلع مڈلیکس میں جو وسط انگلستان میں ہے - ایک چھوٹی سی مگر خوشنما پہاڑی پر ایک پُرانا مدرسہ ہے - جس کی شہرت دُور دُور ہے - اس مدرسہ کی بدولت یہ چھوٹا سا قصبہ بھی جسے ہیرو کہتے ہیں مشہور ہو گیا ہے - اور ہیرو کے مدرسے کا معلّمِ اوّل ہونا علم و فضل کے درجۂ بلند کا ثبوت سمجھا جاتا ہے - چند سال ہُوئے ہندوستان کے لاٹ پادریوں کے لاٹ یعنی کلکتہ کے لارڈ بشپ پادری ولڈن صاحب تھے - اس عہدۂ جلیلہ پر مقرر ہونے سے پہلے پادری ولڈن صاحب ہیرو کے مدرسہ ہی کے افسرِ اعلیٰ تھے - انگلستان کے مشاہیر اور وزرا اور مدبر عموماً اسی ہیرو یا اس کے دُوسرے حریف ایٹن کے مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہُوئے ہیں - اور ان لوگوں کو عموماً اپنے اپنے مدرسہ سے ایسا اُنس ہوتا ہے - کہ باپ کے بعد بیٹا اسی مدرسہ میں پڑھنے جاتا ہے اور بیٹے کے بعد پوتا شوق سے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کا منتظر رہتا ہے -

۱۶ - جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کو اپنے ہم وطنوں کی ایک جماعت کے ہمراہ مجھے اس مشہور تعلیم گاہ کو سرسری طور پر دیکھنے اور اس کے حالات سُننے کا اتفاق ہُوا - مسٹر کولڈسٹریم صاحب نے غالباً پادری ولڈن صاحب کے توسط سے اس سیر کا انتظام کیا تھا - اور

عورتیں زیادہ مرتی ہیں یا مرد؟

عورتیں!

چونکہ **حیض یا ماہواری خون** (استری یا ماسک دھرم) میں **بگاڑ تمام بیماریوں کی جڑ** ہے اور یہ بیماری ۹۰ فیصدی عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے اکثر عورتیں تمام عمر کسی نہ کسی بیماری میں ضرور مبتلا رہتی ہیں۔ عورتیں جہالت کے باعث اپنے مردوں کو تو اس بیماری کا ذکر کرنا شرم سمجھتی ہیں۔ مگر جاہل عورتوں کے علاج اور واہی تباہی دوائیاں مردوں سے پوشیدہ پوچھ پاچھ کر کرتی رہتی ہیں۔ مرد بھی بے پروائی اور جھوٹی شرم سے علاج تو درکنار عورتوں کی بیماری کا ذکر کرنا عار سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ یاد رکھو عورتوں میں یہ بیماری روز بروز بڑھ جانے سے

عورتیں بن آئی موت مرتی ہیں۔

۱۔ عورت کو اگر سر کا درد رہتا ہے ...... دریافت کرنے پر ...... کہ آیا میں نقص ہے۔
۲۔ عورت کو اگر کمر کا درد رہتا ہے ...... معلوم ہو جائیگا ...... تو بھی "
۳۔ ہسٹریا (بادگولہ) کی بیماری ہے ...... " ...... "
۴۔ قبض کی شکایت رہتی ہے ...... " ...... "
۵۔ خون کی کمی ہے ...... " ...... "
۶۔ ماہواری خون اگر درد سے آتا ہے یا بند ہے " ...... "
۷۔ بدہضمی اور گرانی شکم رہتی ہے ...... " ...... "
۸۔ اگر اولاد نہیں (بشرطیکہ بانجھ نہ ہو۔ عمر ۴۰ سال سے زیادہ نہ ہو) ...... "
۹۔ پیلا رنگ ہے عورت اگر کمزور ہے ...... "
۱۰۔ ماہوار اگر بے قاعدہ یا کم و بیش آتا ہے ...... "

مدن گوپال کمپنی لاہور عورتوں کی خاص بیماریوں کا علاج منگاؤ اور ان کو اس بلا سے رہائی دو

چار عجیب و غریب چھوٹی کتابیں قیمت چاروں کتابیں [illegible] مکمل سیٹ [illegible] ۔ ۴ سٹ [illegible] ۔ ۱۰ سٹ [illegible]

۱۔ کیمیائے ہستی۔ یعنی صحت۔ دولت اور راحت کے اسرار۔
۲۔ حصول دولت۔ یعنی بیس روپے روز کمانے کا طریقہ۔
۳۔ کلید کامیابی۔ یعنی دوسروں پر مقناطیسی اثر ڈال کر جاہ و جلال۔ نیز مال حاصل کرنے کا رستہ۔
۴۔ ناداری سے نجات کا رستہ۔

ملنے کا پتہ:- پنجاب پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

نومبر سنہ ۱۹۰۶ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر بی اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ



دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ▭ ان شہروں میں اردو مروج ہے - ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ... فی پرچہ ...

کلامِ نیرنگ

میر نیرنگ بی۔ اے کے کلام کے شائقین یہ سنکر خوش ہونگے کہ
ہم نے میر صاحب کا تمام کلام جو آج تک مخزن میں وقتاً فوقتاً
شایع ہوتا رہا ہی۔ یکجا جمع کرکے ایک نھایت خوشنما کتاب
کی صورت میں چھاپ یا ہی جس اہتمام سے یہ کلامِ نیرنگ
چھپا ہی۔ اسکی خوبی کتاب کے دیکھنے سے ہی معلوم ہوگی
لکھائی چھپائی بہت دلکش۔ تقطیع موزون۔ کاغذ چکنا
(ایوری فنش) غرض ہر طرح سے کتاب قابلِ دید ہی۔ اور قیمت
دانستہ کم رکھی ہی یعنی صرف ٦؎ علاوہ محصول ڈاک ؎۔

مینیجر مخزن۔ لاہور

ہیرے کا سرمہ

قیمت جات اسسٹنٹ ... مسٹر ... صاحب ... کی ...

...لنگر یورپین میڈیکل کالج کے ریڈ ... ڈاکٹر ... ثابت ... کی یونیورسٹی کے
...یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے ...
بصارت - تاریکی چشم - ضعف - جالا - پڑبال - غبار - سبل - سرخی - پھولا - ابتدائی موتیابند - پانی بہنا - خارش
... ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں -
...کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنے کی حاجت نہیں رہتی
...سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے - قیمت اس کم رکھی ہے کہ عام ... سے
...سکیں - قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے ... - ہیرے کا سرمہ ... اعلیٰ قسم - فی تولہ
...دستے دو روپے ہے - ... سرمہ فی تولہ ... خرچ ڈاک ... ہے

مشہور پروفیسر ... اس ... کو ... سے

... سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

...نے ... استعمال ... کر کے دیکھا ... سرمہ ... بہت ... استعمال کرنے ... بعد ... بہی ... کے واسطے ... پانی جاری ... درد ... غبار ... نہایت ہی مفید ہے -
قمر ڈاکٹر برج لال گھوس رائے بہادر ایل ایم ایس
اسسٹنٹ سرجن ... میڈیکل کالج لاہور ... سرجن ... -

۲ - میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ ... نے
... سرمہ جو ... نے تیار کیا ہے -
... کئی قسم کے مریضوں پر ... کیا - میری رائے
میں بینائی ... اور ... بیماری سے بچنے کے لئے
ہیرے کے سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے -
... خان بہادر ڈاکٹر ... ایم ایس اسسٹنٹ
سرجن ... میڈیکل کالج لاہور پنجاب -

... اگر کوئی شخص ہیرے کے سرمہ کی ... ثابت کر دے ... تو ...
اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ ... حوالہ ... پنجاب بنک ... جمع کرا گیا ہے

پانچ ... ہزار

حفظ ما تقدم علاج سے بہتر ہے

ایک تندرست تومند آدمی کو پلیگ یا چیچک ہیضہ یا اور کسی قسم کے امراض سینہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن کمزور اور ناتواں لوگ اس قسم کے امراض کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے اگر وہ

سکاٹس املشن

کا استعمال شروع کریں تو جسم مضبوط ہو جائے گا۔ کمزوری رفع ہو جائیگی۔ اور کسی قسم کی بیماری کا خطرہ نہ رہے گا۔



بالکل اچھوتا

تمام انگریزی دوا فروش بیچتے ہیں +

سکوٹ اینڈ بون میںو

فکچر نگ لمیٹ لنڈن

دیکھئے عجیب حیرت انگیز ایجاد

بال اُڑانے کا صابون

اس صابون کو بالوں سے ملتے ہی آنا فانا بال اُڑجاتے ہیں کسی قسم کی تکلیف جلن سوزش خارش نہیں ہوتی بلکہ جلد خوبصورت و ملائم ہوجاتی ہے

عورتیں اور مرد اندازِ ضرورت بالوں کو دور کرنے کیلئے بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ نازک مزاج یا کاروباری کثیر المشاغل اصحاب کے لئے عجیب تحفہ ہے کھونٹی کا نام و نشان نہیں ہوتا بلکہ بال دیر بعد اور ملائم پیدا ہوتے ہیں

معزز اخبارات کے ریویو اور روسا و امرا کے سرٹیفکیٹ قابل ملاحظہ ہیں۔ قیمت فی بکس ۸/ محصول ڈاک ۴/ فی بکس محصول ۸/

تو ہم جھوٹے

اگر جسم آپ کا بالکل مصفا ہو تو ہم جھوٹے

اگر تن کسی تند بالوں کا صفایا ہو تو ہم جھوٹے

لگا دو ایک دم میں بال اُڑ جا دیکھئے اے صاحب

اگر دنیا میں صابن کوئی ایسا ہو ہم جھوٹے

لئے ہونگے لاکھوں نے تم سے جا لیا ہر کہیں

کسی نے پارسل ایسا جو بھیجا ہو تو ہم جھوٹے

اڑا دیتا ہے بالوں کو یہ سے روشن دلیل اس کی

جو اس صابون میں دعویٰ ہی دعویٰ ہو تو ہم جھوٹے

نکالیگا چہرہ سو جیسے نکلے بال مکھن سے

ذرا سوزش اگر ہے یا ہو تو ہم جھوٹے

رکھی ہیں بس انہ ہم نے اک بکس کی قیمت

جو کوئی ہو ہر ایسا اس سے سستا ہو تو ہم جھوٹے

ہزاروں سینکڑوں لاکھوں نے اس کو آزمایا ہے

اگر اس میں کا یہ قول جھوٹا ہو تو ہم جھوٹے

قیمت فی بکس جسمیں چھ چھ آنہ والی ٹکیں ہوتی ہیں ۱۲/ محصول ۴/

معزز علما و روسا کے انگریزی تحریری جن میں سے چند ایک تحریر ناظرین کے ملاحظہ کیلئے درج فرمایا

ملاحظہ ہو جناب شیخ [illegible] محمد صاحب ایم اے ای اے سی دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے یہ صابون استعمال کیا۔ واقعی جادو اثر ثابت ہوا جتنی تعریف ہو تھوڑی ہے سب سے زیادہ قابل تعریف وصف یہ ہے کہ صابون [illegible] لگانے سے کسی قسم کی جلن یا خارش [illegible] جلد کو کسی قسم کی ایذا نہیں ہوتی اور بال بھی کھونٹی سے اڑ جاتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر سراج الدین احمد ایم ڈی سی جی ایم سی لکھتے ہیں لاہور صابون جس کام کیلئے بنایا گیا ہے ہو واقعی [illegible] ہے۔

[illegible] ایم ایس [illegible] لکھتے ہیں کہ [illegible] بال اڑانے کا صابون بالوں کو بغیر کسی تکلیف کے جلد ہی بالکل صاف کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر [illegible] صاحب [illegible] آپ کا صابون پارسل ملا واقعی صابن عمدہ قابل تعریف ہے ایک بکس اور [illegible] کریں۔

جناب ڈاکٹر [illegible] صاحب جی [illegible] سی ملازم [illegible] [illegible] بال اڑانے کا صابون [illegible] بال بلا کسی تکلیف [illegible] [illegible] دو ایک بکس اور جلدی روانہ کریں۔

اخبارات کے ریویو

ایڈیٹر [illegible] [illegible]

ایڈیٹر [illegible] لاہور [illegible]

ایڈیٹر [illegible] [illegible] جولائی

ایڈیٹر ارود [illegible] گزٹ [illegible] فروری

ایڈیٹر لاہور [illegible] گزٹ امرتسر فروری

ایڈیٹر [illegible] ۳ جون

ایڈیٹر [illegible] [illegible]

ایڈیٹر اخبار [illegible] ریاست [illegible]

ایڈیٹر [illegible] مرادآباد ۱۰ جولائی

ایڈیٹر [illegible] اخبار امرتسر ۱۶ جون

ایڈیٹر [illegible] امرتسر ۱ فروری

ایڈیٹر [illegible] اسلام اخبار ۵ اپریل

ایڈیٹر [illegible] میرٹھ ۱۲ فروری

ایڈیٹر [illegible] اخبار ۸ مارچ

ایڈیٹر سلسلہ [illegible] ایڈیٹر [illegible]

ایڈیٹر اردو اخبار لاہور وغیرہ وغیرہ

کے پرزور لفظوں میں اس صابون کے متعلق ریویو کیا کہ یہ صابون بالوں کو اڑا دیتا ہے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ جلد صاف نکل آتی ہے مفصل ریویو کے لئے تاریخوار اخبارات ملاحظہ فرما دیں۔

نوٹ

اگر آپ مفصل تمام اخبارات کے ریویو معزز صاحبان کے سارٹیفکیٹ ڈاکٹروں حکیموں کی تصدیق [illegible] کے خطوط اس صابون کے مفید ہونیکی یقین دلیل [illegible] چاہتے ہیں تو ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر دیکھ سکتے ہیں۔

میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر [illegible] اینڈ منیجر کارخانہ صابون امرتسر لوہگڈھ

ہندو صاحبان کو اپنے دھرم کی اور مسلمان بھائیوں کو اپنے ایمان کی قسم ہے اگر انکو اس دوائی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو
فوراً حلفی تحریر بھیجکر اپنی قیمت واپس منگالیں۔ اس سے زیادہ دوا کی عمدگی ظاہر کرنے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اس اشتہار کے پڑھنے سے بہتیروں کا بھلا ہوگا

میں نہ تو اشتہاری حکیم ہوں اور نہ ڈاکٹر بلکہ ایک معمولی کلرک ہوں۔ ابتدائی جوانی سے میں ایک منحوس مرض میں مبتلا ہوگیا میں نے ہر چند بہت سے بڑی بڑی اشتہاری حکیموں اور ڈاکٹروں کی دوائیں استعمال کیں اور سینکڑوں روپیہ کی بربادی کی مطلق خدا فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں مایوس ہوگیا اور موت کو اس زندگی پر ترجیح دینے لگا۔ مگر حسن اتفاق سے مجھے مسٹر حکیم صاحب نامی ایک یورپین سیاح کی ملازمت میں ملک نیپال کے مشہور شہر کٹھمنڈو جانیکا اتفاق ہوا اور وہاں کی ایک سرکیوم پارک نامی میں ایک درویش دستگیر سے ملاقات ہوگئی جنہوں نے میرے لب خشک سے میری بیماری کو بھانپ کر نہایت مہربانی سے مسافر چند روزہ شب و روز کی خدمت سے خوش ہو کر ایک نسخہ مقوی گولیوں کا اور دوسرا روغن دو شرطوں پر بتایا۔ (اوّل) شرط کہ نسخہ کو عام نہ کرنا (دوم) شرط یہ کہ لاگت سے زیادہ کسی سے نہ لینا۔ پہلی مرتبہ ان ہر دو ادویات کو اس فقیر کے روبرو بصورت کل اکیس روز میں تیار کرکے استعمال شروع کیا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہتا ہوں کہ ساتویں ہی روز سے میری وہ تمام شکائتیں جو ایسے مریضوں کو ہوا کرتی ہیں رفع ہونا شروع ہوگئیں۔ حالانکہ چالیس روز تک دوائی استعمال کرنی تھی۔ میرا ہاضمہ بلا کا تیز ہوگیا۔ چہرے کا رنگ جو پہلے زرد تھا اب سرخ ہونا شروع ہوگیا۔ زیادہ مفصل اظہار خلاف تہذیب ہے۔ الغرض واپس آکر با فائدہ دوائی کا مختلف قسم کے مایوس العلاج مریضوں پر بار بار تجربہ کیا۔ مگر ہر ایک قسم کی کمزوری اور غلط کاری کے علاج میں اکسیر اعظم پایا۔ اب تھوڑی عرصہ سے چند ہمدردان خلق اللہ کی مجبور کرنے پر چند اخبارات میں اس انمول اور بیش قیمت دوائی کا مجھ کو گذری ہوئی واقعات کی سچا اشتہار دیا گیا تھا جس سے قریباً دو ہزار مریضوں کی بفضل خدا دلی مرادیں بر آئیں جنکو باوجود دیگر حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج معالجے کے کچھ فائدہ نہ ہوا تھا۔ سینکڑوں بادلی بیحد تعریف کے خطوط ملک بھر میں سے موصول ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اب بھی جو اصحاب اشتہاری حکیموں کے ڈری ہوئی اس دوائی سے فائدہ نہ اٹھائیں گے۔ وہ سراسر غلطی پر رہیں گے۔ **قیمت** فی بکس مقوی اعصاب گولیاں (جس میں اکیس گولیاں ہوتی ہیں) ڈیڑھ روپیہ (عہ)

قیمت فی شیشی روغن دو روپے (عہ)۔

نوٹ:۔ قیمت جو رکھی گئی ہے وہ لاگت دوائی بمع اشتہارات بمشکل کفایت کرتی ہے۔

پتہ شیخ برکت علی بازار مچھی ہٹہ۔ لاہور (پنجاب)

بال اڑانے کا اصل صابون

یوں تو ہر ایک شخص بڑے دعوے سے اپنی چیز پبلک کے روبرو پیش کرتا ہی مگر اصلی
نقل کی تمیز پبلک پر فرض ہے اور تجربہ سب سے زبردست شہادت ہے
ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ہمارا ہی ایسا صابون ہے جو آناً فاناً بال اڑا دیتا ہے۔
گویا ادھر صابون لگا اُدھر بال اُڑ گئے۔ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیا
جادو ہے۔ ہماری ٹکیہ انگریزی صابون کی طرح خوبصورت نمبر ۱۰۱ اس پر
انگریزی حروف میں ہمارا نام کندہ ہے صابون خوبصورت ہونے کے علاوہ بے نظیر
بھی ہے آپ نمونتاً ایک ٹکیہ منگوا کر دیکھیں۔ اگر عمر بھر کے لیے گرویدہ نہ ہو جاویں۔
تو ہمارا ذمہ۔ غرضیکہ یہ حیرت انگیز بال اڑانے کا صابن ہی جسکی جادو بھری تاثیر
کو دیکھ کر قدردانان ملک ہندوستان اسکے موجد کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں +

قیمت فی ٹکیہ چھ آنہ فی بکس جسمیں تین ٹکیہ ہیں۔ محصولڈاک خریدار

عہ

[illegible]

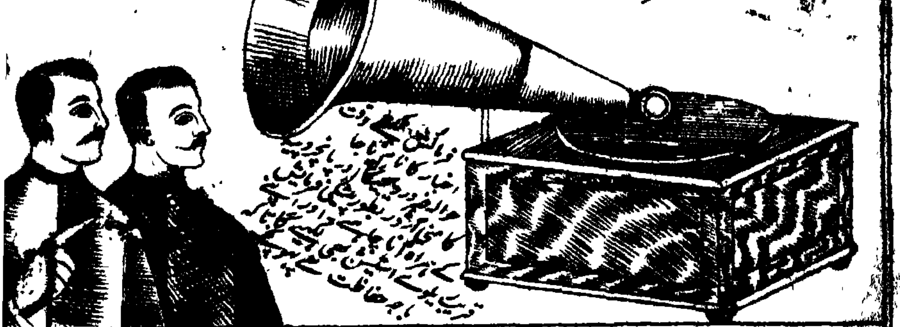
[illegible]

حکیم جوشی ہرگاداس شہر امرتسر بازار سنرلی منڈاں

ٹلفون کمپنی کا بنایا ہوا ہے۔ اور اس کا نام پک ٹاکنگ مشین ہی۔

مثل انسان کے بات کرنیوالا اور گانا وغیرہ سنانے والا حیرت انگیز

حیرت انگیز ایجاد



باجہ جسکا نقشہ آپکے زیر نظر ہے ٹلفون کمپنی کا بنایا ہوا ہی۔ اور اسکا نام پک ٹاکنگ مشین ہی۔ اسوقت تک جسقدر اس قسم کے باجے آئے ہیں سب سے یہ باجہ کم قیمت عمدہ اور مضبوط ہی چونکہ ہمنے خاص کر بہت سے منگائے ہیں اور ہندوستانیوں ان باجونکا بھی مثل اور باجونکے دینا مقصود ہی۔ اس لئے ہمنے اسکی قیمت بھی بہت کم رکھی ہی تاکہ خاص و عام اس کو خرید سکیں اور عام طور سے اس باجہ کا بھی رواج ہو۔ اس باجہ میں بھی مثل گراموں فون وغیرہ باجونکی کانمیں ربڑ کی نلی لگانیکی ضرورت نہیں ہوتی اسکی آواز بھی بہت بلند ہی اسلئے سو آدمی ایک جگہ بیٹھ کر بہ آرام تمام اس باجہ کا گانا وغیرہ سن سکتے ہیں۔ اور گراموں وغیرہ کا پلیٹ اس باجہ پر بج سکتا۔ پلیٹ جسمیں گانا وغیرہ بھرا ہوا ہے اس کی آواز نہایت صاف اور سریلی ہے۔ گانا وغیرہ نہایت صاف سنائی دیتا ہے۔ اس باجے کی ترکیب اسقدر آسان ہی کہ چھوٹی عمر کا بچہ بھی بہ آسانی بجاسکتا ہے۔ اس باجے کی پلیٹ جو ولایت سے تیار ہوکر آئی ہے اسمیں ہندوستان مشہور طوائفوں اور گویوں کے گانے بھرے گئے ہیں۔ انگریزی نوجی باجہ۔ انگریزی نقل وغیرہ بھی بھری ہوئی ہیں جو بہت صاف دیتی ہو۔ اس باجے کی آواز اسقدر بلند ہے کہ سو دو سو قدم کے فاصلہ سے نہایت صاف سنائی دیتی ہی۔ اس باجے کے پلیٹ میں ایک اور بھی خوبی ہے کہ مثل اور پلیٹوں کے کبھی ٹوٹتی نہیں پھر اور پلیٹوں سے دام میں بھی سستی ہیں لہذا ایسی چیز کو ہرطرح سے ترجیح دینا چاہئے سستی بھی ہو اور اچھی بھی ہو۔ قیمت اس باجکی سنیئے گا تو تعجب ہوگا۔ معہ تین گانا بھری ہوئی سات انچہ گولائی کی پلیٹوں کے بیس روپیہ۔ سوئیاں بھی اس باجے کے ہمراہ بلا قیمت روانہ ہونگی۔ **نوٹ نمبر اول** اس باجہ کے ہمراہ جو پلیٹ گانا بھرے دیے جاتے ہیں انکی گولائی ہے اور اس سے بڑی پلیٹ بھی ہماری یہاں موجود ہیں جنکی گولائی دس انچہ ہے اور اسمیں گانا ڈبل بھرا ہوگا۔ اور وہ پلیٹ بھی اس باجے پر بج ہے۔ قیمت فی پلیٹ ۱۰ انچہ دو روپے آٹھ آنہ۔ اور ۷ انچہ کے پلیٹ کی قیمت ایک روپیہ۔ **نوٹ نمبر دوم**۔ غزل ٹھمری۔ دادرا۔ قوالی نفیری۔ انگریزی باجہ۔ انگریزی نقل۔ ہنسی۔ دل لگی۔ فارسی کی غزل وغیرہ وغیرہ کے پلیٹ موجود ہیں۔ علیحدہ سوئی کی قیمت ڈبیہ جسمیں دو سو سوئی ہوتی ہیں ایک روپیہ۔ **نوٹ نمبر سوم**۔ ہمارا مقصد اس باجے کو عام طور سے مشہور کرنیکا ہے نے قیمت سب چیزوں کی بہت کم رکھی ہی اب بھی اگر آپ نہ باجہ خرید لے تو واقعی افسوس کی بات ہے۔ جناب اس باجہ سے بڑ غلط کرنیوالا دوسرا باجہ نہیں ملیگا۔ کیونکہ اسمیں محنت کچھ نہیں ہے چابی دیکر پلیٹ رکھدیا اور باجہ بج رہا ہے احباب بھی خوش ہوتے ہیں بال بچے والے بھی اپنا غم غلط کرتے ہیں اور بچوں کی خوشی ہوتی ہے۔ میری خاطر سے ایک باجہ آپ ضرور منگائیے۔

بہت سے حضرات گانا بھری ہوئی پلیٹ کی فہرست طلب کرتے ہیں۔ مگر چونکہ اکثر نئے نئے پلیٹ ولایت سے آتے فروخت ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے فہرست تیار کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ لہذا صرف گانے کا نام لکھدینا چاہیئے تاکہ اسی قسم کا روانہ کیا جائے۔ اس باجے کی قیمت معہ تین پلیٹ اور دو سو سوئی کے بیس ۲۰ روپے ہے۔ محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار

جناب کا سچا خادم۔ ایم۔ اے۔ بی بخشی۔ اینڈ کو کوٹھی نمبر ۱۲ ہالیڈے اسٹریٹ ڈاکخانہ ٹیرا بازار

[illegible]

پانچسو روپیہ انعام (۵۰۰)

جوہر حنا و وسمہ

خضاب ہو تو ایسا ہو۔ عمدہ کا عمدہ۔ ارزاں۔ نہ باندھنے کی حاجت۔ نہ گھڑی دو گھڑی کی دقت۔ نہ نزلے کا خطرہ۔ نہ سردی کا ڈر۔ نہ جلد سیاہ ہو جانیکا اندیشہ نہ بالوں کے سخت کرخت ہونیکا اندیشہ۔ لیا اور لگایا۔ لحظہ بھر میں نیا رنگ۔ نیا ڈھنگ شباب کا عالم۔ جوانی کی امنگ۔ بال سفید فوراً اصلی رنگ کیطرح سیاہ اور ملایم اور ویسا ہی ایک ماہ تک قائم۔ یہ خضاب مہندی و وسمہ کا جوہر کشید کر کے تیار کیا گیا ہے۔ ہاتھ سے معمولی تیل کیطرح لگایا جاتا ہے۔ برش وغیرہ کی حاجت نہیں پڑتی۔ معزز اصحاب نے فضول خضابوں کو چھوڑ کر اس خوشبودار عرق کی خریداری ہمیشہ کے لئے منظور فرمائی ہے۔ چند سرٹیفکٹ برائے ملاحظہ درج ہیں۔ اصل قیمت عہ نصف قیمت ۱۲/ ۱

نوٹ:- جو شخص مہندی و وسمہ کا جوہر نکالکر یا ہمارے خضاب سے بڑھکر زود اثر خضاب تمکو تیار کر کے دکھائے اسکو ۵۰۰ روپیہ انعام دیا جائیگا۔

تصدیق:- (۶) جناب ... صاحب ... معرفت پوسٹ ماسٹر ... تسلیم ... کرم فرمائے بندہ ... آپکا خضاب ... جناب سے منگوایا تھا۔ ... براہ مہربانی ایک ... روانہ کیجئے۔

(۵) جناب مولوی غلام ستار صاحب از دفتر ... مخدوم و مکرم محسن بندہ تسلیم چونکہ خضاب ... فی الحقیقت ... دنیا کے خضابوں سے عمدہ اور ارزاں ہے ... لہٰذا گذارش ہے کہ بدستور سابق ایک ... خضاب ... بذریعہ وی پی عطا فرما کر مشکور عنایت کیجئے۔

دراصل بات کچھ بھی نہیں

صرف ایک خط لکھ دیجئے۔ جہاں آپ ہوں بغیر کسی دقت کے میں ٹوپی آپ کو پہونچا دوں گا +

میرے پاس ہر قسم کی ہر قیمت کی ترکی ٹوپی موجود ہے +

آپ خود تجربہ کر لیجئے۔ پسند نہ ہو یا کسی قسم کی شکایت پیدا ہو تو میں ذمہ وار ہوں +

قیمت میں اگر گراں ہو

تو مقابلہ کر لیجئے۔ اس سے زیادہ اور کون سا آسان طریقہ آپ کے اطمینان کے لئے ہو گا +

۸عہ سے لیکر ۶عا - ۸عا سے تک کی

عمدہ ٹوپیاں میرے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ اگر آرڈر کرنا چاہو۔ تو سر کا ناپ مجھے بھیج دیجئے۔ مجھے دعوے ہے کہ میں جو ٹوپی بھیجوں گا۔ آپکی حسب منشا ہوگی +

المشتہر

عبدالرشید زبردر جنرل مرچنٹ انارکلی لاہور

آؤ ہم بتلائیں پچاس ہزار مریض کس طرح صحت یاب ہوئے ہیں

طاقت بخش خون افزا روح ہمہ مرکب

اعصاب میں حس و حرکت اور دماغ میں عقل و فراست وغیرہ قوتیں جدائی ہیں اور اعضائے رئیسہ میں جو مفوضہ کام کرنیکا ہے وہ سارا برقی مادہ غذائی جسم میں پیدا کیا ہے اس سے یہ کل جسم اور کل کے پرزے کام دیتے ہیں۔ جب ہماری بیہودگی سے وہ مادہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو اندرونی عضو وہ کام کرنا [illegible] ہو جاتے ہیں کثرت شراب اور عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہو جاتا ہے دل و دماغ جگر اور برقی سسٹم و نظام خون وغیرہ تباہ ہو جاتے ہیں اسیطرح چانڈو۔ افیون بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعصاب میں وہ مادہ دوڑ نہیں سکتا کیونکہ منفذ عروق و اعصاب کی راہ خراب ہو جاتی ہے یہ مرکب گویا روح روان اعضائے رئیسہ ہے اسکے وجود سے حیات روح ہوگی :۔ ورنہ روح بیمار جسم کے لئے وبال جان ہوتی ہے۔

یہ مرکب سست اعصاب کا شرطیہ علاج ہے۔ اسکی ایک دو شیشی سے چہرہ سرخ اور جسم فربہ ہو جاتا ہے جس سے بھوک خوب لگتی ہے۔

قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ)

سرمہ میرہ کرامانی رفع ضعف بصارت ۔ نزول الماء ۔ دھند غبار ۔ آب رواں ۔ سرخی وغیرہ فی تولہ دو روپے (عہ)

سیلان الرحم { سیلان دار عورت کی صحت بحال ۔ درد کمر کافور قیمت دو ہفتہ دو روپے (عہ)

حب دافع قبض دائمی رات کو ایک گولی کھانے سے قبض دور ہو جاتی ہے ۔ ۲ درجن (عہ)

سرخ رو ۔ بعد از غسل چہرہ پر دو قطرے ملنے سے چھائیاں وغیرہ دور ۔ چہرہ گلفام فی شیشی (عمر)

جوہر عشبہ ۔ مصفی خون ۔ پھوڑے پھنسیاں ۔ بھگندر ۔ ناسور خنازیر ۔ دنبل وغیرہ فی شیشی [illegible]

نور علی نور ۔ اسکے لگانے سے چند منٹ میں بال دور ہو جاتے ہیں ۔ جلد کو ہرگز ضرر نہیں ہوتا ۔ ۲ تولہ قیمت (عمر)

[illegible]

پتہ :۔ زبدۃ الحکما حکیم ڈاکٹر غلام نبی ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت موچی دروازہ لاہور

طبی دلچسپ تصنیف پنڈت ٹھاکردت شرما مالک و ینش ایکار ک اوشدھالیہ و ایڈیٹر دیش اپکارک فیملی ڈاکٹر طبی اخبارات لاہور۔

کیا ہم اپنی مرضی سے لڑکا یا لڑکی پیدا کر سکتے ہیں ؟

یہ ایک سوال ہے جسکا جواب اس چھوٹے سے رسالہ میں مدلل و محققانہ طریق سے اسطرح دیا گیا ہے کہ ہر ایک آدمی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ یونانی۔ ڈاکٹری اور ویدک تحقیقات کا لب لباب بیان کیا گیا ہے غرضیکہ قابل دید ہے۔ قیمت صرف ۲؍

وضع حمل

اس کے مضامین عورتوں کو سمجھا دینے سے روزمرہ کی تکالیف متعلق زچہ اور بچہ سے خلاصی پانا ممکن ہے جو آئے دن دیکھنے میں آتی ہیں اکثر عورتیں اور بچے اس وضع حمل کیحالت میں جان دیدیتے ہیں۔ اس کی ہدایات پر کاربند ہونے سے آئندہ اسکا انسداد ہونا ممکن ہے۔ ابتدائی اور میانی اور بعد کی تکالیف کے دفع کرنے اور وقت کی جان کنی کی سی حالت کو آسان کرنے کے واسطے اس کے مجرب نسخہ جات اور تراکیب بہت زیادہ موثر ثابت ہونگی۔ قیمت ۸؍

رسالہ حفظ ماتقدم طاعون

طاعون کے متعلق آجتک کی تمام تحقیقات جو کچھ کہ ڈاکٹروں یا دوسرے شخصوں نے کی ہے سب کا خلاصہ اس رسالہ میں درج کرنے کے علاوہ یونانی اور ویدک کے پورانے طریق علاج پر بھی روشنی ڈالدی ہے اور بتا دیا ہے کہ حال کے مجوزہ علاج بالکل پورانے علاج ہیں جنکا چربہ اتار لیا گیا ہے۔ طاعون کی پیدائش کے اسباب اور اس سے بچے رہنے کے طریق بہت اچھی طرح لکھے ہیں علاج بھی مجرب درج کئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس طاعون کے زمانے میں ہر شخص اس کو دیکھکر اور اس کی ہدایات پر کاربند ہو کر خاطرخواہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت ۷؍

کیا میں تندرست ہوں اور صحت اور درازی عمر کا راز

یہ پہلا سوال خواہ مخواہ آدمی کے دل میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ مگر اسکا جواب تسلی بخش حاصل ہونا ایک امر محال ہے اس رسالہ میں سب سے پہلے اس سوال کو حل کرنیکے طریقے اور علامات بتائی ہیں جن سے آدمی خود بخود اپنے سوال کا جواب حاصل کر سکتا ہے بعدازاں امراض کا اصل سبب دکھا کر ابتدا میں ہی انکے دفعیہ کے طریق لکھے گئے ہیں غرضیکہ انکے قواعد کی پابندی سے آدمی اپنی طبعی زندگی تک پہنچ سکتا ہے ہندوستان میں اپنی قسم کا پہلا رسالہ ہے۔ قیمت ۱۰؍

میں کیمیاگر ہوں

اسلئے کہ بیکار چیزوں کو ... ہو دولت کماتا ہوں جسکی کثرت فروخت نے مجھکو مالا مال کر دیا ہے جسکی جادو بہری تاثیروں نے ملک میں دہوم مچا دی ہے سارے شہر کے باشندے بچہ سے لیکر بوڑھے تک اس کے نام سے واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی کمزوری کے دفیعہ کے لئے ہندوستان میں یہ ایک ہی بے خطر اور بے خطا دوائی ہے جسکا نام روح حیات ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ جسکا نام مشہور ہے۔

میں جادوگر ہوں اس لئے کہ کمزوروں کو وہ قوت دیسکتا ہوں۔ کہ پہلوانی کریں اور جن کے جسم پر گوشت نہ آتا ہو۔ یا ان لوگوں میں وہ طاقت کم ہو جنکی وجہ سے مرد کو مرد کہہ سکتے ہیں۔ جن کے دل و دماغ اور اعصاب ضعیف ہوں۔ ان کے لئے میرے پاس جادو اثر دوائی موجود ہے جس کا نام اسم با مسمیٰ روح حیات ہے۔

روح حیات کے مقصد خاص ضعف مثانہ۔ ضعف اعصاب۔ ضعف دماغ۔ ضعف جگر۔ ضعف معدہ۔ ذیابیطس اور اختلاج قلب کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ دو یوم میں ہی کمزوری اور قبل از وقت علامات پیری کے لئے بے نظیر اور طاقت جوانی پیدا کرنے کے لئے تریاق ہے جسم انسان میں بوجہ کمزوری جسقدر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان سب سے کامل نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

روح حیات کے مفید ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اسکی کثرت فروخت سے میں نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کی جائداد پیدا کرلی ہے۔ جس میں مکانات کوٹھیاں۔ اور اراضی شامل ہے۔ روح حیات کی تیاری اور حساب کتاب رکھنے کیلئے میرے دفتر میں کلرکوں کی خاص جماعت کام کرتی ہے۔ جس میں ہندو۔ مسلمان۔ اور عیسائی مذہب کے لوگ ملازم ہیں۔ اور کارخانہ روح حیات پنجاب بھر کے اشتہاری طبیبوں اور ڈاکٹروں سے زیادہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔

میری آمدنی کی نسبت ایکدفعہ صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے دریافت کیا تھا۔ جسپر صاحب موصوف کیخدمت میں تین یوم کی آمدنی بذریعہ منی آرڈر جو ڈاکخانہ سے بنک میں وصول ہوئی۔ بمعہ چٹھیات بنک بھیجی گئی۔ جس کی نقل بالاختصار بغرض اطمینان خلائق درج ذیل ہے:-

اس چٹھی پر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لاہور تحریر فرماتے ہیں۔ "میں آپ کی چٹھیات اور رسیدات کاغذات متعلقہ دیکھنے کے بعد واپس کرتا ہوں"۔ (دستخط)

سی۔ ایچ۔ ایٹکنسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لاہور۔
۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ناظرین! آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ کہ روح حیات کی قدردانی ملک میں کس قدر ہوگئی ہے۔ محتاج بیان نہیں اسلئے اب کوئی وجہ نہیں کہ اس کے فائدوں میں آپ کو ذرا بھی شک ہو اور اس زندگی بخش اکسیر سستی دوائی کے خریدنے میں تامل کریں (قیمت فی شیشی روح حیات (عہ))

میری تین یوم کی آمدنی (بذریعہ منی آرڈر)

تاریخ	روپے	آنے
۲۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء	۱۰۷ روپے	۱۳ آنے
" " "	۷۸ "	۷ "
۳ " "	۱۶۷ "	۴ "
" " "	۵۵ "	۱۵ "
۴ " "	۳۲۸ "	۵ "
" " "	۱۵۲ "	۲ "
میزان	۸۸۳ روپے	۱۴ آنے

پتہ:- حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر کیمیاگر و پرائیٹر شفاخانہ عام چوک نواب صاحب لاہور۔

خبردار:- روح حیات کی کثرت فروخت کو دیکھکر جن لوگوں نے نقلی روح حیات کے اشتہار دے کر عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے پبلک کو انکے دام سے خبردار رہنا چاہیے۔

خاتون

یہ امر ثابت ہو گیا ہے اور ملک کے تمام اہل الرائے اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ قومی ترقی کا ابتدائی زینہ تعلیم نسواں ہے بیشک کسی قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہونگی اسوقت تک وہ قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔ ایشیا کے ترقی نہ کرنیکی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نے ابتک اس راز کو سمجھا نہیں تھا لیکن اب جاپان کو دیکھو کہ وہاں کی عورتوں میں چونکہ تعلیم رائج ہو گئی ہے اس لئے اسکے نتائج بھی حسب دلخواہ پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہر ایک شخص جب عالم وجود میں آتا ہے تو پہلے ہی اسکو ماں کا آغوش ملتا ہے جہاں اسکی ابتدائی تربیت ہوتی ہے۔ اور تربیت بھی کیسی جسکا اثر مدت العمر زائل نہیں ہو سکتا۔ پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہونگی تو اولاد کی تربیت بھی بچپنے میں اچھی ہوگی۔ عمدہ اور اعلیٰ خیالات ابتدا ہی سے اس کے اندر راسخ ہونگے۔ اور اس کی تعلیم کی جڑ مضبوط رہے گی۔

ولایت میں تعلیم کا اثر اچھا پڑتا ہے جو لوگ وہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں یعنی انگریز وہ اس کے اعلیٰ اثر سے نہایت ہی متاثر ہوتے ہیں۔ اور اسکے اندر دیانتداری۔ راستبازی۔ خوش خلقی۔ معاملہ فہمی اور دور اندیشی وغیرہ وغیرہ تمام اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اسکے ہندوستان میں وہی کورس پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں کے تعلیم یافتوں میں وہ اثرات نہیں پیدا ہوتے اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی ماں کے آغوش ہی سے ان اوصاف سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمارے یہاں کے نوجوان اپنے بچپنے میں ان خوبیوں کو دیکھتے نہیں۔ آغوش مادر کی اعلےٰ تربیت اول نمبر ہے اور بی اے یا ایل۔ ایل ڈی کی ڈگری دوسرے نمبر پر۔

اہل ہند کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی عورتوں کی جہالت ہے۔ اسی قومی جرم کی بدولت ہندوستانیوں پر ادبار نازل ہے۔ اور وہ فلاکت اور نکبت میں مبتلا ہیں۔

اب لوگوں کی توجہ اس جرم کے تلافی کیطرف مائل کرنے کیلئے ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ تعلیم نسواں کیطرف سے رسالہ خاتون ماہوار تین سال سے نکالا جاتا ہے جسکا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ اپنے تمام اہل ملک کو تعلیم نسواں کے فوائد اور خوبیوں سے آگاہ کرے اور عورتوں میں تعلیم کا مذاق پھیلائے اور علم کیطرف ان کی سچی رہبری کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ رسالہ پردہ اور عصمت کا زبردست حامی ہے۔

الحمد للہ کہ اس تین سال کے قلیل عرصہ میں اس رسالے نے اپنے مقاصد میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور ملک کے تمام معزز گھرانے اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اور تعلیم نسواں کیطرف سرعت کیساتھ طبیعتوں کا میلان بڑھ رہا ہے۔

چونکہ یہ قومی رسالہ ہے اس لئے اسمیں قوم کے تمام بڑے بڑے لیڈر مثلاً نواب محسن الملک شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء مولانا حالی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ایل ایل ڈی۔ پروفیسر ابو الحسن بی اے انعام الحق بی اے۔ اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس رسالہ کے نصف حصہ میں خاص دہلی اور لکھنؤ کی بیگمات اور نیز دیگر مقامات کی تعلیم یافتہ بیبیوں کے نفیس مضامین ہوتے ہیں جو سوائے اس رسالہ کے اور کہیں نہیں مل سکتے۔ اس کا کاغذ۔ چھپائی۔ لکھائی سب اعلیٰ قسم کی ہے۔ حجم ماہوار ۴۸ صفحہ قیمت تین روپیہ سالانہ۔ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنہ۔

المشتہر شیخ عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکریٹری صیغہ تعلیم نسواں و ایڈیٹر رسالہ خاتون علیگڑھ

نگاہِ ستم چاہئے اک زمانہ
ابھی داغِ غم کو ابھرتے ابھرتے

ہمیشہ عدو اپنا اس دل نے سمجھا
نہ صورت دکھائی ہمیں مرتے مرتے

غمِ ہجر اک دن مری جان لیگا
کہ تاثیر کرتا ہے سم کرتے کرتے

اکیلے ہیں خلوت میں اور آئینہ ہے
گذرتے ہیں پہروں سنورتے سنورتے

غمِ ہجر میں کب تھی امیدِ صحت
مگر شکر ہے بچ گئے مرتے مرتے

حبابوں کی بھی واہ کیا زندگی ہے
فنا ہو گئے بس ابھرتے ابھرتے

محبت میں جب ظلم ہم پر ہوا ہے
تمہیں سے کہا ہے بہت ڈرتے ڈرتے

نکل آئے گی راہ مقصد کی کوئی
یوں ہی سیرِ دیر و حرم کرتے کرتے

دیارِ عدم تک کئی بستیاں ہیں
پہنچ جائینگے ہم ٹھہرتے ٹھہرتے

اسی در پہ سجاد اک عمر گذری
جبینِ محبت کو خم کرتے کرتے

قتلِ عاشق تو ادا کا کام ہے
اور بیچاری قضا بدنام ہے

ہم نشیں تم تھے تو ہم تھے خوش نصیب
نام اب تو عاشقِ ناکام ہے

شام کا دن کیا کہوں فرقت میں حال
روزِ سیہ جب صبح مثلِ شام ہے

حل کرو آکے مشکل نزع کی
چلتے چلتے تم سے اتنا کام ہے

ہے مرے حسرت بھرے دل کا جواب
بزمِ ساقی میں جو خالی جام ہے

دل نہ کیوں ہو صیدِ خال و خطِ یار
دل ربا دانہ ہے دل کش دام ہے

بے نشاں کردے جو کرنا ہے فلک
یوں بھی اس کے مرقدوں کا نام ہے

ہے دعا سے بڑھ کے انکا کوسنا
قند سے میٹھی کہیں دشنام ہے

بجھ گیا جب سے چراغِ آرزو
رات دن جلنے سے دل کو کام ہے

پوچھتے ہیں بیٹھ کر پہلو میں وہ
اب تو درد دل کو کچھ آرام ہے

لگ گئی ہے [illegible] سیمیں سے آنکھ
سیمتن کو سونے سے اب کیا کام ہے

یہ وہ بجلی تھی ۔ جسے جس کے اثر نے پھونکا

رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ ! او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی آہ ! او ہند کے ناموس وفا کی دیوی

آہ ! او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ ابتک

تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ ابتک

آفریں ہے تری جاں بازی و ہمت کیلئے آفریں ہے تری عفت تری عصمت کیلئے

کیا مٹائیگا زمانہ تری شہرت کے لئے کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کے لئے

نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں

تو وہ دیوی ہے تیرا لگتا ہے میلا دل میں

(سبحان آبادی)

تازہ غزلیں

کہاں گلوں کے وہ تختے وہ لالہ زار کہاں بہار میں تو نظر لگ گئی بہار کہاں

نہ کیجئے مرے دل سے سخن محبت کے ڈرا ہوا ہے یہ کم بخت اعتبار کہاں

تمام رات رہیں نالہ کش ترے در پر اسی پہ جبر کریں ہم یہ اختیار کہاں

تغافلوں کی نہ لے تجھ کو خبر ہے اے دل وہ شاہِ حسن کہاں ہم سا خاکسار کہاں

چمن میں گل بھی ہیں غنچے بھی ہیں بلبلیں بھی مگر بہار عمر تھی جن سے وہ غمگسار کہاں

جو بار تقاضا ہے کچھ تو ہو معلوم نکل کے جائے گی سینہ سے جانِ زار کہاں

کچھ اختیار ہے اک عروج دے جس کو وہ شہسوار کہاں اور مرا غبار کہاں

گیا وہ وقت ولا آگ لگ گئی اس میں نصیب دیدۂ حیراں کو انتظار کہاں

جو دل میں وہ چھپا ہو دیکھیگا خواب میں بھی ہی ہم اٹھ کے یار کو کیا ڈھونڈ ھتے پھرتے یار کہاں

گئے تھے آج ہم اے شاد بے ستوں کیطرف کہا پکار کے فرہاد نے کہ یار کہاں

زباں سے نہ اف کی کبھی مرتے مرتے گئی جان الفت میں دم بھرتے بھرتے

رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو
ناز آیا ترے حصے میں - ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی - محبت بھی - وفا بھی آئی

آئی دنیا میں جو تو حسن میں یکتا بنکر چمنِ دہر میں پھولی گلِ رعنا بنکر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بنکر دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بنکر
حسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی - غمخواری بھی تیری صورت میں ادا بھی تھی - طرحداری بھی
جلوۂ حسن میں شامل تھی - نکوکاری بھی درد آیا ترے حصے میں تو - خودداری بھی
آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی او! آئینہ سیما تصویر حسنِ سیرت سے تھی تیری متجلی تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر
نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجم ناز کا جھرمٹ رخِ پُرنور میں تھا

لب میں اعجاز - حیا چشمِ فسوں ساز میں تھی کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غماز میں تھی برق بیتاب تری جلوہ گہ ناز میں تھی
یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرر افشاں ہوکر کوند اٹھی قلعۂ چتوڑ میں جولاں ہوکر
یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غمِ حرماں ہوکر خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہوکر

آ ؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے

ہادی کہیں تجھے ہم تو بے بہا ہے دولت — علم و ہنر کے موتی ہم کو کئے مرحمت
ترچھی تری نظر ہے جوبن تری ہے بانکی — بجلی ترا تبسم زینت تری قیامت
پانی ترا ہے میٹھا پھل ہیں ترے مزے کے — صورت تری ہے پیاری اچھی تری ہر سیرت
تو ہے بہار کی ماں گل کو کھلانے والی — سبزہ بڑھا رہا ہے کیا کیا تری لطافت

محسن ہے مہربان ہے سارے جہاں کی جاں ہے
آ ؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے

(گل بہار سنگھ)

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم — اور پروانوں کو دی سوز وفا کی تعلیم
جب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم — آئی حصّے میں ترے ذوق فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دیئے جینے کے لئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لئے

رنگ تصویر کے پردے میں جو چمکا تیرا — خود بخود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبد نور میں پُتلا تیرا — ید قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوز غم شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اک شعلۂ مضطر دل میں

تو وہ تھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو — تو وہ لیلی تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو

مندرجہ ذیل نظم ہمیں لالہ گل بہار سنگھ صاحب ایم۔ اے نے سنسکرت سے ترجمہ کر کے عنایت کی ہے۔ اور وہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ اُس نظم کا لفظی ترجمہ ہے۔ جس سے کسی کو برافروختہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہر ملک میں شعراء نے اپنے وطن کی تعریف میں زورِ طبع دکھایا ہے۔ اگر کچھ عیب ہوگا تو اُس طریق میں ہوگا۔ جس سے یہ آوازہ بلند کیا گیا۔ یا اُن حالات میں جو بنگال میں انتشار و ناراضگی کا باعث ہوئے ہیں:-

آؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے

میٹھا ہے اس کا پانی شیریں ہیں پھل یہاں کے   کھیتی سرسبز بھری ہے پودے ہیں لہلہاتے
راتوں کو چاندنی ہے خوشبو ہیں گل کھلاتے   آتش جگر کی جنگل صندل کے ہیں بجھاتے
بھولی ہے مسکراہٹ آواز پیاری پیاری   راحت ہیں اس سے پاتے اپنی مراد پاتے
محسن ہے مہرباں ہے سارے جہاں کی جاں ہے
آؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے

تیرے کروڑوں بیٹے سب آن بان والے   ہاتھوں میں تیغ جن کے تیر و کمان والے
بازو میں تیرے طاقت تیری کمر میں بوتا   تیرے ہیں زیرِ فرماں سب آسمان والے
ہوویں فرار دشمن تجھ کو جو دیکھ پاویں   کہتے ہیں تجھ کو بے بس کیونکر جہان والے
محسن ہے مہرباں ہے سارے جہاں کی جاں ہے
آؤ جھکائیں سر کو بھارت ہماری ماں ہے

ایمان تو ہے تو ہی دلستوری ہماری   شریان تو ہے تو ہی ہے زندگی ہماری
دل ہے بدن میں تو ہی بازو میں تو سکت ہے   تیرے ہی سے کھلی ہے دل کی کلی ہماری
تو ہے عقیدہ دل میں ماتا ہمیشہ دیکھیں   ہر جا تجھے ہی آنکھیں اُلفت بھری ہماری
محسن ہے مہرباں ہے سارے جہاں کی جاں ہے

نہیں لہو و لعب کا شوق پر جب وقت بچتا ہے
بمثل نوجواں اسکو کرکیٹ کھیلتا دیکھا

کیا ہے منتخب وہ ٹیم اس کی قدردانی نے
کہ کیچر۔ بولر و بیٹر نہ ایسا دوسرا دیکھا

مہاراجہ کی شفقت اور روپیا کا کل یہ احساں ہے
کہ اُنکو ہر جگہ میدان اکثر جیتتا دیکھا

ذخیرہ ہے وہ معلومات کا ہر شے سے واقف ہے
عجب ہے یاد اس کی اور بلا کا حافظہ دیکھا

سپر ہے سلطنت کی وہ۔ حمایت میں شہنشہ کی
نہ اُس کے خانداں کے مثل کوئی باوفا دیکھا

محبت دودھ اور خوں کی چھپائے سے نہیں چھپتی
مثالِ بھیم و ارجن بھائی بھائی پر فدا دیکھا

گلابِ خوشنما کا اس چمن میں دیکھا پودہ اک
اور اس پودہ پہ دو پھولوں میں اک غنچہ کھلا دیکھا

نہیں تمیز کرتا ہے وہ ہندو اور مسلماں میں
نہ ایسا بے تعصب بعد اکبر بادشاہ دیکھا

نہیں ست کی کسی کو پایا اسکی عہدِ دولت میں
مگر ہر شخص کو اس کے لئے کرتا دعا دیکھا

سبق اس سے رشی لیتے ہیں عجز و خاکساری میں
سُنا تھا جس قدر عادل یہاں آ کر سوا دیکھا

بنگال کا قومی نعرہ

کچھ عرصے سے جو قبولیت بندے ماترم کے نعرے کو بنگال میں اور بعض دیگر مقامات میں حاصل ہوئی ہے۔ اور جس قدر شورش اور غلط فہمی اس سے پیدا ہوئی ہے۔ اسے دیکھ کر ہم نے سوچا۔ کہ اگر اس نظم کا جس سے یہ الفاظ لیے گئے ہیں۔ اردو ترجمہ شائع کیا جائے۔ تو خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ایک طرف بنگال کے انگریزی حکام اس نعرے سے ناراض ہیں۔ دوسری طرف وہاں کے اکثر مسلمان اس کے سننے سے گھبراتے ہیں۔ اس صورت میں حقیقتِ حال کا ظاہر ہونا مفید ہوا اور علاوہ اس کے وہ بنگالی نظم جس میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ نیز اپنی شاعری کے لحاظ سے بھی قابلِ ترجمہ ہے۔

ہے اس عجوبۂ دنیا کی یہ حالت کہ اب میں نے — شکستہ ہر جگہ لکڑی کو چھتے کو گرا دیکھا
بجائے صحن کے سبزہ کے گھٹنوں تک ہو گھاس آئیں — بجائے لالہ و گل خار و خس کا بسترا دیکھا
عجب لکڑی پہ نقاشی ہے اندر شاہ ہمدان کے — نمایاں جا بجا حرفوں میں وہاں نام خدا دیکھا
گیا جب سیر کو اک دن میں شالا مار کی جانب — تماشا قدرت حق کا وہاں میں نے نیا دیکھا
ستوں دیکھے سیہ پتھر کے ہیرے سے چمکتے ہیں — اُچھلتا حوض میں چاندی کا پانی جا بجا دیکھا
جہانگیر اور اسکی جان جاں نور جہاں کو بھی — تخیل کی نگاہ سے اب بھی وہاں پھرتا ہوا دیکھا
درخت اُن کے لگائے آج تک بھی اُنکی تابع ہیں — چناروں کو کھڑا جس جا کیا تھا وہاں کھڑا دیکھا
شکستہ حوض انہیں روتے ہیں فواروں کی آنکھوں سے — چندوں کے ہر اک پتہ کو مشغول دعا دیکھا
نشاط و عشرت منزل سے نظر آتا ہے ڈل ایسا — سمندر کو کراچی میں کسی نے گویا جا دیکھا
پڑھا تھا یہ کہ گھر اور کھیت ہیں سب غیر منقولہ — مگر گھر اور کھیتوں کو یہاں چلتا ہوا دیکھا
مسافر بھول جاتا ہے سبھی افکار دنیا کو — کنول کے کھیت کو جب اُس نے اُس ڈل میں کھلا دیکھا
اگر اونچی نظر کر کے کہیں دیکھا جو اُوپر کو — تیخ دائم سے ہر ملکہ کی پہاڑ و نکو ڈھکا دیکھا
نسیم آیا نظر وہاں سے لو اس کے پاس حضرت بل — چناروں کا بڑا دلکش کناروں پر جما دیکھا
عجب تاثیر حق نے چشمۂ شاہی کو بخشی ہے — سبک شیریں خنک پانی نہیں اس سے سوا دیکھا
کلیم و فانی و قدسی غنی کی بھی زیارت کی — شکستہ حال زین العابدیں کا مقبرا دیکھا
نہیں دنیا میں صحت گہ کوئی گلمرگ سے بہتر — ہر اک چپۂ زمیں کا لالہ و گل سے بھرا دیکھا
یہ رنگا رنگ پھولوں کی نظر آئی وہاں کثرت — ہر اک میداں ہر اک ٹیلہ پہ اک قالین بچھا دیکھا
سُنا ہے میں نے اک سیاح یورپ کو بھی یہ کہتے — مقام اُس نے نہ دنیا بھر میں ایسا خوشنما دیکھا
لب دریا محلات شہی سر بر فلک دیکھے — دیا اور دھرم میں اُنکے پتی کو دیوتا دیکھا
فقیروں کا وہ ہے والی اور خالق کا شیدائی — غریبوں کا ہر آن داتا رعیت کا پتا دیکھا
نہ پایا دوسرا ایسا کوئی عابد کوئی زاہد — فلک نے مشعل خورشید لیکر جا بجا دیکھا

ہوا کشمیر میں داخل تو بارہ مولہ میں میں نے
سفیداروں کی پلٹن کو سرِ رہ پر جما دیکھا

ہرے کوٹ اور پتلونیں سفید انکی یہ وردی تھی
برابر تھے کوئی اُن میں نہ چھوٹا اور بڑا دیکھا

اثر منظر کا کیا دل پہ ہوا کچھ کہہ نہیں سکتا
سماں میری نہ آنکھوں نے کبھی پہلے بھلا دیکھا

پہاڑوں میں یہ میدانِ وسیع اللہ کی قدرت
اور اُس میدان کو بھی ہر سو پہاڑوں سے گھرا دیکھا

ہری پربت کی چوٹی پر نمایاں قلعہ اکبر کا
ذرا نیچے محل دارا شکوہ کے پیر کا دیکھا

میانِ شہر میں بہتا بہت (یا جہلم) کراو گھاٹوں پر ق
پری رویانِ باعصمت کا ہر جا جمگھٹا دیکھا

یہاں پانی کی سڑکیں اور سب یہیں کی کشتیاں تھیں
بجائے کوچواں کے جن پہ بیٹھا ناخدا دیکھا

نئی وضع کے پل دیکھے کدل کہتے تھے یاں جنکو
ہوئے بوٹوں سے دریا کے کناروں کو سجا دیکھا

کلس رنگین بھی اونچا دمدماں کے نہیں تھے یہ
محافظ دو فرشتوں کو کھڑا زیرِ سما دیکھا

پرستاں کا تماشا دیکھئے کہ شہر کے اوپر
اک اونچی جائے پر تختِ سلیماں کو بچھا دیکھا

ہیں حسن و رنگ میں مشہورِ عالم یاں کے باشندے
لباس اُن کا مگر میں نے بہت ہی بدنما دیکھا

نہ آرائش نہ زیبائش نہ پردہ اور حفاظت کچھ
نہیں معلوم کیا وضع نے اس میں فائدہ دیکھا

سوا اِن ڈھیلے کرتے کے گلے سے لیکے ٹخنے تک
بجز رومال سر کے اور نہ کوئی پارچہ دیکھا

رواں گھر گھر میں ہے پانی مگر دھوتے ہیں کم کپڑے
ہزاروں میں کسی اک کے نہ کپڑوں کو صفا دیکھا

ذہانت اور صنعت اور اطاعت میں ہیں لاثانی
جب آپس میں جھگڑتے ہیں تو ضدی بھی بڑا دیکھا

ہر اک جا پہ ہے اک تیرتھ ہر اک جانب ہیں یاترتیں
بہت خوش عقیدہ اُنکو بہت ہی باخدا دیکھا

دعائیں اور پوجا آتی ہیں تقلید کے قابل
اثر باقی نہ مسجد سے مگر ہم نے ذرا دیکھا

بہت سی مسجدیں دیکھی تھیں ہر طرزِ عمارت کی
یہاں کی مسجدِ جامع کا نقشہ ہی جدا دیکھا

کلس اس کا طلائی خوبصورت اور بلند ایسا
اٹھا کر آنکھ جب دیکھا تو پگڑی کو گرا دیکھا

ستوں لکڑی کے اس کے بیس گز تک میں بلندی میں
سیہ پتھر کا منبر اس میں نہایت خوشنما دیکھا

نہیں سایہ کسی مسجد میں ہوگا اتنا دنیا میں
مگر اس پہ بھی صحن اس کا نہایت ہی کھلا دیکھا

جو اُنکے دل پر ہوا اُسے ذیل کی نظم میں ظاہر کیا ہے۔ گو یہ نظم اور اخبارات میں بھی تھوڑی سی چھپ چکی ہے۔ لیکن صحیح نہیں چھپی۔ اب پیرزادہ صاحب اسے نظرِ ثانی فرما کر مخزن میں درج کرنے کے لئے ارسال فرماتے ہیں:۔

یہ سچ کہتے ہیں جس نے کاشمیرِ پرفضا دیکھا   تو گویا اس جہاں میں گلشنِ جنت نما دیکھا
کریگا کوئی کیا تعریف اس کی بڑھ کے عرفی سے   کہ جس نے یاں کبابِ مرغ کو اڑتا ہوا دیکھا
سُنا کرتا تھا کانوں سے ہمیشہ اسکی تعریفیں   عنایت سے مہاراجہ کی اب آنکھوں سے آ دیکھا
کرونگا ذکر میں ہرگز نہ کچھ رستہ کی کلفت کا   بغیر از رنج تن کس نے خوشی کے دن کو وا دیکھا
کبھی دیکھا کہ تانگہ آسماں سے باتیں کرتا ہے   کبھی پاتال کی جانب اُسے جاتا ہوا دیکھا
نہ پوچھو میری کیا حالت تھی اُس دم لگی ڈر کر جسے   اگر تانگہ کوئی ٹوٹا ہوا کھڈ میں پڑا دیکھا
مگر سب خوف و دہشت کو معاً ہی بھول جاتا تھا   کہیں گرتا ہوا پانی اگر سیماب سا دیکھا
پہاڑی پر مری کے ہیں سڑک کے پیچ وہ دیکھے   کہ گویا گردِ طوبیٰ کے سفید اک اژدہا دیکھا
بدلتے روپ جہلم کو بہت دیکھا سڑک پر سے   کہیں تالاب سا چوڑا کہیں اک ریجہا دیکھا
کبھی اس کے دہن میں جھاگ دیکھے مثلِ مستوں کے   کبھی چلتا ہوا خاموش مثلِ پارسا دیکھا
پہاڑوں کا عجب عالم نئی حالت ہر اک کی تھی   کوئی لیٹا ہوا بیٹھا کوئی۔ کوئی کھڑا دیکھا
کوئی عریان مادر زاد ناگوں کی طرح بالکل   جٹا دھاری کوئی پتوں سے از سر تا پا دیکھا
کسی کے تن پہ تھی سبز و سیہ مخمل کی بھی ساتی   کوئی سر پر لپیٹے برف کی چیٹی ردا دیکھا
بہاتا تھا کوئی اشکِ ندامت خوفِ خالق سے   کسی کو مثلِ شیطاں عجب سے سر در ہوا دیکھا
علاوہ ایک معمولی سرائے کے جو ہوتی ہے   ہر اک منزل پہ طیار اک محل خوشنما دیکھا
مہیا ڈاک بنگلوں میں ہر اک سامان رہتا ہے   ادھر طیار دیکھی برف اُدھر گرم آب جا دیکھا
کہیں رسّی کا پل دیکھا کہیں پل دیکھا لوہے کا   کہیں سنگیں کہیں لکڑی کے گنبدوں کا بنا دیکھا
نہیں رکھی ہے باقی کسر کوئی بھی ریاست نے   کسی نے پائی گر تکلیف قسمت کا لکھا دیکھا

کارم افتاد بہ آں بادشہِ کشورِ حسن — دست رد بر حشم قیصر و خاقاں زدہ ام
آں نگارِ عجمی چہرہ برافشاں افروخت — کہ آتش آمدم و در خرمنِ ایماں زدہ ام
جامۂ زہد چو بر قامتِ من راست نبود — شیشۂ تقوی سی سالہ بسنداں زدہ ام
آں شد اے دوست کہ آراستمے پیکرِ فن — نقشِ زیبا صنمے بر ورقِ جاں زدہ ام
آں شد اے دوست کہ در زمزمہ بہمنی نام — کردم از صحبتِ ترکانِ غزل خواں زدہ ام
ہاں وہاں دست بداید زمن اے احباب — کہ بدستِ صنمے دست بہ پیماں زدہ ام
ہر یک از فتنہ گرانِ عرب و ہند و عراق — یم حسن ست و من از دل زدہ طوفاں زدہ ام
کس چہ داند کہ خلوت گہ آں ماہِ تمام — زدہ ام ساغر و بر یادِ حریفاں زدہ ام
جائے آنست کہ گلشن دمد از کنجِ لبم — بوسہ ہا بسکہ بر آں عارضِ خنداں زدہ ام
صد چمن لالہ و گل چو شدم از جیب و بغل — قرعۂ فال ہم آغوشیِ جاناں زدہ ام
صد دکاں لعل و گہر چیدہ ام از گفتارش — طعنہ بر سرو سامانیِ عماں زدہ ام
بوسہ ہا بر لبِ نوشیں زدہ ام از پے ہم — طوطی گرسنہ ام بر شکرستاں زدہ ام
تا دگر آں بتِ خود کام ز یادم نہ برد — گرہے چند در آں زلفِ پریشاں زدہ ام
سالہا گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود — زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گرداں زدہ ام
پے تواں برد کہ ایں زمزمہ بے چیزے نیست — شبلی ایں تازہ نواہا نہ چو مستاں زدہ ام

خطۂ بے نظیر کشمیر

ہمارے کرم خانصاحب پیرزادہ محمد حسین صاحب ایم-اے حال میں بعہدۂ جج ریاست کشمیر میں مامور ہو کر تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں کے حالات اور مناظر کا اثر

مناظرِ بمبئی

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سلمہٗ نے عرصہ دراز کے بعد دادِ تغزل دی ہے۔ اہلِ ہند کے لئے اور وُہ بھی اس زمانے میں فارسی میں شعر کہنا کارے دارد مگر مولانا شبلی کا بلبلِ طبع جب نغمہ پیرا ہوتا ہے تو بلبلانِ شیراز کی زمزمہ سنجی یاد آتی ہے۔

اس غزل کا مستانہ لہجہ اور بیخودانہ انداز ہمارے اس خیال کی تصدیق کریگا۔ ہم عموماً فارسی کلام مخزن میں شائع نہیں کرتے مگر اس غزل کو مسرت کے ساتھ درج کرتے ہیں تاکہ اہلِ ذوقِ سخن ذرا اس قندِ پارسی کی چاشنی بھی چکھیں۔

گردم اندر حدِ شیراز و صفاہاں زدہ ام — شرم بادم کہ نواہائے پریشاں زدہ ام
بمبئی بود مرا منزلِ مقصود و عبث — پیش ازیں گامِ طلب در رہِ حرماں زدہ ام
ساغرِ زندگیم (حیف) کہ جز دُردِ ندا شت — جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بہ پایاں زدہ ام
اندکے نیز بہ کامِ دلِ خود بیں باشم — روزگارے چو دم از دانش و عرفاں زدہ ام
چند در پردہ تواں کرد سخن؟ فاش بگوئے — سنگ بر شیشۂ تقوی زدہ ام ہاں زدہ ام
داستاں گردم ازیں بیش کہ باایں ہمہ صبح — با بتاں جامِ طرب بانے و دستاں زدہ ام
ساغرے چند بہ یادِ رخِ رنگیں خوردم — قدحے چند در آغوشِ گلستاں زدہ ام
مے دریں جا نتواں خورد نہانی زیں پس — فاش گویم ہم ازاں بادہ کہ پنہاں زدہ ام
تا ازیں ہر دو بہ جاں کہ خطر خواہد بود — دوش در میکدہ پیمانہ بہ پیماں زدہ ام
از پریشانیٔ ایام میندیش کہ من — دست در حلقۂ آں زلفِ پریشاں زدہ ام

ہم نے پہلے لکھا ہو کر جامع مسجد کے پیچھے بڑا جھنگڑ تھانہ تھا اب اس کے آگے اس دروازہ کی سیڑھیوں کی شمالی جانب میں قمارخانہ بھی تھا جس میں برملا شہدے جوا کھیلا کرتے تھے۔ اور کمبختین کے پوچکے کا غل مچایا کرتے تھے۔ اور گالیاں وہ بکتے تھے جو کوئی اور نہیں بکتا۔ جوئے کے لئے چوری لازمی ہے مگر یہ شہدے جواری تھے چور نہیں ہوتے تھے۔ ان کا جوا بھی کچھ ٹکوں کا ہوتا تھا۔

غدر کے بعد مشرقی دروازہ کے چوک اور سیڑھیوں اور ان کے آس پاس کے بہت سے سیر تماشے مٹ مٹا گئے ہیں۔ اب صرف برائے نام شام کو چوک لگتا ہے کچھ کبوتر اور بعض اور پرند بکنے آتے ہیں دو چار سودے والے آن بیٹھتے ہیں۔ تھوڑے سے آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ سیڑھیاں بہت سی خالی پڑی رہتی ہیں۔ کبوتروں کی قیمت پہلے کی نسبت بہت بڑھ گئی ہے۔ بہت سی قسم کے کبوتر جو پہلے بکتے تھے وہ نہیں دکھائی دیتے۔

خلاصہ

جامع مسجد کی شمالی اور مشرقی جانبوں کی سیر و تماشوں کا بہت سا حصہ مغربی و جنوبی رستوں میں منتقل ہو گیا ہے ✦

(باقی دارد)

اُمُّ التّواریخ (مصنفہ منشی حسین علی صاحب فرحت دہلوی مرحوم)۔ اس کتاب کو مصنف نے نہایت محنت اور دماغ سوزی سے تصنیف کر کے فنِ تاریخ گوئی کو بہت آسان کر دیا ہے اب ہر شخص اس کے مطالعہ سے حسبِ ضرورت ہر قسم کی تاریخ کہہ سکتا ہے۔ یہ نادر اور قابلِ قدر کتاب بقیمت عہ منشی محبوب علی صاحب جودت مینیجر مطبع قاسمی شہر میرٹھ سے مل سکتی ہے۔ حجم ۴۴۴ صفحہ۔ بڑی تقطیع۔

اور دیگر مویشی اور چوپائے بکتے تھے۔ چابک سوار اپنا یہ کمال دکھاتے تھے کہ ٹرّے سے شریر گھوڑے کو بھنگ پلا کے گائے بنا دیتے تھے اور خریدار غریب اُسکو خرید لیتے تھے۔ مریل ٹٹوؤں اور گھوڑوں کو اپنے ران کی پٹڑی تلے ایسا دابتے تھے کہ وُہ دَوڑنے لگتے تھے اور خریدار انکو تیز رفتار سمجھ کر مول لے لیتے تھے۔ گھوڑے کے سارے عیبوں کو یہانتک کہ کانی آنکھ کو چھپا کر بے عیب دکھا دیتے۔ جو عیب دار گھوڑا ٹٹو کہیں نہیں بکتا تھا وہ یہاں چابک سواروں کی چالاکی اور دھوکہ بازی سے بک جاتا تھا۔ انکو خریداروں کی آنکھوں پر اندھیاری باندھنی خوب آتی تھی۔ یہ چوک و سیڑھیوں کی سیریں ان کے گرد کے چبوتروں کی سیروں کے آگے گرد تھیں۔ تینوں طرف کے چبوتروں پر کپڑے کی گدڑی لگتی تھی۔ مسجد کی دیواروں کے متصل مٹی کی کچی چبوتریاں بنی ہوئی تھیں۔ دیواروں میں لوہے کی میخیں گڑی ہوئی ہوتی تھیں۔ سہ پہر کو چبوتریوں پر برابر بچھونا بچھا کے کپڑوں کی گٹھریاں رکھتے تھے اور میخوں میں الگنیاں ڈال کے طرح طرح کے کپڑوں کے تھان لٹکاتے تھے اور ایک گلزار کی بہار دکھاتے تھے۔ پھر ان کے آگے اور برابر کی قطاریں گٹھڑیاں لیکر بیٹھتی تھیں۔ جو بیش قیمت کپڑے بیچتے تھے وہ اوپر اور جو کم قیمت کے کپڑے بیچتے وہ اُنسے نیچے بیٹھتے تھے۔ اِس طرح یہ قطاریں قرینہ اور ترتیب سے لگتی تھیں۔ گاڑھا دھوتر بیچنے والے سب سے اخیر میں بیٹھتے تھے۔ خریداروں کا کم ہجوم ہوتا تھا۔ بزازوں پر روپیہ کا مینہ برستا تھا۔ اُس زمانہ میں جو کپڑے اس گدڑی میں بکتے اب انکے نام بھی سننے میں نہیں آتے جیسے چاندمارا۔ بلبل چشم۔ طاؤس گردن۔ تن سکھ۔ سری صاف۔ تافتہ بافتہ اور صدہا قسم کے کپڑے اور چھینٹیں اور چھپے ہوئے انگوچھے اور لنگوٹیاں۔ ساڑھیاں۔ لحاف توشک۔

یہ چوک کبوتروں کے گردان ہونے کی امتحان کی جگہ تھی۔ کبوتر باز اپنے گھر سے کبوتر پنجروں میں لا لا کر اس چوک میں اُڑاتے اور رمزیں دیتے اور گھر جا کر دیکھتے کہ کتنے ان میں گھر پہنچے ہیں اور کتنے نہیں۔ جو گھر پہنچ جاتے انکو جانتے کہ یہ ہمارے بڑے گردان کبوتر ہیں انکو نیچ ڈالتے اور بھی اپنے گھر آجاتے تھے۔ یہ بھی ایک پیشہ روٹی کمانے کا تھا۔

ان سطروں کے چوک پر تو کبوتروں کی یہ سیریں رہتی تھیں۔ اور اوپر کی چند سیڑھیوں کا یہ حال تھا کہ ان پر کھانے پینے کے سودا بیچنے والوں کا بازار لگتا تھا۔ جاڑے میں لسی و دودھ و ملائی و شربت کی برف کی قفلیوں اور کوزوں کے بھرے ہوئے برتنوں کے برتن خالی ہو جاتے۔ پہلے شہر میں کل کی برف نہیں بنتی تھی۔ شام کے وقت یہ برف کی قفلیاں اور کوزے بکا کرتے تھے۔ سونٹھ و زیرہ کا پانی اور اس کے ساتھ بتاشے و سموسے رو پیہ جندوں کے بکتے تھے۔ گنجڑوں کے ترکاریوں سے بھرے ہوئے چھبے و ٹوکرے اور حلوائیوں کے خوانچے خالی ہو جاتے تھے۔ چڑیا کے کباب بیچنے والوں کی سیخوں کے بکنے کا تو کچھ حساب نہ تھا۔ ایک طرف سیڑھیوں پر کتاب فروشوں اور پُرانے ہتھیار بیچنے والوں کی دکانیں لگتیں۔ قلمی کتابیں اور خوشنویسوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات اور باوا آدم کے وقت کے ہتھیار خوب بکتے۔ ایک طرف خالی پنجرے اور لال پڑریاں طوطا مینا بیٹی بندھے ہوئے گلدم و بیئے بکتے ان سیڑھیوں پر چٹھی ڈالنے کا جوا بھی کھیلا جاتا تھا یعنی لوہڑی ہوتی تھی۔ دو چار منشی شطرنج بچھا کے دوستی کی ہنڈیاں لیکے بیٹھتے جواری اُنکے گرد جمع ہوتے اور چٹھیاں ڈالتے۔

سیڑھیوں پر یہ سیریں تھیں اُنکے نیچے اَور ہی سیر تھی۔ کہ وہ اگر ٹٹو اور گھوڑے

قسمیں بھی ہیں۔ یہاں اُن میں تیس چالیس مزید ہوتے پنجروں میں اُنکی رنگ برنگ
کی صورتیں آنکھوں کو بڑی پیاری اور اُنکی غٹرغوں کی آوازیں کانوں کو بہت بھلی
معلوم ہوتیں۔ سارا چوک آدمیوں سے ایسا بھرا ہوتا کہ تل رکھنے کو جگہ نہ ملتی۔
دروازے کے متصل کے ایک طاقچہ میں بڑا عبرت ناک نظارہ تھا
کہ ایک نہایت کریہ منظر نکمی عورت گڑا گودڑ میں لپٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ لڑکے اس کو
چھیڑتے تھے وہ انکو بھوگ سناتی تھی۔ بھلے مانس ترس کھاکر اور بزرگ سمجھکر
اسکو پیسے دیتے تھے وہ انکو دعائیں دیتی تھیں۔ اس کے جواب کے دوسرے
طاقچہ میں شاہزادگانِ والاتبار مکلف فرش بچھائے ہوئے اور آگے جھنڈا لگائے
ہوئے رونق افروز ہوتے اور خمیرے کے خوشبودار دھوئیں منہہ سے نکال کر سارے
چوک کو معطر کرتے۔ کبوتر باز بڑی چوٹی کے کبوتروں کو پنجروں میں ان کے روبرو
لے جاتے اور ان گانٹھ کے پورے آنکھوں کے اندھوں سے اپنی خاطرخواہ قیمت
لے لیتے۔ چوک میں سب سے زیادہ عجیب و غریب تماشا ایک اندھا کبوتر باز دکھاتا
کہ قوتِ باصرہ کا کام قوتِ لامسہ سے لیتا۔ خریداروں کو جو کبوتر وہ مانگتے اس کو اپنے
پنجرے میں سے ٹٹول کر نکال دیتا۔ اور اگر وہ ہنسی سے اس کے کبوتر کو بدل کر
واپس کرتے تو وہ پہچان لیتا اور کہتا کہ مجھ اندھے سے کیوں ہنسی کرتے ہو۔ وہ
کبوتر کو ہاتھ میں لیتے ہی پہچان جاتا کہ کس قسم کا ہے۔ بعض کبوتر باز کبوتروں میں
اپنی صنعت رنگ آمیزی کی دکھلاتے تو کبوتروں کے وہ رنگ بناتے جو ان کے
قدرتی رنگ نہیں ہوتے۔ وہ کبوتروں کے بعض جگہ سے پر اکھیڑ اکھیڑ کر جس رنگ
کے پر چاہتے نکال لیتے۔ لوگ ان رنگوں کی ندرت پر فریفتہ ہوکر اور انکو اصلی
سمجھ کر بڑی قیمت دیکر مول لیتے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد جو نئے پر نکلتے اور رنگ
اُڑتے تو اپنی حماقت پر ہاتھ ملتے۔

اب یہ تماشا نہیں ہوتا۔ ایک اور تماشا یہ ہوتا تھا کہ ان مداریوں اور بھان متی کے تماشوں کو یہ سمجھا کر وہ کسی منتر اور پڑھنت کے زور سے ہوتے ہیں حماقت ہے وہ شعبدہ بازی ڈھک بندی کے کھیل ہیں۔ شام کو سیڑھیوں سے نیچے ایک خوش بیان قصہ خوان مقطع شکل ہونڈھے پر ہاتھ میں چھڑی لیکر بیٹھتے اور دلچسپ قصے کہانیاں سناتے اور نقلیں اتارتے چہرہ بناتے۔ ہاتھ نچاتے۔ غرض سننے والوں کو مسرور کر دیتے اور اپنے چار پیسے ٹھیک کر لیتے۔ غدر کے بعد قصہ خوانی کا بھی قصہ تمام ہوا اب یہ تماشا نہیں ہوتا۔

پھر رات گئی ایک اور تماشا بھی قابل دید ہوتا تھا کہ جامع مسجد والے دو بڑے کبابی تھے ایک ٹکی کے دوسرا سیخ کے کباب خوب بناتا تھا کہ بہت سے ہندو رومالوں میں پیسے باندھ کر ان کبابیوں کی دوکانوں پر پھینکتے اور کبابی رومالوں میں کباب باندھ کر اپنے لوگوں کے ہاتھ ہندوؤں کے پاس بھجوا دیتے۔ آدھی رات کو دکانیں اٹھاتے۔ دن کو اور اول شب مسلمانوں کے ہاتھ بیچتے اور بعد میں ہندوؤں کے ہاتھ۔ یہ سارے سیر و تماشے غدر کے بعد نہیں ہوتے۔ جہاں پہلے بھیڑ بھاڑ لگی رہتی تھی اب وہاں سناٹا رہتا ہے۔

مشرقی دروازہ

ہر روز سہ پہر کو جیسے رنگ برنگ کے سیر تماشے اس دروازے پر ہوتے تھے ایسے سال بھر میں شہر میں ایک دن بھی کہیں نہیں ہوتے تھے۔ دروازہ کے آگے سیڑھیوں کے چوک میں بہت کبوتر فروش کبوتروں کے پنجروں کی قطاریں اپنے آگے لگائے بیٹھے ہوتے۔ تھوڑے کبوتروں کو ہاتھوں میں لئے ہوئے کھڑے ہوتے۔ کبوتر بڑا خوشنما جانور ہے۔ ڈارون صاحب نے تو اس کی دو سو سولہ [۲۱۶]

خوب گرم بازاری رہتی ہے۔ ہر قسم کی چیز مل جاتی ہے۔ دوسری طرف جنوبی دوکانوں میں بھٹیارے وکبابی بیٹھتے ہیں جو خمیری روٹیاں اور چپاتیاں وحلیم اور طرح طرح کے کھانے وکباب وغیرہ بیچتے ہیں۔

سیڑھیوں پر بدستور ایک کونے میں مرغے مرغیاں بکتی ہیں۔ انکے اتنڈوں کی جدا دکانیں مچھلی بازار میں ہیں۔ بہر نہج اس جنوبی جانب میں پہلے کی نسبت زیادہ رونق رہتی ہے۔ گو اس کا پہلا بازار جوتے والوں کا نہیں رہا۔ مگر جوتے والوں کی دکانیں بہت لگتی ہیں۔

شمالی دروازہ

غدر سے پہلے اس شمالی دروازہ کی سیڑھیوں کے نیچے سہ پہر کو عجب سیر و تماشے رہتے تھے۔ مداریوں کے تماشے ہوتے چولہا کالی کے منتر بہت پڑھتے تھے۔ نیولے کو سانپ سے لڑاتے تھے۔ پٹاروں میں موٹے موٹے سانپ اژدہے سے دکھاتے تھے۔ منہہ سے آگ کے شعلے نکالتے تھے۔ بڑی بڑی چھریاں نگل جاتے تھے۔ لڑکے کے گلے میں چھری گھوپ کر مردہ کی شکل بنا دیتے تھے۔ جو تماشا شروع کرتے اس کے اول ایسی تمہید کرتے کہ تماشائی اس کے شوقین ہو جاتے اور پھر ان سے پیسوں کا سوال کرتے۔ جب پیسے جمع ہو جاتے تو وہ تماشا دکھاتے۔ جسے لوگ دیکھ کر خوشی کے مارے اچھل اچھل پڑتے اور ہنسی کے مارے بھڑک بھڑک جاتے۔ اب ادھر یہ مداری کا تماشا نہیں ہوتا۔ پہلے اس طرف بھان متی کے بھی تماشے ہوتے تھے جو بوڑھے کو جوان اور جوان کو بوڑھا بنا تے تھے۔ ہتھیلی پر سرسوں جماتے تھے کہ آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے ہی ہرا بھرا باغ لگا دیتے اور اچھے پھل پھول ان کو لگے دکھائی دیتے۔

ہوتی تھی چینی مرغی کا انڈا اور سب قسم کی مرغیوں کے انڈوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اگر انڈے کو اُبال لو تو بمشکل سے لچکتا ہے۔ انڈے باز فوراً چینی اور اُبلے ہوئے انڈے کو پہچان لیتے تھے اور اُن سے اپنے انڈے نہیں لڑاتے تھے۔ سبزوار کی مرغیوں کے انڈوں کے لڑانے میں وہ اپنا ہنر دکھاتے اور انڈے کو اپنی مُٹھی میں ایسی حکمت سے پکڑتے تھے کہ اس کے نِشس پر دوسرے کے انڈے کی چوٹ ایسی نہ پڑے کہ وہ لچک جائے۔ اور اپنے انڈے کی دوسرے کے انڈے پر ایسی نیشس زنی کرتے تھے کہ اسکو لچکا دیتے تھے۔ اس میں بازیاں بھی بدتے تھے جس سے یہ کھیل اور بھی زیادہ دلچسپ ہو جاتا تھا۔ انڈوں کی قطاریں اس طرح لڑائی جاتی تھیں کہ دو آدمی آمنے سامنے بیٹھتے اور بیچ میں انڈوں کی قطاریں رکھتے۔ ایک ایک انڈا اُٹھاتا جاتا تھا اور لڑاتا تھا۔ جس کا انڈا ٹوٹتا وہ رکھ دیتا اور دوسرا انڈا اُٹھا لیتا۔ اور اسی طرح انڈے لڑائے جاتے۔ جس کا انڈا آخر انڈے کو توڑتا وہ ساری قطار کو جیتتا اور ان ٹوٹے ہوئے انڈوں کو پیسے کے دو دو بیچ ڈالتا۔ مگر اب یہ نوروز کا میلا انڈے لڑانے کا سیڑھیوں پر نہیں ہوتا۔ کہ سبزوار مرغیوں کی قدر رہے۔

غدر سے پہلے تو ان سیڑھیوں کی سیر یہی تھی مگر اب اور سیر پہلے سے بہتر ہو گئی ہے کہ ان سیڑھیوں کے چبوتروں پر دونوں طرف چوبی دُکانیں خوشنما بن گئی ہیں۔ جن میں ایک طرف کی دُکانوں میں بساطی و فالودہ و چاء و لیمونیڈ و سوڈا واٹر و بسکٹ نان پاؤ و کھیر بیچنے والے اپنی دکانیں خوب سجاتے ہیں۔ اور بیچ میں سڑک چھوڑ کر سہ پہر کو گدڑی لگتی ہے۔ جس میں سب قسم کی چیزیں بکتی ہیں۔ شیشے و چینی و تانبے و مٹی کے برتنوں کی دکانوں پر بہار ہوتی ہے۔ بزازوں کی دکانیں زیادہ لگتی ہیں۔ غرض سہ پہر کو دو تین گھنٹے تک اس گدڑی میں

آتے ہیں اور تماشا دکھاتے ہیں۔ گنڈری بکتی ہے۔ بزاز و جوتے والے اور مٹھائی والے بہت بیٹھتے ہیں۔ پادریوں اور مولویوں کی منادی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔ بعض بکواسی دوا فروش بادفروشی کر کے دوائیں بیچتے ہیں۔ غرض پہلے کی نسبت یہاں خاصا میلا ہر روز شام کو ہوتا ہے۔

جنوبی دروازہ

اس دروازہ کے آگے کی سیڑھیوں پر بڑی سیر رہتی تھی۔ کم بساط بساطی نیچے کی سیڑھیوں پر اپنی دوکانوں کی بساط بچھاتے جن میں کوئی چیز بیش قیمت نہیں ہوتی تھی۔ مگر تجارت میں وہ برکت تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں یہی کم پونجی بساطی بڑے دولتمند سوداگر ہو گئے۔ سیڑھیوں کے نیچے کبابی سب طرح کے کباب پکاتے تھے۔ جن کی بو ناک کو بڑی خوشگوار معلوم دیتی تھی۔ بیچ کی سیڑھیوں کے اوپر فالودہ فروش دکانیں لگاتے اور کٹوروں میں اولوں بتاشوں و قند و کھانڈ کے سرد شیریں شربت بناتے اور اُن میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تیراتے اور خریداروں کو پلاتے جس سے انکے کلیجے ٹھنڈے ہوتے۔ حلیم بیچنے والوں کی دیگیں اور دیگچے حلیم بک کر خالی ہو جاتے۔ کھیر اور فرنی بیچنے والوں کے خوانچوں میں کوئی پیالہ نہیں بچتا تھا۔ سیڑھیوں کی جانب غرب میں مہا برہمن ہندو مُردوں کے کپڑے بیچتے تھے۔ اور جانبِ شرق و جنوب میں مُرغے مُرغیاں اصیل و ٹیشی و سبزوار چینی اور اُن کے انڈے بکتے تھے۔

نوروز کے دنوں میں جوانانِ رعنا و پیرانِ طفل مزاج ان ہی سیڑھیوں پر انڈے لڑاتے تھے۔ سبزوار کی مُرغیوں کے انڈوں کے غیش بڑے ہوتے ہیں وُہ زیادہ تر لڑائے جاتے تھے۔ ان انڈوں ہی کے سبب سے سبزوار مرغیوں کی بڑی قدر

دہلی کے مساجد و معابد کی سرگذشت

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

(۳)

جامع مسجد کے چاروں طرف کے روزانہ سیر تماشے جو غدر سے پہلے تھے اور اب نہیں۔

عقب مسجد میں یہی صبح و شام تماشا رہتا تھا کہ ان دونوں کی دو کانوں کے آگے بہت سے چرسی بھنگڑ جمع ہوتے تھے اور کونڈیوں میں سونٹوں سے خوب بھنگیں گھوٹتے اور بھنگ کے قدح کے قدح چڑھاتے تھے۔ گانجے اور چرس کو چلموں میں بھر کر دم لگواتے تھے کہ ساری ہوا اس کی بدبو سے بھر جاتی تھی۔ پھر نشہ میں گپیں اڑاتے۔ سارے شہر میں اس بھنگڑ خانے سے کوئی اور بڑا بھنگڑ خانہ نہ تھا۔ اس کی گپیں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں وہ ساری شہر میں نقلِ محفل ہوتی تھیں۔ شام کو ایک شخص لنگوٹی باندھے تھیلیا میں سے کالا ناگ نکال کر کھلاڑیاں کرتا اور تماشائیوں کو اپنی بہادری دکھاتا کہ جس جانور کے پاس آنے سے تمہارا دم نکلتا ہے میں اس کو جو ناچ نچانا چاہتا ہوں نچاتا ہوں۔

اس بھنگڑ خانے کے آگے چوراہ میں سید کا تھان تھا جس پر جمعرات کو چھڑ کاؤ ہوتا۔ گھی کے چراغ جلتے۔ صدقے رکھے جاتے۔ غدر کے بعد نہ بھنگڑ خانے نہ یہ سید کا تھان۔ مگر اب مداری کا تماشا ہر روز ہوتا ہے اور تماشا کرنے والے

اور باقی دو دولت خاندان علمیت وغیرہ کے۔ کوئی عقلمند شادی کرتے وقت صرف خوبصورتی کا دلدادہ نہیں ہونیکا۔ خوبصورتی چاہے کتنی ہی دلکش ہو اس کا اثر امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہوتا جاتا ہے۔ ؎

طینتِ پاک و خُلقِ شائستہ
حُسن یہ بے زوال ہوتے ہیں

لڑکیوں کو جالیاں کاڑھنی خوب آتی ہیں۔ کیا اچھا ہو اگر وہ ساتھ کے ساتھ پنجرے بنانا بھی سیکھ لیا کریں۔ مرد بہت جلد عورتوں کے جیسے جالے میں آ جاتے ہیں مگر اُن کو مقید رکھنا اُنکو قید میں رکھنا ذرا مشکل ہے۔ اگر کوئی بی بی اپنے گھر کو ایسا صاف ستھرا اور ہشاش بشاش نہیں رکھ سکتی کہ اُس کا خاوند باہر کے کام کاج سے تھک کر اُس میں پناہ لے تو خدا رحم کرے اُس خاوند پر۔ وہ حقیقت میں بے گھر اور بے در ہے۔

آثار اکبری یعنی تاریخ فتح پور حال میں جناب محمد سعید احمد صاحب مہروی اہلمد کچہری کلکٹری آگرہ نے تالیف فرما کر مطبع اکبری آگرہ سے شائع کی ہے۔ فتح پور سیکری ایک نہایت مشہور تاریخی مقام ہے اور وہاں کی دلچسپ حالات اس سے پیشتر ایسی شرح و بسط کے ساتھ قلمبند نہیں ہوتے تھے۔ اور اسمیں نہ صرف فتح پور کے ہی تاریخی حالات درج ہیں بلکہ قرب و جوار کے دیگر تاریخی اور مشہور روایات اور شاہی عمارات کے حالات درج ہیں۔ ایک ضمیمہ میں حضرت شیخ سلیم چشتی اور اُن کے خاندان کے دیگر اُمرا کے حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔ غرض کتاب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ ہر چیز قابلِ تعریف ہے۔ تقطیع ۲۶×۲۰ حجم ۲۱۸ صفحے۔ قیمت دو روپے (عہ)۔

مؤلف سے مل سکتی ہے۔

اور اُس کا جزولاینفک ۔ قدرت کا منشا ہی یہ ہے کہ ہر ایک انسانی جوڑا ماسوائے مستغنی ہوکر ایک دوسرے کا محتاج ایک دوسرے کا شریک ایک دوسرے کا ہروقت کا رفیق و غمگسار بنکر رہے ۔

تاہل ایک جنجال اور بکھیڑا سہی ۔ مگر اس کا نہ ہونا اس سے زیادہ جنجال اور بکھیڑا ہے ۔ ویران ہے وہ گھر جس میں گھروالی کی راحت فزا موجودگی اور بچوں کی لبھانے والی چہل پہل نہیں ۔ غیر متاہل زندگی خصائل پر کبھی اچھا اثر نہیں ڈالتی ۔ غیر متاہل شخص ہمیشہ چڑچڑا اکھل کھُرا مغرور اور خودپسند کاہل اور علیل ہوتا ہے آدمی کی خصلت کا امتحان اس سے بہتر اَور کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ اُس کو خانہ داری کی حیثیت میں دیکھا جائے ۔ صداقت محبت ہمدردی مواسات مردانگی اور راستبازی کا ثبوت جیسا گھر میں ملتا ہے اَور کہیں کم مل سکتا ہے ۔ یہ سب باتیں اگر گھر میں نہیں تو گھر نہیں ۔ کوئی اَور چیز ۔

گھر عورت کی بادشاہت عورت کی ریاست عورت کی دنیا ہے جس میں وہ محبت مہربانی اور نیکدلی کے ساتھ حکومت کرتی ہے ۔ اچھی گھروالی مصیبت کا سہارا اور اندھیرے کا اُجالا ہوتی ہے ۔ چاہتی بی بی جوانی کی راحت و زینت اور ضعیفی کی وفادار رفیق ہوتی ہے ۔ کتنا خوش قسمت ہو وہ شخص جس کے سارے فکر گھر میں داخل ہوتے ہی رفوچکر ہوجاتے ہیں ۔ لوتھر نے کیا خوب کہا ہے :۔ سب سے بڑی نعمت جو انسان کو حاصل ہوسکتی ہے یہ ہے کہ اُسے نیک اور پارسا بی بی میسر ہو جس کے ساتھ وُہ امن اور چین میں زندگی بسر کرے اور جس کے لئے وہ مال تو کیا جان تک دریغ نہ کرے ۔

بزرشناعر نے عورت کی خوبیوں کو دس حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ ان حصوں میں سے چار حصے مزاج کے ہیں ۔ دو عقل و تمیز کے ایک خوش طبعی کا ۔ ایک خوبصورتی کا

تیرے دم سے قائم ہوا نظمِ عالم زہے شان، کانِ ہنر بن گئی تو
تری ہر ادا لذّتِ بے نہایت حلاوت میں قند و شکر بن گئی تو
مسخر کیا جس کو دیکھا نظر بھر لُبھانے میں جادو اثر بن گئی تو
مصیبت میں ثابت ہوئی رحمتِ حق تکالیف سے بے خبر بن گئی تو
ترے باعث آسان ہوئی زندگانی محبت کا اُلفت کا گھر بن گئی تو

زن و شوہر کے تعلقاتِ محبت خصوصاً موجودہ معاشرت میں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو ایک فاش غلطی ہے۔ مرد کی زندگی میں محبت چاہے ایک تھوڑی دیر کا واقعہ ہو۔ عورت پر ایک دفعہ محبت کا وہ اثر ہوتا ہے کہ عمر بھر زائل نہیں ہوتا۔ زوف ہے اُس تعلقِ زناشوئی پر جس میں محبت و اُلفت نہیں محبت ایک پاک اور اعلیٰ اور بیغرضانہ جذبہ ہے۔ محبت مایۂ زندگی ہے اور رُوحِ انسانی کے لئے باعثِ راحت و مسرت۔ محبت شباب کی زینت ہے اور ضعیفی کی رونق۔ محبت کا اثر صاحبِ محبت کے دل پر ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔ ایثارِ نفس اس کا ایک معمولی نتیجہ ہے اور نرم دلی۔ ہمدردی اور اعتماد اسکی جلو میں چلتے ہیں۔ محبت اُمنگوں کو بڑھاتی ہے اور قلب کو وسعت دیتی ہے۔ فی الحقیقت کوئی مرد مرد اور کوئی عورت عورت نہیں جب تک وُہ محبت سے واقف نہ ہو۔ ہر محبت کی بنیاد محبوب کی خوبیوں پر ہوتی ہے جنکو دیکھ کر محبوب کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ زن و شو کی محبت اِس کلیہ سے باہر نہیں۔ یُوں تو دوست و احباب عزیز و اقارب کی محبت بھی محبت ہوتی ہے۔ مگر زن و شو کی محبت کو ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکتی۔ مردوں کو مردوں کے ساتھ لاکھ محبت ہو۔ اُنکو وہ دلسوزی اور ہمدردی بآسانی و بکثرت ہر لمحہ و ہر لحظہ ہرگز نہیں میسر آسکتی جو عورت سے ممکن ہے۔ اور ممکن کیونکر۔ عورت فطرۃً وجودِ انسانی کا حصّۂ نصف ہے۔

اس کو تعلیم صرف اتنی ہی دی جاتی ہے کہ وہ مرد کا دل خوش کرنے کے قابل ہو جائے نہ یہ کہ وہ ایک خوددار عقلمند بیوی یا ماں یا دوست بنکر رہے - اس میں طاقت و قوت کا ہونا ایک عیب ہو کیونکہ اس سے اس کی خوبصورتی میں فرق آتا ہے - اس کا سنگار اس کی آرائش سب اس لئے ہے کہ مردوں کے دل اس کی جانب کھچیں - اس کے ہر قول و فعل اس کی کل حرکات و سکنات کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اس کی طرف سے خیال پیدا ہو - نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ عورت محض مرد کے ہاتھ کا کھلونا ہو جاتی ہے اور اس میں وہ عادات و خصائل پیدا نہیں ہوتے جو اس کی آفرینش کی غایت ہیں - نہایت ضروری ہے کہ عورت کو وہ اعلیٰ تعلیم و تربیت دیجائے جو مرد کو دی جا سکتی ہے - تاکہ نیک خصائل خودداری اور ضبط نفسی کی خوبیاں اس میں جلوہ دکھائیں - اس کو بلا استثنا وہ تمام تمدنی حقوق دیئے جائیں جو مرد کو حاصل ہیں - ورنہ معاشرت کا یہ عضو نفیس معطل رہ کر ضعیف ہو جائیگا - اور پھر جزو کا ضعف کل کا ضعف ثابت ہوگا - عفت و عصمت کے بچاؤ میں طرح طرح کے عجیب و غریب مضر دستور ایجاد کرنا اور اُن کی پابندی کی سختی کے ساتھ رکھنا ایک مغالطہ ہے اور نہایت بزرگ مغالطہ -

حسن و جمال کے علاوہ جو عورت کی خاص خوبی ہے عورت میں اور بہت سی خوبیاں ہیں - عورت کل بنی آدم کی ماں ہے - عورت باہر کی زینت اور گھر کی رونق ہے - عورت رحمدل نرم مزاج صابر شاکر ہے - عورت کی محبت - عورت کی آس - عورت کا بھروسا وہ چیزیں ہیں جو شکستہ دل کو زندہ دل غمگین کو شگفتہ اور مصیبت زدہ کو فارغ البال بنا دیتی ہیں - کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

تماشائے اہلِ نظر بن گئی تو ۔۔۔ خدا ہیں نگاہوں کا گھر بن گئی تو
نہ تھی اس جہاں میں تو تھی حورِ جنت ۔۔۔ زمیں پر اُتر کر بشر بن گئی تو

عورت

مرد اور عورت کا ساتھ دُنیا میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں کے کام، دونوں کے فرائض جُدا جُدا ہیں مگر پھر دونوں ایسے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا بیکار رہ جاتا ہے۔ دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن میں سے ایک اگر جاتا رہے تو دوسرا کسی مصرف کا نہیں رہتا۔ قدرت نے جہاں دونوں کے فرائض علیحدہ علیحدہ مقرر کئے ہیں خصائل بھی انکو کسی قدر مختلف عطا فرماتے ہیں۔ مرد کو زیادہ قوی اور درشت مزاج بنایا تو عورت میں خوبصورتی اور نرم مزاجی کو جزو اعظم ٹھہرایا۔ مرد کو زندگی کی جنگ کے لیے منتخب کیا تو عورت کو گھر کا کام کاج سپرد کیا۔ ایک کو دوسرے سے وابستہ کرنے کے لیے اس کو اس کا محتاج کیا اور اس طرح سے ہر ایک ناقص کو ایک دوسرے کا تکملہ ٹھہرا کر کامل بنایا۔ قوائے دماغی مرد اور عورت میں فطرتاً مساوی ہیں عورت کے موجودہ دماغ کا مردوں کے دماغ سے موازنہ و مقابلہ کرکے یہ استدلال کرنا کہ عورت ناقص العقل ہے۔ نادرست ہے۔ کیونکہ اول تو قرنہا قرن سے مردوں کو ترقی و تربیت کا فائدہ پہنچتا رہا ہے اور عورتوں کا دماغ قریب قریب بالکل معطّل رہا ہے۔ دوسرے باوجود اس کمی کے بھی عورت میں بروئے مشاہدہ ایسی عقل دیکھی جاتی ہے جو اکثر مردوں میں نہیں ہوتی اور یہ تو ایک عام بات ہے کہ بچپن میں لڑکی لڑکے سے زیادہ ذہین ہوتی ہے۔

عورت کی نسبت یہ خیال قدیم سے چلا آیا ہے کہ وہ جسمانی اور دماغی لحاظ سے کمزور ہو اور مرد کی محتاج۔ اس کی خوبی یہی ہے کہ وہ کمزور اور ڈرپوک ہو اور اس میں صرف اتنی سمجھ ہو کہ جنسِ اعلیٰ یعنی مرد کی توجہات کو سمجھ سکے۔ اسی واسطے

کو یہ طولیٰ حاصل تھا۔ انکی گفتگو ہمیشہ پُر مذاق و پُر معنی ہوتی تھی اور جس مسئلہ پر گفتگو کرتی تھیں اس میں کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا کر دیتی تھیں ۔

خلوصِ قلب و عقیدت رکھنی آسان ہے۔ لیکن اس کا اظہار مشکل ہے۔ اتنا لکھنے کے بعد راقم الحروف کو اس بات کا احساس ہوتا ہے۔ کہ زیادہ لکھنا فضول ہے۔ اس کی خامہ فرسائی سے لیڈی کرزن کی عالمگیر شہرت میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس پریشان تحریر کو ختم کر کے ہند کے بے شمار باشندوں کے ساتھ ہم زبان ہو کر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مرحومہ کو غریقِ رحمت کرے ۔

محمد سعید

مولانا آزاد کے کلام کے شائق اس خبر کو سنکر خوش ہونگے کہ ان کے خلف الرشید آغا محمد ابراہیم صاحب رجسٹرار عدالتِ خفیفہ و منصفِ لاہور نے مولانا موصوف کی تصنیفات چھپوانی شروع کر دی ہیں۔ اور وہ اب شائع ہو جائینگی۔ علاوہ اُن کتب کے جو پہلے چھپ چکی ہیں۔ حسب ذیل تصنیفات اسوقت چھپ رہی ہیں:۔

۱۔ **سخندانِ فارس** (حصہ دوم) زبان فارسی کی ایک تاریخ ہے۔ جس میں زبان مذکور کی عہد بعہد کی تبدیلیاں اور مختلف مصنفین کے کلام تمثیلاً لکھے ہیں اور جا بجا رسومات ایران کا مقابلہ ہندوؤں کے زمانے کے ساتھ کیا ہے۔ یہ کتاب چھپ رہی ہے غالباً چار سو صفحہ ہونگے ۔

۲۔ **قندِ پارسی**۔ فارسی زبان میں گفتگو۔ زبانِ حال کی فارسی کا نمونہ ہے۔ اپنی صحبتوں میں اہلِ ایران جس طرح گفتگو کرتے ہیں اس کتاب میں دکھائی ہے۔ یہ مبتدیان فارسی کے لئے ایک مفید رسالہ ہے ۔

۳۔ **نصیحت کا کرن پھول**۔ لڑکیوں کے پڑھنے کے واسطے یہ آسان اُردو زبان میں ایک رسالہ ہے جس سے تعلیم نسواں کی اشاعت مقصود ہے۔ امید ہے کہ ناظرین جلد ان کتابوں سے بہرہ ور ہونگے ۔

نے تین اولادیں چھوڑی ہیں جن کے نام بمعہ سنہ پیدائش ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سنتھیا بلانش سنہ پیدائش ۱۸۹۶ء

میری آئرین ۔۔ سنہ ۱۸۹۸ء

الیگزنڈرا ۔۔ سنہ ۱۹۰۴ء

لیڈی کرزن کی ہر دلعزیزی کسی خاص طبقے یا فرقے تک محدود نہ تھی۔ بلکہ انگلستان اور ہندوستان کا ہر ایک شخص اُن کا مداح تھا اور رہے۔ لارڈ کرزن کو بعض سیاسی و ملکی معاملات نے ہندوستان کی رعایا کے ایک حصے کی نگاہوں میں معتوض بنایا لیکن اس بغض کی آنچ سے لیڈی کرزن ہمیشہ مامون رہیں۔ ہندوستان پر مرحومہ کے بعض مستقل احسانات ہیں۔ خصوصاً سند یافتہ دائیاں مہیا کرنے کی مفید تجویز نے ہند کے بے زبان طبقۂ نسواں پر ایسا احسان کیا ہے۔ جس کے لئے ہماری عورتیں انکو ہمیشہ دُعائے خیر سے یاد کرینگی۔ ناتجربہ کار۔ اَن پڑھ اور جاہل دائیوں کی بدولت بہت سی جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ اور بہت سی عورتیں اپنی صحت کو رو بیٹھی ہیں۔ ڈاکٹروں سے خاص امراض میں مشورہ کرنا ہندوستانیوں کی غیرت کے خلاف ہے اس لئے بہتری کی صرف یہی صورت ہو سکتی تھی کہ دائیوں کو تعلیم دی جاوے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے لیڈی کرزن نے نہ صرف اوروں کو اس طرف توجہ دلائی بلکہ خود بھی نہایت دریا دلی سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ سات لاکھ کی رقم جمع ہو گئی۔ جس سے ستائیس ہزار روپیہ کی سالانہ آمدنی پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ کام ایسے ہیں جو عرصۂ دراز تک یادگار رہیں گے اور جن کا ہر شخص معترف ہے۔ لیکن انکی ذاتی قابلیت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اُن سے ذاتی ملاقات کا فخر حاصل تھا۔ ایسے لوگوں کی تحریری شہادت کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انکے معلومات نہایت وسیع تھے اور علاوہ طبعی خوش خلقی کے علم مجلس میں بھی مرحومہ

کرزن اپنے اعلیٰ رتبے کو کیونکر نباہتی ہیں۔

لیڈی کرزن کے خیالات بوجہ امریکن نژاد ہونے کے جمہور سلطنت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ایسی صورت کہ ہندوستان میں وہ مرتبہ نصیب ہوا جو شاہانِ یورپ کی بیگمات کو بھی نصیب نہیں۔ اس سے لوگوں کو اور بھی شبہات پیدا تھے کہ شاید لیڈی کرزن ہند کی ملکہ بن کر نہ رہ سکیں۔ لیکن یہ شبہات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ لیڈی کرزن نے عملی طور پر دکھا دیا کہ تالیف قلوب اور نرمی حکومت تسلط کا بہترین پیرایہ ہے اور یہ انکی خلقی نیک نفسی کا ثمر ہے کہ اسوقت ان کا اور لیڈی ڈفرن کا نام ہند کی وائسرائے بیگموں میں سب سے زیادہ عزت و توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک حدتک متبرک نام خیال کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی آب وہوا اور غیر معمولی مصروفیتوں نے انکی صحت کو بہت کچھ نقصان پہنچایا چنانچہ ایک مرتبہ پہلے بھی بہت سخت علالت میں مبتلا رہ چکی تھیں۔ لیکن اس مرتبہ ہند کے اکثر لوگ انکی علالت سے آگاہ بھی نہ ہوئے تھے کہ ریوٹر نے موت کا تار بھیج کر صبر و قرار پر بجلی گرا دی۔

لیڈی کرزن کی وفات لارڈ کرزن کے لئے نہایت جانکاہ صدمہ ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ پولیٹیکل زندگی پر بھی اس کا نمایاں اثر پڑے۔ جو شغف لارڈ کرزن کو اپنی لائق خاتون سے تھا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ چنانچہ مرحومہ کی پہلی علالت کے ایام میں جب آپ بتقریب رخصت اپنے وطن میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے یہ ارادہ مصمم کر لیا تھا کہ اگر لیڈی کرزن اس جہان سے اٹھ گئیں تو میں بھی ہند کو واپس نہ جاؤنگا۔ ایسے موقعہ پر لارڈ کرزن ہم سب کی ہمدردی کے مستحق ہیں۔ لیکن ان سے بھی بڑھ کر قابلِ ہمدردی مرحومہ کے خورد سال معصوم بچے ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑے کی عمر صرف نو دس سال ہے۔ لیڈی کرزن

کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ اگر مس میری اپنے حسن ظاہری اور باطنی سے خود ہر کس و ناکس کے دل کو تسخیر نہ کر لیتیں تو اُن کے والد کی دولت کی سنہری کنجی بھی شریف گھرانوں کے دروازے وا کرنے سے قاصر رہتی لیکن اچھی چیز کا احساس فطرت نے انسان کے دل میں ودیعت کیا ہے۔ واشنگٹن کے ساکنوں نے مس میری کو ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور کوئی جلسہ یا پارٹی انکی موجودگی کے بغیر مکمل نہ سمجھی جاتی تھی ہر مجمع میں نگاہیں انکی متلاشی رہتی تھیں۔ اور اجماع عام نے "بیل آف واشنگٹن" (یعنی واشنگٹن کی نازنین" کا لقب انکو دیدیا تھا۔

اُنکے ایک ہموطن مصنف کا بیان ہے کہ میری کرزن کی اس زمانے کی فتوحات اب داستان و افسانہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور جس قدر داد انکو ملتی تھی اس کا اب مشکل سے یقین آتا ہے۔ مس میری کو حسن اتفاق سے دوست بھی ایسے ملے تھے جو ادنیٰ توجہ سے ذرے کو ہمسر آفتاب اور خاک اکسیر بنا سکتے تھے۔ انکے بڑے مربی مسز وارڈ مکالسٹر اور مسز کلیولینڈ (پریسیڈنٹ کلیولینڈ) کی زوجہ تھی۔

مس میری لائیٹر نے اپنے طبقے کی لڑکیوں کی تقلید میں کئی مرتبہ یورپ کا سفر کیا اور ایک سے زیادہ دفعہ لنڈن کی سیر کی۔ لیکن لندن کی سوسائٹی میں باقاعدہ داخلہ سفیر امریکہ کے سایۂ عاطفت میں ۱۸۹۰ء میں ہوا اور اسی قابل یادگار سال میں انکی ملاقات لارڈ کرزن سے ہوئی جو اسوقت صرف مسٹر جارج نیتھنیل کرزن تھے۔ اور شہرت کے زینے پر مضبوط قدموں سے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے اپنے حسب مذاق ساتھی کو پا لیا۔ اور چند برس میں مس میری لائیٹر مسز کرزن اور بعد میں لیڈی کرزن بن گئیں۔

پولیٹکل شہرت دونوں میاں بیوی کی منتظر تھی۔ اور جب لارڈ کرزن ہندوستان کے وائسرائے منتخب ہوئے تو طبعًا لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ دیکھا چاہئے لیڈی

تمام شہروں سے زیادہ جدید ہے۔ اور یہاں کی آب و ہوا میں وہ تمام جدید خیالات و رائے خوب پھلتے پھولتے ہیں جن کا مغرب آج قائل ہے۔ مس میری لائبٹر کی خداداد ذہانت نے وہاں کے باشندوں کی رفتار و گفتار سے اوائل عمر ہی میں وہ علمی ذوق اخذ کر لیا۔ جو مدت العمر اُن کے ساتھ رہا۔ جب سے ہوش سنبھالا اپنے آپ کو ہر قسم کے سامانِ عیش و راحت سے گھرا ہوا پایا۔ جس سے اُن کی نفاست پسند طبیعت کو انتہا درجے کا صحیح مذاق پیدا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ دولت ہمیشہ انسان کے خیالات کو ارفع بناتی ہے۔ لیکن صرف اُن لوگوں کی صورت میں جن کے گھرانے میں پُشت ہا پُشت سے دولت رہی ہو اور جو دولت کے خوگر ہو گئے ہوں۔ ورنہ تو دولت ہمیشہ غریب آدمی سے بھی زیادہ کمینے خیالات رکھتا ہے۔

مس میری لائبٹر اپنے والد کے ہاں سیاہ و سفید کی مالک تھیں۔ جب سے سمجھدار ہوئیں اپنی لیاقت و سلیقہ کی وجہ سے گھر بھر پر چھا گئیں۔

تیرہ برس کی عمر کے بعد انکے خاندان کے لوگ کچھ عرصے کے لئے شہر واشنگٹن میں بھی آ رہے تھے اور یہاں میڈم بر کے مشہور و معروف سکول میں ایک مدت تک تعلیم پاتی رہیں۔ لیکن انکی تربیت کا انحصار تمام و کمال مدرسے کی تعلیم پر ہی نہ تھا۔ انکی فطری ذہانت نے قابل اتالیقوں اور گورنسوں کی زیر نگرانی جلا پائی۔ اور اس زمانے میں بھی اپنی شائستگی و متانت۔ اپنی نستعلیق چال شُستہ گفتگو اور پسندیدہ عادات و اطوار کی وجہ سے انہیں اپنی ہم عمر اور ہم پلہ لڑکیوں پر ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔

جب مس میری تعلیم کا زمانہ ختم کر چکیں تو زندگی میں قدم رکھنے کا وقت آیا۔ اور واشنگٹن کی سوسائٹی میں میل جول شروع ہوا۔ گو ایک عرصے تک وہ واشنگٹن میں رہ چکی تھیں۔ لیکن پھر بھی اس شہر کے وضعدار اور مغرور باشندے انکو اجنبیت

خصوصاً سٹیٹ بال (جلسۂ رقص) میں ان کے شاندار حُسن نے رشکِ چمن کی بھی زبان بند کر دی۔ اور جملہ حاضرین سے اپنی فوقیت کو تسلیم کروا کے مدح و تعریف کا خراج لیا۔ پُر تکلف لباس نے خداداد حسن کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔ جیسا ان کا حُسن نادرِ زمانہ تھا ویسا ہی یہ لباس بھی نادرِ روزگار تھا۔ جو پرِ طاؤس کے نمونے پر تیار کیا گیا تھا۔ لباس کیا تھا یوں سمجھنا چاہئے کہ مشتاقانِ دید کی چشمِ انتظار کو لیکر کپڑے پر ٹانک دیا تھا۔ اور جب بجلی کی صاف سُہانی روشنی اُس پر پڑتی تھی تو عجیب و غریب کیفیت نظر آتی تھی۔ پرِ طاؤس کا ہر ایک داغ کسی کی سحر کی آنکھ کی طرح مقناطیسی قوت پیدا کر لیتا تھا۔ اور تارِ نظر کو اپنی سمت خواہ مخواہ کھینچ لیتا تھا۔

مگر آہ! وہ جلسے خواب کی مثال ہو گئے۔ اور وہ ایام افسانہ ہو گئے۔ ابھی آفتاب نے پورے چار دور بھی پورے نہ کئے تھے کہ اُس زبردست طاقت نے جسے لوگ قسمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لباسِ فاخرہ و تختِ شاہانہ کو کفن و تختۂ تابوت سے بدل دیا۔

لیڈی کرزن شکاگو کے ایک متمول سوداگر مسٹر لیوی لائٹر تانی کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ شکاگو ہی کو اُن کی پیدائش کا فخر حاصل ہوا۔ اور وہیں اُن کی زندگی کے پہلے تیرہ سال گذرے۔ اُنکا اصطباغی نام مس میری لائٹر تھا۔ مسٹر لائٹر کا خاندان بہت پرانا تھا۔ انکا مورثِ اعلیٰ جیمس وان لائٹر نامی ایک شخص تھا۔ جس نے امسٹرڈم (ہالینڈ) سے نقل مکانی کر کے سنہ ۱۶۶۰ء میں میری لینڈ میں سکونت اختیار کی تھی۔ لیڈی کرزن کا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے اُس جان کارور سے ملتا تھا جو سنہ ۱۶۲۰ء میں پلے موتھ کا گورنر تھا۔ غرضکہ مرحومہ دونوں جانب سے اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جسے ہم اپنی زبان میں یوں کہینگے کہ نجیب الطرفین تھیں۔ شہر شکاگو جہاں اُنکا عالمِ طفولیت بسر ہوا۔ امریکہ کے تمام شہروں میں بعض وجوہ سے قابلِ ذکر ہے۔ علاوہ تجارتی منڈی ہونے کے یہ شہر اپنی وضع قطع میں امریکہ کے

ہمارے دلوں میں اُن ایام کی یاد تازہ ہے۔ جب ہند کے پرانے دارالسلطنت کو دربار تاجپوشی نے لندن و پیرس کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ خصوصاً وہ مبارک دن جب لارڈ اور لیڈی کرزن شہر میں داخل ہوئے۔ اُس شخص کو کبھی نہ بھولیگا جسے خوش قسمتی سے موقعہ پر موجود ہونے کا اتفاق ہوچکا ہو۔ صبح سے لوگوں کے اشتیاق کا عجیب عالم تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس اشتیاق نے شب ہی سے خواب کے خیال کو بھی دل سے محو کر دیا تھا۔ نو بجتے بجتے مقررہ راستے کے تمام ناکے بند ہوچکے تھے۔ اور لوگ سواری کی آمد کے انتظار میں گوش برآواز بیٹھے تھے۔ متجسس نگاہیں آمد کے آثار و علامات کے لئے گھبرائی ہوئی پھرتی تھیں۔ اور گھنٹوں کے مسلسل مشاہدے کی وجہ سے صدہا چشم بھی تھک گئے تھے۔ آخر قلعہ معلےٰ پر سے توپوں کی سلامی سرہوئی اور لوگوں نے جان لیا۔ کہ جلوس ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوگیا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھل بیٹھے اور مدت کی آرزوئیں پوری کرنے کی توقع میں پیشگی مزے لینے لگے جلوس میں بہت سی باتیں قابل دید تھیں۔ لیکن اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ اکثر نگاہوں کا مرکز لارڈ اور لیڈی کرزن کا ہاتھی تھا۔ لیڈی کرزن کی زندگی کا وہ ایک نہایت اہم موقعہ تھا۔ اُسوقت وہ نورجہاں کی وراثت کی مالک تھیں۔ جس کا نام آجتک ہندوستان میں یادگار چلا آتا ہے۔ لیکن اُن کی آن بان اُنکی وضع اُن کا ہنستا ہوا چہرہ انکو اس ارفع مرتبہ کے لئے بالکل موزون ثابت کرتا تھا۔ حُسن بھی خداداد دولت ہے۔ یہ غریب کو امیر بناتی ہے اور امارت کی شان بڑھاتی ہے۔ لیڈی کرزن کی سب سے زیادہ موثر صفت شاید انکا حُسن تھا۔ جس کا چلتا ہوا جادو ہر طبقے اور ہر فرقے کے افراد پر یکساں اثر رکھتا تھا۔ محض خندہ پیشانی سے سلاموں کا جواب دینا سلطنت برطانیہ کی مشرقی رعایا کے دلوں کو وفاداری سے مملو کرنے کے لئے کافی تھا۔ جلوس کے علاوہ دربار کی دیگر دلچسپیوں کی جان اور رُوح رواں بھی لیڈی کرزن ہی تھیں

لیڈی کرزن

۱۸ - جولائی ۱۹۰۶ء بھی کیسا نامبارک دن تھا جب سمندر کے پار سے یہ خبر برقی سرعت کے ساتھ ہند تک پہنچی کہ لیڈی کرزن کا انتقال ہوگیا - کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اس بیوقت موت پر آہ سرد نہ کھینچی ہو - اور کوئی زبان ایسی نہ تھی جس پر کلماتِ افسوس جاری نہ ہوئے ہوں - غم کی رو تمام ہندوستان پر سے گذر گئی - اور وہ لوگ بھی جو اپنی دریدہ دہنی کے لئے شہرۂ آفاق ہیں - سوائے کلماتِ خیر کے اور کچھ زبان سے نہ نکال سکے - جسموں پر حکومت کرنا آسان ہے - کیونکہ اس حکومت کو قائم رکھنے کے لئے بہت سے خارجی اسباب پیدا کئے جاسکتے ہیں - لیکن دلوں پر حکومت کرنا مشکل ہے - اور درحقیقت یہی سچی حکومت ہے - نیزہ و شمشیر سے خلقِ خدا کا جان و مال تسخیر ہو سکتا ہے - لیکن تالیفِ قلوب ایسی چیز ہے جو بغیر صفاتِ پسندیدہ اور اخلاقِ حسنہ کے ممکن نہیں - جن الفاظ میں لیڈی کرزن کی وفات حسرت آیات کا ہندوستانی اخبارات نے تذکرہ کیا - وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ مرحومہ نے اپنے زمانۂ قیام میں ہند کی رعایا کے دلوں پر اپنا سکہ خوب بٹھا لیا تھا - لیکن اخباروں کی زبان سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد زبانِ خلق ہے جسے نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے -

جس کے کانوں تک یہ خبر وحشت اثر پہنچی موت کو الزام دیتا ہی سُنائی دیا اور آنجہانی کی شیریں صفات کو یاد کر کے کفِ افسوس ملتا دکھائی دیا - موت کسی کی بھی ہو بری ہے - لیکن ایسے شخص کا مرنا جس کی روشنی سے ایک زمانہ منور تھا - اور جس کی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی بدرجۂ غایت افسوسناک ہے -

جس کے پڑھنے سے آدمی اپنے فرائض سے آگاہ ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے متعلق۔ بنی نوع انسان کے متعلق اور وطن کے متعلق کیا کیا حقوق اُس پر ہیں۔ اور وُہ ذرائع دریافت ہوتے ہیں جن سے دُنیا میں امن و عافیت اور خوشی اور خرمی پھیلے۔

اے ناظرین! ذرا غور کیجئے۔ گو آپ نے اپنی دانست میں زندگی بھر میں کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ تاہم اگر آپ نے اپنے قوٰی کو اور ان قابلیتوں کو جو خدا نے آپ کو دی تھیں۔ اچھی طرح استعمال نہیں کیا۔ یا اندر چھپی رہنے دیا ہے یا آپ اُن کی ترقی سے غافل رہے ہیں۔ تو آپ خطاکار ہیں اور اس جرم کا جواب آپکو دینا پڑے گا۔ اور یہ جرم محض ایسا نہیں جس سے آپ نے دُوسروں کی حق تلفی کی ہے۔ بلکہ خود اپنی بھی حق تلفی کی ہے اور صرف اپنے تساہل اور تغافل سے ایک نادر موقعہ اپنی زندگی کو عُمدہ اور مفید اور خوش و خرم بنانے کا کھو دیا ہے۔

علم تواریخ کی اہمیت جس کی طرف مَیں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ جداگانہ بحث چاہتی ہے۔ پھر کبھی مَیں اس کے متعلق مفصل مضمون لکھ کے ثابت کرونگا۔ کہ اگر اس علم کو کماحقہٗ حاصل کیا جائے۔ تو تمام وُہ صفات جو تعلیم کا مقصود اصلی ہیں اور جن کے پیدا ہونے پر کیا افراد کیا اقوام سب کی ترقی کا مدار ہے انسان میں پیدا ہو سکتی ہیں اور انسان مختلف کمالات کا جامع بن سکتا ہے

سی۔ ڈبلیو۔ وِہش (از لندن)

اسی طرح دماغ جب دیر تک بغیر علمی غذا کے رہے - بیکار ہوجاتا ہے - اور وُہ آدمی
جس کے دماغ کی خوراک امتحان پاس ہونے یا روزگار مل جانے پر بند ہوجائے
اپنا دماغ ہاتھ سے کھو بیٹھتا ہے - دیکھنا یہ ہے کہ کونسی تدبیر اختیار کیجائے کہ
طالب علم تعلیم کی قدر خود نفسِ تعلیم کی خاطر کرنے لگیں - اس لحاظ سے کہ وُہ ذریعہ
معاش یا حصولِ دولت ہے - درحقیقت ایک ہی ذریعہ اس مطلب کے لئے مفید ہو
اور وُہ یہ ہے - کہ طالب علم کا نہ صرف دماغ علم کی تحصیل میں مصروف ہو - بلکہ اس کا
دل بھی اس شوق میں مبتلا ہو - تعلیم کے مفید ہونے یا نہ ہونے کا ثبوت طالبعلم
کے رویّہ سے مل سکتا ہے - اگر جوان ہونے کے بعد مدرسے سے فارغ ہوکر بھی
وہ علم کے شوق میں سرشار ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کی تعلیم عُمدہ ہُوئی - مگر بغیر
اس کے صاف ظاہر ہے کہ تعلیم میں نقص رہ گیا - اس بارہ میں معلّم کی ذمہ واری
بہت بھاری ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ تعلیم کی اصلی اہمیت طالب علم کے
ذہن نشین کردے - مدرسے جانے کی عمر میں طالب علم کو عموماً اتنی لیاقت نہیں
ہوتی کہ وہ خود سمجھ سکے کہ تعلیم کیسی ضروری چیز ہے - اور یہ کام اُستاد کا ہے کہ
یہ ضرورت اُس کے ذہن نشین کردے - پس لازم آیا کہ معلّم وہ لوگ مقرر کئے
جائیں جو تعلیم کی اہمیت سے پُوری طرح آگاہ ہوں اور خود اسے دل سے پیار کرتے
ہوں - اور یہ سب سے پہلی ترمیم یا اصلاح ہے جو سلسلۂ تعلیم میں درکار ہے -
علیٰ ہٰذاالقیاس جو کتابیں طالب علم کے درس میں ہوں وُہ دلچسپ ہونی چاہئیں -
جن کے پڑھنے میں اس کا دل خود بخود لگے اور جن کے پڑھنے سے اُسے خوشی
ہو - اور یہ دوسری بڑی اصلاح ہے - تیسری اِصلاح میرے خیال میں علمِ تواریخ
کا شوق بڑھانا ہے - اگر مجھ سے پُوچھا جائے کہ علوم میں کونسا علم ہے جو سب سے
زیادہ دلپذیر ہوسکتا ہے - تو بلا تامّل میں جواب دونگا - کہ علمِ تواریخ - یہ وہ علم ہے

تعلیم نہ ہو۔ کبھی تم پر یہ ذمہ واری ہوتی ہے کہ کسی اپنے بھائی کو بُری راہ کی طرف جانے سے بچاؤ۔ یا رہِ راست پر لاؤ۔ اور اس کے لئے اخلاقی تعلیم درکار ہے۔ مثلاً تمہیں چاہیے کہ اپنی مثال سے انسان کو یقین دلاؤ کہ عمدہ افعال سے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے نہ کہ خود غرضی اور بدنیتی سے۔ اوروں کا بھلا سوچنے سے اپنا بھی بھلا ہوتا ہے۔ سوم۔ تمہارا ملک تم پر دعویٰ رکھتا ہے۔ کہ تمہاری لیاقت اُس کے کام آئے۔ اس بارہ میں جاپان کے لوگوں نے کیسا عمدہ نمونہ دُنیا کے روبرو پیش کیا ہے جہاں ہر باشندہ ملک کے لئے ملک کے واسطے لڑنا اور مرنا فرض ہے۔ جاپان کی فوج میں جو لوگ تھے اُنہوں نے تینوں قسم کی لیاقت ظاہر کی۔ لڑائی میں جسمانی لیاقت۔ لڑائی کے قاعدہ اور اصُول کو سمجھنے میں دماغی لیاقت اور دشمنوں اور قیدیوں سے اچھا برتاؤ کرنے میں اخلاقی لیاقت دکھائی۔ چہارم تمہارے اپنے خاندان کا تم پر حق ہے کہ وہ تمہاری خدمات سے مستفید ہو۔

میں سردست صرف دماغی تعلیم کی بابت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ گو دُوسری قسمیں اہمیت میں دماغی تعلیم سے کسی طرح کم نہیں۔ تاہم زیادہ لوگ دماغی تعلیم میں ہی سرگرم ہیں اور اس کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ اس کی موجودہ حالت چنداں قابلِ اطمینان نہیں۔ دماغ ایک چیز ہے جس کے لئے روزانہ غذا اسی طرح درکار ہے جیسے جسم کے لئے کھانا پینا۔ لہٰذا تعلیم دماغ عمدہ نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ انسان عمر بھر اس میں مصروف نہ رہے۔ اگر تعلیم صرف کسی امتحان پاس کرنے یا روزگار حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو بالعموم اس سے بہت فائدہ متصور نہیں۔ جب وہ امتحان پاس ہوگیا یا وہ روزگار مل گیا۔ تعلیم چھُٹ جائیگی۔ اب ذرا قیاس کرو۔ کہ اگر بدن کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے کہ اکیس بائیس برس کی عمر تک اُسے خوراک دیجائے اور اس کے بعد خوراک بند کردیجائے تو کیا چند ہی روز میں بدن کا خاتمہ نہیں ہو جائیگا

کچھ نہ کچھ خوبی اور لیاقت قدرت نے نہیں رکھی۔ مگر اُس لیاقت کے عملی طور پر ظاہر ہونے کے لئے تعلیم کے مناسب اور صحیح معنوں کا جاننا اور اُن پر عامل ہونا ضروری ہے۔ میرے خیال میں تعلیم تین قسم کی ہے۔ جسمانی۔ دماغی۔ اخلاقی اور اخلاقی بھی وہ جو مذہب کے ذریعے سے ہو۔ اگر کوئی آدمی نمونہ دیکھنا چاہے کہ تینوں قسم کی تعلیم کس طرح حاصل ہوسکتی ہو تو جاپان کے لوگوں کے طریق عمل کو دیکھے۔ جاپانی ان تینوں قسم کی تعلیم کے لئے کوشش کرتے ہیں اور ہر شخص پر فرض ہے کہ تینوں قسم کی تعلیم حاصل کرے۔

تعلیم ہم پر کئی وجوہات سے فرض ہے۔ اُن میں سے چند وجوہات گنتا ہوں۔ اوّل بہ لحاظِ بندۂ خدا ہونے کے آدمی پر طلبِ علم فرض ہے۔ خُدا کی شناخت کے لئے مذہبی اور اخلاقی تعلیم کی ضرورت تو خود بخود ظاہر ہے۔ رہی جسمانی تعلیم ممکن ہے کہ کوئی کہے۔ کہ میرے جسمانی تعلیم پانے نہ پانے سے خدا کو کیا غرض۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کو حالتِ صحت میں رکھنا انسان کا فرض ہے۔ کیونکہ جسم خدا کی طرف سے انسان کے پاس امانت ہے۔ اور لازم ہے کہ بندہ خُدا کی عبادت اپنی پوری ہمت اور قوت سے کرے۔ اگر وہ جسمانی اعتبار سے انسان کامل ہی نہ ہو تو اس کی قوتِ عبادت میں نقص آگیا۔ اسی طرح دماغی تعلیم بھی عبادت کے لئے ضروری ہے۔ جہانتک دماغ زیادہ سُلجھا ہوا ہوگا۔ اُسی قدر اُس میں عبادت کی قابلیت زیادہ ہوگی اور اس کی خوبیوں اور باریکیوں کو زیادہ سمجھ سکیگا۔ دوم بنی نوع انسان کا تم پر حق ہے کہ تمہاری خداداد قابلیتیں تمہارے بھائیوں کے کام آویں۔ کبھی تم سے یہ خدمت لیجاتی ہے کہ اپنے بھائیوں کو ظالم کے ہاتھ سے بچاؤ۔ جس کے لئے جسمانی تعلیم کی ضرورت ہے۔ کبھی تم سے کسی علمی دریافت یا صنعتی ایجاد کی توقع کیجاتی ہے جس سے انسان کو فائدہ پہنچے اور تم اس کے قابل نہیں ہوسکتے جب تک دماغی

اصلاحِ تعلیم

مسٹر وہش صاحب بہادر آئی سی۔ ایس کے نام سے ناظرینِ مخزن اعرصے سے آشنا ہیں ایک سے زیادہ مضمون اُن کے دستخط کے ساتھ ان اوراق میں شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب تاریخ عالم پر لکھنی شروع کی ہے جس کا حصّہ اوّل حال میں شائع بھی ہو گیا ہے اور بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اس لئے علمِ تواریخ کی اہمیت پر اُنکی رائے مستند ہے اور قابلِ عمل۔ ہم اُن کے اس تازہ عطیہ کو شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں :-

اِس مضمون کو شروع کرنے سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کی تعریف کیا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان سے لیا گیا ہے۔ اور اس کے معنے ہیں علم دینا یا حاصل کرنا۔ مگر انگریزی میں لفظ ایجوکیشن (تعلیم) کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ طالب علم کی طبیعت کے اندر موجود ہے۔ اُسے پوری طرح باہر کھینچا جائے۔ میرے نزدیک یہ تعریف جو انگریزی میں ہے بہتر ہے۔ کیونکہ تعلیم کا اصل مطلب یہی ہے کہ طالب علم کی پوشیدہ قابلیتیں ظہور میں آئیں۔ اِس تعریف کے استعمال کرنے سے لوگ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ تعلیم کیسی قیمتی چیز ہے۔ آدمی اگر حیوان پر فوق رکھتا ہے تو وہ تعلیم ہی کی بدولت ہے۔ اس قسم کی تعریف سے جو اُردو میں عام طور پر مفہوم تعلیم ہے۔ یہ فرق مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ آدمی بہت سا علم پڑھے اور اس پر بھی حیوان میں اور اُس میں چنداں فرق نہ ہو۔ لیکن جو تعریف انگریزی اصطلاح کا مفہوم ہے۔ اس پر عمل ہو تو آدمی آدمیت کے اصلی مرتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی آدمی ایسا ناقابل نہیں ہے جس میں

بیگم۔ مرزا ابوالحسن بیوتات کی بی بی بڑی صاحب سلیقہ اور صاحب عصمت ہو۔ کبھی کبھی میرے پاس آتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی آتی ہو۔ ۱۲-۱۳ برس کی ہوگی! حضور نے بھی اُسے دیکھا ہوگا۔

اکبر۔ ہاں ہاں شاید مَیں نے بھی اُسے دیکھا ہے۔ سبزہ رنگ۔ بھولی بھولی باتیں کرتی تھی۔ چونچال لڑکی تھی۔ اب تو وہ بڑی ہوگئی ہوگی۔

بیگم۔ وہی وہی! غرض کل جو مینا بازار لگا تھا تو اُس میں وہ بھی آئی تھی۔ شیخوجی کی اور اس کی ایک روش پر کہیں مُٹھ بھیڑ ہوگئی۔ اور اُس سے اس طرح کی باتیں کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ اسکی طرف اچھی نہیں۔

اکبر۔ کبھی بچپن میں یہ اور وہ ساتھ کھیلے ہیں۔

بیگم۔ کبھی نہیں۔

اکبر۔ پہلے کبھی اس کی اُس کی بات چیت ہوتے سُنی ہے۔

بیگم۔ نہیں۔

اکبر۔ اس کا نام کیا ہے۔

بیگم۔ مہرالنسا۔

اکبر۔ بُلاؤ شیخو جی کو۔

(باقی آیندہ)

ناظرینِ مخزن غالباً اس خبر کو سُنکر خوش ہو نگے کہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کو ہز مجسٹی سلطان المعظم کی طرف سے اثنائے قیام استنبول میں نشان عثمانی درجہ سوم عطا ہوا ہو۔ (اس نشانِ ذی شان کے چار درجے ہیں اور عموماً یہ نشان درجہ چہارم سے شروع ہوتا ہو۔ مگر سلطان المعظم نے عنایتِ خسروانہ سے انہیں پہلے ہی درجہ سوم کا نشان عطا فرمایا۔)

(محمد اکرام)

حضور نہ رہے۔ اب حضور تم۔ اور تابعدار ہم۔

مہرالنسا۔ صاحب عالم حضور کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خانہ زادوں سے اس طرح نہیں بولا کرتے

جہانگیر۔ مہرالنسا! میں تو نہیں کہتا۔ پر کیا کروں۔ اندر سے خود بخود آواز چلی آتی ہے۔ لو یہ گلدستہ میری نشانی لو اور تمہیں خدا کے حوالہ کرتا ہوں۔ ادھر دیکھنا ہمیں بھول نہیں۔ لو تمہیں اللہ کی امان۔

مہرالنسا۔ حضور کا بھی اللہ بیلی۔ اللہ نگہبان۔

کورس۔ جس وقت رخصت کی نگاہیں ہیں۔ محبت کا اثر دل وجان میں برابر دوڑ گیا۔ لڑکی کے پیش نظر ایک خونی بجلی چمکی۔ کسی نے داہنے سے آواز دی "خاوند کا خون ہوگیا" کوئی بائیں سے بولا۔ بلا سے بادشاہی تو پائی۔ پھر دیکھتی کیا ہے ایک تخت شاہانہ پر جہانگیر بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔ یہ بادشاہ کی بیگم بنی بیٹھی ہے اور مُہر سلطنت ہاتھ میں۔ عالم میں نور کی چاندنی ہے۔ لڑکی سہم گئی حیران پریشان۔ کچھ پشیمان کچھ شادمان۔

نورجہاں جب گھر میں گئی تو شہزادے کی مُلاقات کی ساری داستان ماں کو سُنائی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئی مگر دل میں کھٹک گئی۔ بادشاہ کی بیگم کے پاس کبھی کبھی ملنے کو جایا کرتی تھی۔ اور وہ بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسی وقت سوار ہوکر محل میں گئی اور جو کچھ بیٹی سے سُنا تھا حرف بحرف سُنایا۔ بیگم نے کہا کہ بی بی تم گھبراؤ نہیں میں اس کے ایسے کان مروڑونگی کہ یاد کرے۔ بلکہ حضور سے کہکر اس کا پورا علاج کرونگی۔

اکبر بیگم اقبال۔

بیگم۔ حضور کے شیخو جی نے تو کام کیا!

اکبر۔ خیر باشد۔

جہانگیر۔ تم کس کی بیٹی ہو؟

مہرالنسا۔ ابوالحسن جو حضور کا ناظم بیوتات ہے لونڈی اس کی بیٹی ہے۔

جہانگیر۔ نہیں نہیں۔ تم جسے چاہو لونڈی بنالو۔ جسے چاہو غلام بنالو۔

مہرالنسا۔ حضور کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔

جہانگیر۔ ہاں ہاں۔ میرے اوسان ٹھکانے نہیں۔ اس کے نہیے طالع جو تمہارا غلام ہو۔

(مہرالنسا خیال کرتی ہے) دیکھو جنہیں خدا بڑا بناتا ہے وہ اپنے تئیں ایسا گھٹاتے ہیں

(جہانگیر خیال کرتا ہے) خدا کرے ایک دم تو اور بھی کوئی نہ آئے۔ اب کیا بات کہوں

جہانگیر۔ مہرالنسا تم کچھ بات نہیں کرتیں۔

مہرالنسا۔ لونڈی کی کیا مجال حضور سے بات کر سکے۔

جہانگیر۔ نہیں۔ میرے ایسے نصیب کہاں کہ تم بات کرو۔ اس بھولے پن میں یہ میٹھی باتیں کہاں سے سیکھ لیں۔

حضور جس طرح بزرگوں نے آقاؤں سے بات کرنی سکھائی ہیں اس طرح عرض کرتی ہوں

مہرالنسا۔ اب حکم ہو کہ لونڈی رخصت ہو۔ اماں جان راہ دیکھتی ہونگی۔

جہانگیر۔ اچھا کس منہ سے تمہاری بات کو رد کروں مگر کس دل سے کہوں کہ چلی جاؤ۔

کورس۔ یہ ادھر چلے۔ وہ ادھر چلیں مگر شہزادہ دو قدم چلتا تھا اور پھر کر دیکھتا تھا۔

نورجہاں نے بھی مڑ کر دیکھا۔ جہانگیر ٹھہر گئے۔

جہانگیر۔ دیکھئے خدا پھر کب ملاتا ہے۔ ہمیں بھول نہ جانا۔

مہرالنسا۔ واہ میری کئی سہیلیاں ہیں۔ پر میں ایک نہیں بھولتی۔ اور لونڈی بھلا اپنے آقا کو بھول سکتی ہے۔ حضور کو بھولیں تو رہیں کہاں۔

جہانگیر۔ دل میں رہو۔ جان میں رہو آنکھوں میں رہو۔ مگر مہرالنسا ر! اب حضور

کیا ترا طرّہ عنبر رنگ ہے ماشاء اللہ۔ کیا ترا چہرہ گلرنگ ہے سبحان اللہ۔
کچھ بات کروں۔ خدا جانے بولے کہ نہ بولے۔ ایسا نہ ہو کچھ کہہ بیٹھے

کورس کہتا ہے۔ ہاتھ میں دو کبوتر لئے تھا۔ لڑکی سے کہا۔

جہانگیر۔ بی لڑکی! ذرا ہمارے کبوتر لینا۔ ہم یہ پھول توڑ لیں۔

لڑکی۔ بہت خوب۔

گل چین۔ پل کے پل میں ایک گلدستہ تیار کر کے لایا۔

جہانگیر۔ بی لڑکی! لائیے میرے کبوتر۔

لڑکی۔ یہ حاضر ہے۔

جہانگیر۔ ہیں! ایک کیا ہوا۔

کورس۔ (سہمی ہوئی صورت بنا کر بولی)۔

لڑکی۔ صاحب عالم! میں کیا کروں وہ تو اڑ گیا۔

جہانگیر۔ ہیں! کیونکر اڑ گیا۔

لڑکی۔ صاحب عالم! یوں اڑ گیا (پھر سے دوسرا بھی اڑا دیا)

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) کبوتر گئے تو بلا سے۔ بات کرنے کو بہانہ تو ہاتھ آیا۔
کیا بات کروں؟ میں تو خود بھولا جاتا ہوں۔

جہانگیر۔ بی لڑکی! تمہارا کیا نام ہے۔

لڑکی۔ مہرالنساء۔

جہانگیر۔ نہیں۔ تم تو خورشید عالم ہو۔ وہ کونسی مشرق ہے جہاں سے یہ سورج کی کرن نکلی۔

لڑکی۔ کیا فرمایا صاحب عالم!

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) ہائے! ابھی لڑکی البیلی لڑکیوں میں ابھی نہیں کھیلی ہے

عیاں صورت دیکھے سے آنکھوں میں نور آتا تھا۔

خوش نظر۔ میاں خانہ بدوش بس! تم نے خانخاناں کو کیا دیکھا ہے۔ خدا جانے تم ان دنوں میں کہاں ہو گئے۔ اس کے حسن کی بہاریں ہم نے ہی لوٹیں ہیں۔

آج باغ میں جوانانِ چمن سر جھکائے کھڑے ہیں۔ موج آبِ رواں کی چادر کترتی ہے۔ شبنم نقابیں تیار کرتی ہے۔ نرگس ادھر نہ دیکھو۔ سوسن ذرا زبان کو روکیو آج گل و بلبل میں باتیں ہونگی۔ سرو و قمری کی ملاقاتیں ہونگی۔ اکبر نے مینا بازار سجوایا ہے۔ اور بیگمات کے ساتھ امیروں وزیروں کی بیبیوں کو بلایا ہے۔ پرندہ پر نہ مارنے پائے۔ ایک شاہ آئے ایک شاہزادہ آئے۔

شہزادہ نشہ میں لڑکھڑاتا۔ بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا۔ ایک روش پر اکیلا جا نکلا۔ سامنے سے دیکھتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی گلاب کا پھول ہاتھ میں لئے چلی آتی ہے۔ وہ تو اکیلی ہے مگر بادِ نسیم پنکھا جھلتی ہے۔ گلوں کی سرخی چہرے پر قربان ہوتی ہے۔ تبسم پیشِ لب رقص کرتا آتا ہے۔

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے)

یہ پھولوں بھری ٹہنی ہے؟ کیسی لچکتی آتی ہے۔ صبا نے بہار کی پشواز پہنی ہے کیسی مہکتی آتی ہے۔ تارا ہے کسی نے آسمان سے اتارا ہے۔ یا پری ہوا سے اتر پڑی ہے۔ نہیں نہیں کوئی ارمان بھری ہے۔ ماں باپ کے نازوں کی پلی ہے۔ پر خدا جانے کس باغ کی کلی ہے۔

کورس۔ ایک تو جوانی دیوانی۔ اس پر شراب ارغوانی۔ شہزادہ مست مخمور تھا۔ پر اسے دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) الامان۔ الامان۔ حسن! اللہ رے تری شان ؎

کچھ عجب رنگ عجب ڈھنگ ہے سبحان اللہ۔ واہ کیا جلوۂ نیرنگ ہے سبحان اللہ

عطاری کی دکان خوب سجائی تھی - مرقع مرتبان - الماس تراش شیشے - قرعبنق بھبکے دوا سازی کے سامان سب موجود تھے - ایک طرف فنِ جراحی کے اوزار بھی تھے - مگر دُور سے اچھی طرح دکھائی نہ دیتے تھے - لوگوں کا ہجوم بہت تھا -

خوش نظر - ٹودرمل کی تو کچھ سُناؤ -

خانہ بدوش - موٹے موٹے بستے تو بہت دھرے تھے مگر رونق چھونکتی - اپنا ہی کھاتا لگائے بیٹھے تھے - اور چند متصدی لکھنے والے بغل میں قلمدان - کھڑے مکھیاں مار رہے تھے -

صاحب! جوبن تو خانخاناں پر تھا - ایک چوک کا چوک قبضہ میں کر لیا تھا - تمام اسلحہ جنگ اور حرب و ضرب کے سامان - جہاں بہاں میدان مارے ہیں - اُن لڑائیوں کے مرقع اس خوبصورتی سے سجائے کہ جو وہاں جانکلتا تھا - ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا - شاہانہ آن بان سے دربار لگائے بیٹھا تھا اُمرا و اراکین گرد بیٹھے تھے - شعراء قصیدے سُنا رہے تھے اور وُہ مُٹھیاں بھر بھر کے دیتا جاتا تھا - اشرفیاں ہی ہونگی ایک طرف باورچی خانہ گرم تھا لوگ کھاتے تھے اور مُونچھوں پر تاؤ دیتے چلے جاتے تھے - ہاں صاحب! لوگ کہتے تھے کہ سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ بھی باندھا ہے - حضور آئینگے تو ٹھوکر مار کر لٹا دینگے - ارغنون خود بخود پڑا بجتا ہے - بیلوں کے اُڑنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں - صاحب فرنگیوں نے غضب کا طلسمات کر رکھا ہے - بیلون کیا ہے ایک جہاز کا جہاز ہے - ایک آتشی گیند بنائی ہے کہ زمین پر انگاری کی طرح لوٹتی چلی جاتی ہے اور بجھتی نہیں - کہتے تھے کہ رات کو چوگان کھیلیں گے - وہیں فرائی ٹون بھی دوڑا دوڑا پھرتا تھا - کو کلتاش خاں نے بھی دھوم دھام تو اچھی کر رکھی تھی - خانخاناں کا منہہ چڑاتا تھا مگر اس کی بات آئی کے ساتھ ہے - اس کا اپنا حُسنِ خداداد وہ ہو کہ سارے بازار کو جگمگا رکھا تھا -

کی زرق برق دکھا رہے تھے ۔ پہلے ہی چوک میں ایک طرف ابوالفضل ایک طرف فیضی بیٹھے تھے ۔ ابوالفضل کے گرد الماریوں میں کتابیں چُنی تھیں ۔ علما فضلا اور بہت سے سخن فہم گرد بیٹھے تھے اور وہ خود آئین اکبری سُنا رہا تھا ۔ فیضی کے ہاتھ میں نل دمن تھی ۔ کہتے ہیں قصیدہ بہشت کا بہت خوب کہا ہے ۔ جب جہاں پناہ آئینگے تو سنائے گا ۔ اس کے پاس بھی بڑا مجمع تھا ۔ کچھ سُنائی تو دیتا نہ تھا ۔ مگر واہ وا واہ وا ۔ بہت ہو رہی تھی ۔

خوش گذر ۔ ارے فیضی اپنے کُتّے وہاں تو نہیں لائے ۔

خانہ بدوش ۔ ہاں عجب لطیفہ ہوا ۔ تمام بازار میں یہی چرچہ ہو رہا تھا ۔ کہ عرفی بھی پھرتے ہُوئے وہاں آنکلے اور فیضی کے پاس آکر بیٹھے ۔ ایک کُتا دُم ہلاتا ہُوا آیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا ۔ فیضی اسے بیٹا بیٹا کہ کر پیار کرنے لگا ۔ عرفی نے مسکرا کر کہا کہ این صاحبزادہ چہ نام دارد ۔ فیضی نے ہنسکر کہا کہ سگ را نام چہ باشد خود عرفیست ۔ عرفی نے کہا کہ مبارک باشد ۔

ایک چوک میں امیر فتح اللہ شیرازی بیٹھے تھے ۔ کتابیں تو انہوں نے بھی بہت چُنی تھیں مگر آلاتِ ریاضی اور سامانِ جرثقیل اور اسباب رصد وہیئت ایسا لگایا تھا کہ بطلیموس ہی آکر سمجھے تو سمجھے نہیں تو کچھ معلوم نہیں ہُوا ۔

خوش نظر ۔ ابجی بیربر کو بھی دیکھا تھا وہ کس رنگ میں تھے ۔

خانہ بدوش ۔ ہاں ۔ مزے میں تھے ۔ بہت سے لوگ گرد بیٹھے تھے ۔ وہ اپنے اشلوک سُنا رہے تھے ۔ دُور سے کچھ سُنائی تو دیتا نہ تھا مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ جتنے بیٹھے تھے سب ہنس پڑتے تھے ۔ حکیم ہمام کو دیکھا ۔

آج اِس بادشاہ نے آنکھوں سے دکھا دیا۔

خوش نظر۔ بھلا پھر اس میں سے کچھ سُناؤ تو سہی کہ یہ بھی ایمان لائیں۔

خانہ بدوش۔ کیا کیا کچھ کہوں۔ وہاں کی تو بات بات عجائب ہے۔ خیر اوّل مقام کا نقشہ کھینچتا ہوں کہ ۷ چوپڑ کے چوک۔ جن کے چاروں طرف نہایت وسیع بازار۔ بیچ میں برابر چمن بندی چلی گئی ہے۔ جس کی کیاریوں میں کشمیر اور کابل کے فرشی پھولوں نے وُہ گلکاری کی ہے کہ قالین ہائے مخملی کو بھی گرد کر دیا ہے۔ اور باغبانوں نے بھی اس ساحری سے تخم ریزی کی ہے کہ جو جو پھول اُگا ہے گویا قالین کے بیل بوٹا حاشیہ ترنج بناتا چلا گیا ہے۔ بیچوں بیچ میں ایک سنگ مرمر کی نہر جس کا آب باریک تر کی سفیدی سے کہکشاں میں سیماب بہا رہا ہے۔ اور اس میں جو جانورانِ آبی و ہوائی کی تصویریں ہیں اس طرح تھرا رہی ہیں گویا اب اُڑ کر نخل فوارہ پہ جا بیٹھتی ہیں۔

خوش نظر۔ اب آپ فسانۂ عجایب کی قصہ خوانی تو موقوف کیجئے۔ اصل حال سنائیے۔

خانہ بدوش۔ پھر تو مشکل ہے کہ تم کہانی اور قصہ خوانی سمجھتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ اصلیت کا حق شمہ بھی نہیں ادا ہوا۔ خیر اب بازار کی کیفیت سُنئے کہ دونو طرف قد آدم بلند چبوتروں پر خیمے اور شامیانے کھڑے کرکے انہیں بادلے تاش تمامی اطلس فرنگی مخمل کاشانی شال کشمیری سقرلاط رومی زربفت بنارسی سے سجایا تھا اور بلور آلات سے بقعہ نور بنایا تھا۔ صاحب سلیقہ دکاندار اپنے اپنے اجناس لگائے بیٹھے تھے۔ مگر چوک پر پہنچکر کچھ اور ہی عالم تھا۔ کیونکہ وہاں عمارات عالیشان تھیں۔ جن میں دو دو تین تین ارکانِ دولت اپنے اپنے فنون اور کارخانوں

روکنا تمہارا مطلب میرے پاس ہے - غلام اُسی وقت سمجھ گیا اور اُدھر روانہ ہوا -

اکبر - فوجدار! تم کہو کہ اس پر تیر کھا کر کیا گذری -

مہابت - جہاں پناہ! جی کی امان پاؤں تو عرض کروں -

اکبر - کہہ تیری جان تجھے بخشی -

مہابت - حضور - نام ہیمو ہے پر دل بکرماجیت کا ہی لایا ہے - آنکھ میں تیر لگا پر تیور میلا نہ کیا - تیر کو ہاتھ سے کھینچ کر گُلام کی گود میں پھینک دیا - اپنے ہاتھ سے رومال آنکھ پر باندھ کھڑا ہو گیا اور برابر فوج کو آواز دیئے گیا - پر حضور کے اقبال سے کون مقابلہ کرے - آخر گرنا ہی تھا -

شیخ گدائی - حضور! پہلی فتح ہے - حضور ہاتھ لگائیں -

اکبر - اس مُردہ پر کیا تلوار ماروں -

شیخ گدائی - حضور! شمشیرِ اکبری سے اس کا سر جُدا ہو تاکہ جہادِ اکبر ہو -

اکبر - پہلی تلوار پڑے اور دست و پا بستہ پر -

خانخاناں - دو زانو کھڑے ہو کر - بسم اللہ اللہ اکبر - حضور دلی اور سر جلد کابل کو روانہ کرو کہ بالا حصار کے دروازے پر آویزاں ہو -

---

خوش نظر - آج مینا بازار لگا ہے - چلو دیکھ آئیں -

خوش گذر - کیا ہوگا - کیوں ناحق حیران ہوتے ہو - بہت میلے دیکھ لئے -

خوش نظر - ارے میاں زندگی کا میلہ ہے - چلو یک نظرے خوش گذرے - اے لو وہ خانہ بدوش بھی آن پہنچے - ان سے پوچھو نہ - کہئے صاحب کیا کیا دیکھا -

خانہ بدوش - کیا کہوں - کتابوں میں دیکھ دیکھ کر بہشت کا تصور کیا کرتے تھے -

میں اسیر سکندر ہو گیا - دایاں بایاں آگا پیچھا افغانوں کے پیادوں اور سواروں سے درست کر کے بیچ میں خود ہیمو یراق جنگی سج کر تیر کمان ہاتھ لئے ہوائی نام ہاتھی پر صندوقی ہودہ میں بیٹھ قلب میں قائم ہو گیا ہے -

یہ سنکر حضور کا سیستانی شیر جان نثاران دلیر کو لیکر شیر کی طرح بپھر ہو نکلا صبح ہوتے ہوتے اُدھر بھی قلعہ فولاد قائم تھا - ابھی دمامہ جنگی پر چوٹ نہ پڑی تھی کہ وہ گنبش موذیوں کی قطار بادل کی طرح گرجتی آگے بڑھی - اور ہاتھیوں کی ہتھیائی سے آگا ہماری فوج کا پیچھے ہٹا - اتنے میں داہنی طرف سے پٹھانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ داہنے کو اُلٹ کر بائیں پر دے مارا اور ساتھ ہی قلب میں بل چل پڑ گئی - مگر واہ رے سیستانی شیر - ہمراہی دلیروں کو لیکر ارجن کے بان مارتا آگے بڑھا اور دم بھر میں اس کالی گھٹا کے دھوئیں اڑا دیئے - بہادر خان بائیں کو لشکر غنیم کے قلب پر گرا اور دم میں زیر و زبر کر دیا - یہ حالت دیکھ کر اس کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی - حضور - پھر تو یہ عالم ہوا کہ ہیمو خود ہودہ میں کھڑا ہوا دیوانوں کی طرح ہاتھی دوڑاتا پھرتا تھا اور بھگوڑوں کو بلاتا تھا مگر کوئی سنتا نہ تھا اسی عالم میں یہ غل ہوا کہ اس کی بھینگی آنکھ میں تیر -

آغا اقبال - لے بیجئے وہ بھی حاضر ہو گیا - (ہیمو گرفتار ہو کر آتا ہے) -

خانخاناں - ہاں ! سامنے لاؤ - ہیں - تم نے گرفتار کیا -

اکبر - سچ کہو کس نے گرفتار کیا -

سوار - حضور کسی نے نہیں پکڑا - فقط حضور کے اقبال نے پکڑا ہے - غلام کو ایک ہاتھی بھاگتا ہوا دکھائی دیا - آوارہ سمجھ کر گھوڑا پیچھے ڈالا اور تیر کمان میں جوڑ کر فیلبان کو آواز دی کہ روک اسے - اس نے گھبرا کر آواز دی کہ ہاتھ

صورت ایسی نہیں نظر آتی کہ جو مجھے چھوڑ کر چلی جائے ۔

آغا اقبال (خواجہ سرا)۔ حضور یہ کس کی تصویر ہے ؟

اکبر ۔ ہیمو کی ۔

آغا اقبال ۔ یہ بند بند الگ ؟

خانخاناں ۔ انشاء اللہ ایسا ہی دیکھینگے ۔

آغا اقبال ۔ کوئی سوار ہے کہ کوڑا مارے چلا آتا ہے ۔

اکبر ۔ لانا ہماری دُوربین ۔ اُہو وہ نظر قلی ہے ۔

نظر قلی ۔ حضور فتح مُبارک ۔

اکبر ۔ خان بابا ! اسے خوشخبر خاں کا خطاب دینا چاہیئے ۔ کہو خوشخبر خان ! میدانِ جنگ کا کیا ڈھنگ ہوا ۔

نظر قلی ۔ اقبال خداوندی زیاد ۔ غنیم نے پانی پت کو پشت پر رکھ کر فوج ڈالی تھی اور اس کے قبضے میں نہر کی نالی تھی ۔ سوار پیادے بے ٹھکانے اور بہت کئی توپخانے تھے ۔ دلی سے لشکر تک رسد کا بھی تانتا لگا تھا ۔ غرض سامانِ کے رُو سے کسی بات کی کسر نہ تھی ۔ مگر کل کا ذکر ہے کہ رستمِ ثانی حضور کا سیستانی توپخانہ ہاتھوں پر گھسیٹ لایا ۔ غنیم نے اس پر بھی پروا نہ کی ۔ اُسے بڑا گھمنڈ ہاتھیوں کا تھا ۔ کرسارے بنگالہ کے ہاتھی سمیٹ لایا تھا ۔ حضور ! ایک بجلی بن تھا کہ کالی گھٹا کی طرح کھڑا جھوم رہا تھا ۔ غرض کہ ہمارے لشکر میں بھی اگرچہ کئی دن سے بخیالِ شبخون رات آنکھوں میں کٹتی تھی مگر آج کی رات دونوں طرف برچھی کی انی پر گذری پچھلے پہر رات تھی جو ہاتھیوں کی ٹالوں نے کان گنگ کر دیئے ۔ اتنے میں خبردار نے آکر خبر دی کہ ۱۵ سو جنگی ہاتھی لوہے میں غرق ہو کر میدان

چھپا کر نکل گئے۔ تو سلاطین زمین یہی کہینگے کہ بادشاہ تو لڑکا تھا ان بڈھوں کو کیا ہوا کہ ایک ڈھوسر کے سامنے سے لوک دُم بھاگ گئے۔ خوب باپ دادا کا حق نمک ادا کیا۔ کیا کروں۔ مجھ سے تو مروت کی آنکھوں میں خاک نہیں ڈال جاتی۔

خان اعظم۔ نامردی کی تو کچھ بات نہیں۔ سپاہی وُہی ہے جو موقع دیکھ کر جان پر کھیلے۔ فقط اتنی بات ہے کہ حضر خواجہ سالِ آیندہ پر ملتوی رکھتے ہیں۔

خانخاناں۔ اگر مرنا ہے تو اب بھی مرنا۔ برس دن بعد بھی مرنا۔ البتہ اب دلی سے ملک لینا ہے۔ پھر بہت ہُو رسے لینا پڑے گا۔ اور سنو صاحب! ایک دفعہ مر کر پھر مرنا نہیں۔ برائے خدا اس سفید ڈاڑھی پر میرا منہہ کالا نہ کروائو۔ اتنے دن جیئے تو کیا لیا۔ بڑھاپے میں برس دن اور جیئو گے تو کیا لے لینگے۔ آگے جو حضور فرمائیں۔

اکبر۔ خان بابا۔ تمہاری رائے بالکل درست۔ کوئی جائے خواہ رہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ع مست کی جام سے گذرتی ہے۔ یا دل آرام سے گذرتی ہے + بالہوس کی جہانِ فانی میں۔ درم و دام سے گذرتی ہے + خود غرض کی غرض پرستی میں۔ جان خود کام سے گذرتی ہے + دم ولیکن ہوا ہے زر ہے خاک۔ مرد کی نام سے گذرتی ہے + جو ہو سو ہو۔ اب یہیں کابل اور یہیں بابل۔ جانا کہاں اور پھر آنا کہاں۔ یا تخت یا تختہ۔

سب دم بخود۔

خانخاناں۔ پھر اب کیا حکم ہے ؟

اکبر۔ بس حکم کیا۔ کہو لشکر تیار ہو۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ ان میں سے کوئی

خواہ نیکنامی جو کچھ ہے تمہارے سر ہے۔ دال غور بندے کے سامنے سے
ہٹ جانا بڑی شرم کی بات ہے۔

خضر خواجہ۔ نہیں اسے ہٹنا نہیں کہتے۔ سال آیندہ کچھ دُور نہیں۔

خان اعظم۔ نازک وقت ہے۔ حضور کے دادا کا زمانہ دیکھا۔ شاہ جنت مکان کا
عہد دیکھا۔ خُدا کی پناہ۔ فلک نے پھر وہی وقت دکھایا۔

شیخ گدائی۔ اپنے ملکوں میں ایک جگہ بات بگڑی تو دُوسری جگہ ٹھکانا ملنا بھی آسان ہے
اس غیر ملک غیر قوم میں انسان کیا کرے۔

اکبر اور خانخاناں میں سرگوشی۔

اکبر۔ خان بابا تم کہو۔

خانخانا۔ ناحق ہمت ہارے دیتے ہیں کچھ بگڑا نہیں۔ ناحق بنی بنائی سلطنت ہاتھ
سے دیتے ہیں۔

اکبر۔ تب کرنا کیا چاہئے۔ مَیں تو کچھ جانتا نہیں۔

خانخانا۔ میری یہ لوگ ماننے کے نہیں۔ مگر دستِ اقبال حضور کا سر پر ہو تو سب
آسان ہے۔

اکبر۔ مَیں نے کل اختیار تمہیں دیا۔ تم پھر سلسلہ جُنبانی کرو۔ دیکھو مَیں کیا کہتا ہوں!

خانخانا۔ اے اراکینِ صاحب تمکین۔ جوہرِ تیغ تم میں نقشِ نگین۔ خیال کرو کہ ابھی
جن جن کی رفاقت کا تم نے دم بھرا۔ اُن اُلوالعزموں نے کیسی کیسی تلواریں
مار کر یہ ملک لیا۔ اور شہر طہران ایران و توران میں ہمارا تمہارا نام روشن
کیا۔ وہ دُنیا سے گئے اور اس گلِ نوشگفتہ کو تمہارے دامنِ جان نثاری میں
چھوڑ گئے۔ اگر آج چُپ چپاتے ہم تم یہاں سے سفید ڈاڑھیوں میں جائیں

دارالخلافہ لے لیا۔

اکبر۔ اللہ اللہ ہیمو جیسا اب کیا کرنا چاہیئے

خانخاناں

در ہمہ کار مشورت باید + کار بے مشورت نکو ناید۔

اکبر۔ بہت مناسب ہے۔ اہلِ مشورت کو بلاؤ۔

خان اعظم۔ منعم خاں خضر خواجہ داخل ہوتے۔

خانخاناں۔ اے ارکینِ مملکت۔ اے اساطینِ سلطنت۔ تم سے قائم ہے سلطنت۔ تم سے دائم ہے مملکت۔ ہے ابھی جانبِ شرق سے ایک سوار۔ سوارِ سرِ توسنِ اضطرار۔ یہ دہلی سے آیا ہے لیکر خبر۔ کہ عدلی کا مودی وہ ہیمو ڈھوسر لئے ساتھ ایک لشکرِ بے شمار۔ جسمیں تھے فیل جنگی حلقہ و قطار بنگالہ سے چلا۔ ایک ہی میدان میں لشکرِ شاہی کو ہٹا دیا۔ اب دلّی کو جیت بکرماجیت کا لقب لیا ہے اور بڑھا چلا آتا ہے۔ سو کرو مشورت اس میں اور دو صلاح پیئے ملک و دولت جو کچھ ہو صلاح۔

سب دم بخود۔

خان اعظم۔ ایسے نازک وقت میں کہ جنت مکانی نے ابھی استقلال بھی نہ پایا تھا۔ انکا مرجانا اسپر بنگال سے دلّی تک دفعتہً ہاتھ سے نکل جانا اور پھر مقابلہ پر ایسے دشمن قوی کا آنا نہایت خطر کا مقام ہے۔

خضر خواجہ۔ پناہ بخدا۔ اگلے پچھلے انقلاب سامنے کھڑے ہیں۔ اس وقت مصلحت تو یہی ہے کہ اطمینان کے ساتھ کابل میں چل بیٹھیں۔ چڑھے سال خاطر خواہ بندوبست کرکے ادھر آئیں۔

خانخاناں۔ آج کچھ نہ ہوا تو سال آئندہ کیا ہوگا۔ بادشاہ تو لڑکا ہے۔ خواہ بدنامی

تک خون خرابے شور شرابے ہوئے اب ذرا اعتدال کا موسم آیا ہے۔ الٰہی تیرا شکر اتفاق کا شرف۔ اختلاف برطرف۔ آگ پانی کا میل۔ بلکہ پانی آگ پر تیل۔ مچھلیاں چاہیں تو ہوا میں اُڑیں۔ کبوتر چاہیں تو پانی میں رہیں۔ ہاں ورق! اُلٹ جا۔ زمانے پلٹ جا۔ دوئی ہٹ جا۔ رات دن ہو جا۔ فتنے سو جا۔ صبا بہار کو بلا لے۔ بہار پھول کھلا دے۔ نیسان موتی برسا۔ ہوا! جہاز کنارے لگا۔ سُورج سونا بنا۔ سخاوتیں ہونگی۔ جہاز و جنس منفعت اُتارو۔ تجارتیں ہونگی۔ عالمو آؤ خوشخوانیاں کریں۔ ہنرمندونکی قدردانیاں کریں۔ اکبر بادشاہ کلانور میں تخت نشین ہو چکا فرمان جاری ہو گئے۔

سوار۔ خانخانا کا خیمہ کدھر ہے۔

پہرہ دار شاہی۔ وہ جہاں سُرخ نشان لہرا رہا ہے۔

سوار خانخانا کے ڈیرے پر آیا۔

خدمتگار۔ خیر باشد۔ کہاں سے؟ بہت ہی گھبرائے نظر آتے ہو۔

سوار۔ جلدی اطلاع دو۔ دلی سے کمر باندھ کے پھر کھولی نہیں۔

خدمتگار۔ حضور دلی سے سوار آیا ہے۔

خانخانا۔ ابھی ابھی ابھی۔

سوار داخل ہوا اور آداب بجا لایا۔

خانخانا۔ چہرہ روشن ہو اور قدم بڑھا ہوا پڑتا ہے۔ کہ ڈالو بہادر کیا خوشخبری لائے

سوار۔ انشاءاللہ انجام خوشخبری سے (خط) ملاحظہ فرمائیں۔

خانخانا خط لئے اکبر کے پاس آیا۔

اکبر۔ خان بابا خیر باشد؟

خانخانا۔ سوار دلی کا چلا ہوا اسی وقت آیا ہے۔ اور خبر لایا ہے۔ کہ ہیمو نے

اکبر

شمس العلما پروفیسر محمد حسین صاحب آزاد سلمہ کے مکتوبات ہم پچھلی جلد میں ختم کر چکے ہیں۔ آج ہم ایک اور نادر تحفہ نذرِ ناظرینِ مخزن کرتے ہیں -

واقعی مولانا آزاد نے اس زمانے کی اُردو نثر کے لئے وہی کام کیا ہے جو باغبان کی شفقت اور خبرگیری ایک نئے لگے ہوئے پودے کے لئے کرتی ہے۔ اُنکو اگر نثر اُردو کا سعدی کہیں تو بالکل بجا ہے۔ ۱۸۸۲ء کے قریب آپ نے یہ ڈراما لکھا تھا جو خوبی قسمت سے ہم کو دستیاب ہو گیا ہے۔ آج اِس بیش بہا تبرک کو اپنے احباب کی نذر کرنے میں ہمیں ایک خاص مسرت ہے۔

جس وقت یہ ناٹک لکھا گیا غالباً اُردو میں اُسوقت کوئی ناٹک نہ تھا۔ یا کم از کم اس خوبی کا ناٹک تو کوئی تھا ہی نہیں -

شہنشاہ اکبر کا زمانہ اور اُسی شہنشاہ کی زندگی کے بعض پہلو لیکر زورِ طبع دکھایا ہے۔

افسوس کہ موجودہ صورت میں مصنف کی نظرِ ثانی کے بغیر یہ ناٹک شائع ہوتا ہے۔ ورنہ خدا جانے یہ گوہرِ بے بہا اور کیا کیا آب و تاب دکھاتا۔

وقت کا فرشتہ ہوں۔ میرے پروں کی قینچی اطلسِ زمانہ کو کترتی چلی جاتی ہے۔ میری بغل میں انقلابوں کا ذخیرہ ہے۔ ابھی خوشی ابھی ملال۔ ابھی بدر ابھی ہلال۔ ابھی اوج ابھی زوال۔ ابھی بارش ابھی خشک سال۔ ابھی خزاں ہے ابھی بہار ہے یہ جنگل ہے یہ گلزار ہے۔ پر اسی سے اس کی بہار ہے یہ نہ ہو تو وہ بیکار ہے مُدّت

اِس بات کے کہ تو اُنکے مژدۂ صحت و خوشنودیٔ مزاج کی خبر لایا — ۸۰

اِس بات کے کہ تجھے چاک کر دینے کا حکم ہے —— ۱۰۰۰

یہ کیا؟ نمبر تو سو سے پھر بڑھ گئے +

نہیں نہیں! میں بیفائدہ کوشش نہیں کرونگا + تو امتحان سے بالا، موازنہ سے اعلیٰ، قیدِ مقابلہ و مقایسہ سے آزاد، پیارے دوست کا پیارا، پیارا، ہائے میں کیسے ظاہر کروں کتنا پیارا خط ہے + تو سینہ سے لگایا جائیگا، تو نظرِ اغیار سے بچایا جائیگا، مگر (حاشا) تو چاک نہیں کیا جائیگا۔ تو میرے پاس محفوظ رہیگا، اور میں ہزاروں مرتبہ تجھے تنہا گوشوں میں پڑھونگا +

یلدرم (از بغداد)

آپکے قابو میں نہ کیجئے پیار رہنے دیجئے
پیارے پیارے منہ سے اب انکار رہنے دیجئے

نہ رہیں اُلفت کا اب اظہار رہنے دیجئے
چھوڑئیے بھی جان میری پیار رہنے دیجئے

جب کہا اس کو گلے کا ہار رہنے دیجئے
وہ جھٹک کر ہاتھ بولے پیار رہنے دیجئے

برگِ گل رکھ لینگے کچھ مسی ہونٹ محرم کی شرم
اپنے سینے پر گلے کا ہار رہنے دیجئے

خواب میں بھی ہونے پائیگا نہ دشمن کا گذر
آپ سو رہئے مجھے بیدار رہنے دیجئے

وہ نگاہیں اب کہاں ہیں جن سے شرمائے تھے آپ
مرنے والوں سے تو آنکھیں چار رہنے دیجئے

یہ بری تہمت غیر کا گھر غیر کا کوچہ نہیں
یہ ادا یہ ناز یہ رفتار رہنے دیجئے

بات کیا ہر بات کہتے وصل میں گذریگی رات
رات بھر کی بات ہے تکرار رہنے دیجئے

شیخ صاحب یہ نہ دیگا پنبۂ مینا کا کام
آپ اپنا طرۂ دستار رہنے دیجئے

رو کے پردے میں مجھے بیتاب کرنا کیا ضرور
آپ اپنی شوخیٔ گفتار رہنے دیجئے

شیخ صاحب سوئے میخانہ رواں آتے ہیں آج
فرشِ راہِ میکدہ دستار رہنے دیجئے

دوست کا خط

تو پیارے دوست کا پیارا خط ہے! تجھ میں وہ کونسی برقی شے بھری ہے جو میرا
لو دھڑکاتی ہے؛ تجھے کھولتے وقت ہاتھ کیوں کانپنے لگتے ہیں؟ آخر تجھ میں اَور
روں سے کیا برتری ہے؟ تو بھی کاغذ کا ٹکڑا، وہ بھی کاغذ کے ٹکڑے، بلکہ وہ
ھ سے زیادہ بڑے ہیں + ہاں، باعثِ تفاخر و تفوق یہی ہے "کہ دوست
، تجھے لکھا؛ لبِ پان خوردہ سے اُف، لبِ پان خوردہ سے لفافہ بند کیا؟ بیشک
ت، یہ بہت بڑا تفوق ہے۔ اچھا، مَیں تیرا، اِمتحان لیتا ہُوں، تجھے نمبر دیتا
ں؛ سَو میں دیکھوں تجھے کتنے نمبر ملتے ہیں +

اُنکے ہاتھوں سے چھُوئے جانے کے ———— ۴۰

اِس بات کے کہ دستہ کاغذ میں سے تجھے ہی [illegible]

اُن لبوں نے لفافہ کو بند کیا ———— ۷۰

۱۶۰

ہیں! تو نے سَو سے زیادہ نمبر پائے + نہیں یہ امتحان ٹھیک نہیں ہوا
رے طریقہ سے شمار ہونا چاہئے۔

اِس بات کے کہ تجھے میرے لئے منتخب کیا۔ اَور کسی
دُوسرے کے لئے نہیں منتخب کیا ———— ۶۰

اِس بات کے کہ اُنکے قلم کی تحریر تجھ پر ہے ———— ۴۰

اِس بات کے کہ اُنکے چہرے کا عکس تجھ پر پڑا۔ کیونکہ وہ
فرماتے ہیں کہ یہ خط رات کو لکھا ہے ———— ۵۰۰

کیا؟ پھر سَو سے زیادہ ہوگئے؛ یہ ٹھیک نہیں + اچھا تیسری بار پھر امتحان

رہیگا۔ اِستنبول میں یُوں تو سینکڑوں رسٹوراں یورپی نمونے کے ہیں۔ مگر اُنکی کیفیت عام طور پر معلوم ہے۔ کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے۔ اور نہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ہاں ترکی قہوہ خانہ یہاں کا ایک اعجوبہ ہے۔ فرانس اور انگلستان وغیرہ میں جو رونق شراب خانوں کو ہے وُہ یہاں قہوہ خانوں کو ہے۔ جس طرح وہاں غریب سے غریب مزدُور بھی تھوڑی سی شراب پینے شراب خانے میں ضرور جاتا ہے۔ اِسی طرح یہاں کے مزدوری پیشہ اور کام کاج والے لوگ اور بہت سے بیکار لوگ بھی قہوہ خانے کو رونق دیتے ہیں۔ تیسرے پہر قہوہ جی یعنے قہوہ بیچنے والا چھوٹے چھوٹے رسیوں سے بُنے ہُوئے مونڈھے دوکان کے باہر فرش پر قطار در قطار رکھ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ راستہ قریب قریب رُک جاتا ہے۔ اور لوگ آ کر اُن پر بیٹھنے شروع ہوتے ہیں۔ کوئی تو دن بھر کی محنت سے تھک کر آتے ہیں اور آرام کے مستحق ہوتے ہیں۔ کوئی گھر کے آرام سے اُکتا کر باہر نکل آتے ہیں کہ رہگزر کے تماشے سے دل بہلائینگے۔ وہیں حقہ پیتے ہیں۔ وہیں قہوہ کی کئی کئی پیالیاں پی جاتے ہیں۔ اور اکثر ہاتھ میں تسبیح لے آتے ہیں۔ اسے بھی ہلاتے رہتے ہیں یہاں عجیب عجیب فیشن نظر آتے ہیں۔ ایک کا انداز دُوسرے سے جُدا ہوتا ہے مگر عادات میں اتحاد ہے۔ شطرنج کا شوق بہت عام ہے اور ہر قہوہ خانے میں کئی کئی شطرنج بچھے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت لوگ کھیلتے رہتے ہیں۔ آپ کو اگر قہوہ کا شوق نہیں۔ تو شربت یا کوئی اور ایسی ہی چیز مانگ لیجئے۔ اور اس گروہ کا جو یہاں جمع ہو رہا ہے جزو بن جائیے۔ پھر دیکھیئے اگر گھنٹوں بیٹھنے کے بعد بھی آپ کا جی اُکتا جائے تو کہئے۔ طرح طرح کے لوگ سامنے سے گذر رہے ہیں۔ وُہ آپ کو تماشا سمجھتے ہیں اور گھورتے ہیں۔ آپ انہیں تماشا سمجھیے اور گھوریئے۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد +

عبد القادر (قسطنطنیہ)

ان قبروں کو ذرا غور سے دیکھنے سے پہلے ایک فاتحہ پڑھ کر ان دلیروں کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔ جنہوں نے زمانۂ گذشتہ میں اپنی جانیں ہتھیلی پہ رکھ کر ایشیا کا سکہ یورپ کے دل پر بٹھلانے کی خاطر سرحدِ یورپ کو اپنا مدفن بنایا ہے۔ فاتحہ پڑھتے وقت حضورِ قلب حاصل کرنے کے لئے آنکھ خود بخود بند ہو گئی۔ بعد فاتحہ جو آنکھ کھلی تو یہاں کے قبرستان کا ایک نیا دستور نظر آیا۔ ہر قبر پر ایک بڑا سا پتھر کا کتبہ استادہ ہے۔ جس پر عربی یا ترکی میں مرحوم کے اوصاف لکھے ہیں اور اس کے لئے دعائے خیر لکھی ہے۔ اور اس پتھر کے سر پر یا عمامے کی صورت ہے۔ یا ترکی ٹوپی کی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس تُربت میں مرد مدفون ہے۔ عورتوں کی تُربت کے لئے نشان جدا ہے۔ جو عموماً ایک سنہری سا پھول ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی عورت بیاہ کے بغیر مر گئی ہو تو اُس کے کتبے کی زینت خاص کوشش سے کی جاتی ہے۔ گویا جس زینت سے وہ محروم گئی۔ اس کا کچھ حصہ اس کے مدفن کو دیا جاتا ہے۔ مجھے یہ رسم نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ گو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے جائز ناجائز یا مناسب نامناسب ہونے کے متعلق بزرگانِ دین کی کیا رائے ہو۔

ترکی قہوہ خانہ۔ یادِ رفتگان گو ہمارا ایک فرض ہے۔ اور اسی لئے اس کو ادا کرنا لازم سمجھا۔ لیکن زندوں کو زندوں سے زیادہ کام ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اکثر احباب کہیں گے۔ کہ مناظر کے ذکر میں پہلے ہی اسے قبرستان کہاں سے یاد آگیا۔ [illegible] ابھی وقت صبح کا [illegible] ناز کا وقت [illegible] ہے۔ [illegible] سورج [illegible] ابھی کچھ برف وغیرہ کا شوق ہو تو کھا لیجئے۔ ایک پاؤ گھنٹے میں آپ کو پیرا پل پر لے چلتا ہوں۔ اور اُس پر سے استنبول کی طرف جاتے ہوئے جو پہلا قہوہ خانہ آئے گا۔ وہاں آپ کو بٹھا دونگا۔ بیٹھے بیٹھے جہان کی سیر کرتے

نصیب ہوا ہے۔ اِس سے مسرت ہوئی۔ ساتھ ہی خیال آیا۔ کہ ابھی پھر یورپ واپس جانا ہے۔ اور وطن پہنچنے میں ابھی عرصہ باقی ہے۔ اس سے قلق ہوا۔ آخر میں عقل نے دل کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ لنڈن بیٹھے وطن سے جتنی دُور تھے دونوں کے حساب سے دیکھو تو ایشیا کے اس کنارے پر اُس سے زیادہ دُور ہو۔ اگر بغداد کی ریل بن چکی ہوتی جب کسی قدر قریب ہوتے۔ آخر سب خیالات اور دلائل پر یہ خیال غالب آیا۔ کہ یہ ایشیا ہے۔ اگر اس میں کچھ شک بھی ہوتا تو چند قدم چلنے میں شک رفع ہو جاتا۔ گاڑیاں ایشیائی وضع کی مسافروں کو لینے کے لئے کھڑی ہیں۔ گاڑی والے مسافروں کے بُلانے میں اُسی طرح ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ گاڑیوں کے اڈے سے آگے چلیں تو کئی دوکانیں میوہ اور سبزی بیچنے والوں کی ہیں۔ کہیں خربوزوں کے ڈھیر زمین پر لگے ہوئے ہیں اور کہیں تربوزوں کے۔ غریب لوگ وہیں خرید کر پاس بیٹھ کھا رہے ہیں۔ نان بائی کی دوکان پر نان کباب گرما گرم کی دعوت ہو رہی ہے۔ سگ و درویش شہر کے یوروپی حصے میں بھی موجود تھے۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ پہچانتے ہیں کہ یورپ میں ہیں۔ یہاں وُہ آگاہ معلوم ہوتے ہیں کہ ایشیا ہے۔ اور وُہ آزاد ہیں۔ اور کوئی آزاد ہو نہ ہو۔

تُرکی قبرستان۔ شہر کا چکر ختم کر کے بیرون شہر نکل جائیں تو عجب عبرت خیز نظارہ پیش نظر ہوتا ہے۔ اسکودار کا قبرستان میلوں میں ہے۔ اور سرو جو یہاں خفتگان خاک کی پاسبانی کرتے ہیں۔ سمندر سے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس قبرستان کی تاریخ تو خدا ہی جانے۔ صدیوں سے آباد ہے۔ اسے دیکھتے تو معلوم ہوتا ہے جیسے شہر میں زندہ کوئی نہیں ہوگا اور شہر کی آبادی دیکھ کر (خدا اسے چشم زخم عالم سے بچائے) یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی مرتا نہیں

کے سقے کی طرح ایک بھاری چمڑے کی کھال کندھوں پر لادے ہوئے نہیں ہے بلکہ
ایک شیشہ پانی کا ہاتھ میں لئے ہے جو ہمارے ہاں کے گلاب یا بید مشک یا کیوڑے
کے شیشے کی طرح ٹوکرے میں رکھا ہوا ہے۔ اور اُس سے پانی نکال نکال کر
گلاسوں میں لوگوں کو پلاتا ہے۔ غرض استنبول کے اِس ایک مقام کی رنگا رنگی
کے بیان سے بھی قلم عاجز ہے۔ بہتر ہے کہ اب اس منظر کو چھوڑ کر کسی اَور منظر کو لیں۔
وا پور۔ پل کے وسط کے قریب جہاں ہم کھڑے سیر دیکھ رہے ہیں۔ ایک
کھڑکی کے گرد ہجوم ہے۔ لوگ کہیں جانے کے لئے ٹکٹ لے رہے ہیں۔ آئیے ہم
بھی ٹکٹ لے لیں۔ ٹکٹ گھر کے پاس چند زینے نیچے اُتر کر ایک سیڑھی لگی ہے۔ اُس
سے تختۂ جہاز پر چڑھ جائیے۔ جہاز دخانی ہے۔ اسے عربی اور ترکی میں وا پور
کہتے ہیں (یہ لفظ اصل میں فرانسیسی سے لیا گیا ہے) یہ جہاز مخصوصہ کمپنی کا ہے جس کے
جہاز استنبول کے قرب وجوار میں دن میں کئی دفعہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ انکا انتظام
خاصہ ہے۔ اسی قسم کے جہازوں سے جو ہم نے اَور جگہ دیکھے ہیں۔ کسی طرح بُرے
نہیں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں بجائے ایک خاص حصۂ جہاز
میں گراں قیمت پر ملنے کے تختۂ جہاز پر ارزاں بکتی ہیں۔ مسافروں کی آسائش کے
لئے متفرق چیزیں بیچنے والے کمپنی کی اجازت سے جہاز پر آجاتے ہیں۔ اور لوگ
بیٹھے کھاتے پیتے چلے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ جہاز سقوطری کی طرف جسے سکوداؔ
بھی کہتے ہیں۔ اور جو قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ ہے۔ جا رہا ہے۔ چلے کو بیس منٹ
ہوئے ہونگے کہ ہم ساحل ایشیا پر آپہنچے۔ یہ کیونکر کن خیالات کا ہجوم ہو گیا
دل پر ہوا۔ جس دن سے میں ایشیا کو چھوڑ کر یورپ آیا ہوں۔ اس دن سے
اس ... سرزمین کے ساتھ محبت اور بڑھ گئی ہے۔ خیال آیا کہ گو وطن سے
ایشیا کا یہ گوشہ نہایت دُور ہے۔ پھر بھی ایشیا ہے جسے دو سال بعد دیکھنا

خریدتی ہیں۔ ریل پر سوار ہوتی ہیں۔ جہاز پر ایک جگہ سے دُوسری جگہ جاتی ہیں۔ مگر کیا ریل پر کیا جہاز میں اُن کے لئے مردوں سے علیحدہ جگہ بنی ہوئی ہے۔ بُرقعہ عموماً ریشمی ہوتا ہے اور وہ کام دیتا ہے۔ جو ایک نہایت کھُلی ساڑہی (جو انگریزی لباس کے اوپر اُس لباس کو ڈھانپنے کے لئے باندھ لی جائے) دے سکے۔ ایک سیاہ ریشم کا نقاب مُنہہ پر پڑا رہتا ہے۔ گو بعض سن رسیدہ عورات یا بعض منچلی نوجوان عورتیں اسے اُٹھا کر بھی چلتی ہیں۔ مستورات کے اُس جھُنڈ میں جو نظر آیا تھا۔ ایک حبشی عَورت بھی ہے۔ جو مُنہہ سے نقاب اُلٹے ہُوئے پیچھے پیچھے چل رہی ہے۔ یہ کوئی خادمہ ہے۔ جسے اُنہوں نے ساتھ لے لیا ہے۔ لیکن حبشی عورت اپنے ملک کی اکیلی قایم مقام نہیں جو اس پُل پر اسوقت چل رہی ہے۔ دو تین حبشی مرد بھی چلے جا رہے ہیں۔ وُہی چپٹی ناک۔ وہی سفید۔ نہایت سفید دانت۔ وہی موٹے موٹے ہونٹ۔ لباس پُورا ترکی۔ یعنی عُمدہ یورپین فیشن کا کوٹ پتلون اور اُس پر تُرکی ٹوپی۔ صورت سے خوشحال معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کی جیب سے سونے کی زنجیر بھی آویزاں ہے۔ یہ کون ہیں اور کیا کام کرتے ہیں۔ کسی سے پُوچھو تو سہی۔ جواب ملتا ہے کام یہ کیا کرینگے۔ یہ کسی بڑے حرم کے خواجہ سرا ہیں۔ چونکہ یہ قدیم رسم بڑے بڑے گھروں میں اب تک باقی ہے۔ یہ چند نمونے رہگزروں کے جو ہم نے انتخاب کئے۔ اِن سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سب سفید پوش اور خوشحال ہی پُل پر سے گذرتے ہیں۔ پھٹے کپڑوں والا غریب سائل بھی وہیں ہے۔ ایک طرف ایک نابینا حافظِ قرآن آیاتِ قرآنی باوازِ بلند پڑھ رہا ہے۔ کہ کوئی اس کی حالت پر رحم کھائے اور اسے کچھ دے جائے۔ کہیں مٹھائی والا مٹھائی بیچ رہا ہے۔ کہیں شربت والا شربت پینے کے لئے ہر ایک کو بلاتا ہے۔ ایک سقا بھی ہے جو محض ٹھنڈا پانی پلا کر دھیلا پیسہ لے لیتا ہے۔ گو یہ سقا ہمارے ہاں

سکے کی خوشنما قبا اور ٹوپی کے گرد سفید عمامے کے پیچ دامنِ دل کو کھینچتے ہیں۔
اور آنکھ کہتے ہیں کہ دیکھو باوفا اس طرح نباہ کرتے ہیں۔ زمانہ بدل جائے تو بدل
جائے۔ مگر یہ اپنے اصول پر ثابت قدم رہیں۔ انہیں کے ساتھ وہ سبز عمامے والے
حضرت کون گذر رہے ہیں۔ سبز عمامہ یہاں نشانِ سیادت ہے۔ سید سب سبز
عمامے پہنتے ہیں۔ اور یہ امتیاز انہیں کے لئے مخصوص ہے اور کوئی سبز عمامہ نہیں
پہن سکتا۔ اچھا تو یہ حضرت خاندانِ نبویؐ کی یادگار ہیں۔ اِن کے برابر ایک ٹوپی پوش
فرنگی گذر رہا ہے۔ لیکن کس سادگی سے۔ نہ وہ سمجھتا ہے کہ ہمچو ما دگرے نیست۔
نہ ہمارے اِن حضرت کو یہ خیال ہے کہ اس سے چھو گئے تو دامنِ عبا پلید ہو جائیگا۔
سامنے سے ایک ارمنی پادری آ رہا ہے۔ سیاہ چوغہ۔ کھلی آستینیں۔ سیاہ اونچی
ٹوپی۔ بہت بڑی ڈاڑھی۔ اور بال لمبے جنہیں وہ چوٹی کی طرح لپیٹ کر پیچھے
لٹکائے ہوئے ہے۔ یہ نئی چیز دیکھنے میں آئی۔ یہی وہ عالی جناب ہیں جو اکثر چپکے
چپکے کمیٹی کے کمرے کر دیا کرتے ہیں۔ اِس وقت تو بہت بھولے بھالے غریب
سے نظر آتے ہیں اور نہایت امن پسندی سے جا رہے ہیں۔ مگر ہیں طرفہ معجونِ مرکب۔
عادات میں مشرقی۔ تعصب میں مغربی۔ آزادی کی اہمیت کم۔ مگر شوق زیادہ۔ لیکن
اِن کے دیکھنے میں کون زیادہ وقت صرف کرے۔ اِن سے بڑھ کر ایک قابلِ توجہ
نظارہ موجود ہے۔ وہ سیاہ ریشمی برقعے سے کیا چلے آ رہے ہیں۔ آہا یہ ترک
مستورات ہیں۔ ترکوں کی اکثر رسمیں [illegible] اور مشرقی تمدن کی ترکیب سے پیدا ہوئی
ہیں۔ اِنہی میں عورتوں کا پردہ ہے۔ جو نہ ہندوستان کے مسلمان شرفا کے ہاں
کے پردے کی طرح حد سے بڑھا ہوا ہے اور نہ یورپ کی بے پردگی کی طرح
حد سے گزر [illegible] کے جیسے کہ نہ خدا ملا کی اجازت دیتا ہے۔ ہاں یہ ہے۔
کہ ترکی عورتیں اپنے خاص برقعے پہن کر گھر سے باہر نکلتی ہیں۔ بازار میں سودے

ہے وہ یہ ہے۔ کہ اس کے بانیوں نے اس کے لئے ایسا موقعہ ڈھونڈا ہے جس نے اسے سارے جہان کا انتخاب بنا دیا۔ ایک طرف ایشیا اپنی قدامت کو سنبھالے کھڑا ہے اور دوسری طرف یورپ اپنی جدت طرازی پر اترا رہا ہے اور درمیان میں استنبول ہے گویا ایشیا کا یورپ سے ڈانڈا ملا ہوا ہے۔ ایک طرف سے استنبول یورپ کی اقوام مختلف کا مرجع ہے اور دوسری طرف سے ایشیا کی قومیں اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ خصوصاً ایشیا کی مسلمان اقوام کو اس مقام کی قدرتی خوبیوں اور اس کے تجارتی فوائد کے سوا یہاں مذہبی کشش بھی ہے۔ مزید برآں خود ملک کے اندر بھی مختلف مذاہب اور اقوام کی کمی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ

جمگھٹا ہے اس میں ترک و فرس و روم و زنگ کا
یعنی گلدستہ ہے اک گلہائے رنگا رنگ کا

پُل کی سیر۔ آؤ تھوڑی دیر کے لئے اُس پل پر کھڑے ہو جائیں جو اس خلیج پر بنا ہوا ہے جسے اہل یورپ "شاخ زرین" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ دیکھنے کو تو یہ پل پرانا اور خستہ سا ہے۔ اور سنتے ہیں کہ کسی جرمنی کمپنی کو ایک نیا اور شاندار پل بنانے کے لئے ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ مگر اس کی دقیانوسی ساخت سے درگزر کر کے اُس انبوہ پر تو ذرا نظر ڈالو۔ جو پل پر سے گزر رہا ہے۔ بوڑھے۔ جوان۔ پُرانے۔ نئے۔ عورت۔ مرد۔ کالے۔ گورے۔ فرنگستانی اور ایشیائی کس طرح ملے جُلے گزر رہے ہیں۔ کوئی اکڑ کر نہیں چلتا کہ اس مقبول گزرگاہ سے ہو کر نکلنا صرف اُسی کے لئے روا ہے۔ مساوات کے اصول کا حق یہاں ادا کیا ہے اور تصویر کی بوقلمونی درجۂ کمال کو پہنچا دی گئی ہے۔ اس سے دلاویز تر چشم تصور نے بھی نہ دیکھی ہو۔ سُرخ ترکی ٹوپیاں اور اُنکے کالے پھندنے سب سے پہلے اپنی کثرت کی وجہ سے نظر کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ مگر کسی پُرانی وضع

مخزن
[illegible] اسلامیہ [illegible]
اکتوبر ۱۹۰۹

استنبول

اُسکے دلچسپ مناظر

(۱)

[illegible] آستنبول دیکھوں۔ آخر پوری ہوئی۔ اب تین ہفتے سے میں [illegible] [illegible] ختم ہوتی ہے۔ [illegible] یورپ کے اکثر سیاحوں نے لکھا ہے کہ یہ شہر تو لاجواب ہے۔ مگر اس کی گلیاں خراب ہیں۔ گلیوں میں صفائی کا انتظام ٹھیک نہیں۔ اِن سے بدبو آتی ہے۔ ان میں قدم قدم پر کُتے لیٹے رہتے ہیں۔ [illegible] لیکن اگر [illegible] اس شہر [illegible] دلچسپیوں [illegible] آنکھ [illegible] تو وہ ان عیوب سے قطع نظر کر [illegible] [illegible] بہ نسبت سابق بہت کم ہوگئے ہیں اور امید ہے کہ روز بروز صفائی میں ترقی اور سڑکوں اور رستوں کی درستی پر زیادہ توجہ ہوتی جائیگی۔ دیکھنے کی جو چیز اس شہر میں